خطبات نور

مجموعہ خطبات

حضرت حکیم مولانا مولوی نورالدین

خلیفة المسیح الاول

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

عرض حال بارِ دوم

شکر ایزدی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و رحم ہے کہ اس نے ۱۹۱۳ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حضور کی منظوری سے خطباتِ نور دو جلدوں میں شائع کرنے کی توفیق عطا کی۔ جو بہت مقبول ہوئے مگر اب نایاب ہیں۔

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے خطبات جمعہ، عیدین اور نکاح کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا اور مسودہ جو میں نے اخبار الحکم و بدر قادیان سے مرتب کیا تھا، حضور کی خدمت میں پیش کیا تو حضور نے دیکھ کر خوشنودی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:-

"میرے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ان کو جمع کرے گا۔ بڑی محنت کی ہے۔ جیسی آپ نے ان سے محبت کی ہے، خدا آپ سے محبت کرے۔"

خطبات شائع کرنے کے لئے حضور کی اجازت ضروری تھی۔ میری درخواست پر حضور نے فرمایا:-

بابو عبد الحمید صاحب نے میری اجازت سے اور مجھے مسودات دکھانے کے بعد میرے خطبات کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس اخلاص کے واسطے انہیں جزائے خیر دے اور ان کے کام کو بابرکت کرے۔"

نور الدین ۲۰ جون ۱۹۱۲ء

فہرست

۱

۲۷ جنوری ۱۸۹۹ء
بمقام دھاریوال

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحَابُ النَّارِ وَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔

(الحشر:۱۹تا۲۱)

اور پھر فرمایا:۔
یہ کلمات طیبات جن کو میں نے ابھی پڑھا ہے قرآن شریف کی آیتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کا کامل کلام ہے۔ ان پاک آیتوں میں تاکید یہ ہوتی ہے کہ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ لوگو! گو مومن کہلاتے ہو (اور تم اس بات کو جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ گندوں اور ناپاک لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ وہ پاک ہے۔ پس وہ

قدوس خدا پاکیزگی اور طہارت چاہتا ہے) تو پھر اس دعوائے ایمان کے ساتھ متقی بن جاؤ۔ اور متقی بھی ظاہر کے نہیں۔ اس لئے نہیں کہ لوگ تمہیں متقی اور پرہیزگار کہیں یا مجلسوں میں تمہاری تعریف کریں۔ نہیں! نہیں!! اِتَّقُوااللّٰہَ اللہ تعالیٰ کے متقی بنو۔ متقی کے لئے یہ ضروری باتیں ہیں۔

اولاً۔ ہر ایک کام جب کرو' اٹھتے' بیٹھتے' چلتے' پھرتے' دشمنی میں' دوستی میں' عداوت اور محبت میں مقدمہ ہو یا صلح ہو' غرض ہر حالت میں یہ امر خوب ذہن نشین رکھو کہ نہیں معلوم موت کی گھڑی کس وقت آ جاوے۔ وہ کونسا وقت ہو گا جب دنیا سے اٹھ جاویں گے اور اس وقت ماں' باپ' بیوی' بچے' دوست' یار' کنبے کے بڑے بڑے' ہمدردی کا دم بھرنے والے انسان' مال' دولت' غرض کوئی چیز نہ ہو گی جو اس وقت ساتھ دے سکے۔ اس وقت اگر کوئی چیز ساتھ جا سکے گی تو وہ وہی انسان کا عمل ہو گا خواہ اچھا ہو' خواہ برا ہو اور جیسا عمل ہو گا ویسا ہی اس کا پھل ملے گا۔

جیسے تم ہر روز دنیا میں دیکھتے ہو کہ ایک زمیندار گیہوں کے بیج بو کر جو' یا جو بو کر گنے کا پھل نہیں لے سکتا پس اسی طرح پر جیسے عمل ہوں گے' بدلہ ان کے ہی موافق اور رنگ کا ہو گا۔ یہی سچی بات ہے کہ بھلے کام کا پھل دنیا اچھا اٹھاتی ہے۔ پس یہ بات ضرور ضرور یاد رکھو کہ جن کی خاطر انسان عداوتیں اور دشمنیاں کرتا ہے اور مکرو فریب اور کیا کیا شرارتیں کرتا ہے' وہ اس آخری ساعت میں اس کے ساتھ نہ جائیں گی۔ اکیلا ہی آیا ہے اور اکیلا ہی چلا جائے گا۔ بادشاہوں کی بادشاہت' امیروں کی امارت' دوستوں کی دوستی' کنبہ' گھر' پڑوس' گاؤں اور سارے شہر کے رشتہ دار یہیں رہ جاتے ہیں۔ پس ان ساری باتوں کو غور کرو اور موت کی آنے والی اور یقیناً آنے والی اور نہ ٹلنے والی گھڑی کا خیال رکھو اور اس خیال کے ساتھ ہی کل کا فکر آج کرو اور اپنے اعمال کا محاسبہ اور پڑتال کر لو کیونکہ نیک بدلہ تب ہی ملے گا جب کہ اعمال بھی نیک ہوں گے۔

ثانیاً۔ متقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ایمان سچا ایمان ہو اور اس کے عقائد نیک عقائد ہوں اور پھر اس پر اعمال بھی نیک ہوں۔ ایمان کے اصول صاف ہیں۔ قدوس اور پاک خدا قدوسیت چاہتا ہے۔ ناپاک انسان پاک ذات سے تعلق پیدا نہیں کر سکتا۔ تم اپنے اندر اس بات کو دیکھو کہ کیا کوئی بھلا مانس اور شریف پسند کرتا ہے کہ وہ بدمعاش اور بدنام آدمیوں کے ساتھ ملے اور تعلق پیدا کرے۔ پھر اس پر قیاس کرو کہ وہ خدا جو قدوسوں کا قدوس اور پاک ہے' جو تمام محامد اور خوبیوں کا مجموعہ اور سرچشمہ ہے' کب پسند کر سکتا ہے کہ گندے اور ناپاک لوگ اس سے تعلق رکھ سکیں۔ پس اگر خدا سے رشتہ قائم رکھنا چاہتے ہو اور اس کو خوش کرنا پسند کرتے اور ضروری سمجھتے ہو تو خود بھی پاک ہو جاؤ اور اس پر سچا

ایمان لاؤ کہ تمام محامد اور تعریفوں اور خوبیوں کے لئے وہی ایک پاک ذات سزاوار ہے۔ جس طرح سے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم کرتا اور شفقت اور پیار کی نگاہ سے دیکھتا ہے تم بھی اس کی مخلوق کے ساتھ سچی محبت اور حقیقی شفقت کرو اور رحم اور ہمدردی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرو۔ میں پھر کہتا ہوں سوچو اور غور کرو کہ تقویٰ کے سوا فائدہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے صاف صاف لفظوں میں اس بات کو کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ مغرب یا مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا ہی نیکی نہیں بلکہ سچا ایمان خدا کو مطلوب ہے۔ اس لئے اس بات پر ایمان لاؤ کہ وہ خدا قدوس ہے' تمام رحمتوں' بزرگیوں اور سچائیوں کا سرچشمہ ہے اور اس کے قرب کے لئے ضروری ہے کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا پورا لحاظ رکھیں۔

خدا تعالیٰ کی صفت ہے کہ بدکار اور غافل بھی اس کی ربوبیت سے فیض پاتے ہیں اور حصہ لیتے ہیں۔ پس تم بھی خدا کی مخلوق کے ساتھ مہربانی' نیکی اور سلوک کرنے میں مسلم' غیر مسلم کی قید اٹھا دو اور تمام بنی نوع انسان سے جہاں تک ممکن ہو احسان کرو۔ خدا رَبُّ الْعَالَمِیْن ہے۔ یہ بھی رَحِیْمٌ لِّلْعَالَمِیْن ہو جاوے۔ پس یہ تقویٰ ہے۔

ایسے لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جن کی نسبت فرمایا کہ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ یعنی جنھوں نے اس رحمت اور پاکی کے سرچشمہ قدوس خدا کو چھوڑ دیا اور اپنی شرارتوں' چالاکیوں' ناعاقبت اندیشیوں' غرض قسم قسم کی حیلہ سازیوں اور روباہ بازیوں سے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ مشکلات انسان پر آتی ہیں۔ بہت سی ضرورتیں انسان کو لاحق ہیں۔ کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے۔ دوست بھی ہوتے ہیں۔ دشمن بھی ہوتے ہیں۔ مگر ان تمام حالتوں میں متقی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ خیال اور لحاظ رکھتا ہے کہ خدا سے بگاڑ نہ ہو۔ دوست پر بھروسہ ہو تو ممکن ہے کہ وہ دوست مصیبت سے پیشتر دنیا سے اٹھ جاوے یا اور مشکلات میں پھنس کر اس قابل نہ رہے۔ حاکم پر بھروسہ ہو تو ممکن ہے کہ حاکم کی تبدیلی ہو جاوے اور وہ فائدہ اس سے نہ پہنچ سکے اور ان احباب اور رشتہ داروں کو جن سے امید اور کامل بھروسہ ہو کہ وہ رنج اور تکلیف میں امداد دیں گے' اللہ تعالیٰ اس ضرورت کے وقت ان کو اس قدر دور ڈال دے کہ وہ کام نہ آسکیں۔ پس ہر آن خدا سے تعلق نہ چھوڑنا چاہئے جو زندگی' موت کسی حال میں ہم سے جدا نہیں ہو سکتا۔

پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم دکھوں سے محفوظ نہ رہ سکو گے اور سکھ نہ پاؤ گے بلکہ ہر طرف سے ذلت

کی مار ہو گی اور ممکن ہے کہ وہ ذلت تم کو دوستوں ہی کی طرف سے آ جاوے۔ ایسے لوگ جو خدا سے قطع تعلق کرتے ہیں وہ کون ہوتے ہیں؟ وہ فاسق' فاجر ہوتے ہیں۔ ان میں سچا اخلاص اور ایمان نہیں ہوتا۔ یہی نہیں کہ وہ ایمان کے کچے ہیں۔ نہیں۔ ان میں شفقت علیٰ خلق اللہ بھی نہیں ہوتی۔

یاد رکھو کبھی یہ بات نہیں ہو سکتی کہ قدوس کے متبع اور بھلے مانس ذلیل ہوں۔ نہیں۔ وہ دنیا میں' قبر میں' حشر میں' جنت میں عیش اور سچا آرام پاتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے جو آگ میں جل رہے ہیں برابر نہیں اور ہرگز نہیں۔ وہ لوگ جو سچے راستباز اور متقی ہیں اور ہمیشہ سکھ پاتے ہیں' یہ لوگ ہی آخر کار کامیاب ہونے والے ہیں۔

میں پھر آخر میں کہتا ہوں کہ کامل ایمان کے بدوں انسان اس درجہ پر نہیں پہنچتا۔ کامل ایمان یہی ہے کہ اسمائے الٰہی پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے کہ ایک ناپاک اور گندے کو ایک پاک اور مومن سے ملاوے اور گندے کو عزت دیوے۔ پھر کامل ایمان میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وسائط پر ایمان لاؤ۔ یعنی ملائکہ پر' اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ وفادار رہو۔ عسر و یسر میں قدم آگے ہی بڑھاؤ اور جزا و سزا پر ایمان لاؤ۔ نمازوں کو مضبوط کرو اور زکوٰتیں دو۔ غرض یہ لوگ ہوتے ہیں جو متقی کہلاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو اور مجھے توفیق دے کہ ہم متقی بن جاویں۔ یاد رکھو کہ دنیا سے وہی تعلق ہو جو خدا چاہتا ہے۔ آخر جیت راستبازوں ہی کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مخفی در مخفی حالات کا واقف ہے۔ ہمیشہ اس کے پاک قانون کے متبع بنو اور ہر حالت میں رضائے الٰہی کے طالب رہو اور اس پاک چشمہ سے دور نہ رہو۔ آمین۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۵ ---- ۱۰ر فروری ۱۸۹۹ء صفحہ ۸-۹)

☆-☆-☆-☆

یکم شوال ۱۳۱۶ھ

۱۳ فروری ۱۸۹۹ء

خطبہ عید الفطر

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ (سورۃ البقرۃ:۴۸-۴۹)

اور پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ ہمارا مالک، ہمارا خالق، ہمارا رازق، کثیر اور بے انتہا انعام دینے والا مولا فرماتا ہے کہ میری نعمتوں کو یاد کرو۔ انسان کے اندر قدرت نے ایک طاقت ودیعت کر رکھی ہے کہ جب کوئی اس کے ساتھ احسان کرتا ہے تو اس کے اندر اپنے محسن کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا (جامع الصغیر)۔ اور ایسا ہی اس آدمی سے اس کے دل میں ایک قسم کی نفرت اور رنج پیدا

ہو جاتا ہے جس سے اس کو کسی قسم کی تکلیف یا رنج پہنچے۔ اور یہ ایک فطرتی اور طبعی تقاضا انسان کا ہے۔
پس اسی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس مقام پر فرماتا ہے کہ اللہ کریم کے احسانوں کا مطالعہ کرو اور ان کو یاد کر کے اس محسن اور منعم کی محبت کو دل میں جگہ دو۔ اس کے بے شمار اور بے نظیر احسانوں پر غور تو کرو کہ اس نے کیسی منور اور روشن آنکھیں دیں جن سے وسیع نظارۂ قدرت کو دیکھتے اور ایک حظ اٹھاتے ہیں۔ کان دیئے جن سے ہر قسم کی آوازیں ہمارے سننے میں آتی ہیں۔ زبان دی جس سے کیسی خوشگوار اور عمدہ باتیں کہہ کر خود بخود خوش ہو سکتے ہیں۔ ہاتھ دیئے کہ جن سے بہت سے فوائد خود ہم کو اور دوسروں کو پہنچتے ہیں۔ پاؤں دیئے کہ جن سے چل پھر سکتے ہیں۔ پھر ذرا غور تو کرو کہ دنیا میں اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ادنیٰ سا احسان بھی کرتا ہے تو وہ اس کا کس قدر ممنون ہوتا ہے اور ہر طرح سے اس احسان کو محسوس کرتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے احسان جو کل دنیا کے احسانوں سے بالا اور بالاتر ہیں۔ اور جو سچ پوچھو تو وہ احسان بھی جو دوسرا ہم سے کرتا ہے دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے احسان ہیں جس نے یہ توفیق عنایت فرمائی۔ کوئی کسی کو نوکر کرا دیتا ہے یا دعوت کرتا ہے یا کپڑا دیتا ہے۔ پر سوچو تو سہی کہ اگر خداداد طاقتیں نہ ہوں تو ہم کیا سکھ ان سے اٹھا سکتے ہیں۔ دعوت میں عمدہ سے عمدہ اغذیہ اور کھانے کے سامان ہوں لیکن اگر قے کا مرض ہو یا پیٹ میں درد ہو تو وہ کھانے کیا لطف دے سکتے ہیں اور ان سے کیا مزہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ عمدہ سے عمدہ چیز بجز فضل الٰہی فائدہ اور سکھ نہیں دے سکتی۔ یہ روشنی جس سے ہزارہا سکھ اور فائدے پہنچتے ہیں، کس نے دی؟ اسی نے جو نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور:۳۶) ہے۔ ہوا، پانی، کس نے عطا فرمایا؟ اسی منعم حقیقی کی نعمتوں اور برکتوں کا ایک شعبہ ہے۔ سرسبز کھیت اور باغوں میں پھل لگانا اس کی نوازش اور عنایت ہے۔ غرض کل دنیا کی نعمتوں سے جو انسان مالا مال ہو رہا ہے یہ اس کی ہی ذرہ نوازیاں ہیں۔ جسمانی نعمتوں اور برکتوں کو چھوڑ کر اب میں ایک عظیم الشان نعمت، روح کے فطرتی تقاضے کو پورا کرنے والی نعمت کا ذکر کرتا ہوں۔ وہ کیا؟ یہ اس کا پاک اور کامل کلام ہے جس کے ذریعے سے انسان ہدایت کی صاف اور مصفا راہوں سے مطلع اور آگاہ ہوا اور ایک ظلمت اور تاریکی کی زندگی سے نکل کر روشنی اور نور میں آیا۔ ایک انسان دوسرے انسان کی، باوجود ہم جنس ہونے کے، رضا سے واقف نہیں ہو سکتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی رضا سے واقف ہونا کس قدر محال اور مشکل تھا۔ یہ خدا تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنی رضا کی راہوں کو بتلانے اور اپنی وراء الوریٰ مرضیوں کو ظاہر کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ قائم فرمایا۔ انسان دنیا کے عجائبات اور خداداد چیزوں میں غور کر کے سکھ پاتا ہے۔ لیکن وہ ابدی اور دائمی خوشی جو خود اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے کیسی سچی ہوگی۔

کس قدر کاوش اور تکلیف سے جسمانی سکھ حاصل کرنے کے لئے انسان کپڑا اور غذا بہم پہنچاتا ہے۔ مگر ایک وقت آتا ہے کہ کپڑا پھٹ جاتا ہے اور غذا کا فضلہ باقی رہ جاتا ہے۔ روحانی نعمتیں ابدالآباد کی راحتیں ہیں۔ دنیا میں' مرنے میں' جنت میں' حشر و نشر میں ہمارے ساتھ ہیں۔ غرض خدا تعالیٰ کے دلچسپ انعامات میں سے انبیاء اور رسل کا بھیجنا ہے۔

گزشتہ ایام میں چونکہ رستے صاف نہ تھے' تعلقات باہمی مضبوط نہ تھے' اس لئے ایک ایک قوم میں نبی اور رسول آتے رہے۔ جب مشرق اور مغرب اکٹھا ہونے لگا' خدا کے علم میں وہ وقت خلط ملط کا آگیا تو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ انبیاء علیہم السلام اور جس قدر رسول آئے فرداً فرداً قوموں کی اصلاح کے لئے آئے۔ ان کا جامع اور راستبازوں کی تمام پاک تعلیموں کا مجموعہ قرآن کریم ہے جو جامع اور مہیمن کتاب ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البينة:۴) فرمایا۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے لئے ایک مشکل یہ پیش آتی تھی کہ ان میں کوئی خلیفہ اور کوئی یاد دلانے والا نائب نہ ہوتا تھا۔ اس لئے لوگ بے خبر ہو جاتے تھے اور قوم پھر سو جاتی تھی۔ مگر مولا کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دامن چونکہ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وسیع کر دیا ہے اور آپ کا ہی دعویٰ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۹) کا ہے اور ایسی مضبوط کتاب آپ کو عطا فرمائی' ممکن تھا کہ لوگ بے خبر رہتے' اس کی حفاظت کا انتظام بھی خود ہی مولا کریم نے فرما دیا۔ جیسے ظاہری حفاظت کے لئے قراء اور حفاظ ہیں' ایسے ہی باطنی تعلیم کے لیے ایک سامان مہیا فرمایا۔ ہزارہا مذاہب اس وقت دنیا میں نظر آویں گے۔ مگر جب دیکھا گیا تو انبیاء علیہم السلام کا ہی مذہب عمدہ پایا۔ کوئی درختوں کی پوجا کرتا ہے۔ کوئی پتھروں کے آگے سر جھکاتا ہے۔ افسوس انسان ہو کر حیوان اور بے جان استھان کی پرستش کرتا ہے۔ اور پھر ایک اپنے جیسے کھاتے پیتے' محتاج اور ناتواں انسان کو معبود مانتا ہے۔ ایسی صورت میں توحید کا پاک چشمہ مکدر ہو چکا تھا اور قریباً توحید پرستی کا نام و نشان مٹ گیا تھا۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس پاک چشمہ اور مبارک سلسلہ توحید کو قائم کیا اور پھر اس کی تکمیل کی۔ ہر ایک قسم کی گندی اور ناپاک بت پرستی کو دور کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے کسی اسم' کسی فعل اور کسی عبادت میں غیر کو شریک کرنا' یہ شرک ہے۔ اور تمام بھلے کام اللہ تعالیٰ ہی کی رضاء کے لئے کرے اس کا نام عبادت ہے۔ لوگ مانتے ہیں کہ کوئی خالق خدا تعالیٰ کے سوا نہیں۔ اور یہ بھی مانتے ہیں کہ موت اور حیات خدا تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں اور قبضۂ اقتدار و اختیار میں ہے۔ یہ مان کر بھی دوسرے کے لئے سجدہ کرتے ہیں' جھوٹ بولتے ہیں اور

طواف کرتے ہیں۔ عبادت الٰہی کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے روزوں کو چھوڑ کر دوسروں کے روزے رکھتے اور خدا تعالیٰ کی نمازوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے غیر اللہ کی نمازیں پڑھتے ہیں اور ان کے لئے زکوٰتیں دیتے ہیں۔ ان اوہام باطلہ کی بیخ کنی کے لئے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ انسان کی اوسط عمر ساٹھ' ستر' اسی۔ پس اس عمر کا انسان پچھلی صدی کے حالات تو پہچان سکتا ہے۔---------- یہ احسان ہے اللہ تعالیٰ کا جو اسلام سے مخصوص ہے کہ بھولی بسری متاع جیسا وقت ہوتا ہے اس کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس کو یاد دلانے والا بھیج دیتا ہے۔ یہ انعام ہے' یہ فضل اور احسان ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لائے تھے اور جس کے ضروری کاموں میں سے ایک یہ تھا کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا نہ ہمارا خالق ہے نہ رازق' نہ اس کے سوا علیم' نہ محیی' نہ ممیت' نہ سکھ دکھ دینے والا ہے۔ بلکہ صرف خدا ہی ہے جو سب کام کرنے والا ہے۔ سجدہ' رکوع' ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا ہو' پکارنا ہو' یہ سب کام صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں۔ ملائکہ پر ایمان لانا' اللہ تعالیٰ کی کتابوں' اس کے پاک رسولوں کو ماننا اور جزا و سزا پر ایمان لانا اور اس امر کا ماننا کہ ہر چیز کا اس نے اندازہ کیا ہے۔ یہ ایمان کے اصول ہیں۔ اپنے سب عقائد کو رضائے الٰہی میں لگا دینا ایک سچے مومن کا کام ہے۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرنا' اپنے مال میں سے ایک معین حصہ یعنی زکوٰۃ کا ادا کرنا' یتیموں' بیکسوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنا' رنج و راحت' بیماری' تندرستی' دکھ سکھ' غریبی' امیری' مقدمہ' مقابلہ' عسر یسر' صلح' عداوت میں خدا تعالیٰ کی رضاء کو ہاتھ سے نہ دینا' یہ اصول یہ پاک اور مبارک اصول' ممکن تھا کہ بھول جاتے جس طرح اور قومیں اپنی کتابیں کھو بیٹھیں۔ لیکن یہ خدا تعالیٰ کا فضل' اس کا کمال احسان ہوا کہ ایمان' عقائد' اخلاق فاضلہ کے سکھانے کے لئے اور اصلاح نفس اور تہذیب کے لئے وہ وقت پر اور عین ضرورت کے وقت پر اپنے پاک بندے پیدا کرتا رہتا ہے۔ بڑے ہی بد قسمت ہیں وہ لوگ جن کو ان بیدار کرنے والوں کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ اور بڑے ہی بد قسمت ہیں وہ لوگ جن کو خبر تو ہوتی ہے مگر وہ اپنی کسی خطاکاری کے برے نتیجے کی وجہ سے اس کو شناخت نہیں کر سکتے۔

غرض اس آیت میں خدا تعالیٰ اس فطرت کے لحاظ سے جو انسان میں ہے ارشاد فرماتا ہے کہ میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہیں۔ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ بنی اسرائیل کو کہتا اور مسلمانوں کو سناتا ہے کہ میں نے تم کو دنیا پر ایک قسم کی بزرگی عطا فرمائی ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکموں پر چلنے والا' آسمانی اور پاک علوم سے دلچسپی رکھنے والا جیسی زندگی بسر کر سکتا ہے اس سے بہتر اور افضل وہم میں

بھی نہیں آسکتی۔ منافق کا نفاق جب ظاہر ہوتا ہے تو اس کو کیسی شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ جھوٹ بولنے والے کے جھوٹ کے ظاہر ہونے پر' وعدہ خلافی کرنے والے کے خلاف وعدہ کام کرنے پر ان کو کیسا دکھ ہوتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ماننے والے مذہبی حیثیت سے اپنے پاک اور ثابت شدہ بین اور روشن عقائد اور اصول مذہب کے لحاظ سے کل دنیا پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ کے حضور کوئی صرف دعوے سے افضل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ مخفی در مخفی ارادوں اور نیتوں کو جانتا ہے۔ اس کے حضور نفاق کام نہیں آسکتا۔ بلکہ مَنْ جَآءَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ کام آتا ہے۔ سلامتی ہو۔ انکار نہ ہو۔ خدا سے سچی محبت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی اور خیر خواہی ہو۔ امر بالمعروف کرنے والا اور نَاهِيْ عَنِ الْمُنْكَرِ ہو۔ بدی کا دشمن' راستبازوں کا محب ہو۔ خدا تعالیٰ سے غافل اور بے پرواہ نہ ہو۔ یہ منشائے اسلام ہے۔ پس یاد رکھو کہ عقائد کے لحاظ سے دنیا میں بینظیر چیز اسلام ہے۔ میں راستی سے کہتا ہوں کہ ایمان کے لحاظ سے' اعمال کے لحاظ سے دنیا میں کوئی مذہب اسلام سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر میں یہ بھی ساتھ ہی کہوں گا کہ اسلام ہو۔ دعوائے اسلام نہ ہو۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (البقرة:۱۱۳) ساری توجہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف لگا دیوے اور ایسے طریق پر کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یا کم از کم اتنا ہی ہو کہ اس بات کو کامل طور پر سمجھے کہ خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کے انعام کو یاد کر کے اور یہ دیکھ کر کہ کیسی کتاب' کیسا مذہب اس نے عطا کیا ہے۔

دنیا کے دیگر مذاہب کی حفاظت کے لئے موید من اللہ' نصرت یافتہ پیدا نہیں ہوتے۔ اسلام کے اندر کیسا فضل اور احسان ہے کہ وہ مامور بھیجتا ہے جو پیدا ہونے والی بیماریوں میں دعاؤں کا مانگنے والا' خدا کی درگاہ میں ہوشیار انسان' شرارتوں اور عداوتوں کے بد نتائج سے آگاہ' بھلائی سے واقف انسان ہوتا ہے۔ جب غفلت ہوتی ہے اور قرآن کریم سے بے خبری ہوتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی راہوں میں بے سمجھی پیدا ہو جاتی ہے تو خدا کا وعدہ ہے کہ ہمیشہ خلفاء پیدا کرے گا جس کے سبب سے کل دنیا میں اسلام فضیلت رکھتا ہے۔

یہ امر مشکل نہیں ہوتا کہ ہم اس انسان کو کیونکر پہچانیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے۔ اس کی شناخت کے لئے ایک نشان منجملہ اور نشانوں کے خدا تعالیٰ نے یہ مقرر فرمایا ہے کہ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (النور:۵۶)۔ خدا فرماتا ہے کہ ہمارے مامور کی شناخت کیا ہے؟ اس کے لئے ایک تو یہ نشان ہے کہ وہ بھولی بسری متاع جس کو خدا تعالیٰ پسند کرتا ہے اس سے لوگ آگاہ ہوں اور غلطی سے چونک اٹھیں اور اسے چھوڑ دیں۔ اس کو پورا کرنے کے لئے اس کو ایک طاقت

دیجاتی ہے۔ ایک قسم کی بہادری اور نصرت عطا ہوتی ہے۔ اس بات کے قائم کرنے کے لئے جس کے لئے اس کو بھیجا ہے قسم قسم کی نصرتیں عطا ہوتی ہیں۔ کوئی ارادہ اور سچا جوش پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کی مدد کا ہاتھ ساتھ نہ ہو۔ بڑی بڑی مشکلات آتی ہیں اور ڈرانے والی چیزیں آتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان سب خوفوں اور خطرات کو امن سے بدل دیتا ہے اور دور کر دیتا ہے۔ ایک معیار تو اس کی راستبازی اور شناخت کا یہ ہے۔

اب ذرا ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر غور کرو۔ جب آپؐ نے دعوت حق شروع کی' تنہا تھے۔ جیب میں روپیہ نہ تھا۔ بازو بڑے مضبوط نہ تھے۔ حقیقی بھائی کوئی نہ تھا۔ ماں باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا تھا اور ادھر قوم کو دلچسپی نہ تھی۔ مخالفت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ مگر خدا کے لئے کھڑے ہوئے۔ مخالفوں نے جس قدر ممکن تھا دکھ پہنچائے' جلا وطن کرنے کے منصوبے باندھے' قتل کے منصوبے کئے' کیا تھا جو انہوں نے نہ کیا۔ مگر کس کو نیچا دیکھنا پڑا۔ آپ کے دشمن ایسے خاک میں ملے کہ نام و نشان تک مٹ گیا۔ وہ ملک جو کبھی کسی کے ماتحت نہ ہوا تھا آخر کس کے ماتحت ہوا۔ اس قوم میں جو توحید سے ہزاروں کوس دور تھی توحید پہنچادی اور نہ صرف پہنچادی بلکہ منوادی۔ خوف کے بعد امن عطا کیا۔ ان کے بعد ان کے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوئے۔ آپ کی قوم جاہلیت میں بھی چھوٹی تھی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی قوم میں سے بھی نہ تھے۔ پھر کیونکر ثابت ہوا کہ خلیفہ حق ہیں۔ اسامہ کے پاس بیس ہزار لشکر تھا اس کو بھی حکم دے دیا کہ شام کو چلے جاؤ۔ اگر اسامہ کا لشکر موجود ہوتا تو لوگ کہتے کہ بیس ہزار لشکر کی بدولت کامیابیاں ہوئیں۔ نواح عرب میں ارتداد کا شور اٹھا۔ تین مسجدوں کے سوا نماز کا نام و نشان نہ رہا تھا۔ سب کچھ ہوا۔ پر خدا نے کیسا ہاتھ پکڑا کہ رافضی بھی گواہی دے اٹھا کہ اسد اللہ الغالب کو خوف کی وجہ سے ساتھ ہونا پڑا۔ــــــــــــــــــ کیسا خوف پیدا ہوا کہ عرب مرتد ہو گئے۔ مگر سب خوف جاتا رہا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ بنائے تھے۔ اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ جب لوگ مامور ہو کر آتے ہیں تو خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی ہے۔ اس کے ہاتھ کا تھامنا یہ دکھلا دیتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں محفوظ ہوتا ہے۔ یاد رکھو جس قدر کمزوریاں ہوں' وہ سب معجزات اور الٰہی تائید میں ہیں۔ کیونکہ ان کمزوریوں ہی میں تائید الٰہی کا مزہ آتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کی دستگیری کیسا کام کرتی ہے۔ امیر دولت کے گھمنڈ سے' مولوی علم کے گھمنڈ سے' کوئی منصوبہ بازیوں اور حکام کے پاس آنے جانے کے گھمنڈ سے اگر کامیاب ہوتا ہے تو خدا کے بندے خدا کی مدد سے کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کے پاس سرمایہ' علوم اور سفر کے وسائل نہیں ہوتے۔ مگر عالم ہونے کی

لاف و گزاف مارنے والے ان کے سامنے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے پاس کتب خانے اور لائبریریاں نہیں ہوتیں۔ وہ حکام سے جا کر ملتے نہیں۔ مگر وہ ان سب کو نیچا دکھا دیتے ہیں جو اپنے رسوخ' اپنی معلومات کی وسعت کے دعوے کرتے ہیں۔ برادری اور قوم اس کی مخالفت کرتی ہے مگر آخر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح ان کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ یہی ہمیشہ ان کی پہچان ہوتی ہے۔

غرض راستباز اور مامور کی شناخت کے یہ نشان خدا تعالیٰ نے خود ہی بیان فرما دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اپنے انعام یاد دلاتا ہے۔ ہر ایک مخلوق مخلوق ہونے' اچھی قوم میں پیدا ہونے کو دیکھے۔ مگر اس میں شبہ پڑے گا کہ اور بھی شریک ہیں۔ پھر عقائد کو دنیا کے مقابلہ میں رکھے۔ میں نے مذاہب کو بے تعصب ہو کر ٹٹولا ہے' بت پرستوں' آریوں' براہموؤں کو دیکھا ہے۔ جب ہم ایک خدا کے عقیدے کو پیش کرتے ہیں تو کوئی مذہب بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اللہ تعالیٰ کو تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ مانتا ہو۔ یہ فخر اسلام اور صرف اسلام کو ہے۔ اس کے ساتھ کیا کوئی عقیدہ مل سکتا ہے؟ پھر انبیاء کو جنہوں نے چھوڑا اور اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے اسے پانا چاہتے ہیں وہ ایک گڑھے میں گر رہے ہیں۔

ایک مشہور براہمو لیکچرار نے نہایت جوش سے اپنے لیکچر میں کہا کہ اے خدا! میں ہندوستانیوں کو تیرے پاس پہنچانا چاہتا ہوں مگر وہ نہیں آتے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اس کا یہ فقرہ سن کر میں دعا میں گر گیا اور دعا کی کہ اے خدا! تو میرے دل کو کھول دے۔ پھر میں استقلال سے اوپر آیا اور کہا کہ میں ایک عرض کرنی چاہتا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ میں ہندوستانیوں کو خدا کے حضور پہنچانا چاہتا ہوں۔ میں تیار ہوں۔ مگر آپ اتنا فرما دیں کہ کیا آپ یقیناً یقیناً مجھے اس کے حضور پہنچا دیں گے؟ چونکہ اس کا انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان نہ تھا' گھبرا گیا اور بولا کہ آج تک کی تحقیقات کے بھروسے [illegible] سکتا ہوں۔ مگر کل معلوم نہیں کیا جدید بات پیش آوے لہٰذا یقیناً نہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ ایک شخص ایک دعوے اور کامل شعور اور بھروسے سے کہتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے حضور یقیناً پہنچا سکتا ہوں تو پھر اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے یا آپ کی طرف؟ اس کو شرمندہ ہو کر کہنا پڑا کہ ہاں! اس کو ہی مانو!! وہ شخص جو کامل بھروسے اور پورے یقین اور شعور سے خدا تعالیٰ تک پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس نے پہنچایا اور پہنچاتا ہے اور پہنچا دے گا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیا وہ جو کہتے ہیں کہ دو ارب سال گزرے خدا تعالیٰ نے ہم کو کتاب دی اور وہ آج تک ایک بھی ترجمہ پیش نہ کر سکے اور اس پر بھی وہ اسے کامل کہتے ہیں' کیا ان کو شرم نہیں آتی؟ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ان چند سال کے اندر خدا تعالیٰ نے

قرآن کریم کو مشرق اور مغرب میں پہنچادیا۔

غرض انسان خوب مطالعہ کرے کہ اسلام سے بڑھ کر نعمت اور عزت و شرافت کا موجب اور کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے پہلے بتلایا ہے کہ زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے خلیفہ بنانے کا خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ خلیفہ دلائل سے نہیں' آدمیوں کے انتخاب سے نہیں' بلکہ خدا تعالیٰ ہی کی تائید اور نصرت اور طاقت سے بنیں گے۔ اب اس زمانہ کے منعم علیہ پر غور کرو۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ منصوبہ باز اور مشرک ہے' عبادت میں سست ہے؟ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ ایک عابد اور موحد خدا کا پرستار کہلانے والا ممکن ہے ریاکار ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کے خلوص نیت اور صدق کو اپنی تائیدات اور نصرتوں سے ثابت کر رہا ہے۔ پھر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ خوف کے وقت ہی وہ پرستار الٰہی ہو۔ نہیں! نہیں!! وہ جبکہ خوف امن سے بدل جاتا ہے' وہ اس وقت بھی سچا پرستار ہوتا ہے۔

الغرض ایمان بڑھانے کے لئے خدائے تعالیٰ کے انعام پر غور کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ ایمان' عقائد' اعمال' معاملات کے لحاظ سے بے نظیر نعمت اسلام ہے۔ اور پھر مسلمانوں سے وہ فرقہ جو خلفاء اللہ کے سلسلے کو مانتا ہے ان سے بڑھ کر نہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی موید من اللہ نہیں۔

انسان اکیلی نماز زیادہ پڑھتا ہے۔ جماعت کے ساتھ نماز گو چھوٹی اور مختصر ہی ہو مگر اس میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ امام کے ماتحت اعمال میں کسقدر زیادتی ہوتی ہے۔ پس یہ ایک عظیم الشان نعمت ہے جو خدا نے ہم کو دی ہے۔ مگر اس انعام میں ان الفاظ کو بھی یاد رکھو کہ "دین کو دنیا پر مقدم کروں گا"۔ بڑی ذمہ واری کا وعدہ ہے۔ یہ وعدہ کسی عام انسان کے ہاتھ پر نہیں بلکہ امام کے ہاتھ پر۔ نہیں! نہیں!! بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر کیا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سے وعدہ کر کے خلاف کرنے والا منافق مرتا ہے۔ پس ڈرنے اور رونے کا مقام ہے اور بڑے حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے انعام یاد کر کے مومن اس بات کو سوچے کہ ایک وقت آتا ہے وَاتَّقُوْا يَوْمًا۔ ایک وقت آتا ہے کوئی دوست' آشنا' اپنا' بیگانہ کچھ کام نہیں آتا۔ دنیا میں نمونہ موجود ہے۔ انسان بیمار ہوتا ہے تو ماں باپ بھی اس کی بیماری کو نہیں ہٹا سکتے۔ یہ نمونہ اس بات کا ہے کہ یہ سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ کے وقت کوئی کام نہیں آتا۔ کسی کی سفارش اور جرمانہ کام نہیں آتا۔ اس لئے اس دن کے لئے آج سے ہی تیار رہو۔ پس خدا تعالیٰ کے فضل کو یاد کر کے محبت الٰہی کو زیادہ کرو اور غفلتوں اور کمزوریوں کو چھوڑ دو اور اپنے وعدوں پر لحاظ کرو کہ "دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے"۔ رنج و راحت' عسر یسر میں

قدم آگے بڑھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور بھائیوں سے محبت کریں گے۔ پھر کہتا ہوں کہ یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ جو وعدوں کی خلاف کرتا ہے وہ منافق ہوتا ہے۔ جھوٹ اور وعدوں کی خلاف ورزی کرتے کرتے انسان کا انجام نفاق سے مبدل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو اس سے بچائے اور صدق' اخلاص اور اعمال حسنہ کی توفیق دے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۷ ----- ۳ ر مارچ ۱۸۹۹ء صفحہ ۳ تا ۶)

۳۱ر مارچ ۱۸۹۹ء

خطبہ جمعہ

(خلاصہ)

اِنَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مِنْ خَشْیَۃِ رَبِّھِمْ مُشْفِقُوْنَ - وَ الَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیَاتِ رَبِّھِمْ یُؤْمِنُوْنَ- وَ الَّذِیْنَ ھُمْ بِرَبِّھِمْ لَا یُشْرِکُوْنَ- وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَ قُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ رَاجِعُوْنَ- اُولٰٓئِکَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ وَ ھُمْ لَھَا سَابِقُوْنَ- (المومنون:۵۸ تا ۶۲)

مولا کریم، رحمٰن ورحیم مولا، ان آیات میں انسان کو ان راہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس کو ہر ایک قسم کے سکھوں کی طرف لیجاتے ہیں اور اپنے ہم چشموں اور ہم عصروں میں معزز و موقر بنا دیتے ہیں۔

انسان فطرتی طور پر چاہتا ہے کہ وہ ہر ایک قسم کے سکھوں اور آراموں اور بھلی باتوں کو حاصل کرے اور پھر ان میں سب سے بڑھ کر رہنا چاہتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کے متعلقین خوش وخورسند ہیں اور لوگوں کو بھلائی کی طرف متوجہ پاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ فلاں بھلائی میں ایک سعادتمند نے قدم رکھا ہے اور فلاں شخص نے بھی رکھا ہے۔ پس میں سب سے بڑھ کر سبقت لے

جاؤں۔ غرض عام طور پر انسان فطرتاً ایک کمپیٹیشن (Competition) میں لگا رہتا ہے اور ساتھ والوں سے سربرآوردہ ہونے کا آرزومند ہوتا ہے۔ بچے چاہتے ہیں کہ کھیل میں دوسری پارٹی سے بڑھ کر رہیں اور جیت جاویں۔ عورتیں کھانے' پہننے' لباس و زیورات میں چاہتی ہیں کہ اپنی ہم نشینوں سے بڑھ کر رہیں۔ پس یہ خواہش اور آرزو جو فطرتی طور پر انسان کے دل میں پائی جاتی ہے اس کے پورا کرنے کے اسباب اور وسائل قرآن کریم میں اس مقام پر رحیم کریم مولا بیان فرماتا ہے اور وہ چند ایک اصول پر مشتمل ہے۔

پہلا اصل۔ انسان غور کرے کہ اس کے دل میں اپنے سے بڑے کا ڈر ہوتا ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ کام والے لوگ نمبردار کا' اور نمبردار تحصیلدار کا' اور تحصیلدار حکام بالادست کا ڈر رکھتے ہیں۔ ماتحت اگر افسروں کا ڈر دل میں نہ رکھیں تو وہ اپنے فرض منصبی کو اس خوبی اور صفائی سے نہ کریں جس سے وہ اس ڈر کی حالت میں کرتے ہیں۔ اب اس اصل کو زیر نظر رکھ کر مولا کریم فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو نیکیوں اور بھلائیوں کے کمپیٹیشن (Competition) اور مقابلہ میں سرفراز ہوتے ہیں سب سے پہلے وہ ہر ایک کام کرتے وقت اس بات کا لحاظ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا نگران ہے اور ان کے ہر فعل کھانے' پینے' دوستی' دشمنی' بغض و عداوت' لین دین' غرض تمام معاملات میں ان کو دیکھتا ہے۔

پس مومن وہ ہوتے ہیں جو خیرات میں بڑھتے ہیں' جو ان اعمال و افعال کے وقت علیم و خبیر کی ذات اور نگرانیوں پر نگاہ کرتے ہیں اور ہر آن خوف و خشیت الٰہی سے لرزاں رہتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کام میں خواہ کھانے پینے کا ہو' یا بغض و عداوت ہو' دوستی ہو یا دشمنی' ہر بات میں خوش رہنے اور بڑھ کر رہنے کے لیے پہلا اور ضروری اصل کیا ہے؟ خشیت الٰہی۔ عمل کرنے سے پہلے دیکھ لیا کرو کہ یہ عمل خدا تعالیٰ کی رضاجوئی کی وجہ سے کسی سرخروئی کا باعث ہے یا اس کی نارضامندی کا موجب ہو کر سیاہ روئی کا پیش خیمہ؟

خوف الٰہی کے بعد دو اصل اور ہیں۔ وہ کیا؟ ایک اخلاص۔ دوسرا صواب۔ کوئی عمل صالح ہو نہیں سکتا جب تک اخلاص اور صواب نہ ہو۔

اخلاص کیا ہے؟ اخلاص کے معنے ہیں کہ جو کام کرو اس میں یہ مد نظر ہو کہ مولا کریم کی رضا حاصل ہو۔ حب ہو تو حباً" للہ ہو۔ بغض ہو تو بغضا" للہ ہو۔ کھاؤ تو اس لئے کہ کھانے کا حکم دیا ہے۔ پیتے ہو تو سمجھ لو کہ وَ اشْرَبُوْا کے حکم کی تعمیل ہے۔ غرض سارے کاموں میں اخلاص ہو' رسم و عادت' نفس و ہوا کی ظلمت نہ ہو۔ اندرونی جوش اس کے باعث نہ ہوئے ہوں۔

صواب کیا ہے؟ کہ ہر بھلا کام اس طرح پر کیا جاوے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے کر کے دکھایا ہے۔ اگر نیکی کرے مگر نہ اس طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے سکھائی ہے' وہ راہ صواب نہیں۔ غرض یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کام کے کرنے میں اجازت سرکاری ہے یا نہیں۔ اور پھر اللہ کی رضا مقصود ہے یا نہیں۔ پس کام کرو خشیت الٰہی سے اور پھر اخلاص و صواب سے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان لاتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ اور پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعمال اور ترک اعمال میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ نیکی کو اس لئے کرے کہ خدا تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے اور اس کے لئے اس کو کرے۔ اور بدی سے اس لئے اجتناب کرے کہ خدا نے ان کو برا فرمایا اور ان سے روکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اتباع مد نظر رکھ کر نیکی کرے۔ نیکی کرتا ہوا بھی خوف الٰہی کو دل میں جگہ دے کیونکہ وہ نکتہ نواز اور نکتہ گیر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے جنابہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں کہ بدیاں کرتے ہوئے خوف کریں؟ فرمایا نہیں! نہیں! نیکیاں کرتے ہوئے خوف کرو۔ جو نیکیاں کرنے کی ہیں' کرو اور پھر حضور الٰہی میں ڈرتے رہو کہ ایسا نہ ہو کہ عظیم و قدوس خدا کے حضور کے لائق ہیں یا نہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ کے مصداق ہوتے ہیں۔ یعنی اول اور آخر میں خشیت ہو۔ فعل اور ترک فعل اخلاص اور صواب کے طور پر ہوں اور وہ بھلائیوں کے لینے والے اور دوسرے سے بڑھنے والے ہیں۔

وسوسہ شیطانی یہ بھی آجاتا ہے کہ یہ راہ کٹھن ہے کیونکر چلیں گے۔ خدا تعالیٰ خود ہی اس وسوسہ کا جواب دیتا ہے لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (المومنون:٦٣) کہ ہم نے جو اعمال کے کرنے کا حکم دیا ہے اور نواہی سے روکا ہے وہ مشکل نہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عدم استطاعت پر حج کا حکم ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوامر و نواہی ایسے ہیں کہ عمل کر سکتا ہے اور ان سے باز رہ سکتا ہے۔

اور یہ امر بھی بحضور دل یاد رکھو کہ بعض اعمال بھول جاتے ہیں۔ جناب الٰہی کے ہاں بھول نہیں۔ بلکہ فرمایا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (المومنون:٦٣) یاد رکھو! جناب الٰہی میں اعمال محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ خدا کے ہاں ظلم نہیں ہوتا۔

انسان اگر غور کرے تو دنیا میں بھی ایک جنت اور نار کا نمونہ دیکھ سکتا ہے۔ مجھے افسوس آتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ دوستوں کی چٹھیوں کے پڑھنے پڑھانے میں کس قدر ہوشیاری اور مستعدی سے کام لیا

جاتا ہے' مگر خدا تعالیٰ کی چٹھی۔ اور پھر جس کے لانے والا وہ کامل انسان جو محمد ہے' صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم' کی اتنی پرواہ نہیں کی جاتی۔ سستی کی جاتی ہے تو کتاب الھدیٰ کے سمجھنے میں۔

بعض اعمال ایسے ہیں کہ ہم نیکی سمجھتے ہیں مگر قانون الٰہی کا فتویٰ نہیں ہوتا۔ جب انسان مرفہ الحال اور اکڑباز ہو جاتا ہے تو وہ دکھوں میں مبتلا ہوتا ہے' اس وقت نجات کی راہ نہیں ملتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایسے انسان ہیں کہ دعویٰ اسلام کرتے ہیں مگر عمل دیکھو تو بازار میں کفار کے اعمال اور ان کے اعمال برابر ہیں۔ نیک نمونہ دکھا کر دوسروں کو قائل کر سکتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے اخلاق کی نسبت فرماتا ہے کہ اگر تو نرم مزاج نہ ہوتا تو یہ لوگ تیرے گرد جمع نہ ہوتے۔ صحابہ کرام کی زندگیوں کے حالات پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام سے کوئی غلطی بھی ہو جاتی تھی اور آپ استغفار بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر ذرا ذرا سی بات پر مواخذہ اور تشدد کرتے تو تیرے پاس یہ قوم کس طرح جمع ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس نہ مال نہ طمع کی امید تھی۔ اگر کوئی چیز گرویدہ کر سکتی تھی تو وہ صرف حق کا نور اور آپ کے برگزیدہ اخلاق تھے۔

اپنے اعمال میں یہ امر مدنظر رکھو کہ اخلاص اور صواب ہو۔ نہ یہ کہ اپنے اغراض و مقاصد کے لئے کسی آیت یا حدیث کا بہانہ تلاش کرتے پھرو۔ اور نیکی کرتے ہوئے یہ نہ سمجھو کہ گویا تمام منازل طے کر لئے۔ نہیں! بلکہ بعض امور ضروری ہیں اور بعض اس سے کم۔ بعض فرائض ہیں' بعض سنن' بعض واجبات ہیں۔ ایک سخت بدی ہوتی ہے' ایک اس سے کم اور بعض ایسی کہ ان پر حرام اور مکروہ کا لفظ عائد ہوتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی باتیں جب سنائی جاویں تو مناسب نہیں کہ انسان سن کر بھی اس راہ کو اختیار نہ کرے جو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہ ہے۔ اور اسے اساطیر الاولین کہنے والوں کی طرح لاپروائی سے چھوڑ دے۔

میں ایک ضروری امر آخر میں تمہیں بتلانا چاہتا ہوں کہ جب کوئی ہادی دنیا میں آتا ہے تو اس کی شناخت کے کئی طریق ہوتے ہیں۔

اول ۔ جاہل اور بے علم نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ہادی کے لئے ضروری ہے کہ وہ نادان اور بے خبر نہ ہو۔ اب کتاب اللہ کو پڑھو اور دیکھو کہ جو معارف اور حقائق اس میں بیان کئے گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ کسی جاہل اور نادان کے خیالات کا نتیجہ نہیں ہو سکتے۔ سوچو! اور پھر سوچو!! نادان ایسی معرفت اور روح و راستی سے بھری ہوئی باتیں نہیں کر سکتے۔

دوم ۔ وہ ہادی اجنبی نہ ہو۔ کیونکہ ایک ناواقف انسان دور دراز ملک میں جا کر باوجود بدکار اور شریر ہونے کے بھی چند روز تصنع اور ریاکاری کے طور پر اپنے آپ کو نیک ظاہر کر سکتا ہے۔ پس ہادی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کا واقف ہو۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ صاف ہے کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى (النجم:۳)

تیسری بات یہ ہے کہ ہادی یا امام یا مرشد اپنے سچے علوم کے مطابق عملدرآمد بھی کرتا ہو۔ اوروں کو بتلاوے اور خود نہ کرے؟ پس اس امر کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت فرمایا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى۔ حضور کے عملدرآمد کا یہ حال ہے کہ جنابہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک لفظ میں سوانح عمری بیان فرمادی۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ (مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۱) یعنی آپ کے اعمال و افعال بالکل قرآن کریم ہی کے مطابق ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور سب احباب سامعین کو نیک رستہ پر چلاوے اور قرآن کریم کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی طاقت اور ہدایت بخشے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۱۴ ------ ۱۹/ اپریل ۱۸۹۹ء صفحہ ۴-۵)

☆-☆-☆-☆

۲۱؍ اپریل ۱۸۹۹ء

خطبہ عید الاضحیٰ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

(المائدۃ:۴)

یہ آیت شریف قرآن مجید میں کس وقت نازل ہوئی؟ ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ایک آیت آپ کی کتاب میں ہے‘ اگر ہماری کتاب میں ہوتی تو جس دن وہ اتری تھی اسے عید کا دن قرار دیتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے؟ تو اس نے یہ آیت پڑھی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الاسْلَامَ دِیْنًا۔ جناب عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی؟ کس وقت نازل ہوئی؟ کہاں نازل ہوئی؟ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ وہ

جمعہ کا دن تھا۔ وہ عرفہ کا دن تھا۔ وہ اسی عید اضحیٰ کا مقدمہ تھا۔ عرفات میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند روز زندہ رہے۔ یوں تو اللہ جل شانہ کا نزول ہر روز خاص طور پر رات کے آخر ثلث میں ہوتا ہے مگر جمعہ کے دن پانچ دفعہ اور عرفات کو نو دفعہ نزول ہوتا ہے۔

احادیث صحیحہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ شیطان ایسا کبھی یاس میں نہیں ہوتا جیسے عرفات کے دن۔ یہ وہ دن ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہماری نعماء دینیہ کے لئے جس کتاب کو نازل فرمایا تھا اسے کامل کر دیا۔ کامل دین جس کا نام اسلام ہے اسے اسی دن کامل کر دیا۔ جس دین کی متابعت ضروری اور اس پر کاربند ہونا سعید انسان کو لازم ہے اس کے اصول اور فروع اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دن میں تمام و کامل کر دیئے۔ وہ چیز جس کو کامل طور پر تمہیں' نہیں بلکہ دنیا کو پہنچانے کے لئے سرورِ عالم فخرِ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری دعاؤں اور کل طاقتوں اور مساعی جمیلہ کو پورے طور پر لگایا تھا اس کا نام اسلام ہے اور اس کی تکمیل کا دن جمعہ کا مبارک دن اور عرفات کا پاک دن ہے۔

تمام ادیان مروجہ اور مذاہب موجودہ کا مقابلہ کرنا چاہیں اور غور کر کے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کیا بلحاظ اصول کے اور کیا بلحاظ حفظ اصول اور فروع کے وہ اسلام کے مقابلہ میں کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتے اور بالکل ہیچ دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے اہم ترین امور میں سے اللہ جل شانہ کا ماننا' اس کو اسماء حسنیٰ اور صفات و محامد میں یکتا و بے ہمتا ماننا ہے۔ جس کا خلاصہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں موجود ہے' جس کا نام افضل الذکر ہے اور جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کل نبیوں کی تعلیم کا خلاصہ ہے' جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور آج میں بھی کہتا ہوں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی کے برابر اور ہستی کو یقین نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں' افعال میں یکتا' وجود و بقا میں یکتا' تمام نقائص سے منزہ اور تمام خوبیوں سے معمور یقین کرے۔ وہی معبود حقیقی ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت جائز نہیں۔ عبادت کا مدار ہے حسن و احسان پر' پھر یہ دونوں باتیں بدرجہ کامل کس میں موجود ہیں؟ اللہ ہی میں۔ احسان دیکھ لو۔ تم کچھ نہ تھے۔ تم کو اس نے بنایا۔ کیسا خوبصورت' تنومند اور دانشمند انسان بنا دیا۔ بچے تھے۔ ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کیا۔ سانس لینے کو ہوا' پینے کو پانی' کھانے کو قسم قسم کی لطیف غذائیں' طرح طرح کے نفیس لباس اور آسائش کے سامان کس نے دیئے؟ خدا نے! میں کہتا ہوں کیا چیز ہے جو انسان کو فطرتاً مطلوب ہے اور اس نے نہیں دی۔ سچی بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے احسان اور افضال کو کوئی گن ہی نہیں سکتا۔ حسن دیکھو تو کیسا اکمل۔ ایک ناپاک قطرہ سے کیسی خوبصورت شکلیں بناتا ہے کہ انسان محو ہو ہو رہ جاتا ہے۔

پاخانہ سے کیسی سبز اور نرم' دل خوشکن کونپل نکالتا ہے۔ انار کے دانے کس لطافت اور خوبی سے لگاتا ہے۔ ادھر دیکھو۔ ادھر دیکھو۔ آگے پیچھے دائیں بائیں جدھر نظر اٹھاؤ گے اس کے حسن کا ہی نظارہ نظر آئے گا۔ اور یہ بالکل سچی بات ہوئی یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ (التغابن:۲)۔ ساری دنیا میں جس قدر مذاہب باطلہ ہیں ان میں دیکھو گے تو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی اسم یا صفت کا انکار کیا ہے اور اسی انکار نے ان کو بطلان پر پہنچا دیا ہے۔ ایک بت پرست اگر خدا تعالیٰ کو علیم' خبیر' سمیع' بصیر' قادر جانتا ہے تو کیوں پتھر' شجر' ہوا' سورج' چاند اور ارزاں ترین چیزوں کے سامنے سجدہ کرتا اور کیوں اس کی استتی کرتا ہے۔ اور کوئی جواب نہیں ملتا تو یہی عذر تراش لیا کہ ہماری عبادت صرف اسی لئے ہے کہ یہ اصنام و معبود ہم کو خدا تعالیٰ کے حضور پہنچادیں اور مقرب بارگاہ الٰہی بنادیں۔

اصل یہی ہے کہ وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر غریب و گنہگار کی آواز سنتا ہے اور ہر ایک دور شدہ کو نزدیک کرنا چاہتا ہے۔ اونچی آواز سے پکارو یا دھیمی آواز سے' وہ سمیع ہے۔ اگر ایسا مانتے تو کبھی بھی وہ عاجز اور ناکارہ مخلوق کے آگے' ہاں ان اشیاء کے آگے جو انسان کے لئے بطور خادم ہیں' سر نہ جھکاتے اور یوں اپنے ایمان کو نہ ڈبوتے۔

عیسائی مذہب کو اگر دیکھیں تو یہ بطلان پرستی کیوں ان میں پیدا ہوئی؟ صرف اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا انکار کیا۔ ایک طرف زبان سے خدا تعالیٰ کو قدوس اور رحیم اور عادل خدا پکار رہے ہیں مگر اپنے معتقدات اور ایمان سے بتلاتے ہیں کہ جس کو خدا مانا ہے وہ ساری برائیوں اور بدیوں کا مورد ہے۔ خدا کو عادل قرار دیتے ہیں مگر گنہگاروں کے بدلے ایک بے گناہ کو سزا دے کر بھی اس کے عدل کو قائم رکھ سکتے ہیں۔

آریہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو سرب شکتی مان تو مانتا ہے لیکن خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ہونے کی اسے مقدرت نہیں۔ ایک ایک ذرہ کو علیحدہ سمجھتے ہیں اور روحوں کو مخلوق نہیں مان سکتے۔ ان کے خواص' گن' کرم' سبھاؤ سب کے سب انادی اور خدا تعالیٰ کے ہمتا اور شریک سمجھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اس بات پر قادر نہیں مان سکتے کہ وہ بڑے سے بڑے بھگت اور پریمی کو بھی ابدی نجات دے بلکہ ابدی نجات کا دینا گویا خدا تعالیٰ کو خدائی ہی سے دست بردار کرنا چاہتے ہیں۔ مَعَاذَاللّٰہِ مِنْھَا۔

براہمو لوگوں کو دیکھو تو خدا تعالیٰ کی بڑی تعریفیں کریں گے مگر خدا تعالیٰ کی اس صفت سے ان کو قطعاً انکار ہے' جس سے وہ ہدایت نامے دنیا میں بھیجتا اور انسان کو غلطیوں سے بچانے کے لئے رہنمائی کرتا ہے اور نہیں مانتے کہ یُرْسِلُ الرَّسُوْلَ بھی خدا تعالیٰ کی کوئی صفت ہے۔ الغرض ہر ایک مذہب پر اگر غور

اور دھیان کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بجز اسلام کے ان کو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات پر ایمان نہیں رہا۔ کوئی اسم اعلیٰ طور پر ایسا نہیں جس کے معنی مسلمان اعلیٰ طور پر نہیں کرتے۔ کسی نے کیا چھوٹا اور سچا فقرہ کہا ہے۔ ''مسلمان خدا کے سامنے شرمندہ ہونے کے قابل نہیں''۔ لیکن اس نعمت کی قدر کیا ہو سکتی ہے؟ کیا تم لوگوں میں خدا کے سوا دوسرے کی پرستش نہیں ہوتی؟ کیا غفلت نہیں رہی؟ کیا برادری اور اخوت کا وہ بے نظیر اور قابل قدر مسئلہ جو مخلوقات کو سکھلایا گیا تھا اور یہ بتلایا گیا تھا کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:۱۴) یعنی تم میں معزز اور زیادہ مکرم وہ ہے جو زیادہ تر متقی ہے۔ جس قدر نیکیاں اور اعمال صالح کسی میں زیادہ تر ہیں وہی زیادہ معزز و مکرم ہے۔ کیا بے جا شیخی اور انانیت پیدا نہیں ہو رہی؟ پھر بتلاؤ کہ اس نعمت کی قدر کی تو کیا کی؟ یہ اخوت اور برادری کا واجب الاحترام مسئلہ اسلام کے دیکھا دیکھی اب اور قوموں نے بھی لے لیا۔ پہلے ہندو وغیرہ قومیں کسی دوسرے مذہب و ملت کے پیرو کو اپنے مذہب میں ملانا عیب سمجھتے تھے اور پرہیز کرتے تھے مگر اب شدھ کرتے اور ملاتے ہیں۔ گو کامل اخوت اور سچے طور پر نہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غور کرو کہ حضور نے اپنی عملی زندگی سے کیا ثبوت دیا کہ زید جیسے کے نکاح میں شریف بیبیاں آئیں۔ اسلام یا مقدس اسلام نے قوموں کی تمیز کو اٹھا دیا۔ جیسے وہ دنیا میں توحید کو زندہ اور قائم کرنا چاہتا تھا اور چاہتا ہے اسی طرح ہر بات میں اس نے وحدت کی روح پھونکی اور تقویٰ پر ہی امتیاز رکھا۔ قومی تفریق جو نفرت اور حقارت پیدا کر کے شفقت علیٰ خلق اللہ کے اصول کی دشمن ہو سکتی تھی' اسے دور کر دیا۔ ہمیشہ کا منکر' خدا رسول کا منکر' جب اسلام لاوے تو شیخ کہلاوے۔ یہ سعادت کا تمغہ' یہ سیادت کا نشان جو اسلام نے قائم کیا تھا' صرف تقویٰ تھا۔

اب بتلاؤ ایسے انعام اور ایسے فضل کے نازل ہونے کے بعد اب کیا حالت موجود ہے۔ کیا وہی اتحاد برادری ہے؟ کیا اسماء الٰہی پر ویسا ہی یقین کامل ہے؟ وہ کتاب جس نے غافل و بدمست قوم کو ہوشیار کر کے دکھا دیا تھا اور جس نے عرب جیسی اکھڑ قوم کو ہمدردی اور اخوت کا ایک پاک نمونہ دنیا میں بنا کر دکھا دیا' کیا اس کی ایسی قدر اور عظمت ہے جو اس کی اتباع اور عمل درآمد کا نام ہے؟ کیا مسلمان کہلانے والے کتاب اللہ' رسول اللہ کی ایسی ہی عزت کرنے والے چست و چالاک ہیں جیسے صحابہ تھے؟ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر سب باتوں کا جواب دیا جائے تو دلوں کو نہ ہلا دے۔ میں دیکھتا ہوں عقائد کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔ دل کی باتیں تو وہی جانتا ہے جو عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ مگر یہ بات تو مانی ہوئی ہے کہ انسان کے دل کا جوش قویٰ پر ضرور جلوہ گری کرتا ہے۔ کون ہے جو یہ جانتا ہو کہ آگ جلاتی ہے اور

پھراس میں ہاتھ ڈال دے۔ کون گڑھے میں عمداً گر سکتا ہے؟ روٹی کو بھوک کا علاج جانتے ہو اور پیاس کا علاج پانی جانتے ہو تو بھوک کے وقت روٹی کھاتے اور پیاس کے وقت پانی پیتے ہو۔ پھر جب کوئی انسان یہ اصول مانتا ہے کہ خدا تعالیٰ علیم و خبیر، سمیع و بصیر ہے تو پھر قیاس کرے کہ ان اسماء حسنیٰ کو مان کر بھی بدمعاشیوں اور بدکاریوں کے ارتکاب میں کیوں دلیری کرتا ہے۔ ہندو، دہریہ، سکھ، آریہ، عیسائی وغیرہ قسم قسم کی مخلوق موجود ہے اور ان کے اخلاق ظاہری اور افعال و اعمال دیکھ لو اور پھر اپنے افعال و اعمال کا معائنہ کرو۔ تم میں تو خاص نعمت اتری تھی اور پھر اس کی تکمیل ہوئی تھی۔ اب اس نعمت کے لینے کے بعد اور قوموں میں اور تم میں کیا امتیاز ہوا؟ صحابہ کرام میں اخوت کا مسئلہ ایسا تھا کہ وہ اس امر کو تکملہ ایمان سمجھتے تھے کہ جب تک اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی نہ چاہیں جو خاص اپنی ذات کے لئے چاہتے تھے۔

دوسرے کی عزت و آبرو، دوسرے کے آرام و چین کے لئے ایسی ہی کوشش کرو جیسی اپنے لئے کرتے ہو۔ مگر جب اپنے آپ ہی کو غفلت میں ڈال رکھا ہے تو دوسرے کی بہتری کی کیا امید! کرتے نفاق ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ نعمتیں ملیں جو اتفاق میں ہیں۔ جہالت میں پڑے ہیں اور چاہتے ہیں کہ علم کی عزت و آبرو ملے۔ غفلت میں سرشار ہیں اور ہوشیاری اور لذت کے خواہاں۔ علم ہاں صحیح علم کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہتے مگر اجر وہ لینا چاہتے ہیں جو عاملین کو ملتے ہیں۔ مکہ کے کفار کہتے تھے کہ ہم پر رسولوں والی بات کیوں نازل نہیں ہوتی۔ بہت سے تم میں سے ہیں جو چاہتے ہیں ہم ملہم کیوں نہیں بنتے۔ ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں۔ ہم کیوں آسودہ حال نہیں ہوتے۔ مگر یہ تو بتلاؤ کہ کتاب اللہ کے مطابق عمل درآمد کرنے میں تم نے کس قدر محنت اٹھائی ہے۔ انصاف تو یہی ہے کہ جس قدر روپیہ اور عمر کو رسوں کے پورا کرنے میں صرف کیا ہے کیا قرآن کریم کے مطالب پر اطلاع پانے اور اس کو دستور العمل بنانے میں اس سے آدھا بھی کیا ہے؟ خدا کے حضور بخیلی نہیں۔ اس کے اسماء میں بخل نام کو نہیں۔ پھر یہ محرومی کیوں؟ سچی بات یہ ہے مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (ال عمران:۱۱۸) اللہ تعالیٰ نے تو کسی کی جان پر ظلم نہیں کیا مگر بات یہ ہے کہ لوگ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر کرو۔ اس نے خاتم الانبیاء بھیجا۔ کتاب بھی کامل بھیجی۔ کتاب کے سمجھانے کا خود وعدہ کیا اور ایسے لوگوں کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا جو آ آ کر خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں۔ اس زمانے ہی کو دیکھو کہ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ (النور:۵۶) کا وعدہ کیا سچا اور صحیح ثابت ہوا۔ اس کا رحم، اس کا فضل اور انعام کس کس طرح دستگیری کرتا ہے۔ مگر انسان کو بھی لازم ہے کہ خود بھی قدم

اٹھاوے۔ یہ بھی ایک سنت اللہ چلی آتی ہے کہ خلفاء پر مطاعن ہوتے ہیں۔ آدم پر مطاعن کرنے والی خبیث روح کی ذریت بھی اب تک موجود ہے۔ صحابہ کرام پر مطاعن کرنے والے روافض اب بھی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کو تمکنت دیتا ہے اور خوف کو امن سے بدل دیتا ہے۔ سچے پرستار الٰہی اور مخلص عابد بنو۔ خدا کی طرف قدم اٹھاؤ۔ یہاں بھی رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ:۴) فرمایا۔ اسلام کا لفظ چاہتا ہے کہ کچھ کر کے دکھاؤ۔ موجودہ حالت میں ہم نے (ہم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام کے ہاتھ پر توبہ کی ہے) اور مسلمانوں سے بڑھ کر امتیاز پیدا کیا ہے۔

ہم میں ملہم ہے۔ ہم میں ہادی اور امام ہے۔ ہم میں وہ ہے جس کی خدا تائید کرتا ہے۔ جس کے ساتھ خدا کے بڑے بڑے وعدے ہیں۔ اس کو حکم اور عدل بنا کر خدا نے بھیجا ہے۔ مگر تم اپنی حالتوں کو دیکھو۔ کیا مدد اور عمل در آمد کے لئے بھی ایسا ہی قدم اٹھایا ہے جیسا کہ واجب ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ اس میں کیا بات تھی؟ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ (ھود:۱۱۳) تم سیدھی چال چلو' نہ صرف تم بلکہ تیرے ساتھ والے بھی۔ یہ ساتھ والوں کو' جس نے حضور کو بوڑھا کر دیا۔ انسان اپنا ذمہ دار تو ہو سکتا ہے مگر ساتھیوں کا ذمہ دار ہو تو کیونکر؟ بس یہ بہت خطرہ کا مقام ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلتوں سے اللہ تعالیٰ کے وہ وعدے جو تمہارے امام کے ساتھ ہیں' پورا ہونے میں معرض توقف میں پڑیں۔ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کے ساتھ کنعان پہنچانے کا وعدہ تھا مگر قوم کی غفلت نے اسے محروم کر دیا۔ پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور خوب سمجھو۔ غفلت چھوڑ دو اور اس نعمت کی قدر کرو جو آج کے مبارک دن میں پوری ہوئی۔ میں پھر کہتا ہوں کہ فرماں بردار بن کر دکھاؤ۔ لہ

خطبہ ثانیہ

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَكَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ (الکوثر:۲ تا ۴)

یہ ایک مختصر سی سورۃ ہے اور اس مختصر سی سورۃ شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان پیشگوئی بیان فرمائی ہے جو جامع ہے۔ پھر اس کے پورا ہونے پر شکریہ میں مخلوق الٰہی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے اس کا ارشاد کیا۔ وہ پیشگوئی کیا ہے؟ اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْکَوْثَرَ تجھے ہم نے جو کچھ دیا ہے بہت ہی بڑا دیا ہے۔ عظیم الشان خیر عطا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نبوت دیکھو تو قیامت تک وسیع۔ کسی دوسرے نبی کو اس قدر وسیع وقت نہیں ملا۔ یہ کثرت تو بلحاظ زمان ہوئی اور بلحاظ مکان یہ کثرت کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:۱۵۹) میں ظاہر فرمایا کہ میں سارے جہان کا رسول ہوں۔ یہ

کوثر مکان کے لحاظ سے عطا فرمائی۔ کوئی آدمی نہیں ہے جو یہ کہہ دے کہ مجھے احکام الٰہی میں اتباع رسالت پناہی کی ضرورت نہیں۔ کوئی صوفی، کوئی مست قلندر، بالغ مرد، بالغہ عورت کوئی ہو اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ اب کوئی وہ خضر نہیں ہو سکتا جو لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف:٦٨) بول اٹھے۔ یہ وہ موسیٰؑ ہے جس سے کوئی الگ نہیں ہو سکتا۔ کوئی آدمی مقرب ہو نہیں سکتا جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نہ کرے۔

کتاب میں وہ سچی کوثر عنایت کی کہ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ:٤) کل دنیا کی صداقتیں اور مضبوط کتابیں سب کی سب قرآن مجید میں موجود ہیں۔

ترقی مدارج میں وہ کوثر کہ جبکہ یہ سچی بات ہے اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ (ترمذی۔ کتاب العلم) پھر دنیا بھر کے نیک اعمال پر نگاہ کرو جبکہ ان کے دال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تو ان کی جزائے نیک آپؐ کے اعمال میں شامل ہو کر کیسی ترقی مدارج کا موجب ہو رہی ہے۔ اعمال میں دیکھو! اتباع، فتوحات، عادات، علوم، اخلاق میں کس کس قسم کی کوثریں عطا فرمائیں ہیں۔

استحکام و حفاظت مذہب کے لئے دیکھو۔ جس قدر مذاہب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے، ان کی حفاظت کا ذمہ وار خود ان لوگوں کو بنایا۔ مگر قرآن کریم کی پاک تعلیم کے لئے فرمایا اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر:١٠) یہ کیا کوثر ہے؟ اللہ تعالیٰ اس دین کی حمایت و حفاظت اور نصرت کے لئے تائیدیں فرماتا اور مخلص بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے جو اپنے کمالات اور تعلقات الٰہیہ میں ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر پتہ لگ سکتا ہے کہ کیونکر بندہ خدا کو اپنا بنا لیتا ہے۔ اس ہستی کو دیکھو، زبان اور اس کے حرکات کو دیکھو۔ جب خدا بنانے پر آتا ہے تو اسی عاجز انسان کو اپنا بنا کر دکھا دیتا ہے اور ایک اجڑی بستی کو اس سے آباد کرتا ہے۔ کیا تعجب انگیز نظارہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور بڑے اکڑباز مدبروں کو محروم کر دیتا ہے حالانکہ وہاں ہر قسم کی ترقی کے اسباب موجود ہوتے ہیں اور علم و واقفیت کے ذرائع وسیع ہوتے ہیں۔ مثلاً دیکھو! کس بستی کو برگزیدہ کیا جہاں نہ ترقی کے اسباب، نہ معلومات کی توسیع کے وسائل، نہ علمی چرچے، نہ مذہبی تذکرے، نہ کوئی دارالعلوم، نہ کتب خانہ، صرف خدائی ہاتھ ہے جس نے تربیت کی اور اپنی تربیت کا عظیم الشان نشان دکھایا۔ غور کرو کس طرح یہ بتلاتا ہے کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے کیا کوثر عطا فرمایا۔ لیکن غافل انسان نہیں سوچتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ جیسے اور لوگوں نے غفلت اور سستی کی ویسے ہی غفلت کا شکار مسلمان بھی ہوئے۔ آہ! اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مدارج پر خیال کرتے اور خود بھی ان سے حصہ لینے کے آرزومند ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی کوثر دیتا۔

میں نے جو کچھ اب تک بیان کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیاوی کوثر کا ذکر تھا پھر مرنے کے بعد ایک اور کوثر برزخ میں، حشر میں، صراط پر، بہشت میں، غرض کوثر ہی کوثر دیکھے گا۔ اس کوثر میں ہر ایک شخص شریک ہو سکتا ہے مگر شرط یہ ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ ۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں لگو۔ دیکھو اس آدم کامل کا پاک نام ابراہیم بھی تھا جس کی تعریف اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَ اِبْرَاهِيْمَ الَّذِیْ وَفّٰى (النجم:۳۸) اور وہی ابراہیم جو جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الصافات:۸۵) کا مصداق تھا، نے سچی تعظیم الٰہی کر کے دکھائی جیسے مولیٰ کریم فرماتا ہے۔ وَ اِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرۃ:۱۲۵)۔ پھر کیا نتیجہ پایا۔ الٰہی تعظیم جس قدر کوئی انسان کر کے دکھاتا ہے اسی قدر ثمرات عظیمہ حاصل کرتا ہے۔ مثلاً حضرت ابوالملت ابراہیم کو دیکھو۔ اس کی دعاؤں کا نمونہ دیکھو۔ ہمارے سید و مولیٰ، اصفی الاصفیاء، خاتم الانبیاء ان دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔

ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے اور ضعیف تھے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اولاد صالح عنایت کی۔ اسمٰعیل جیسی اولاد دی۔ جب جوان ہوئے تو حکم ہوا کہ ان کو قربانی میں دے دو۔ ابراہیم کی قربانی دیکھو، بڑھاپے کا زمانہ دیکھو، مگر ابراہیم نے اپنی ساری طاقتیں، ساری امیدیں، تمام ارادے یوں قربان کر دیئے کہ ایک طرف حکم ہوا اور معاً بیٹے کے قربان کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ پھر بیٹا بھی ایسا بیٹا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بیٹا! اِنِّیْۤ اَرٰى فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ (الصافات:۱۰۳) تو وہ خدا کی راہ میں جان دینے کو تیار ہو گیا۔ غرض باپ بیٹے نے ایسی فرمان برداری دکھائی کہ کوئی عزت، کوئی آرام، کوئی دولت، اور کوئی امید باقی نہ رکھی۔ یہ آج ہماری قربانیاں اسی پاک قربانی کا نمونہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بھی کیسی جزا دی۔ اولاد میں ہزاروں ہزار بادشاہ اور انبیاء بلکہ خاتم الانبیاء بھی اسی کی اولاد میں پیدا کیا۔ وہ زمانہ ملا جس کی انتہا نہیں۔ خلفاء ہوں تو وہ بھی ملت ابراہیمی میں۔ سارے نواب اور خلفاء الٰہی دین کے، قیامت تک اسی گھرانے میں ہوئے ہیں اور ہونے والے ہیں۔

پھر جب شکریہ میں نماز میں خدا کی عظمت اور کبریائی بیان کی تو مخلوق الٰہی کے لئے بھی۔ کیونکہ ایمان کے اجزاء تو دو ہی ہیں۔ تَعْظِيْمٌ لِاَمْرِ اللّٰهِ اور شَفْقَتٌ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ، ہاں مخلوق کے لئے یہ کہ وَ انْحَرْ جیسے نماز میں لگے ہو قربانیاں بھی دو تا کہ مخلوق سے سلوک ہو۔ قربانیاں وہ دو جو بیمار نہ ہوں۔ دبلی نہ ہوں۔ بے آنکھ کی نہ ہوں۔ کان چرے ہوئے نہ ہوں۔ عیب دار نہ ہوں۔ لنگڑی نہ ہوں۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ جب تک کامل قویٰ کو خدا کے لئے قربان نہ کرو گے، ساری نیکیاں تمہاری ذات پر

جلوہ گر نہ ہوں گی۔ پس جہاں ایک طرف عظمت الٰہی میں لگو دوسری طرف قربانیاں کر کے مخلوق الٰہی سے شفقت کرو اور قربانیاں کرتے ہوئے اپنے کل قویٰ کو قربان کر ڈالو اور رضاء الٰہی میں لگا دو۔ پھر نتیجہ کیا ہو گا؟ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الاَبْتَرُ تیرے دشمن ابتر ہوں گے۔ انسان کی خوشحالی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ اس کو آپ تو راحتیں ملیں اور اس کے دشمن ہلاک ہوں۔ یہ باتیں بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ خدا کی تعظیم اور اس کی مخلوق پر شفقت۔ نمازوں میں خصوصیت دکھاؤ۔ کانوں پر ہاتھ لے جا کر اللہ اکبر زبان سے کہتے ہو مگر تمہارے کام دکھا دیں کہ واقعی دنیا سے سروکار نہیں۔ تمہاری نماز وہ نماز ہو جو تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ (النحل:۹۱) ہو۔ تمہارے اخلاق' تمھارے معاملات عامیوں کی طرح نہ ہوں بلکہ ایک پاک نمونہ ہوں پھر دیکھو! کوثر کا نمونہ ملتا ہے یا نہیں۔ لیکن ایک طرف سے تمہارا فعل ہے' دوسری طرف سے خدا کا انعام۔

درود پڑھو۔ آج کل کے دن عبادت کے لئے مخصوص ہیں۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرۃ:۲۰۴)۔ کل وہ دن تھا کہ کل حاجی ہر طبقہ اور ہر عمر کے لوگ ہوں گے۔ دنیا سے نرالا لباس پہنے ہوئے عرفات کے میدان میں حاضر تھے اور لبیک لبیک پکارتے تھے۔ تم سوچو اور غور کرو کہ تمہاری کل کیسی گذری۔ کیا تم بھی خدا تعالیٰ کے حضور لبیک لبیک پکارتے تھے۔ آج منیٰ کا دن ہے۔ آج ہی وہ دن ہے جس میں ابراہیمؑ نے اپنا پاک نمونہ قربانی کا دکھلایا۔

کوئی اس کی طاقت نہ رہی تھی جسے خدا پر قربان نہ کیا ہو۔ نہ صرف اپنی بلکہ اولاد کی بھی۔ یہ جمعہ کا دن ابراہیم کی قربانی اور مفاخر قومی کا روز ہے' جس میں عرب کے لوگ قبل اسلام بزرگوں کے تذکرے یاد کر کے فخر کیا کرتے تھے۔ اس میں خدا کا ذکر کرو جیسے فرمایا۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (البقرۃ:۲۰۱) خدا کے حضور ساری قوتوں کو قربان کرنے کے لئے خرچ کرو پھر دیکھو کہ تمہارے کام کیا پھل لاتے ہیں۔

انسان خوشحالی چاہتا ہے اور دشمنوں کی ہلاکت۔ خدا تیار ہے مگر قربانی چاہتا ہے۔

اولاد پر نمونے دکھاؤ جیسے اسماعیل نے دکھایا۔ پس نئے انسان بنو پھر دیکھو کہ خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تم کو کس طرح کی کوثر دیتا ہے اور تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔[۲]

[۱] (الحکم جلد ۳ نمبر ۱۶۔ ۵ر مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۳ تا ۵)

[۲] (الحکم جلد ۳ نمبر ۱۷۔ ۱۲ر مئی ۱۸۹۹ء صفحہ ۱ تا ۳)

۲۰؍ اکتوبر ۱۸۹۹ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ الدھر کے پہلے رکوع کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا:۔

یہ ایک وہ سورۃ شریف ہے جو جمعہ کے دن فجر کی نماز کی دوسری رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔
اللہ تعالیٰ اس میں اول اپنے ان احسانات کا تذکرہ فرماتا ہے جو مولیٰ کریم نے انسان پر کئے ہیں۔ اس تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی کی فطرت اچھی ہو اور وہ سعادت مند ہو، فہیم ہو، عقل کی مار اس پر نہ پڑی ہو تو یہ بات ایسے انسان کی سرشت میں موجود ہے کہ جو کوئی اس پر احسان کرے تو محسن کی محبت طبعاً انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی طبعی تقاضائے فطرت کی طرف ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایما کر کے ارشاد فرمایا ہے۔ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْہَا (جامع الصغیر) یعنی انسانی سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ اسی قاعدہ اور تقاضائے فطرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ طرز بھی اختیار کیا ہے کہ سعادت مندوں کو اپنے احسان و انعام یاد دلاتا ہے کہ وہ محبت الٰہی میں ترقی کر کے سعادت حاصل کریں۔ اندرونی

اور بیرونی انعامات پر غور کریں اور سوچیں تا ان کی جناب الٰہی سے محبت ترقی کرے۔ پھر یہ بات بھی انسان کی فطرت میں ہے کہ جب انسان کسی سے محبت بڑھا لیتا ہے تو محبوب کی رضامندی کے لئے اپنا وقت' اپنا مال' اپنی عزت و آبرو غرض ہر عزیز سے عزیز چیز کو خرچ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کے مطالعہ کی عادت پڑ جاوے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو گی اور روز بروز محبت بڑھے گی۔ اور جب محبت بڑھ گئی تو وہ اپنی تمام خواہشوں کو رضاء الٰہی کے لئے متوجہ کر سکے گا اور اس رضاء الٰہی کو ہر چیز پر مقدم سمجھ لے گا۔

دیکھو سب سے بڑا اور عظیم الشان احسان جو ہم پر کیا وہ یہ ہے کہ ہم کو پیدا کیا۔ اگر کوئی دوست مدد دیتا ہے تو ہمارے پیدا ہونے اور موجود ہونے کے بعد۔ اگر کوئی بھلی راہ بتلا سکتا ہے یا علم پڑھا سکتا ہے' مال دے سکتا ہے۔ غرض کہ کسی قسم کی مدد دیتا ہے تو پہلے ہمارا اور اس چیز کا اور دینے والے کا وجود ہوتا ہے تب جا کر وہ مدد دینے والا مدد دینے کے قابل ہوتا ہے۔ غرض تمام انعاموں کے حاصل کرنے سے پیشتر جو کسی غیر سے ہوں پہلا اور عظیم الشان احسان خدا تعالیٰ کا یہ ہے کہ اس نے ہم کو اور اس چیز کو جس سے ہمیں راحت پہنچی اور جس نے ہمیں راحت پہنچائی اس کو وجود عطا کیا۔ پھر صحت و تندرستی عطا کی۔ اگر ذرا بھی بیمار ہو جاوے تو تمام راحت رساں چیزیں بھی راحت رساں نہیں رہتیں۔ دانت درد کرے تو اس کو نکالنا پسند ہو جاتا ہے۔ آنکھ دکھ دینے کا باعث بن جاوے تو گاہے اس کو نکالنا ہی پڑتا ہے۔

برادران! جب بیماری لاحق ہوتی ہے تب پتہ لگتا ہے کہ صحت کیسا انعام تھا۔ اس صحت کے حاصل کرنے کو دیکھو کس قدر مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ طبیبوں کی خوشامد' دعا والوں' تعویذ ٹوٹکے والوں کی منتیں' غرض قسم قسم کے لوگوں کے پاس جن سے کچھ بھی امید ہو سکتی ہے انسان جاتا ہے۔ دواؤں کے خرید کرنے میں کتنا ہی روپیہ خرچ کرنا پڑے بلا دریغ خرچ کرتا ہے۔ ایک آدمی مرنے لگتا ہے تو کہتے ہیں۔ دو باتیں کرا دو خواہ کچھ ہی لے لو۔ حالانکہ اس نے لاکھوں باتیں کیں۔

چونکہ ان لوگوں کو جو احسانات کا مطالعہ نہیں کرتے خبر بھی نہ تھی۔ غرض یہ سب انعامات جو ہم پر ہوتے ہیں ان میں سے اول اور بزرگ ترین انعام وجود کا ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پس اس سورۂ شریفہ میں اول اسی کا ذکر فرمایا۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (الدھر:۲) انسان پر کچھ زمانہ ایسا بھی گذرا ہے یا نہیں کہ یہ موجود نہ تھا۔

میری حالت کو دیکھو۔ اس وقت میں کھڑا بول رہا ہوں مگر کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ سو' اسی برس پیشتر میں کہاں تھا؟ اور میرا کیا مذکور تھا۔ کوئی نہیں بتلا سکتا۔ یہ جناب الٰہی کا فیضان ہے کہ ایک ذرا سی چیز سے

انسان کو پیدا کیا۔ چنانچہ فرماتا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ (الدھر:۳) ہم نے انسان کو نطفہ سے بنایا۔ نطفہ میں صدہا چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان بنتا ہے۔ عام طور پر ہم لوگ ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ کوئی بڑی اعلیٰ درجہ کی خوردبین ہو تو اس کے ذریعہ سے وہ نظر آتے ہیں۔ پھر بتلایا کہ پہلا انعام تو عطاء وجود تھا پھر یہ انعام کیا فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ خدا ہی کا فضل تھا کہ کان دیئے' آنکھیں دیں اور سنتا دیکھتا بنا دیا۔

سارے کمالات اور علوم کا پتہ کان سے لگ سکتا ہے یا نظارۂ قدرت کو دیکھ کر انسان باخبر ہو سکتا ہے۔ یہ عظیم الشان عطیے بھی کس کی جناب سے ملے؟ مولیٰ کریم ہی کی حضور سے ملے۔ آنکھیں ہیں تو نظارۂ قدرت کو دیکھتی ہیں۔ خدا کے پاک بندے اس کے پاک صحیفوں کو دیکھ کر حظ اٹھاتے ہیں۔ کان کے عطیہ کے ساتھ زبان کا عطیہ بھی آ گیا۔ کیونکہ کان اگر نہ ہوں تو زبان پہلے چھن جاتی ہے۔ اب اگر ان میں سے کوئی نعمت چھن جاوے تو پتہ لگتا ہے کہ کیسی نعمت جاتی رہی۔ آنکھ بڑی نعمت ہے یا کان بڑی دولت ہے۔ ان عطیوں میں کوئی بیماری یا روگ لگ جاوے تو اس ذرا سے نقصان کی اصلاح کے لئے کس قدر روپیہ' وقت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ صحیح سالم' عمدہ' بے عیب' بے روگ عطیے اس مولیٰ کریم نے مفت بے مزد عنایت فرمائے ہیں۔ یوں نظر اٹھاتے ہیں تو وہ عجیب در عجیب تماشاہائے قدرت دیکھتے ہوئے آسمان تک چلی جاتی ہے۔ ادھر نظر اٹھاتے ہیں تو خوش کن نظارے دیکھتی ہوئی افق سے پار جا نکلتی ہے۔ کان کہیں دلکش آوازیں سن رہے ہیں' کہیں معارف و حقائق قدرت کی داستان سے حظ اٹھاتے ہیں' کہیں روحانی عالم کی باتوں سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ بیشک یہ مولیٰ کریم ہی کا فضل اور احسان ہے کہ ایسے انعام کرتا ہے۔ پیدا کرتا ہے اور پھر ایسی بے بہا نعمتیں عطا کرتا ہے۔ کسی کی ماں' کسی کا دوست' کسی کا باپ وہ نعمتیں نہیں دے سکتا جو خدا تعالیٰ نے دی ہیں۔

پھر اسی پر بس نہیں فرمائی۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ (الدھر:۴) ہم نے انسان کو ایک راہ بتلائی۔ یہی ایک مسئلہ ہے جو بڑا ضروری تھا۔ ہم پیدا ہوئے سب کچھ ملا مگر کوئی کتنی کوششیں کرے ہمیشہ کے لئے نہ کوئی رہا ہے نہ رہے گا۔ سارے انبیاء و رسل' تمام اولیاء و کبراء ملت' تمام مدبر اور بڑے بڑے آدمی سب کے سب چل دئے۔ پس کوئی ایسا انعام ہو جو ابدالآباد راحت اور سرور کا موجب ہو۔ اس کے لئے فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ہم نے ایک راہ بتلائی' اگر اس پر چلے تو ابدالاباد کی راحت پا سکتا ہے۔ اس پاک راہ کی تعلیم ہمیشہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی معرفت ہوئی ہے۔ گو خود فطرت انسانی میں اس کے نقوش موجود ہیں۔ بہت مدت گذری جب کہ دنیا میں ایک عظیم الشان انسان اس پاک راہ کی

ہدایت کے لئے آیا جس کا نام آدم علیہ السلام تھا۔ پھر نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام آئے اور ان کے درمیان ہزاروں ہزار مامور من اللہ دنیا کی ہدایت کو آئے۔ اور ان سب کے بعد میں ہمارے سید و مولیٰ سید ولد آدم فخرالاولین و الآخرین افضل الرسل و خاتم النبیین حضرت محمد رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ و سلم تشریف لائے۔ اور پھر کیسی رہنمائی فرمائی کہ ان کے ہی نمونہ پر ہمیشہ خلفاء امت کو بھیجتا رہا۔ حتیٰ کہ ہمارے مبارک زمانہ میں بھی ایک امام اس ہدایت کے بتلانے کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور اس کو اور اس کے اقوال کو تائیدات عقلیہ اور نقلیہ و آیات ارضیہ و سماویہ سے موید فرما کر روز بروز ترقی عطا کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح الٰہی ہاتھ ایک انسان کی حفاظت کرتا ہے اور کس طرح آئے دن اس کے اعداء نیچا دیکھتے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

ہاں تو پھر خدا کی ایک ممتاز جماعت ہمیشہ اپنے اقوال سے اس راہ کو بتلاتی اور اپنے اعمال سے نمونہ دکھلاتی ہے جس سے ابدی آرام عطاء ہو۔ پھر دیکھو کہ انعام الٰہی تو ہوتے ہیں مگر ان انعامات کو دیکھنے والے دو گروہ ہوتے ہیں اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔ (الدھر:۴)۔ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان ہدایات کی قدر کرتے ہیں اور ایک وہ ہوتے ہیں جو قدر نہیں کرتے ہیں۔ اور ان دستوروں پر عمل در آمد نہیں دکھاتے۔ ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے۔ ایک گروہ جو سعادتمندوں کا گروہ ہوتا ہے ان پاک راہوں کی قدر کرتا ہے اور اپنے عمل در آمد سے بتلا دیتا ہے کہ وہ فی الحقیقت اس راہ کے چلنے والے اور اس راہ کے ساتھ پیار کرنے والے ہیں اور دوسرے اپنے انکار سے بتلا دیتے ہیں کہ وہ قدر نہیں کرتے۔ یہ قرآن شریف جب آیا اور ہماری سید و مولیٰ' رسول اکرم' فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ و سلم نے قرآن کریم اور پھر اپنے کامل اور پاک نمونہ سے ہدایت کی راہ بتلائی تو بہت سے نابکار' سعادت کے دشمن' انکار اور مخالفت پر تل پڑے۔ اور جو سعادت مند تھے وہ ان پر عمل کرنے کے لئے نکلے اور دنیا کے سرمایہ فخر و سعادت اور راحت و آرام ہوئے اور ان کے دشمن خائب و خاسر اور ہلاک ہوئے۔ آخر وہ سعادت کا زمانہ گزر گیا۔ دور کی باتیں کیا سناؤں۔ گھر کی اور آج کی بات کہتا ہوں۔ اب بھی اسی نمونہ پر ایک وقت لایا گیا اور وہی قرآن شریف پیش کیا گیا ہے۔ مگر سعادت مندوں نے قدر کی اور ناعاقبت اندیش نابکاروں نے ناشکری اور مخالفت۔

مگر نادان انسان کیا یہ سمجھتے ہیں کہ انعام الٰہی کی ناقدری کرنے سے ہم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ دنیوی حکومت میں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی حاکم کا حکم آجاوے اور پھر رعایا اس حکم کی تعمیل نہ کرے تو سزایاب ہوتی ہے۔ نہ ماننے والوں کا آرام رنج سے اور ان کی عزت ذلت سے متبدل

ہو جاتی ہے۔ پھر اگر کوئی احکم الحاکمین کی بتائی راہ اپنا دستور العمل نہ بناوے تو کیونکر دکھوں اور ذلتوں سے بچ سکتا ہے۔

یاد رکھو کہ حکم حاکم کی نافرمانی حسب حیثیت حاکم ہوا کرتی ہے۔ یہ ذلت بھی اسی قدر ہو گی جس قدر کہ حاکم کے اختیارات ہیں۔

دنیا کے حاکم جو محدود حکومت رکھتے ہیں ان کی نافرمانی کی ذلت بھی محدود ہی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ جو غیر محدود اختیارات رکھتا ہے اس کے حکم کی خلاف ورزی میں ذلت بھی طویل ہوگی۔ گو یہ سچ ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے مگر جیسی کہ اس کی طاقتیں وسیع ہیں اسی انداز سے نافرمان کی ذلت بھی ہونی چاہئے اور ہو گی۔ ہاں بہت سی سزائیں ایسی ہیں کہ انسان ان کو دیکھتا ہے اور بہت سی سزائیں ہیں کہ ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو غرض یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ خدا کے قانون اور حکم کی اگر پرواہ نہ کریں گے تو کیا نقصان ہے؟ نہیں نہیں۔ خبردار ہو جاؤ۔ مولیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاْ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا (الدھر:۵) منکر کو تین قسم کی سزادیں گے۔

ہر ایک انسان کا جی چاہتا ہے کہ میں آزاد رہوں۔ جہاں میری خواہش ہو وہاں پہنچ سکوں۔ پھر چاہتا ہے کہ جہاں چاہوں حسب خواہش نظارہ ہائے مطلوبہ دیکھوں اور آخر جی کو خوش کروں۔ کہیں جانا پڑے تو جاؤں اور کہیں سے بھاگنا پڑے تو وہاں سے بھاگوں اور کسی چیز کو دیکھنا پڑے تو اسے دیکھوں۔ بہر حال اپنا دل ٹھنڈا رکھوں۔

پس یہ تین عظیم الشان امور ہیں۔ اگر کہیں جاتا ہے تو منشا ہے کہ دل خوش ہو۔ کسی کو دیکھتا ہے تو اس لئے کہ جان کو راحت ملے۔ نتیجہ بہر حال دل کی خوشی ہے مگر جب انسان خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کرتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ نے اولاً تین ہی نعمتوں کا ذکر کیا ہے عطاء وجود، عطاء سمع، عطاء بصر، ان نعمتوں سے اگر کوئی جاتی رہے تو کیا سچی خوشی اور حقیقی راحت مل سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ پھر خاص الخاص نعمت جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ملی ہے اس کے انکار سے کب راحت پا سکتا ہے؟ قانون الٰہی اور شریعت خداوندی کو توڑتا ہے کہ راحت ملے مگر راحت کہاں؟ دیکھ لو ایک نابکار انسان حدود اللہ کو توڑ کر زنا کا ارتکاب کرتا ہے کہ اسے لذت و سرور ملے۔ مگر نتیجہ کیا ہے کہ اگر آتشک اور سوزاک میں مثلاً مبتلا ہو گیا تو بجائے اس کے کہ جسم کو راحت و آرام پہنچاوے دل کو سوزش اور بدن کو جلن نصیب ہوتی ہے۔ قانون الٰہی کو

توڑنے والے کو راحت کہاں؟ پھر اس کے لئے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ یعنی منکر انسان کے لئے کیا ہوتا ہے۔ پاؤں میں زنجیر ہوتی ہے' گردن میں طوق ہوتا ہے جن کے باعث انواع واقسام راحت و آرام سے محروم ہو جاتا ہے' دل میں ایک جلن ہوتی ہے جو ہر وقت اس کو کباب کرتی رہتی ہے۔ دنیا میں اس کا نظارہ موجود ہے مثلاً وہی نافرمان زانی' بدکار قسم قسم کے آلام جسمانی میں مبتلا ہو کر اندر ہی اندر کباب ہوتے ہیں اور پھر نہ وہاں جاسکتے ہیں نہ نظر اٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔ اسی ہم و غم میں مصائب اور مشکلات پر قابو نہ پا کر آخر خودکشی کر کے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں ہدایت کے منکروں اور ہادیوں کے مخالفوں نے کیا پھل پایا؟

دیکھو! ہمارے سید و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر جنہوں نے اس ابدی راحت اور خوشی کی راہ سے انکار کیا ان کا کیا حال ہوا؟ وہ عمائد مکہ جو ابوجہل' عتبہ' شیبہ وغیرہ تھے اور مقابلہ کرتے تھے وہ فاتح نہ کہلا سکے کہ وہ اپنے مفتوحہ بلاد کو دیکھتے اور دل خوش کر سکتے؟ ہرگز نہیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کی عزت گئی' آبرو نہ رہی' مذہب گیا' اولاد ہاتھ سے گئی۔ غرض کچھ بھی نہ رہا۔ ان باتوں کو دیکھتے اور اندر ہی اندر کباب ہوتے تھے اور اسی جلن میں چل دیئے۔ یہ حال ہوتا ہے منکر کا۔ جب وہ خدا تعالیٰ کی کسی نعمت کا انکار کرتا ہے تو برے نتائج کو پالیتا ہے اور عمدہ نتائج اور آرام کے اسباب سے محروم ہو جاتا ہے۔ لہ

پھر دوسرے گروہ اِمَّا شَاکِرًا (الدھر:۴) کا ذکر فرمایا کہ شکر کرنے والے گروہ کے لئے کیا جزا ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا۔ (الدھر:۶) بے شک ابرار لوگ کافوری پیالوں سے پئیں گے۔

ابرار کون ہوتے ہیں؟ جن کے عقائد صحیح ہوں اور ان کے اعمال صواب اور اخلاص کے نیچے ہوں اور جو ہر دکھ اور مصیبت میں اپنے تئیں خدا تعالیٰ کی نارضامندی سے محفوظ رکھ لیں۔

خود جناب الٰہی ابرار کی تشریح فرماتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ (البقرۃ:۱۷۸) ابرار کون ہوتے ہیں؟

اول جن کے اعتقاد صحیح ہوں کیونکہ اعمال صالحہ دلی ارادوں پر موقوف ہیں۔ دیکھو ایک اونٹ کے ناک میں نکیل ڈالے ہوئے ایک بچہ بھی اسے جہاں چاہے' جدھر لے جائے' لئے جاتا ہے۔ لیکن اگر کنوئیں میں گرانا چاہیں تو خواہ دس آدمی بھی مل کر اس کی نکیل کو کھینچیں ممکن نہیں وہ قدم اٹھاوے۔ ایک حیوان مطلق بھی اپنے دلی ارادے اور اعتقاد کے خلاف کرنا نہیں چاہتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ قدم اٹھایا

اور ہلاک ہوا۔ پھر انسان اور سمجھدار انسان کب اعتقاد صحیحہ رکھتا ہوا اعمال بد کی طرف قدم اٹھا سکتا ہے۔ اس لئے ابرار کے لئے پہلے ضروری چیز یہی ہے کہ اعتقاد صحیحہ ہوں اور وہ پکی طرح پر اس کے دل میں جاگزیں ہوں۔ اگر منافقانہ طور پر مانتا ہے تو کاہل ہو گا حالانکہ مومن ہوشیار اور چالاک ہوتا ہے۔ ان اعتقادات صحیحہ میں سے پہلا اور ضروری عقیدہ خدا تعالیٰ کا ماننا ہے جو تمام نیکیوں کی جڑ اور تمام خوبیوں کا چشمہ ہے۔ دنیا میں ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ جب تک دوسرے سے مناسبت پیدا نہ ہو اس کی طاقتوں اور فضلوں سے برخوردار نہیں ہو سکتا۔ جب انسان قرب الٰہی چاہتا ہے اور اس کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ اس کے خاص فضل اور رحمتوں سے بہرہ ور اور برخوردار ہو جائے تو اسے ضروری ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دے جو خدا تعالیٰ میں نہیں یا جو اس کی پسندیدہ نہیں ہیں۔ جس قدر عظمت الٰہی دل میں ہو گی اسی قدر فرماں برداری کے خیالات پیدا ہوں گے اور رذائل کو چھوڑ کر فضائل کی طرف دوڑے گا۔ کیا ایک اعلیٰ علوم کا ماہر جاہل سے تعلق رکھ سکتا ہے یا ایک ظالم طبع انسان کے ساتھ ایک عادل مل کر رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس خدا تعالیٰ کی برکتوں سے برخوردار ہونے کے لئے سب سے ضروری بات صفات الٰہی کا علم حاصل کرنا اور ان کے موافق اپنا عمل درآمد کرنا ہے۔

اگر یہ اعتقاد بھی کمزور ہو تو ایک اور دوسرا مسئلہ ہے جس پر اعتقاد کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کی فرماں برداری میں ترقی کر سکتا ہے وہ جزا و سزا کا اعتقاد ہے۔ یعنی افعال اور ان کے نتائج کا علم مثلاً یہ کام کروں گا تو نتیجہ یہ ہو گا۔ برے نتائج پر غور کر کے انسان، ہاں سعید الفطرت انسان برے کاموں سے جو ان نتائج بد کا موجب ہیں پرہیز کرے گا اور اعمال صالحہ بجالانے کی کوشش۔ یہ دونو اعتقاد نیکیوں کا اصل الاصول اور جڑیں ہیں یعنی اول خدا تعالیٰ کی صفات اور محامد کا اعتقاد اور علم تاکہ قرب الٰہی سے فائدہ اٹھاوے اور رذائل کو چھوڑ کر فضائل حاصل کرے۔

دوسرا یہ کہ ہر فعل ایک نتیجہ کا موجب ہوتا ہے۔ اگر بد افعال کا مرتکب ہو گا تو نتیجہ بد ہو گا۔ ہر انسان فطرتاً سکھ چاہتا ہے اور سکھ کے وسائل اور اسباب سے بے خبری کی وجہ سے افعال بد کے ارتکاب میں سکھ تلاش کرتا ہے مگر وہاں سکھ کہاں؟ اس لئے ضروری ہے کہ افعال اور ان کے نتائج کا علم پیدا کرے اور یہی وہ اصل ہے جس کو اسلام نے جزا و سزا کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ انسان تجربہ کار اور واقف کار لوگوں کے بتلائے ہوئے مجرب نسخے آرام و صحت کے لئے چاہتا ہے۔ اگر کوئی ناواقف اور ناتجربہ کار بتلائے تو تامل کرتا ہے۔ پس نبوت حقہ نے جو راہ دکھلائی ہے وہ تیرہ سو برس سے تجربہ میں آ چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راحت کے جو

سامان بتلائے ہیں ان کا امتحان کرنا آسان ہے۔

غور کرو اور بلند نظری سے کام لو! عرب کو کوئی فخر حاصل نہ تھا۔ کس سے ہوا؟ اسی نسخہ سے! کیا عرب میں تفرقہ نہ تھا؟ پھر کس سے دور ہوا؟ ہاں اسی راہ سے!! کیا عرب نابودگی کی حالت میں نہ تھے۔ پھر یہ حالت کس نے دور کی؟ ماننا پڑے گا کہ اسی نبوت حقہ نے!!!

عرب جاہل تھے' وحشی تھے' خدا سے دور تھے۔ محکوم نہ تھے تو حاکم بھی نہ تھے۔ مگر جب انہوں نے قرآن کریم کا شفابخش نسخہ استعمال کیا تو وہی جاہل دنیا کے استاد اور معلم بنے۔ وہی وحشی متمدن دنیا کے پیشرو اور تہذیب و شائستگی کے چشمے کہلائے۔ وہ خدا سے دور کہلانے والے خدا پرست اور خدا میں ہو کر دنیا پر ظاہر ہوئے۔ وہ جو حکومت کے نام سے بھی ناواقف تھے دنیا بھر کے مظفر و منصور اور فاتح کہلائے۔ غرض کچھ نہ تھے سب کچھ ہو گئے۔ مگر سوال یہی ہے کیونکر؟ اسی قرآن کریم کی بدولت' اسی دستور العمل کی رہبری سے۔ پس تیرہ سو برس کا ایک مجرب نسخہ موجود ہے جو اس قوم نے استعمال کیا جس میں کوئی خوبی نہ تھی اور خوبیوں کی وارث اور نیکیوں کی ماں بنی۔ غرض یہ مجرب نسخہ ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ کے قرب اور سکھ کی تلاش چاہو اسی قدر جن کے محامد الہیہ اور صفات باری تعالیٰ پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اسی قدر انسان رذائل سے بچے گا اور پسندیدہ باتوں کی طرف قدم اٹھائے گا۔

حاصل کلام' ابرار بننے کے لئے مندرجہ بالا اصول کو اپنا دستور العمل بنانا چاہئے۔ میں نے ذکر یہ شروع کیا تھا کہ شاکر گروہ کا دوسرا نام قرآن کریم نے ابرار رکھا ہے اور ان کی جزا یہ بتلائی ہے کہ کافوری پیالوں سے پیئیں گے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (الدھر:٦) پہلے ان کو اس قسم کا شربت پینا چاہئے کہ اگر بدی کی خواہش پیدا ہو تو اس کو دبا لینے والا ہو۔ کافور کہتے ہی دبا دینے والی چیز کو ہیں۔ اور کافور کے طبی خواص میں لکھا ہے کہ وہ سمی امراض کے مواد ردیہ اور فاسدہ کو دبا دیتا ہے اور اسی لئے وبائی امراض طاعون اور ہیضہ اور تپ وغیرہ میں اس کا استعمال بہت مفید ہے۔ تو پہلے انسان یعنی سلیم الفطرت انسان کو کافوری شربت مطلوب ہے۔ قرآن کریم نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ (فاطر:٣٣) پھر وارث کیا ہم نے اپنی کتاب کا ان لوگوں کو جو برگزیدہ ہیں۔ پس بعض ان میں سے ظالموں کا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں اور جبر و اکراہ سے نفس امارہ کو خدا تعالیٰ کی راہ پر چلاتے ہیں اور نفس سرکش کی مخالفت اختیار کر کے مجاہدات شاقہ میں مشغول ہیں۔

دوسرا گروہ میانہ رو آدمیوں کا ہے جو بعض خدمتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس سرکش سے

بجبر و اکراہ لیتے ہیں اور بعض الٰہی کاموں کی بجا آوری میں نفس ان کا بخوشی خاطر تابع ہو جاتا ہے اور ذوق اور شوق اور محبت اور ارادت سے ان کاموں کو بجالاتا ہے۔ غرض یہ لوگ کچھ تو تکلیف اور مجاہدہ سے خدا تعالیٰ کی راہ پر چلتے ہیں اور کچھ طبعی جوش اور دلی شوق سے بغیر کسی تکلف کے اپنے رب جلیل کی فرماں برداری ان سے صادر ہوتی ہے۔

تیسرے سابق بالخیرات اور اعلیٰ درجہ کے آدمیوں کا گروہ ہے جو نفس امارہ پر بکلی فتحیاب ہو کر نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔

غرض سلوک کی راہ میں مومن کو تین درجے طے کرنے پڑتے ہیں۔ پہلے درجہ میں جب بدی کی عادت ہو تو اس کے چھوڑنے میں جان پر ظلم کرے اور اس قوت کو دباوے۔ شراب کا عادی اگر شراب کو چھوڑے گا تو ابتدا میں اس کو بہت تکلیف محسوس ہو گی۔ شہوت کے وقت عفت سے کام لے اور قوائے شہوانیہ کو دباوے۔ اسی طرح جھوٹ بولنے والا' سست' منافق' راستبازوں کے دشمنوں کو بدیاں چھوڑنے کے لئے جان پر ظلم کرنا پڑے گا تاکہ یہ اس طاقت پر فاتح ہو جائیں۔

بعد اس کے میانہ روی کی حالت آوے گی۔ کبھی کبھی بدی کے چھوڑنے میں گو کسی وقت کچھ خواہش بد پیدا بھی ہو جاوے' ایک لذت اور سرور بھی حاصل ہو جایا کرے گا مگر تیسرے درجہ میں پہنچ کر سابق بالخیرات ہونے کی طاقت آ جاوے گی اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی بارش ہونے لگے گی اور مکالمہ الٰہی کا شرف عطا ہو گا۔ تو سب سے پہلے ابرار کو کافوری شربت دیا جاوے گا تاکہ بدیوں اور رذائل کی قوتوں پر فتح مند ہو جاویں اور اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ بدیوں کو دباتے دباتے نیکیوں میں ترقی کرتا ہے اور پھر وہ ایک خاص چشمہ پر پہنچ جاتا ہے۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔ (الدھر:۷)
وہ ایک چشمہ ہے کہ اللہ کے بندے اس سے پیتے ہیں۔ صرف خود ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دوسروں کو بھی مستفید کرتے ہیں اور ان چشموں کو چلا کر دکھاتے ہیں۔

فطرت انسانی پر غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ تمام قویٰ پہلے کمزوری سے کام کرتے ہیں۔ چلنے میں' بولنے میں' پکڑنے میں' غرض ہر بات میں ابتداء لڑکپن میں کمزوری ہوتی ہے۔ لیکن جس قدر ان قوی سے کام لیتا ہے اسی قدر طاقت آ جاتی ہے۔ پہلے دوسرے کے سہارے سے چلتا ہے پھر خود اپنے سہارے چلتا ہے۔ اسی طرح پہلے تتلا کر بولتا پھر نہایت صفائی اور عمدگی سے بولتا ہے' پکڑتا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ گویا بتدریج نشو و نما پاتا ہے۔ اگر چند طاقتوں سے کام لینے کو چھوڑ دے تو وہ طاقتیں مردہ یا پژمردہ ضرور ہو جاتی ہیں۔ یہی معنی ہیں جب انسان بدی کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو طاقت کمزور ہو جاتی ہے اور نیکی کے

قوی بالکل ازکار رفتہ ہوتے ہیں۔ یہ کوئی ظلم نہیں اگر کسی حاکم کو حکومت دی جاوے اور وہ فرائض منصبی کو ادا نہ کرے تو نگران گورنمنٹ اس کے وہ اختیارات سلب کر دے گی اور اسے معزول کرے گی اور اگر اس حالت کو دیکھتے ہوئے بھی کوئی پروا نہ کرے تو یہ امر عاقبت اندیشی اور عقل کے خلاف ہے کہ سست انسان کے پاس رکھی جاوے۔ ایسے ہی وہ انسان ہے جو ایمانی قوی کو خرچ نہیں کرتا' وہ ابرار کے زمرہ میں رہ نہیں سکتا۔

جن کے عقائد حقہ ہیں یعنی وہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ جزا و سزا اور خدا کی کتابوں اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر ان وسائط کو مانتے ہیں جن کا مقصود اتم فرمان برداری ہے۔ پھر عمل کے متعلق کیا چاہئے۔ سب سے زیادہ عزیز مال ہے۔ پانچ روپے کا سپاہی پانچ روپیہ کے بدلے میں عزیز جان دے دینے کو تیار ہے۔ ماں باپ اس روپیہ کے بدلے اس عزیز چہرہ کو جدا کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مال کی طرف انسان بالطبع جھکتا ہے۔ لیکن جب خدا سے تعلق ہو تو پھر مال سے بے تعلقی دکھاوے اور واقعی ضرورتوں والے کی مدد کرے۔ مسکینوں کو دے جو بیدست وپا ہیں۔ رشتہ داروں کی خبر لے۔ کوئی کسی ابتلا میں پھنس گیا ہو تو اس کے نکالنے کی کوشش کرے۔ مگر سب سے مقدم ذَوِی الْقُرْبٰی کو فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذَوِی الْقُرْبٰی کے ساتھ سلوک کرنا زیادتی عمر کا موجب ہے۔ یتیموں کی خبر لے۔ پھر جو بے دست وپا ہیں ان کی خبر لے۔ پھر جو علم پڑھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتے ہیں اور مصیبت میں مبتلا شدہ لوگوں کی خبر لے۔ پس جناب الٰہی کے ساتھ تعلق ہو اور دنیا اور اس کی چیزوں سے بے تعلقی دکھلاوے۔ پھر جناب الٰہی کی راہ میں جان کو خرچ کرے۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے کی پہلی راہ کیا ہے؟ نمازوں کا ادا کرنا۔ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز میں ہر قسم کی نیازمندیاں دکھائی گئی ہیں۔ غرض کافوری شربت پیتے پیتے انسان اس چشمہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے شفقت علی خلق اللہ کی توفیق دی جاتی ہے۔

پھر بتلایا کہ جو معاہدہ کسی سے کریں اس کی رعایت کرتے ہیں۔ مسلمان سب سے بڑا معاہدہ خدا سے کرتا ہے کہ میں نیک نمونہ ہوں گا۔ میں فرمان بردار ہوں گا۔ میں اپنے ہاتھ اور اپنی زبان سے کسی کو دکھ نہ دوں گا۔ اور ایسا ہی ہماری جماعت امام کے ہاتھ پر معاہدہ کرتی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ رنج میں' راحت میں' عسر یسر میں' قدم آگے بڑھاؤں گا۔ بغاوت اور شرارت کی راہوں سے بچنے کا اقرار کرتا ہے۔ غرض ایک عظیم الشان معاہدہ ہوتا ہے۔ پھر دیکھا جاوے کہ نفسانی اغراض اور دنیوی مقاصد کی

طرف قدم بڑھاتا ہے یا دین کو مقدم کرتا ہے۔ عامہ مخلوقات کے ساتھ نیکی اور مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً نیکی کرتا ہے یا نہیں؟

ہر امر میں خدا تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھے۔ مقدمہ ہو تو جھوٹے گواہوں' جعلی دستاویزوں سے محترز رہے۔ دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے وعظ کہنا بھی مفید امر ہے۔ اس سے انسان اپنے آپ کو بھی درست بنا سکتا ہے۔ جب دوسرے کو نصیحت کرتا ہے تو اپنے دل پر چوٹ لگتی ہے۔

امر بالمعروف بھی ابرار کی ایک صفت ہے اور پھر قسم قسم کی بدیوں سے رکتا ہے۔ المختصر یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔ جب خود بھلائی حاصل کرتے ہیں' ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ہوتے ہیں تو دوسروں تک بھی پہنچاتے ہیں۔ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ (الدھر:۸) جو معاہدہ جناب الٰہی سے کیا ہو اس کو وفاداری سے پورا کرے اور نیکی یوں حاصل کرے کہ میرے ہی افعال نتائج پیدا کریں گے۔

ایک فلسفی مسلمان کا قول ہے۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (الدھر:۹) اور کھانا دینے میں دلیر ہوتے ہیں۔ مسکینوں' یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔ قرآن کریم میں لباس اور مکان دینے کی تاکید نہیں آئی جس قدر کھانا کھلانے کی آئی ہے۔ ان لوگوں کو خدا نے کافر کہا ہے جو بھوکے کو کہہ دیتے ہیں کہ میاں! تم کو خدا ہی دے دیتا اگر دینا منظور ہوتا۔ قرآن کریم میں سورۃ یٰسٓ میں ایسا لکھا ہے وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ (یٰس:۴۸)۔ آج کل چونکہ قحط ہو رہا ہے انسان اس نصیحت کو یاد رکھے اور دوسرے بھوکوں کی خبر لینے کو بقدر وسعت تیار رہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے یتیموں' مسکینوں اور پابند بلا کو کھانا دیتا رہے۔ مگر صرف اللہ کے لئے دے۔ یہ تو جسمانی کھانا ہے۔ روحانی کھانا ایمان کی باتیں' رضاء الٰہی اور قرب کی باتیں' یہاں تک کہ مکالمہ الہیہ تک پہنچا دینا' اسی رنگ میں رنگین ہونا ہے۔ یہ بھی طعام ہے۔ وہ جسم کی غذا ہے' یہ روح کی غذا۔

منشا یہ ہو کہ اس لئے کھانا پہنچاتے ہیں اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا (الدھر:۱۱) کہ ہم اپنے رب سے ایک دن سے جو عبوس اور قمطریر ہے ڈرتے ہیں۔ عبوس تنگی کو کہتے ہیں۔ قمطریر دراز یعنی قیامت کا دن' تنگی کا ہو گا اور لمبا ہو گا۔ بھوکوں کی مدد کرنے سے خدا تعالیٰ قحط کی تنگی اور درازی سے بھی نجات دے دیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا

(الدھر:۱۲) خدا تعالیٰ اس دن کے شر سے بچالیتا ہے اور یہ بچانا بھی سرور اور تازگی سے ہوتا ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یاد رکھو آج کل کے ایام میں مسکینوں اور بھوکوں کی مدد کرنے سے قحط سالی کے ایام کی تنگیوں سے بچ جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ مجھ کو اور تم کو توفیق دے کہ جس طرح ظاہری عزتوں کے لئے کوشش کرتے ہیں ابدالاباد کی عزت اور راحت کے لئے بھی کوشش کریں آمین۔

ل (الحکم جلد ۳ نمبر ۳۸--- ۲۴/ اکتوبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۳ تا ۶)

ل (الحکم جلد ۳ نمبر ۴۱--- ۱۷/ نومبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۱ تا ۴)

☆-☆-☆-☆

۸ر دسمبر ۱۸۹۹ء

خطبہ جمعہ

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصّٰلِحُوْنَ- اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ- وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ- (الانبیآء:۱۰۶تا۱۰۸) کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا:-

ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ اس زمین کے مالک میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔ اس بات میں جو زبور کی پیشگوئی کے متعلق بیان کی گئی' فرماں بردار لوگوں کے لئے ایک پیغام ہے اور ہم نے تجھ کو' اے نبی! کل مخلوقات کے لئے رحمت کر کے بھیجا ہے۔
اس آیت شریف کے پڑھنے سے میری یہ غرض نہیں کہ اس پیشگوئی کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ بہت سی باتیں بیان کروں۔ یہ ایک لمبا مضمون ہے۔ اس وقت مجھے اپنی جماعت کو چند باتیں صلاح و تقویٰ کے متعلق سنانی منظور ہیں۔
خدا تعالیٰ نے اس آیت میں کہ اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ایک لگتی ہوئی بات سنائی ہے۔ یہود ہمیشہ اپنے تئیں یہ سمجھتے تھے کہ ہم ابراہیمؑ کے فرزند ہیں اور خدا نے ہم میں سے ایک بڑا سلسلہ انبیاء

علیہم السلام اور ملوک کا پیدا کیا اور خدا تعالیٰ کے ہر قسم کے فضل و کرم کے وارث اور ٹھیکیدار ہم ہی ہیں۔ لیکن انھوں نے اس امر کے سمجھنے میں سخت غلطی کھائی کہ خدا تعالیٰ کے فضل کا انحصار اور اس کی رحمت و برکت کا مدار کسی کی قرابت پر ہے۔ حالانکہ خدا کے نزدیک صرف ایک اور صرف ایک ہی بات تھی اور ہے جو اس کی نصرت' تائید اور اس کے فضل و کرم کا موجب رہی ہے اور وہ بات قوموں کے درمیان صلاح و تقویٰ ہے۔ مدتوں اس سے پہلے خدا فرما چکا تھا کہ جب بنی اسرائیل اس اصل کو چھوڑ دیں گے اور صلاح و تقویٰ سے دور جا پڑیں گے خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کے وارث نہ رہیں گے اور ایک اور قوم پیدا کی جاوے گی جو متقی ہوں گے اور اس وعدہ کی زمین کے' جس کے لئے قوم تڑپتی تھی' ہاں اسی ارض مقدس یعنی زمین شام کے وارث وہ بنیں گے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پھر خدا نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت آیا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نمونہ سے ایک قوم تیار ہو رہی ہے جو داؤد علیہ السلام کی پیشگوئی کے موافق ارض مقدس کی وارث ہو گی۔ مگر ہاں اس کے لئے راہ یہی ہے کہ عابد اور فرماں بردار بن جاؤ۔ رسول کے آگے پست ہو جاؤ اور وہ تقویٰ جو خیال' بناوٹ' اپنی تجویز سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نمونہ اور خدا تعالیٰ کے فرمودہ نقشہ کے موافق ہے وہ اختیار کرو۔ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اس کے ضمن میں نکلتا ہے کہ اگر اس رحمت کو اختیار نہ کرو گے اور اس کے نقش قدم پر چل کر اپنا چال چلن' صلاح و تقویٰ نہ بناؤ گے تو ذلیل ہو کر ہلاک ہو جاؤ گے۔ رسول اللہ پر حرف نہ آئے گا کیونکہ وہ تو رحمت مجسم ہے۔

یہ بات کہ ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کے لئے رحمت کر کے بھیجا ہے نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں۔ تاریخ بتلاتی ہے اور تجربہ صحیحہ گواہی دیتا ہے کہ جس قوم نے صدق دل سے روح اور راستی سے اس پاک نمونہ کی پیروی کی وہ قوم کیا سے کیا ہو گئی۔ وہ بدنام اور ذلیل قوم جس میں کسی قسم کی خوبی نہیں تھی' وہ جنگجو' وحشی بدوی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی اطاعت کرنے سے آخر اس ارض مقدس کے وارث ہوئے جس کے لئے بنی اسرائیل کی برگزیدہ قوم جنگلوں اور بیابانوں میں تڑپتی اور بھٹکتی رہی تھی۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر جو وارث بنے بیٹھے تھے کہاں گئے؟

اس سے ایک سبق ملتا ہے۔ بہت سے لوگ اپنی نحوستوں اور فلاکتوں' اپنے فقر و فاقہ کے متعلق چلاتے ہیں اور واویلا مچاتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ تنگ دستیوں اور فلاکتوں کے دور کرنے کے لئے یہی

اور ہاں یہی ایک مجرب نسخہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت کی جاوے اور صلاح و تقویٰ جو اس اطاعت کی غایت اور منشاء ہے اپنا شعار بنالیا جاوے۔ پھر خدا تعالیٰ کا وعدہ صادق ہے کہ یَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۴)۔ بے شک! بے شک!! یہ سچی بات ہے کہ ممکن نہیں رحمت کی اطاعت میں زحمت آئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کرو کہ اس سے تمام نحوستیں اور ہر قسم کے حزن و ہموم دور ہو جاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ صلاح و تقویٰ کے اختیار کرنے والے کا متولی' حافظ و ناصر خود... مولیٰ کریم ہو جاتا ہے۔ ہاں متقی بنو۔ اس کے فرماں بردار اور صالح بندے بنو۔ پھر وعدہ کی زمین وہ شام کی زمین ہو یا کوئی اور' وہ مومنوں کا حق ہے اور وہی اس کے حقیقی وارث ہیں۔

مسلمانوں کے ادبار اور نکبت پر بہت سی رائے زنیاں کرتے ہیں لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو میں تو کھول کر کہتا ہوں کہ یہ ساری ذلتیں اور نحوستیں جو مسلمانوں پر آئی ہیں یہ خلاف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوئی ہیں۔ رحمت سے جس قدر کوئی دور ہوتا جاوے گا' ذلت اور زحمت اس کے شامل حال ہوتی جاوے گی۔

پس متقی بنو کہ ہر تنگی اور ہر قسم کی سختی سے نجات ملنے کا ذریعہ تقویٰ اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق:۳) جو اللہ تعالیٰ کا متقی ہوتا ہے اس کو ہر تنگی سے نجات ملتی ہے۔ تقویٰ اللہ کیا ہے؟ متقی کے ہر قول اور فعل اور اس کی ہر حس و حرکت میں اللہ کا خوف اور اس کی صفات کا حیا ہوتا ہے۔ کبھی اس کی صفت علیم' خبیر' بصیر سے ڈرتا ہے' کبھی اَعْلَمُ بِمَا فِي الصُّدُوْرِ کو دیکھ کر گندے اور ناپاک منصوبوں سے پرہیز کرتا ہے۔

غرض جس قدر اللہ تعالیٰ کی صفات کی حیا ہو اسی قدر تقویٰ اللہ کی راہوں پر چلنے کی توفیق ملتی ہے اور اسی نسبت سے خدا اس کا متولی ہو جاتا ہے۔ متقی کو بڑی بات یہ میسر آتی ہے کہ کسی دکھ کے وقت جب کہ ہر طرف سے وحشت پر وحشت اور تاریکی پر تاریکی نظر آتی ہو اسے کسی قسم کی گھبراہٹ اور بے دلی آکر نہیں ستاتی۔ اس کو کامل یقین ہوتا ہے کہ خدا نکلنے کی راہ پیدا کر دے گا اور ضرور کر دیتا ہے۔

میں نے خود آزما کر اور تجربہ کر کے بارہا دیکھا ہے کہ خدا نے کس کس طرح پر مخرج عطا کیا ہے۔ خدا کے بڑے بڑے راستبازوں' صدیقوں اور متقیوں کے تجربے اور شہادتیں موجود ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا دنیادار جس کو ہر قسم کی آسائشیں اور راحتیں میسر ہوں کبھی بھی سچا اطمینان اور حقیقی راحت حاصل نہیں کر سکتا جب تک خدائے عظیم کا تکیہ اور سہارا نہ ہو۔ فطرت انسانی ایک تکیہ چاہتی ہے۔ دیکھو کوئی

آدمی گفتگو کرنے اور بولنے میں کیسا ہی آزاد اور دلیر کیوں نہ ہو لیکن جب کوئی بیماری آتی ہے تو دل چھوٹ جاتا ہے مگر طبیب کے کہنے سے کہ تم اچھے ہو جاؤ گے' نئی جان اور طاقت آجاتی ہے۔ جی کا گھٹنا تسلی سے بدل جاتا ہے۔ اس نکتہ معرفت کو سوچو۔ ایک خدا ہے۔ یقیناً خدا ہے۔ پس جن کو وہ تسلی دیتا ہے اور جن سے ہم کلام ہوتا ہے' ان کی سنتا اور اپنی سناتا ہے۔ ان کو کیسا اطمینان' کیسی راحت اور سکینت اور جمعیت خاطر ملتی ہے۔

یورپ کے بڑے بڑے لائق فلسفہ دانوں کی خودکشی کا کیا سر ہے؟ یہی کہ ان کو اطمینان اور سکینت مل نہیں سکتی کیونکہ خدا پر ایمان نہیں' وہ ایمان جو دکھ اور مصیبت کی گھڑیوں میں ایک لذیذ رفیق ہوتا ہے۔ یاد رکھو جو ایمان اور یقین قرآن لایا ہے' فطرت انسانی کی سیری اور غذا اسی میں ہے۔ کسی قوم' کسی مذہب و ملت' کسی کتاب میں یہ لذیذ ایمان نہیں ہے جس کے ذریعہ دکھوں اور حزنوں کی ساعتوں میں انسان کو خدا کی آوازیں راحت پہنچاتی اور تسلی دیتی ہیں۔ جیسے مریض کو ڈاکٹر کہتا ہے کہ تو اب غم نہ کھا' تیری مرض دور ہو چلی اور تو اچھا ہے اور مریض ایک تسلی حاصل کر لیتا ہے' اس سے کہیں زیادہ شیریں آوازیں خدا کی کان میں آتی ہیں۔ مگر بات وہی ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ نامرد' عورت اور مرد کے تعلقات کی لذت کو کیا سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح پر خدا سے دور اور اس کی صفات سے حیا نہ کرنے والا بے حیا کیا سمجھ سکتا ہے کہ خدا کی راحت رساں آواز کیا ہوتی ہے؟ ہر وقت اللہ کی صفات کا کپڑا پہن لینا۔ یہی وہ بات ہے جو نئی زندگی' نئی طاقت اور نئی روح' نیا دل عطا کرتی ہے۔

اسوۃ المتقین کو دیکھ لو۔ خدا تعالیٰ کی ساری راست بازی اور ایک ہدایت کا مجسم نمونہ ہے۔ دشمنوں کے سانپوں اور بچھوؤں نے کیسے گھیرا ہے۔ ایک سوراخ سوئی کے برابر بھی نکلنے کو نہیں۔ مگر دیکھتے ہو کہ کیسا صاف اور کشادہ راستہ ملا۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کی ایسی مٹی پھینکی کہ بھونڈے اور اندھے ہو گئے اور وہ مکہ کا نکالا ہوا' بیابان مدینہ کا سرگردان' نصرت الٰہی کا تاج پہنتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

یہ ایک سبق ہے۔ اسی طرح اللہ سے انس لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے منکر و نواہی سے بچو اور امر کی اطاعت کرو۔ پھر ایسی مدد کرے گا جو اسوۃ المتقین کی اس نے کر کے دکھائی۔

اے میرے دوستو! جن کو اللہ کے فضل و کرم سے موقع ملا ہے کہ وہ امام المتقین کے موعود اور اس پر سلام پہنچائے ہوئے کے نمونہ کے پاس بیٹھے ہیں۔ ہاں جن کو اس رحمت اور نور خدا کے عاشق' قرآن کریم کے غیرت مند عاشق' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدا کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔

تم سب سے بڑھ کر تقویٰ پیدا کرو۔ تمہاری آنکھ میں وہ حیا ہو کہ دیکھنے والا کہہ اٹھے کہ یہ آنکھ خدا کو دیکھتی ہے۔

تمہارے ہر عضو کا منہ قبلہ حقیقی کی طرف ہو۔ پھر تم شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرة:۱۴۴) ہو گے اور خدا کا فضل اور نصرت تمہارے شامل حال ہو گی۔

یاد رکھو ہمارے مذہب میں کسی انسان سے نرا پیار اور محبت کام نہیں دے سکتا۔ ایمان اور اعمال صالحہ کام دیتے ہیں۔ اگر نرا پیار اور محبت ہو اور عمل صالح نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے یہود کہتے تھے نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ (المائدة:۱۹)۔ آخر میں پھر کہتا ہوں کہ متقی بنو کہ متقی کامیاب ہوتے ہیں۔

خدا سے دعا ہے کہ ہماری جماعت کو سچا متقی بنا دے اور اپنے فضل و رحمت کا وارث۔ آمین۔

(الحکم جلد ۳ نمبر ۴۵ ---- ۱۷ر دسمبر ۱۸۹۹ء صفحہ ۱ تا ۳)

۲۳؍ اپریل ۱۹۰۰ء

خطبہ جمعہ

وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:۲تا۴) کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا:۔

قرآن کریم سے بڑھ کر دنیا کے لئے کوئی نور' شفا' رحمت' فضل اور ہدایت نہیں ہے اور قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مجموعہ سچی باتوں کا نہیں ہے۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے۔ اَصْدَقُ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ۔ اس قرآن کی ایک مختصر سی سورۃ مَیں اس جمعہ میں سنانے کو کھڑا ہوا ہوں۔ ذرا سی سورۃ ہے' ایک سطر میں تمام ہو گئی ہے۔ لیکن اگر اسی ذرا سی سورۃ کو انسان اپنا دستور العمل بنا لے تو کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہ جاتی۔ اس سورۃ کو مولیٰ کریم نے عصر کے لفظ سے شروع فرمایا ہے۔ انسان کے واسطے دن معاش کا ذریعہ اور رات آرام کا وقت بنایا ہے اور فرمایا وَ جَعَلْنَا النَّھَارَ مَعَاشًا۔ (النبا:۱۲) سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی بَارَکَ اللّٰہُ فِیْ بُکُوْرِھَا (ترمذی کتاب البیوع) فرمایا۔ کس قسم کا معاش؟ دنیوی معاش' اخروی معاش کے لئے یہ جگہ ہے۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ۔ جیسا بیج بوو گے' انجام کار

ویسا پھل پاؤ گے۔ کون اس بات کو نہیں جانتا کہ جو کے بونے والے کو آخر جو کاٹنے پڑیں گے۔ اس دن میں آخری حصہ کا نام عصر ہوتا ہے۔ عصر کے بعد کوئی وقت فرضی نماز کے ذریعہ رضاالٰہی کے حصول کے لئے باقی نہیں رہتا۔ دن کی نمازوں کی انتہا عصر کی نماز ہے۔ جو عصر کی نماز ترک کرتا ہے اسے اب دن نہیں ملتا۔ اسی طرح جس کو عصر کے وقت تک مزدوری نہیں ملی اب اس کا دن ضائع گیا اور اسے مزدوری نہیں مل سکتی۔

اسی طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا زمانہ عصر کا زمانہ ہے۔ ایک حدیث میں تصریح آتی ہے کہ بعض قومیں صبح سے دوپہر تک مزدور بنائے گئے ہیں اور بعض دوپہر سے عصر تک مزدور بنائے گئے اور ایک قوم عصر سے غروب آفتاب تک ٹھیکہ دار ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تعلیمات کا زمانہ عصر سے مناسبت رکھتا ہے۔ جیسے قرآن کریم کے بعد اور کوئی کتاب نہیں اور شرائع الٰہیہ کے بعد اور شرع نہیں۔ عصر کے بعد کسی نماز کا وقت نہیں۔ پس اس عصر کی نماز کے لئے بہت تاکیدیں فرمائی ہیں۔ جو عصر کی نماز چھوڑتا ہے اس کا اہل و مال کاٹا گیا۔ اسی نماز کے لئے فرمایا کہ یہ نماز منافق کی تمیز کا نشان ہے جو سورج کے غروب کے وقت چار ایک چونچیں سی لگا دیتا ہے۔ امت محمدیہ میں آنے والے لوگوں کے لئے بھی عصر کا نمونہ ہے۔ ہم کھلے طور پر مدلل مبرہن دکھا سکتے ہیں۔ حجت ملزمہ کی طرح یقین دلانے کو تیار ہیں اگر فطرت سلیم ہو۔ یہ حقیقی وقت ہے کہ کوئی کاسر صلیب مامور ہونے والا ہو۔ پس یہ عصر کا وقت ہے اس کو غنیمت جانو۔ جب سایہ زرد ہوتا ہے اور آفتاب غروب ہونے کو ہوتا ہے' مفید وقت جاتا رہتا ہے۔ اسی وقت منافق کی نماز کا وقت ہوتا ہے۔ ایسا ہی جو قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ میں مشرف بہ اسلام نہ ہوئی وہ آخر خلفاء کے زمانہ میں مسلمان تو ہوئے مگر وہ غیرت اور شوکت ان کی نہ رہی۔ رعب کے نیچے آکر' کثرت کو دیکھ کر بہت سے لوگ ایک جماعت میں شامل ہو سکتے ہیں مگر ابتلا کے وقت مخلص ہی شامل ہوتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو کاہن' ساحر' مفتری' مجنون کہا جاتا تھا اس وقت جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ آکر ملے اور آپ کی دعوت کو قبول کیا ان کے ساتھ پیچھے آنے والے کب مل سکتے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو بھی سابقین کے ایک مٹھی جو کے برابر قدر نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ سر عظیم تھا جس کو پہنچ کر صحابہ نے ابوبکر صدیق کو حضور علیہ السلام کا جانشین بنایا۔ غار ثور میں جب آپ تشریف رکھتے تھے اس تیرہ و تار غار میں ساتھ جانے والا جو کچھ لے گیا ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہے۔ غرض عصر کے وقت کو غنیمت سمجھو۔

اس عصر کے وقت میں کیا کر سکتے ہو؟ چار کاموں کے لئے ارشاد فرمایا۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ساری مخلوق گھاٹے میں ہے۔ انسان گویا برف کا تاجر ہے۔ برف پر ایک وقت آئے گا کہ ساری پگھل جائے گی اس لئے برف کے تاجر کو لازم ہے کہ بہت ہی احتیاط کرے۔ انسان بھی اگر غور کرے تو عمر کے لحاظ سے اس کو برف کا کارخانہ ملا ہے۔ ایک بچہ کی ماں اپنے بیٹے کو چار برس کا دیکھ کر خوش ہو رہی ہے لیکن حقیقت میں اس کی عمر میں سے چار برس کم ہو چکے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر دم بدم گزرتی اور برف کی طرح پگھلتی جاتی ہے اور اس وقت کا علم نہیں جب یہ تمام ہو۔ اس لئے انسان کو لازم ہے کہ اپنے وقت کی قدر کرے اور عمر کو غنیمت سمجھے اور اس تھوڑے سے دنوں میں جو اس کو مل گئے ہیں مولا کریم سے ایسا معاملہ کرے کہ ان کے گزرنے پر اس کو عظیم الشان آرام گاہ حاصل ہو۔ بڑے بدبخت ہیں وہ جو اپنے بیوی بچے کے آرام کے لئے دین برباد کرتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ مال' اسباب' عزیزوں' رشتہ داروں سے برخوردار ہونا اور فائدہ اٹھانا محض مولیٰ کریم کے فضل پر منحصر ہے۔

اس سورۃ شریفہ میں فرمایا کہ سب انسان گھاٹے میں پڑ رہے ہیں مگر ایک قوم نہیں۔ وہ کون؟ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ چار باتوں کو دستور العمل بنا لے تو اس عصر کے وقت سارے دن کی مزدوریوں سے زیادہ مزدوری مل جاوے۔ حدیث میں لکھا ہے کہ صبح سے شام تک مزدور کے لئے ایک دینار ہے۔ پس صبح والے مزدوروں نے دوپہر تک کام کیا اور چھوڑ بیٹھے' پھر اور مزدوروں نے دوپہر سے عصر تک کام کیا اور پھر کام کو ترک کر دیا۔ مگر تیسری اور جماعت مزدوروں کی آئی جنہوں نے عصر سے کام کو شروع کیا آخر دن تک' تو ان کے لئے دو دینار مزدوری ملی۔ مگر قرآن شریف سے یہ ملتا ہے کہ جب ایک مومن عمل کرتا ہے تو اس کو دس گنا بڑھ کر اجر ملتا ہے۔ غرض وہ چار باتیں کیا ہیں جن کا اس سورۃ میں ذکر ہے؟

ان میں اول اور مقدم ایمان ہے۔ یہ عظیم الشان چیز ہے۔ بدوں اس کے کوئی عمل مقبول ہی نہیں ہوتا۔ ہر ایک عمل میں ضروری ہے کہ ایمان' اخلاص اور صواب ہو۔ یہ پتہ لگانا کہ کس درجہ کا مومن ہے' آسان نہیں۔ ایک دراز تجربہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے۔ شادی غمی کا موقع آتا ہے۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے اور دوسری طرف برادری کا قانون اور قومی محرکات۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی حکومت سے نہیں نکلتا اور قومی اور برادری کے اصولوں کی پروا نہیں کرتا تو بیشک مخلص مومن ہے۔ ایک طرف نفس کا فیصلہ ہو' دوسری طرف قوم کا فیصلہ اور تیسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

فیصلہ۔ اب اگر اپنے اور قوم کے فیصلہ کی کچھ پروا نہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے نیچے گردن رکھ دیتا ہے تو یقیناً مومن ہے۔

میں دیکھتا ہوں شادیاں ہوتی ہیں تو بڑی قوم کی تلاش ہوتی ہے۔ تقویٰ کی تلاش نہیں کی جاتی۔ بدمعاش' آوارہ مزاج' شریر ہو' کچھ پرواہ نہیں مگر ہڈی پسلی اور خون کسی بڑی قوم کا ہو۔ افسوس! صد افسوس!! پھر شادی کی دعوتوں میں مسکینوں کو دھکے دے کر باہر نکالا جاتا ہے لیکن شریر النفس اور بے حیا لوگوں کو بلا بلا کر بٹھایا جاتا ہے۔ جن لوگوں کے اموال کا تلف کرنا غضب الٰہی کا موجب ہے نہایت بیباکی اور شوخی کے ساتھ اس کو تباہ کیا جاتا ہے۔ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانے میں بیباک ہیں۔ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو کر احکام الٰہی کو سنتے ہیں۔ مگر اپنی جماعت یا سوسائٹی کے کسی معمول پر عمل کے خلاف دیکھ کر اس کے لینے میں مضائقہ کرتے ہیں۔ میرا تو یقین ہے کہ یہ لوگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوتے تو آپ کی باتوں کے ماننے میں اسی طرح مضائقہ کرتے جیسا آج امام کی اتباع سے مضائقہ کرتے ہیں۔

غرض ایمان موقوف ہے خدا کی ذات میں' اسماء میں' یاد میں۔ عظمت و جبروت میں دوسرے کو شریک نہ کرے خواہ فرشتہ ہو یا رسول ہو' نبی ہو یا ولی ہو۔ کیسا افسوس آتا ہے کہ موحد لوگ توحید کا اقرار کرکے پھر مسیح کو خَالِق کَخَلْقِ اللّٰہِ اور مُحْیِی کَاِحْیَآءِ اللّٰہِ مانتے ہیں! کیا یہی توحید ہے۔ اور یہ کہنا کہ خدا کے اذن سے کرتے تھے ایک دھوکا ہے۔ اگر کوئی کام اذن الٰہی سے بھی کیا جاوے تو کیا وہ خدا کی طرح کا کام ہو جاتا اور کرنے والے کو خدا کا شریک بنا دیتا ہے .... خَالِقُ کُلِّ شَیْیٍٔ اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔ ایک شخص امام علیہ السلام کے پاس آیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ مسیح اور خدا تعالیٰ کی چمگادڑوں میں کچھ فرق بھی ہے تو اس نے کہا کہ رل مل گئے ہیں۔ ایمان کی پہلی شرط ہے ایمان باللہ کہ کسی حمد' فعل' عبادت' حسن و احسان الٰہی میں کسی غیر کو شریک نہ کرے۔ مجھے ان لوگوں پر تعجب آیا کرتا ہے جو اپنی محرومیّت کے باعث خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے سے محروم ہیں۔ کہا کرتے ہیں کہ الٰہی محبت نہیں ہے وہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (التغابن:۱۳) کے کیا معنے کرتے ہیں؟ قرآن کریم تو ہمیں اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ کا موقع ہی کب ملتا ہے۔ رسول کے ذریعہ ماننا اس کے بھی بعد ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدر کرو ایسا نہ ہو کہ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ (الانعام:۹۲) کے نیچے آجاؤ۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا رہا پھر کیا وجہ ہے کہ وہ آج چپ ہو گیا؟ مجھے اس آیت پر کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جب قوم نے بچھڑے کو خدا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دلیل

دی ہے کہ اَلَّا یَرۡجِعُ اِلَیۡهِمۡ قَوۡلًا (طٰہٰ:۹۰) یعنی تم دیکھتے ہو کہ تمہاری بات کا جواب نہیں دیتا' یہ تفہیم ہوئی کہ جو خدا جواب نہ دے وہ بچھڑے کا ساخدا ہوا۔ ہاں یہ بھی سچ ہے کہ سارے جگ سے بات کرنا کبھی نہیں ہوا۔ انسان اپنے اندر وہ خوبیاں اور خواص پیدا کرے جو کلام الٰہی کے لئے ضروری ہیں پھر جواب ملے گا۔

دوسری شرط ایمان کی اخلاص ہے یعنی خدا ہی کے لئے ہو۔ اور تیسری شرط صواب ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق عملدرآمد ہو۔ کوئی عمل قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتا جب تک اخلاص اور صواب سے نہ ہو۔

پھر ایمان بالملائکہ ہے۔ ایمان بالملائکہ ایسی چیز ہے جس کی طرف سے تساہل کر کے نیکی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ آج کل کے لوگ سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ بدوں سبب کے فعل سرزد نہیں ہوتا۔ پس بیٹھے بیٹھے جو انسان کو دفعتاً نیکی کا خیال آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ ایک لمۃ الملک انسان کے ساتھ ہے۔ اس کے ذریعہ نیک خیال پیدا ہوتے ہیں اور شیطانی تعلقات سے برے خیالات اٹھتے ہیں۔ پس انسان کو لازم ہے کہ ہر نیکی کی تحریک پر فی الفور نیکی کرے۔ ایسا نہ ہو یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَ قَلۡبِهٖ (الانفال:۲۵) کا مصداق ہو جاوے۔ ایمان بالملائکہ کا یہی فائدہ ہے کہ نیکی سے تغافل نہ کرے۔ پھر اللہ کی کتابوں' اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس کو دستور العمل بناؤ۔ افسوس ہے کہ مسلمان اس کو کتاب اللہ جان کر بھی دستور العمل بنانے میں مضائقہ کرتے ہیں اور اَلسُّنَّةُ قَاضِیَةٌ عَلٰی كِتَابِ اللّٰهِ کا فتویٰ دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قرآن کریم کو کس ادب اور عظمت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ ساری حدیث کی کتابیں دیکھو۔ جن مسائل پر قرآن کریم نے مفصل بحث فرمائی ہے اور ان کے دلائل دیئے مثلاً ہستی باری تعالیٰ' ضرورت نبوت' مسئلہ تقدیر وغیرہ' ان پر احادیث میں بحث نہیں کی گئی۔ پھر تقدیر کے مسئلہ پر ایمان لاوے کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ فاسق کو کوئی عمدہ نتیجہ ملے۔ پھر جزاء وسزا پر ایمان لاوے۔ اس کے بعد دوسری بات عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہے۔ اس کا عام اصول ہے کہ ہر سنوار کا کام کرے اور اس کے معلوم کرنے کے واسطے قرآن کریم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد معیار ہے۔ پھر انسان سوچ لے کہ امت محمدیہ کو كُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ (اٰل عمران:۱۱۱) قرار دیا ہے۔ پس جس سے آٹھ پہر میں کوئی بھلائی بھی نہ ہو وہ اپنی حالت پر غور کرے۔ ایسی ہی وصیت الحق ضروری ہے۔ گونگا شیطان بننا اچھا نہیں۔ مقابلہ میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ پھر کوشش کرے اور صبر و استقلال سے کام

لے۔ یہ ہیں چار دستور العمل جو اس مختصر سی سورت میں بیان ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ قرآن ہمارا دستور العمل ہو' محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطاع ہو اور یہ زمانہ جو دین اور ایمان کے لئے ہے ہم اس کی قدر کریں۔ آمین۔

(الحکم جلد ۴ نمبر ۲۹۔ ۱۶/ اگست ۱۹۰۰ء صفحہ ۴ تا ۷)

☆-☆-☆-☆
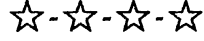
۲۲؍ جنوری ۱۹۰۱ء

خطبہ عید الفطر

سورۃ البقرہ کے چوبیسویں رکوع (آیات ۱۹۰ تا ۱۹۷) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

یہ رکوع شریف جو میں نے ابھی پڑھا ہے' یہ رمضان شریف کی تاکیدوں اور اس کے احکام اور فضائل اور فوائد کے بیان کے بعد نازل فرمایا گیا ہے۔ اس رکوع کا مضمون اور مطلب رمضان کے بعد ہی سے بلافصل شروع ہوتا ہے جو آج کی تاریخ ہے۔ یہ مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ بہ نسبت اور مہینوں کے ایک خاص فضل اور انعام مسلمانوں پر اس میں نازل ہوا ہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا یہی مہینہ ابتدائی سال ہے۔ آخر رمضان میں جو وحی نازل ہوئی ہے تو تبلیغ شوال ہی سے شروع فرمائی ہے۔ وہ نور جو تاریکیوں کے دور کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور جس کا ذکر اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ نُوۡرًا مُّبِیۡنًا (النسآء:۱۷۵) میں کیا ہے اس کا شروع یہی مہینہ ہے۔

جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رمضان کے فضائل اور فوائد سنے اور معلوم کیا کہ اس

سے اس طرح پر تقویٰ حاصل ہوتا ہے تو ان کے دلوں میں ایک فکر اور جوش پیدا ہوا کہ دوسرے مہینوں کے بھی فضائل اور حقائق سے واقف ہوں۔ اس لئے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

رمضان میں تقویٰ کا سبق یوں ملتا ہے۔ سخت سے سخت ضرورتیں بھی جو بقائے نفس اور بقائے نسل کے لئے ضروری ہیں ان کو بھی روکنا پڑتا ہے۔ بقائے نفس کے لئے کھانا پینا ضروری چیز ہیں اور بقائے نسل کے لئے بیوی سے تعلق ایک ضروری شے ہے مگر رمضان میں کچھ عرصہ کے لئے یعنی دن بھر ان ضرورتوں کو خدا کی رضامندی کی خاطر چھوڑنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ سبق سکھایا ہے کہ جب انسان بڑی ضروری خواہشوں اور ضرورتوں کو ترک کرنے کا عادی ہو گا تو غیر ضروری کے چھوڑنے میں اس کو کیسی سہولت ہو گی۔ دیکھو ایک شخص کے گھر میں تازہ دودھ' ٹھنڈے شربت' انگور' نارنگیاں موجود ہیں۔ پیاس کے سبب سے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں۔ کوئی روکنے والا نہیں۔ باوجود سہولت اور ضرورت کے اس لئے ارتکاب نہیں کرتا کہ مولیٰ کریم ناراض نہ ہو جائے اور اسی طرح عمدہ عمدہ کھانے' پلاؤ' کباب اور دوسری نعمتیں میسر ہیں اور بھوک سے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں اور پھر کوئی نہیں جو ان کھانوں سے روکنے والا ہو مگر یہ اس لئے استعمال نہیں کرتا کہ مولیٰ کریم کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ جبکہ یہ حال ہے کہ ایسی حالت اور صورت میں کہ اس کو عمدہ سے عمدہ نعمتیں جو اس کے بقائے نفس کے لئے اشد ضروری ہیں' یہ صرف مولیٰ کریم کے حکم کی رضامندی کی خاطر ان کو چھوڑتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کہ چھوڑ سکتا ہے تو بھلا ایسا انسان جو خدا کے لئے ضروری چیزیں چھوڑ سکتا ہے وہ شراب کیوں پینے لگا اور خنزیر کیوں کھانے لگا؟ جس کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے یا مثلاً کوئی رشوت خور' ربو خوری کرنے والا یا چور یا ایسا انسان جو قرض لیتا ہے کہ ادا کرنے کی نیت نہیں ہے جبکہ دیانت داری سے کام لیتا ہے اور مولیٰ کریم کی اجازت اور پروانگی کے سوا کچھ نہیں کرتا وہ ایسے خبیث مال کے لینے میں کیوں جرات کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح گھر میں حسین جوان بیوی موجود ہے مگر اللہ ہی کی رضا کے لئے تیس دن چھوڑ سکتا ہے تو بد نظری کے لئے جی کیوں للچائے گا۔

غرض رمضان شریف ایک ایسا مہینہ تھا جو انسان کو تقویٰ' طہارت' خدا ترسی' صبر و استقلال' اپنی خواہشوں پر غلبہ' فتح مندی کی تعلیم عملی طور پر دیتا تھا۔ ان ترقیوں کو دیکھ کر جو صحابہ نے رمضان میں تقویٰ میں کی تھیں' انھوں نے دوسرے مہینوں کے فضائل و فوائد سننے کی خواہش ظاہر کی اور سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا جواب یوں دیا۔ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ

(البقرة:۱۹۰) کہہ دو کہ لوگوں کے فائدہ کے لئے یہ وقت مقرر فرمائے ہیں۔ کیسا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان جس کو صحت، فرصت، پھر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے علم بھی عطا ہوا ہے اور اگر نہیں تو کوئی دردِ دل سے سنانے والا موجود ہے۔ عاقبت اندیشی کی عقل دی ہے مگر باوجود اس قدر اسباب اور سہولتوں کے میسر آجانے پر بھی اگر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی فکر نہیں کرتا اور منافع اٹھانے کی سعی میں نہیں لگتا تو اس سے بڑھ کر بد قسمت کون ہو سکتا ہے؟

مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ کیا عجیب وقت بنایا ہے تمہارے فائدہ کے لئے اور نفع اٹھانے کا بہت بڑا موقع دیا ہے اور اس لئے بھی کہ تم حج کرو۔ یاد رکھو کہ حج اللہ کی سنن میں سے ہے۔

یہ ایک سچی بات ہے کہ جہاں بد کاریاں کثرت سے ہوں وہاں غضب الٰہی نازل ہوتا ہے اور جہاں عظمت اور ذکر الٰہی ہو وہاں فیضان الٰہی کثرت سے نازل ہوتا ہے۔ قوی روایات سے متفقہ یہ شہادت ملتی ہے کہ بیت اللہ کا وجود تو بہت بڑے زمانہ سے ہے۔ لیکن حضرت ابو الملت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے جس کی تاریخ صحیح موجود ہے اَبًا عَنْ جَدٍّ قوموں کا مرکز اور جائے تعظیم چلا آیا ہے اور پتہ ملتا ہے کہ رات دن میں کوئی ایسا وقت بیت اللہ میں نہیں آتا کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے اوراد نہ پڑھے جاتے ہوں۔ مکہ معظمہ میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات کا زندہ اور بین ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (المائدۃ:۹۸) یعنی اس الٰہی گھر کو معزز گھر بنایا۔ اس کو لوگوں کے قیام اور نظام کا محل بنایا اور قربانیوں کو مقرر کیا کہ تم کو سمجھ آجائے کہ خدا ہے اور وہ علیم و خبیر خدا ہے کیونکہ جس طرح اس نے فرمایا ہے اسی طرح پورا ہوا۔

میں نے ایک دہریہ کے سامنے اس حجت کو پیش کیا وہ ہکا بکا ہی تو رہ گیا۔ لوگوں کے مکانات اور مذہبی مقامات کو دیکھو کہ ذرا سے انقلاب سے ساری عظمت خاک میں مل جاتی ہے۔ بابل کس عظمت و شان کا شہر تھا مگر آج اس کا کوئی پتہ بھی نہیں دے سکتا کہ وہ کہاں آباد تھا۔ کارتھج میں ہنی بال کا معبد، پراموں کا مندر جہاں سکندر عظیم الشان بادشاہ آکر نذر دیتا تھا اور اپنے آپ کو اس کا بیٹا منسوب کرتا تھا، آتش کدہ آذر، غرض بڑے بڑے مقدس مقامات تھے جن کا نام و نشان آج زمانہ میں موجود نہیں ہے۔ مگر مکہ معظمہ کی نسبت خدائے علیم و حکیم نے اس وقت جبکہ وہ ایک وادی غیر ذی زرع تھا یہ فرمایا کہ وہاں دنیا کے ہر حصہ سے لوگ آئیں گے، وہاں قربانیاں ہوں گی اور خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کا اظہار ہوتا رہے گا۔ صدیاں اس پر گذر گئیں۔ دنیا میں بڑے بڑے انقلاب ہوئے۔ سلطنتوں کی سلطنتیں تباہ ہو کر نئی پیدا ہو گئیں مگر مکہ معظمہ کی نسبت جو پیشگوئی کی گئی وہ آج بھی اسی شوکت اور جلال کے

ساتھ نظر آتی ہے جس طرح پر کئی سو سال پیشتر۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ہستی کا کیسا پتہ لگتا ہے۔ اگر انسانی منصوبہ اور ایک خیالی اور فرضی بات ہوتی تو اس کا نام و نشان اسی طرح مٹ جاتا جیسے دنیا کے اور بڑے بڑے مقدس قرار دیئے گئے مقامات کا نشان مٹ گیا۔ مگر نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی باتیں تھیں جو ہر زمانہ میں اس کی ہستی کا زندہ ثبوت ہیں۔

یہ بات اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہے کہ جس کو وہ عزت دینی چاہے وہ معزز و مکرم ہو جاتا ہے اور جس کو ذلیل کرنا چاہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ انسانی کوشش اور سعی پر اس کا انحصار اور مدار نہیں ہے۔ بیت اللہ کی عزت و حرمت کا ٹھیکیدار وہ خود ہو گیا ہے۔ اس لئے کوئی نہیں کہ اس کی ذلت کا خواہشمند ہو اور خود ذلیل نہ ہو جائے۔ اسی طرح پر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ جس کی عزت کا ٹھیکہ لے لے وہ دنیا داروں کی ذلت کے ارادوں سے ذلیل ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

میں نے بارہا سنایا ہے کہ جب مامور من اللہ آتا ہے تو لوگوں کو اس کی مخالفت کا ایک جوش ہوتا ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کے اعزاز کے لئے تل جائے اس کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ مدینہ طیبہ میں ایک راس المنافقین کا ارادہ ہوا لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون:۹) ہم اگر لوٹ کر مدینہ پہنچیں گے تو ایک ذلیل گروہ کو معزز گروہ نکال دے گا۔ جناب الٰہی نے فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (المنافقون:۹) معزز تو اللہ ہے اور اس کا رسول اور اس کی جماعت۔ منافقوں کو یہ کبھی سمجھ نہیں آتی۔ آخر ایام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بھی منافق نہ رہا۔ بلکہ یہ فرمایا مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا (الاحزاب:۶۲)۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ تیری مجاورت میں بھی نہ رہیں گے۔

توجہ کا مقام وہ مقام ہے کہ لاکھوں کروڑوں انسان اللہ کی یاد کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ کی تحمید کے لئے مال و جان کو خطرات میں ڈالتے ہیں۔ اہل و عیال اور رفقاء لوگوں کو چھوڑتے ہیں' پھر خدا کا فیضان کیسا جلوہ گری فرماتا ہے۔

قرآن جو نازل فرمایا اس کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہوا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰)۔ دنیا کی اور کسی کتاب کی نسبت یہ ارشاد خداوندی نہیں ہوا اور جس مقدس اور راستباز' ہاں قوم کے مسلم امین اور صادق انسان پر یہ پاک کتاب نازل ہوئی' اس کی حفاظت کا ذمہ دار بھی مولیٰ کریم ہی ہوا۔ چنانچہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المآئدة:۶۸) کی صدا اسی راستباز کو پہنچی۔ پھر جو دین لے کر یہ خدا کا سچا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آیا اس کا نام اسلام رکھا جس کے معنی ہی میں سلامتی موجود ہے۔

یہی وہ دین ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کا اظہار یہ کہہ کر فرمایا وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المآئدة:۴)۔ اور اس اسلام پر عملدرآمد کرنے والے سچے مسلمان کو جس نتیجہ پر پہنچایا وہ دارالسلام ہے۔ پس کون ہے جو اس قدر سلامتیوں کو چھوڑے؟ وہی جو دنیا میں سب سے بڑھ کر بدنصیب ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ ہر ایک چیز کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک راہ رکھی ہوئی ہے۔ اسی راہ پر چل کر وہ اصل مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح نیکیوں کے حاصل کرنے کے واسطے یہی ایک راہ ہے۔ کوئی نیکی نیکی نہیں ہو سکتی جب تک اخلاص اور صواب اس کے ساتھ نہ ہو۔ عام طور پر نیکیوں کے سمجھنے کے واسطے انسان کی عقل کفایت نہیں کر سکتی۔ انسان اپنی عقل اور دانش سے اپنے جیسے انسان کی رضامندی معلوم نہیں کر سکتا پھر وراء الوریٰ کی رضا کیونکر سمجھ لے۔ اس کا ایک ہی طریق ہے کہ وہ اپنے بندوں میں سے ایک کو منتخب فرماتا ہے۔ مگر انسان اپنی اٹکل بازی اور دانش سے اس منتخب شدہ بندہ کو نہیں سمجھ سکتا اس لئے کہ نبوت اور ماموریت ایک باریک اور لطیف راز ہوتا ہے جس کو دنیا میں منہمک انسان جھٹ پٹ نہیں سمجھ سکتا۔ اگر یہ بات ہوتی کہ ہر شخص معانی کے دعویٰ کرنے ہی پر اس کی حقیقت کو سمجھ لیتا تو پھر مخالفوں کا وجود ہی نہ ہوتا۔ چونکہ انسان اپنی عقل و دانش پر بھروسہ کرنا چاہتا ہے اور مجرد اسی کے فیصلہ پر راضی ہونا پسند کرتا ہے اس لئے اکثر اوقات وہ غلطیاں کرتا اور نقصان اٹھاتا ہے۔

یہی اٹکل بازی تھی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں سے یہ کہلوایا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:۳۲) میاں یہ قرآن شریف تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے نمبردار پر نازل ہونا چاہئے تھا۔ اپنی نگاہ و نظر میں وہ یہی سمجھتے تھے کہ قرآن شریف اگر نازل ہو تو کسی نمبردار پر نازل ہو۔ کیونکہ ان کی نگاہوں کی منتہیٰ تو وہ نمبرداری ہو سکتی تھی۔ پس یہی حال ہے کہ انسان اپنی اٹکلوں سے کام لینا چاہتا ہے حالانکہ ایسا اس کو نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جس معاملہ میں اس کو کوئی علم اور معرفت نہیں ہے اس پر اس کو رائے زنی کرنے سے شرم کرنی چاہئے۔ اس لئے پاک کتاب کا حکم ہے کہ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل:۳۷)۔

ناواقف دنیا اپنی تدبیروں سے جو انتخاب کرنا چاہتی ہے وہ منظور نہیں ہو سکتا۔ سچا انتخاب وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ چونکہ انسانی عقل پورے طور پر کام نہیں کرتی اور وہ فتویٰ نہیں دے سکتی کہ ہمارا کیا ہوا انتخاب صحیح اور مفید ثابت ہو گا یا ناقص۔ اس لئے ماموریت کے لئے انتخاب اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

ایک بار ایک شیعہ نے مجھ سے پوچھا کہ تیرہ سو برس کے وہ دلائل جو سنیوں نے حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت کے بیان کئے ہیں اور شیعوں نے جو دلائل ان کے مقابل میں پیش کئے ہیں ان سب کو لکھ دو اور پھر ان پر ایک محاکمہ اور فیصلہ لکھو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ تیرہ سو برس کے جھگڑے کو فیصل کرنے کے واسطے تو عمر نوحؑ بھی وفا نہیں کر سکتی کیونکہ کہتے ہیں کہ وہ تو ساڑھے نو سو برس ہی اس دنیا میں رہے۔ پس مجھے اس وقت اس جھگڑے کے فیصلہ کی تفہیم یہ ہوئی اور میں نے لکھ دیا کہ بات یہ ہے کہ چونکہ خلافت کا انتخاب عقل انسانی کا کام نہیں، عقل نہیں تجویز کر سکتی کہ کس کے قویٰ قوی ہیں، کس میں قوت انتظامیہ کامل طور پر رکھی گئی ہے اس لئے جناب الٰہی نے خود فیصلہ کر دیا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور:۵۶)۔ خلیفہ بنانا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اب واقعات صحیحہ سے دیکھ لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے کہ نہیں؟ یہ تو صحیح بات ہے کہ وہ خلیفہ ہوئے اور ضرور ہوئے۔ شیعہ یہی مانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی بیعت آخر کر لی تھی۔ پھر میری سمجھ میں تو یہ بات آ نہیں سکتی اور نہ اللہ تعالیٰ کو قوی، عزیز، حکیم خدا ماننے والا کبھی وہم بھی کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر بندوں کا انتخاب غالب آ گیا تھا۔ منشاء الٰہی نہ تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے۔

غرض یہ بالکل سچی بات ہے کہ خلفائے ربانی کا انتخاب انسانی دانشوں کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اگر انسانی دانش ہی کا کام ہوتا ہے تو کوئی بتائے کہ وادی غیرذی زرع میں وہ کیونکر تجویز کر سکتی ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ایسی جگہ ہوتا جہاں جہاز پہنچ سکتے۔ دوسرے ملکوں اور قوموں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے اسباب میسر ہوتے۔ مگر نہیں۔ وادی غیرذی زرع ہی مین انتخاب فرمایا اس لئے کہ انسانی عقل ان اسباب و وجوہات کو سمجھ ہی نہیں سکتی تھی جو اس انتخاب میں تھی اور ان نتائج کا اس کو علم ہی نہ تھا جو پیدا ہونے والے تھے۔ عملی رنگ میں اس کے سوا دوسرا منتخب نہیں ہوا اور پھر جیسا کہ عام انسانوں اور دنیاداروں کا حال ہے کہ وہ ہر روز غلطیاں کرتے اور نقصان اٹھاتے ہیں آخر خائب اور خاسر ہو کر بہت سی حسرتیں اور آرزوئیں لے کر مر جاتے ہیں۔ لیکن جناب الٰہی کا انتخاب بھی تو ایک انسان ہی ہوتا ہے۔ اس کو کوئی ناکامی پیش نہیں آتی۔ وہ جدھر منہ اٹھاتا ہے ادھر ہی اس کے واسطے کامیابی کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور وہ فضل، شفا، نور اور رحمت دکھلاتا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ (المآئدة:۴) کی صدا کس کو آئی؟ کیا اپنی دانش اور عقل کے انتخاب کو یا وادی غیرذی زرع میں اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو؟

جنابِ الٰہی ہی کا منتخب بندہ تھا جو دنیا سے نہ اٹھا جب تک یہ صدا نہ سن لی۔

پس یاد رکھو کہ مامور من اللہ کے انتخاب میں جو جنابِ الٰہی ہی کا کام ہے چون و چرا کرنی درست نہیں ہے۔ ہزارہا مصائب اور مشکلات آئیں وہ اس کوہ وقار کو جنبش نہیں دے سکتیں۔ آخر کامیابی اور فتح ان کی ہی ہوتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہو گا کہ پھر ہم اس مامور من اللہ اور منتخب بارگاہ الٰہی کو کیونکر شناخت کریں؟ اول یاد رکھو کہ حق اور باطل دو ایسی چیزیں ہیں کہ تم معاً دونوں کو شناخت کر سکتے ہو اور ان میں امتیاز کر لیتے ہو۔ اسی طرح پر مامور من اللہ کو تم اس کے فوق العادت غیر معمولی کاموں سے شناخت کر سکتے ہو۔ علاوہ اس کے اس مامور سے پہلے بھی تو مامور گزرے ہوتے ہیں۔ ان حالات کو ان گزرے ہوئے لوگوں کے حالات اور واقعات سے مقابلہ کرو۔ یہ یاد رکھو کہ یہ کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو گا کہ کوئی مامور اور خلیفہ آئے اور لوگوں نے اس کو بغیر چون و چرا کے مان لیا ہو اور اس کی کوئی مخالفت نہ ہوئی ہو۔ خلفائے ربانیین کی تاریخ ہم کو بتلاتی ہے کہ ان کی ترقی تدریجی ہوتی ہے۔ تاریخ کو جانے دو۔ عام مشاہدہ قانون قدرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک ترقی اپنے اندر تدریج کا سلسلہ رکھتی ہے۔ ایک بچہ جو آج ہی پیدا ہو آج ہی جوان نہیں ہو سکتا۔ ایک طالب علم جس نے ابھی ابجد شروع کی ہو ابھی عالم فاضل نہیں بن سکتا۔ پس یاد رکھو کہ مامور من اللہ کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے۔ اس لئے ایک دم میں اس کی نشوونما یا ترقی کو معیار نہ ٹھہراؤ کہ یہ غلط راہ ہے اور حق سے دور پھینک دینے والی۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا لطیف ارشاد فرمایا قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:۱۰) کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول تو نہیں آیا۔ مجھ سے پیشتر ایک دراز سلسلہ انبیاء و رسل کا گزرا ہے' ان کے حالات دیکھو۔ وہ کھاتے پیتے بھی تھے' بیویاں بھی رکھتے تھے۔ پھر مجھ میں تم کونسی انوکھی اور نرالی بات پاتے ہو۔ غرض یہ مامور ایک ہی قسم کے حالات اور واقعات رکھتے ہیں۔ ان پر اگر انسان خدا ترسی اور عاقبت اندیشی سے غور کرے تو وہ ایک صحیح رائے اور یقینی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے جبکہ تم نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کو سپر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی رضا کا حال معلوم ہو اور وہ مامور من اللہ کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے اور مامور من اللہ کی شناخت کا اصول بھی سمجھ لیا۔ میں آگے چلتا ہوں۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ (البقرۃ:۱۹۵)۔ بڑے بڑے مشکلات اور مصائب پیش آتے ہیں۔ اختلافات ہوتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ دشمنوں کی زدوں اور ماموروں کی سادگی کو دیکھتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ ان مشکلات سے نجات پانے کے واسطے ایک ہی راہ ہے۔ اللہ کو سپر بنا لو۔ نتیجہ یہ ہو گا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال:۳۰)۔ اللہ تعالیٰ متقی کو فیصلہ کی راہیں خود بتا دیتا ہے۔ ہزاروں ہزار طریقے

ہیں جن سے سمجھا دیتا ہے۔ وجدان، فطرت، علمی دلائل، الہام، رؤیا، غرض جس طرح پر وہ چاہتا ہے سمجھا دیتا ہے۔

تقویٰ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ متقی بامراد ہوتا ہے۔ اس کو ایسی جگہ سے رزق ملتا ہے کہ اسے سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ اس کے دشمن ہلاک ہو جاتے ہیں۔ الٰہی نصرت اس کو ملتی ہے۔ خدا کی محبت کا انعام اس پر ہوتا ہے۔ پھر دنیا میں کون انسان ہے جو کامیابی، نصرت، محبت الٰہی، دشمنوں کی ہلاکت نہیں چاہتا مگر اس کا انحصار اور مدار تو تقویٰ پر ہے۔ تقویٰ اختیار کرو۔

وَ قَاتِلُوْافِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (البقرۃ:۱۹۱) اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اعلاء کلمۃ اللہ میں، اللہ کے بندوں کی عزت اور وقعت کے لئے دشمنانِ دین، دشمنانِ قرآن کریم، نبی کریم کے دشمنوں، آپ کے جانشینوں کے دشمنوں سے مقابلہ کرو مگر اس راہ سے جس راہ سے وہ مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ اگر تلوار اور تیر سے کام لیں تو تم بھی تلوار اور تیر سے کام لو۔ لیکن اگر وہ تدابیر سے کام لیتے ہیں تو تم بھی تدابیر ہی سے مقابلہ کرو۔ ورنہ اگر اس راہ سے مقابلہ نہیں کرتے تو یہ اعتدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اعتدا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ غرض جو راہ دشمن اختیار کرے اسی قسم کی راہ اختیار کرو۔

پس میں پھر کہتا ہوں کہ انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس راہ اور سبب کو اختیار نہیں کرتا جو اس کے حصول کے واسطے مقرر ہے۔ کامیابی کے صحیح اور یقینی اسباب اور ذرائع معلوم نہیں ہو سکتے جب تک سچا علم نہ ہو اور سچا علم بدوں قرآن کے نہیں آ سکتا اور قرآن بدوں تقویٰ کے حاصل نہیں ہوتا اور سچا تقویٰ اور خشیت الٰہی پیدا نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کے منتخب فرمائے ہوئے بندوں کی صحبت میں نہ رہے اور مامور اور منتخب کی شناخت کا اصول یہ ہے کہ جو اس سے پہلے آئے ہیں ان کے کاموں اور حالات سے اس کو پہچانو۔

غرض آج کا دن نبوی تاریخ کا پہلا دن ہے اور تقویٰ کی تیاری رمضان کے مہینہ سے شروع کی ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ سال آئندہ کے لئے اب ہی سے تیاری کریں۔

پھر رمضان شریف کے احکام و فضائل کو لَاتَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ:۱۸۹) پر ختم کیا ہے۔ باطل طریق سے اموال کا لینا بہت خطرناک بات ہے۔ پس ہر ایک اپنے اپنے اندر سوچو اور غور کرو کہ کہیں بطلان کی راہ سے تو مال نہیں آتا۔ اپنے فرائض منصبی کو پورا کرو۔ ان میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ کرو۔ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ (بخاری کتاب الایمان)۔ اپنی طاقتوں اور عمر کے ایام کو غنیمت سمجھو۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو کسی طرح بھی ناراض کرو اور

آج کے لئے، فقراء اور مساکین کے واسطے اپنے اموال کا ایک حصہ دے دو۔ صدقات مال کو پاک کر دیتے ہیں اور آفات اور مشکلات کو روک دیتے ہیں۔ آج کے صدقہ میں گیہوں دو مد (بھرا ہوا بک) اور غلہ چار مد غرباء اور مساکین کو دینا چاہئے کیونکہ مالوں ہی کی احتیاطوں سے اس رکوع شریف کو یا یوں کہو کہ آج کے دن کو شروع اور رمضان کو ختم کیا ہے۔ خدا کے فضل اور توفیق کے بدوں کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ پس اس کا فضل ہمارے شامل حال ہو۔ آمین۔

بعد ظہر "انجمن تشحیذ الاذہان" کا جلسہ ہو گا۔ شاید میں اس میں تمہیں کچھ اور سناؤں اس لئے اب ختم کرتا ہوں۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۵ ---- ۱۰؍ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۴ تا ۶)

و

(الحکم جلد ۵ نمبر ۶ ---- ۱۷؍ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۵ تا ۷)

☆-☆-☆-☆

۳۰ ؍ مارچ ۱۹۰۱ء

خطبہ عید الاضحیٰ

(ایڈیٹر "الحکم" کے الفاظ میں)

خطبہ کے شروع میں آپ نے فرمایا۔

عید کا خطبہ پڑھنے کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ فرمایا تو لوگوں کو کہا کہ جس کی مرضی ہو بیٹھے، جس کی مرضی نہ ہو یا اسباب اس کے نہ بیٹھنے کے ہوں وہ بے شک چلا جاوے۔ ☆

اس کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَمْلُوْكًا لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (النحل:۷۶)

میں نے یہ آیت شریف سورۃ نحل میں سے پڑھی ہے۔ اس کے ابتدا میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ

☆ ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ اِنَّا نَخْطُبُ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ وَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ۔ (سنن ابی دائود کتاب الصلوة باب الجلوس للخطبة۔ نیز دیکھیں۔ سنن نسائی کتاب صلوة العیدین۔ سنن ابن ماجه کتاب اقامة الصلوة و السنة فیها)۔

نے اپنی ہستی' اپنی توحید' اپنے اسماء' اپنے محامد اور لاانتہا عجائبات قدرت کا اظہار فرمایا ہے اور بعد اس بیان کے جو درحقیقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنوں کا بیان ہے' اس کے دوسرے جزو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر بحث کی ہے اور ضرورت نبوت' پھر ختم نبوت پر لطیف طرز سے بحث کی ہے اور بیان کیا ہے کہ کیوں خدا کی طرف سے کوئی مامور ہو کر آتا ہے اور اس کا کیا کام ہوتا ہے؟ پھر اس آیت میں بتایا ہے کہ جو شخص مامور من اللہ اور حجۃ اللہ ہو کر آتے ہیں وہ بلحاظ زمانہ' بلحاظ مکان عین ضرورت کے وقت آتے ہیں اور ان کی شناخت کے لئے وہی نشانات ہیں جو اس آیت میں بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ کیا کام کرتے ہیں۔ ان پر کیا اعتراض ہوتے ہیں۔ دوسروں کی نسبت ان میں کیا خصوصیت ہوتی ہے؟ ان دو آیتوں میں انہی باتوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے پہلی آیت شریف کا ترجمہ یہ ہے' مگر ترجمہ سے پیشتر یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے انسان کو ممتاز بنایا ہے اور پھر انسانوں میں سے کچھ لائق اور بعض نالائق ہوتے ہیں اور اس طرح پر خود ان میں ایک امتیاز قائم کرتا ہے۔ غرض نبوت کی ضرورت اور اس کے اصول کے سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اسی آیت میں ایک نہایت ہی عجیب بات سناتا ہے۔

"مثل" اعلیٰ درجہ کی عجیب بات کو کہتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ ایک عجیب بات اور نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی بات سناتا ہے۔ کوئی کسی کا غلام ہے' وہ عبد جو کسی کا مملوک ہے اس کا مالک اس کے لئے بہت سے کام رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا غلام وہ کام کرے مگر غلام کی یہ حالت ہے کہ لَايَقْدِرُ جس کام کو کہا جاتا ہے وہ مضائقہ کرتا ہے اور اپنے قول و فعل' حرکات و سکنات سے بتاتا ہے کہ آقا! یہ تو نہیں ہو سکتا۔ وہ زبان سے کہے یا اعمال سے دکھاوے' اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس کام کے کرنے کے قابل نہیں۔ اب ایک اور غلام ہے جو کام اس کے سپرد کیا جاوے' جس خدمت پر اسے مامور کیا جاوے پوری تندہی اور خوش اسلوبی سے اس کو سرانجام دیتا ہے۔ جب اس کو کوئی مال دیا جاوے تو وہ اس کو کیا کرتا ہے؟ اس مال کو لیتا ہے۔ جہاں آقا کا منشاء ہو کہ مخفی طور پر دیا جاوے وہاں مخفی طور پر دیتا ہے اور جہاں مالک کی مرضی ہو کہ ظاہر طور سے دیا جاوے وہاں کھلے طور پر دیتا ہے۔ غرض وہ مالک کی مرضی اور منشاء کا خوب علم رکھتا ہے اور اس کے ہی مطابق عمل درآمد کرتا ہے۔ اور مخفی در مخفی اور ظاہر در ظاہر موقعوں پر ہی جہاں مالک کی مصلحت ہوتی ہے اس مال کو خرچ کرتا ہے۔ اب تم اپنی فطرتوں سے پوچھو کہ یہ دو غلام ہیں جن میں سے ایک تو ایسا ہے کہ کسی کام کے کرنے کے بھی قابل اور لائق نہیں۔ اور دوسرا ہے کہ اپنے مالک کی مرضی اور مصلحت کا پورا علم رکھتا ہے اور صرف علم ہی نہیں اس پر عمل بھی کرتا اور سراً اور جہراً دونوں قسم کے اخراجات کر سکتا ہے۔ اب یہ کیسی صاف بات ہے اپنی ہی فطرت سے فیصلہ

پوچھ لو۔ هَلْ یَسْتَوٗنَ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ہر ایک دانشمند کو اعتراف کرنا پڑے گا۔

چونکہ وہ فطرت انسانی' اعتقادات' اخلاق سب کو جانتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم اور فطرت کی صحیح اور کامل واقفیت کی بنا پر فتویٰ دیتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اللہ تعالیٰ ہی کی حمد دنیا میں قائم ہو گی۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہی غلام لائق اور ممتاز ہو سکتا ہے جو ہر قسم کے اخراجات کو برمحل کرنے اور اپنے آقا کی منشاء و مصلحت کو جانتا ہے اور یہی نہیں بلکہ عملی طاقت بھی اعلیٰ درجہ کی رکھتا ہے۔

جب یہ بات ہے تو عرب و عجم کی تاریخ پر نظر کرو۔ نہیں! دنیا کی تاریخ کے ورق الٹ ڈالو اور دیکھو کہ جس زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا پر جلوہ گری کی کیا اس سے بہتر کوئی اور وجود اس قابل تھا کہ وہ دنیا کا معلم ہو کر آتا؟ ہرگز نہیں۔ لوگوں کو سچے علوم ملتے ہیں اور بابرکت اساتذہ کا اثر بھی ہوتا ہے لیکن یہ بات کہ حق سبحانہ تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا ہو اور اس کے مقرب ہونے کے لئے اقرب راہ مل جاوے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کامل طور پر دنیا میں نہیں ہوا۔ زمانہ کے امراض پر پوری نظر کر کے مریضوں کی حالت کی کامل تشخیص کس نے کی تھی؟ کسی کا نام تو لو۔ جب معالج ہی نہ تھا تو شفاء کا تو ذکر ہی کیا!

مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفاء کامل کا نسخہ لے کر آئے اور مریضوں پر اس کا استعمال کر کے ان کو تندرست بنا کر دکھا دیا کہ یہ دعویٰ کہ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ (بنی اسرائیل:۸۳) بالکل سچا دعویٰ ہے۔

اس وقت کی عام حالت پر نظر تو کرو تو معلوم ہو گا کہ دنیا میں ایک بلاخیز طوفان بت پرستی اور شرک کا آرہا تھا۔ کوئی قوم' کوئی ملک' کوئی خاندان' کوئی ملت ایسی نہ رہی تھی جو اس ناپاکی میں مبتلا نہ ہو۔ کیا ہند میں عالم نہ تھے؟ مجوسیوں کے پاس گھر اور دستور آگاہ نہ تھے؟ ☆ یہود کے پاس بائبل اور طالمود نہ تھی؟ عیسائیوں کی روما کی سلطنت نہ تھی؟ مصریوں کے ہاں علم کا دریا نہ بہتا تھا؟ کیا خاص عرب میں بڑے بڑے طلیق اللسان اور فصیح البیان شعراء موجود نہ تھے؟ مگر قوم کی امراض نہیں بلکہ ملک کی بیماریوں' نہیں نہیں دنیا کو تباہ کر دینے والی بلا کی کس نے تشخیص کی؟ وہ کون تھا جس نے شفاء اور نور کہلانے والی کتاب دنیا کو دلوائی؟ جواب آسان اور بہت آسان ہے بشرطیکہ انصاف اور سچائی سے محبت ہو کہ وہ پاک ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ اس آیت پر غور کرنے سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ

☆۔ مطابق اصل

اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں رزق اور مال سے کیا مراد ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ جیسے اس زمانہ میں مولوی اور درویش کاہل اور سست اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ان کو پکی پکائی روٹی دے جاوے' اسی طرح جب مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئیں گے تو لاتعداد زرومال تقسیم کریں گے اور اس طرح پر گویا قوم کو سست اور بے دست وپا بنائیں گے۔ اور قرآن کریم نے جو یہ اشارہ فرمایا تھا وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم:۴۰) اور حصر کے کلمہ کے ساتھ فرمایا تھا اس کو عملی طور پر منسوخ کر دیں گے۔ اس میں جو حصر کے کلمے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا یہ حکم منسوخ ہو جاوے گا اور جناب مہدی کا یہی کام ہو گا؟ سوچو اور غور کرو۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ رزق کے کیا معنے ہیں۔

اس کے بعد جناب الٰہی ایک دوسری شہادت سناتے ہیں اور اس مثال میں اَبکَم کا لفظ اختیار فرمایا ہے۔ پہلے ابکم نہ تھا اس لئے کہ ہم کو غرض ہے کسی ایسے آدمی کی جو پیغام رسانی کر سکے۔ لیکن جب کہ وہ اَبکَم ہے کچھ بول ہی نہیں سکتا' بھلا وہ اس منصب کے فرائض کو کیوں کر سرانجام دے گا؟ غلام مت سمجھو۔ رجلین ہیں یعنی "حُر" ہیں۔ آدم سے لے کر اس وقت تک ان پر کسی نے سلطنت نہیں کی اس لئے اس میں ترقی فرمائی ہے اس سے پہلے عبد کہا اب رجلین۔ اس سے میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ حروں میں' عربوں میں تاریخ پتہ نہیں دیتی کہ وہ کبھی کسی کی رعایا ہوئے ہوں۔ انہوں نے کبھی کسی کے تسلط اور جبروت کو پسند نہیں کیا اور یہاں تک آزاد ہیں کہ بذریعہ انتخاب بھی کل جزیرہ نما عرب پر ایک شخص حاکم ہو کر نہیں رہا۔ اب انہی سے ہم پوچھتے ہیں کہ اس وقت جو بحر و بر میں فساد برپا ہو رہا ہے اور دنیا میں بت پرستی' فسق وفجور' ہر قسم کی شرارت اور بغاوت پھیل رہی ہے کوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گم شدہ توحید کو از سرنو زندہ کرے اور مری ہوئی دنیا کو زندہ کر کے دکھاوے؟ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجبروت' اس کے جلال وسطوت کو کھول کر سنا دے۔ وہ جو اَبکَم اَلکَن ہیں وہ کیا بتا سکیں گے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ابکم نوکر تو اپنے آقا پر بھی دوبھر ہوتا ہے۔ اس کو کھانا کھلانا اور ضروریات کے سامان کا تکفل کرنا خود مالک کو ایک بوجھ معلوم ہوتا ہے اور پھر جہاں جاتا ہے تو کوئی خیر کی خبر نہیں لا سکتا۔ اب پھر تم اپنی فطرت سے پوچھو هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (النحل:۷۷) کیا اس کے برابر یہ ہو سکتا ہے جو امر بالعدل کرتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے اپنی عملی حالت سے اس کو دکھاتا ہے کہ وہ صراط مستقیم پر ہے؟

اس وقت جو دنیا میں افراط و تفریط بڑھ گئی ہے۔ دنیا کو اعتدال کی راہ بتانے والا اور اقرب راہ پر چل

کر دکھانے والا اور اپنی کامیابی سے اس پر مہر کردینے والا کہ یہی صراط مستقیم ہے جس پر میں چلتا ہوں۔ اب انسان اگر دانشمند اور سلیم الفطرت ہو تو اس کو صفائی کے ساتھ مسئلہ نبوت کی ضرورت کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔

میں نے ایک بار اس آیت پر تدبر کیا تو مجھے خیال آیا کہ اگر مولویوں کی طرح کہیں تو کیا عرب گونگے تھے؟ سبعہ معلقہ اور امرء القیس کا قصیدہ دیکھو جو بیت اللہ کے دروازہ پر آویزاں کیا گیا تھا۔ زید بن عمرو اور اس کے ہم عصر اعلیٰ درجہ کے خطیب موجود تھے۔ ان لوگوں میں جب کبھی اس بات پر منازعت ہوتی تھی بڑے دنگل لگتے تھے۔ جس کی بات کو مکہ کے قریش پسند کرتے وہ جیت جاتا۔ ان کی زبان عربی تھی۔ وہ دوسروں کو عجم کہتے تھے۔ اپنے آپ کو فصاحت میں بے نظیر سمجھتے تھے۔ پھر اس پر کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ابکم ہے؟ اپنی معشوقہ اور عشیقہ کے خد و خال، بہادری اور شجاعت کے کارنامے چستی و چالاکی کے، غرض ہر قسم کے مضمون پر بڑی فصاحت سے گفتگو کرسکتے تھے اور اپنے تحمل مزاج کے ثبوت دیتے تھے مگر ہاں وہ "ابکم" تھے تو اس بات میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کے محامد، اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انہیں کچھ علم نہ تھا اور وہ اس کی بابت ایک لفظ بھی منہ سے نہ بول سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کی بینظیری کو بیان کرنے کی مقدرت ان میں نہ تھی۔ وہ عرب کہلاتے تھے مگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جیسا اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ کلمہ ان میں نہ تھا۔ وحشیوں سے انسان اور انسانوں سے بااخلاق انسان پھر باخدا انسان بننے کے لئے اور ان مراتب کے بیان کرنے کو، آہ! ان میں ایک لفظ بھی نہ تھا۔ اخلاق فاضلہ اور رذائل کو وہ بیان نہ کرسکتے تھے۔ شراب کا تو ہزار نام ان میں موجود تھا مگر افسوس! اور پھر افسوس!! اگر کوئی لفظ اور نام نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور توحید کے اظہار کے واسطے۔ پھر یوں سمجھو کہ ان میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہ تھا۔ وہ اپنی سطوت اور جبروت دکھاتے۔ ایک پلے (کتی کے بچے) کے مرجانے پر خون کی ندیاں بہادینے والے اور قبیلوں کی صفائی کردینے والے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کے واسطے ان میں اس وقت تک سکت نہ تھی یہاں تک کہ پاک روح مطہر و مزکی معلم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں ظہور فرمایا۔

یہ وہ وقت تھا جب کہ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم:۴۲) کا نقشہ پورے طور پر کھینچا گیا تھا۔ سماوی مذاہب جو کہلاتے تھے اور خدا تعالیٰ کی کتابوں کے پڑھنے کے دعوے کرتے تھے باوجود اس کے کہ اپنے آپ کو مقربان بارگاہ الٰہی کہتے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ (المائدۃ:۱۹) مگر حالت یہاں تک خراب ہو چکی تھی کہ عظمت الٰہی اور شفقت علی خلق اللہ کا نام و نشان تک نہ پایا جاتا تھا۔ اور دنیوی ڈھکوسلے والوں

کی حالت بھی بگڑ چکی تھی۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ مکہ والوں کو آگاہ کرتا اور بتاتا ہے کہ تم ابکم ہو۔ صنادید مکہ میں سے ابوجہل ہی کو دیکھ لو۔ اس کے افعال و اعمال' اس کے اخلاق صاف طور پر بتاتے ہیں کہ وہ دنیا کے لیے ہرگز ہرگز خیر و برکت کا موجب نہیں۔ یہ صرف اسی پاک ذات کے لئے سزاوار ہے کہ وہ دنیا کی اصلاح اور فلاح کے لئے مامور ہوا جس کا پاک نام ہی ہے محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم' جس نے اپنی پاک تعلیم' اپنی مقدس و مطہر زندگی اور بے عیب چال چلن اور پھر اپنے طرز عمل اور نتائج سے دکھا دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲) میں اپنے اللہ کا محبوب ہوں۔ تم اگر اس کے محبوب بننا چاہو تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اتباع کرو۔ جب کہ میں اپنے خدا کا محبوب ہوں پھر بتاؤ کہ کوئی چاہتا ہے کہ اس کا محبوب ناکام رہے؟ پھر خدا مجھے کبھی ناکام نہ رہنے دے گا۔ میرے دشمن ذلیل اور ہلاک ہو جائیں گے۔ اور یہ باتیں ایسی سچی اور صاف ہیں کہ تم خود کر کے دیکھ لو۔ میری اطاعت کرو' میرے نقش قدم پر چلو' اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمن مردود اور مخذول ہو کر تباہ ہو جائیں گے۔ کیا اس وقت تم نہیں دیکھتے کہ نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (الانبیاء:۴۵) کیسے واضح طور پر پورا ہو رہا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے عظیم الشان لوگ طرف کہلاتے ہیں اس لئے کہ وہ ایک طرف ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں سے بعض سلیم الفطرت ہوتے ہیں' وہ بھی طرف کہلاتے ہیں۔ یعنی تمہارے اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں سے یا یہ کہو کہ ہر طبقہ اور درجہ میں سے جو عظیم الشان اور سلیم الفطرت لوگ ہیں وہ سب کے سب اسلام میں داخل ہو کر تمہاری جمعیت کو دن بدن کم کر رہے ہیں۔

غرض مامور من اللہ کا وجود ایک حجتہ اللہ ہوتا ہے۔ اس کی جماعت بڑھتی جاتی اور اس کے مخالف دن بدن کم ہوتے جاتے ہیں۔

یہ تو تیرہ سو برس کی بات تھی اور اب اس پر چودھویں صدی گذرتی ہے۔ اس میں سے بھی اٹھارہ سال گذرنے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی بناوٹ کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہوتا ہے اس کو تھوڑی دیر کے بعد خرچ کر کے پھر اور کی تلاش میں ہوتی ہے اور نئی چال اختیار کرتی ہے کہ وہ متاع واپس آئے۔ یہ نظام درختوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ایک وقت یہ نہایت صاف آکسیجن جو انسانی زندگی کے لئے اعلیٰ درجہ کی ضروری شے ہے نکالتے ہیں اور ابھی اس پر پورے ۱۲ گھنٹے نہیں گذرنے پاتے کہ کاربن جیسی زہریلی چیز دینے لگتے ہیں۔ پھر اس آکسیجن کے نکالنے کے واسطے بہت سی زہریلی چیزیں ان کو جذب کرنی پڑتی ہیں۔

ہم آپ بیتی ہی کیوں نہ سنائیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی کھانے اور پینے کی چیزیں آتی ہیں۔ قوائے شہوانی کی سیری کا سامان موجود ہوتا ہے۔ سیر ہو کر ان کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس وقت ایسا معلوم دیتا ہے کہ گویا ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ ابھی تھوڑا وقفہ نہیں گذرتا کہ وہی بھوک' وہی پیاس' وہی شہوانی خواہشیں موجود ہوتی ہیں۔ ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا کہ سردی کے واسطے گرم کپڑوں کی ضرورت تھی اور بڑی محنت اور صرف سے کپڑے تیار کرائے تھے مگر اب وہی ہم ہیں اور وہی کپڑے' لیکن ان کپڑوں کو اب رکھ نہیں سکتے۔ ضرورت آپڑی ہے کہ نئی طرز کے کپڑے ہوں جو اس موسم کے حسب حال ہوں۔ غرض یہی حال حضرات انسان کا ہے۔ قسم قسم کی غذائیں اندر پہنچ کر صرف اپنا خلاصہ در خلاصہ چھوڑ کر پاخانے کی شکل میں نکل جاتی ہیں اور پھر انہیں غذاؤں کی ضرورت اور انہیں خلاصوں کی احتیاج پیدا ہوتی رہتی ہے۔

یہی مضمون اور مفہوم ہے تجدید دین کا۔ اس وقت بھی دیکھ لو اور غور سے دیکھ لو کہ کس قدر ضرورت ہے کہ کوئی مرد خدا آوے اور ہماری گم شدہ متاع کو پھر واپس دلائے۔

بڑا ہی بد قسمت ہے وہ انسان جس کا گھر لوٹا جا رہا ہو اور وہ میٹھی نیند سو رہا ہو اور خواب میں جنت کی سیر کر رہا ہو اور خوبصورت عورتیں اس کے گرد ہوں اور وہ اس نیند سے اٹھنا ایک مصیبت خیال کرتا ہو۔

یہی حال اس وقت اسلام کا ہو رہا ہے۔ دشمن نے چاروں طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا ہوا ہے اور بعض اطراف سے در و دیوار کو بھی گرا دیا ہے۔ قریب تھا کہ وہ اندر داخل ہو کر ہمارے ایمان کی متاع لوٹ لے کہ ایک بیدار کرنے والے کی آواز پہنچی۔

یا تو ہمیں اپنے دکھ اور مصیبت کی خبر نہیں ہے اور یا خبر تو ہے مگر ہم پوری لاپروائی سے کام لے رہے ہیں۔ ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک دعا تعلیم فرمائی ہے۔ میں بہت ہی خوش ہوں کہ ہمارے امام علیہ الصلوۃ والسلام نے اس کو قریباً فرض قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْکَسَلِ (بخاری۔ کتاب الدعوات)۔ عجز کیا ہے؟ کہ اسباب ہی کو مہیا نہ کر سکے اور کسل یہ ہے کہ اسباب تو مہیا ہوں لیکن ان سے کام نہ لے سکے۔

کیسا ہی بد قسمت ہے وہ انسان جو اسباب کو مہیا نہیں کرتا اور وہ انسان تو بہت ہی بد قسمت ہے جس کو اسباب میسر ہوں لیکن وہ ان سے کام نہ لے۔ اب میں تمہیں توجہ دلانی چاہتا ہوں گھر کی حالت پر۔ تمہیں یا مجھے یا ہماری موجودہ نسلوں کو وہ وقت تو یاد ہی نہیں جب ہم اس ملک کے بادشاہ تھے۔ سلطنت

بھی خدا تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرمایا ہے جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا (المائدۃ:۲۱) یعنی اے میری قوم! خدا نے تجھ میں انبیاء کو مبعوث فرمایا اور تجھ کو بادشاہ بنایا۔

جب قوم کی سلطنت ہوتی ہے تو قوم کے ہر فرد میں حکومت کا ایک رنگ آجاتا ہے۔ ہاں ہمیں تو وہ وقت یاد نہیں جب ہم بادشاہ تھے۔ اچھا تو قوم کی سلطنت تو اب ہے نہیں اور خدا کا شکر بھی ہے کہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہوتی تو موجودہ نااتفاقیاں' یہ لاچاریاں' یہ بے کسی اور بے بسی' خود نمائی اور خود بینی ہوتی۔ ضروریات زمانہ کی اطلاع نہ ہوتی تو کس قدر مشکلات کا سامنا ہوتا اور کیسے دکھوں میں پڑتے۔ بیرونی حملہ آور اندرونی بغاوتوں کو دیکھ کر حملہ آور ہوتے اور ہلاک کر دیتے۔ تو یہ خدا کا رحم ہے جو اس نے سلطنت لے کر دوسروں کے حوالے کی اور ہم کو اس دکھ سے بچالیا جو اس وقت موجودہ حالت کے ہوتے ہوئے ہمیں پہنچتا۔

اس کے ماوراء وہ مقدس چیز جس کا نام مذہب ہے اور جو ایسا صاف اور مدلل اور معقول تھا کہ فطرت انسانی اسے اپنا محتاج قرار دیتی تھی' اس کا یہ حال ہے کہ اس کے عقائد کو' اصول ہوں یا فروع' ایسا بنا دیا گیا ہے کہ وہ پہیلیوں اور چیستانوں میں ڈال رکھا ہے۔ وہ ایک ایسا معمہ کر دیا گیا ہے کہ حل ہی ہونے میں نہیں آتا۔

اس کا اثر اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ایک ناتواں انسان کے بچہ کو جو ہگنے اور موتنے کا محتاج تھا خدا بنا رہے ہیں اور اپنے گناہوں کی گٹھڑی دوسرے پر ڈال کر جو کچھ کریں سو تھوڑا ہے' ان کو بھی جرات اور دلیری ہو گئی کہ وہ اس باطل کی اشاعت میں پورے مستعد اور تیار ہو کر نکلے ہیں اور کروڑوں کتابوں' اخباروں' رسالوں سے کام لے رہے ہیں۔ کہیں ہسپتالوں کی شکل میں' کہیں مشن سکولوں کے رنگ میں' غرض کہیں کسی بھیس میں' کہیں کسی لباس میں انسان کی خدائی منوانے اور اس کو "منجی" قرار دینے میں زور لگا رہے ہیں۔ ہمارے لئے یہ امر بھی کوئی رنجیدہ نہ ہوتا اگر ان کی کوششوں کی انتہا اپنے ہی مذہب کی اشاعت ہوتی۔ مگر اس پر آفت یہ برپا کی ہے کہ اپنے مذہب کی اشاعت کا طرز اور رنگ انہوں نے یہ اختیار کر لیا کہ مقدس اسلام پر' ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات پر وہ دل آزار حملے کرنے شروع کیے ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔ تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ محض خیالی باتیں دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب پر حملے کرتے ہیں۔ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتَابَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرۃ:۸۰)۔

یہ سچی بات ہے کہ ترجمہ مترجم کے ذاتی خیالات ہوتے ہیں۔ اب دیکھو نصاریٰ قوم تراجم کو ہاتھ میں لے کر کہتے پھرتے ہیں خدا کا کلام ہے۔ کتاب مقدس میں یوں لکھا ہے۔ حالانکہ اصل کتاب کا پتہ بھی نہیں لگتا کہ کہاں گئی۔ بلکہ یہاں تک مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ابھی تک یہ فیصلہ بھی نہیں ہوا کہ وہ اصلی زبان جس میں انجیل تھی عبرانی تھی یا یونانی۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام کے آخری کلمات "ایلی ایلی لما سبقتانی" اور ان کی قومی اور مادری زبان سے صاف طور پر یہ پتہ لگتا ہے کہ وہ عبرانی ہی تھی مگر یہ یونانی کہتے جاتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اصل کتاب کا پتہ ہی نہیں ہے۔ اب جو کچھ ان کے ہاتھ میں ہے وہ ذاتی خیالات ہیں۔

غرض اس قسم کا تو مذہب کمزور ہے اور پھر اس پر طرفہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی طریق اشاعت کی وجہ سے، کہیں خوبصورت عورتوں کے ذریعہ تبلیغ کرکے، کہیں ہسپتالوں کے ڈھنگ ڈال کر اخبارات اور رسالہ جات کی اشاعت سے، کوئی قوم کوئی خاندان ایسا نہیں چھوڑا جس میں سے کسی نہ کسی کو گمراہ نہ کر لیا ہو۔

یہ آفت ہی اسلام کے لئے کم نہ تھی کہ ایک اور قوم اٹھی جو اپنا وجود تو دو ارب سال سے بتاتی ہے مگر آج تک اتنا بھی نہ ہوا کہ اپنی پاک کتاب کو ہند سے باہر ہی کسی قوم کو سنا دیتی۔ ہند سے باہر تو بہت بڑی بات تھی وہ تو اپنے گھر میں بھی برہمنوں کے سوا باقی قوموں کو اس سے آگاہ کرنا گناہ سمجھتی رہی اور اب تک اصل سناتن دھرم والے وید کا پڑھنا بجز برہمن کے دوسرے کے واسطے جائز نہیں سمجھتے۔ یہ قوم بھی بااین ہمہ اسلام پر اعتراض کرنے کو آگے بڑھی۔

فلسفہ، طبعی اور طباعت وغیرہ علوم کی ترقی، آزادی اور حریت کے بے طرح بڑھنے نے ایک اور قوم کو پیدا کر دیا جو اپنے آپ کو برہمو کہتے ہیں۔ انہوں نے سلسلہ نبوت ہی کا انکار کر دیا ہے اور اپنے ہی کانشنس کو سب کچھ سمجھ لیا حالانکہ وہ تفریق نہیں کر سکتے کہ ایک زناکار کا کانشنس زنا ہی کا مجوز کیوں ہے یا ایک ڈاکو اور راہزن خون کرنے اور لوٹ کھسوٹ ہی کا فتویٰ جب دیتا ہے تو وہ گناہ کیوں ہے؟ پھر ان سے اتر کر وہ لڑکے ہیں جن پر آئندہ نسلیں ہونے کا فخر کیا جاتا ہے اور ان کو اپنی بہتری اور بہبودی کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ ان کو سکولوں اور کالجوں میں اس قسم کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن کا لازمی نتیجہ دہریت اور بے دینی ہونی چاہیے۔

اس لئے کروڑ در کروڑ مخلوق دہریت کے لئے تیار ہو رہی ہے۔ ان کالجوں کی ذریت بجائے اس کے کہ وہ خدا پرست اور اعلیٰ درجہ کے الٰہیات میں غور کرنے والے ہوتے، پکے دہریہ اور مذہب کے

سلسلہ سے آزاد پیدا ہو رہے ہیں۔ پھر اندرونی مشکلات قوم کو سمجھنے کے واسطے اہل دل گروہ قوم کا دل اور علماء دماغ تھے۔ امراء حکومت کرنے والے تھے۔ لیکن اگر اہل دل' علماء اور امراء کے حالات کو غور سے دیکھیں تو ایک عجیب حیرت ہوتی ہے۔ عظمت الٰہی اور خشیت الٰہی علوم قرآنی کے جاننے کا ذریعہ تھا۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ (فاطر:۲۹) یا یوں کہو کہ اہل دل گروہ علماء سے بنتا ہے یا اہل دل ہی عالم ہونے چاہییے تھے مگر یہاں یہ عالم ہی دوسرا ہے۔

فقر اور علم میں باہم تباعد ضروری سمجھا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ عالم اور فقر کیا؟ وہ علم جو خشیتہ اللہ کا موجب ہوتا اور دل میں ایک رقت پیدا کرتا' ہرگز نہیں رہا۔ رہی نری زبان دانی جس پر کوئی یونیورسٹی فکر کر سکتی ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ ان لوگوں کے کلام ہیں جو شراب خور' فاسق اور اللہ تعالیٰ کے نام سے ناآشنا تھے۔

عربی زبان کے متعلق مجھ سے لوگوں نے پوچھا ہے اور میں نے بجائے خود بھی غور کیا ہے۔ چار قسم کی زبان ہے۔ اول اللہ کی زبان جو قرآن شریف میں موجود ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان' اس سے اتر کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زبان۔ ان تین قسم کی پاک زبانوں سے پوری محرومی ہے۔ چوتھا درجہ وہی ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا۔ وہ جاہلیت کے شعراء کی زبان جن کے اخلاق و عادات ایسے تھے کہ ان کا ذکر بھی مجھے اچھا نہیں معلوم دیتا۔

یہ ایک باریک علم ہے جس کی لوگوں کو بہت کم اطلاع ہے۔ زبان اندر ہی اندر انسان کے روحانی اور اخلاقی قویٰ پر ایک زبردست اثر کرتی ہے۔ بہت سی کتابیں اس قسم کی موجود ہیں جن کو پڑھ پڑھ کر دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ فسق و فجور میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا ہے۔ استادوں اور کتابوں کا اثر بہت آہستہ دیرپا ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ استادوں کے تقرر اور تعلیمی کتابوں کے انتخاب میں بڑی فکر کرنی چاہئے کیونکہ ان کا اثر اندر ہی اندر چلتا ہے۔ اب دیکھ لو کہ اللہ کی زبان' اس کے کامل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان' صحابہ کرامؓ کی زبان کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ یونیورسٹی نے اگر کوئی حصہ لیا تو وہ بھی ان لوگوں کا جن کے کلام کا اثر اخلاق اور عادات پر اچھا نہیں پڑ سکتا۔

میں تم سے پوچھتا ہوں کہ بتاؤ تو سہی کہ تم نے کس قدر روپیہ' کس قدر وقت اور محنت اس پر کی؟ جواب یہی ہو گا کہ کچھ نہیں۔ میں نے بہت سے آدمیوں کو دیکھا ہے کہ جب ان کو کہا گیا کہ قرآن شریف بھی پڑھا کرو تو انہوں نے آخر کہا تو یہی کہا کہ کوئی بہت ہی خوبصورت عمدہ سا قرآن دو اور وہ بھی مفت۔ اللہ! اللہ!! ناولوں اور انگریزی کتابوں کی خرید میں جس قدر روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اس کا

سواں حصہ بھی قرآن شریف کے لئے خرچ نہیں کر سکتے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ساری توجہ اسی کی طرف ہوتی مگر ساری چھوڑ ادھوری بھی نہیں۔ مجھے اس وقت ایک معمول کی بات یاد آگئی ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ قرآن شریف پڑھو۔ اس نے کہا کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا خوبصورت قرآن ہو تو دو۔ میں نے اپنے دل میں کہا اللہ! یہ شخص اپنے کوٹ پتلون کے لئے تو اس قدر روپیہ خرچ کر سکتا ہے اور نہیں لے سکتا تو قرآن نہیں لے سکتا۔

یہ بناوٹی بات نہیں ہے۔ خود سوچ کر دیکھ لو جس قدر جیب خرچ کے واسطے دیتے ہو دین پڑھانے کے لئے اتنا نہیں دیتے۔

توحید کا تذکرہ میں نے اس لئے نہیں کیا کہ مسلمان جو سامنے ہیں کفار نہیں۔ نبوت کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ برہمو نہیں ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے والے میرے سامنے ہیں۔

انتخاب کا ذکر کیا تھا اس کی ایک ضرورت تھی۔ اس میں بات چل پڑی کہ کیسی ضرورت ہے کہ قرآن کریم کی طرف توجہ دلاؤں۔ دنیا کی لعنت ملامت۔ طعن و تشنیع سب کچھ سنا۔ پھر بھی ٹٹول کر دیکھو کہ خود قرآن دانی' قرآن فہمی کے لئے کیا کیا۔ کتنی کوشش کی؟ جواب یہی ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں کی۔ حضرت امام نے طاعون کے اشتہار دیئے۔ تم ہی بتاؤ کہ تبدیلی کی تو کیا کی؟ غرض کیسے کیسے مشکلات ہیں۔ رہنمائی کے لئے صرف ایک ہی چیز تھی جس کا نام شفا اور نور ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے آپ نے کیا فکر کی ہے؟ اندرونی یہ آفت اور بیرونی وہ مشکلات۔

بعض لوگ کہہ اٹھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی کامل کتاب ہم میں موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اور کسی کی کیا ضرورت ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس کتاب ہی کو اگر پڑھتے تو یہ سوال ہرگز نہ کرتے۔ کیونکہ اس میں صاف لکھا ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ (الجمعه:۳) کتاب چاہئے' کتاب کا پڑھنے والا بھی تو ضروری ہے اور اس کے پڑھانے والا ایسا ہو جو مزکی النفس اور مطہر القلب ہو۔ محمد رسول اللہ اَبکَم نہیں بلکہ سراً و جہراً خرچ کرنے والا' خود محبوب ہو کر دوسروں کو محبوب بنانے والا۔

اسی طرح کتاب سکھ دینے والی ہے مگر اس کے لئے مزکی معلم کی ضرورت ہے۔ بدوں اس کے وہ کارگر نہیں ہو سکتی۔ یہ ضرورت ہے مامور من اللہ کی۔

میں بھی اپنی جگہ درس دے لیا کرتا ہوں اور گھر میں اور باہر آکر بھی قرآن پڑھتا رہتا ہوں۔ مگر کیا مزکی ہوں؟ تاکہ میں اپنے عملدرآمد کے رنگ میں دوسرے کو دکھا سکوں۔ نہیں' نہیں اور ہرگز نہیں۔

مسیح مر گئے۔ حضرت اقدس نے اس مسئلہ کی انتہا کر دی اور قرآن شریف سے اس کو ایسا ثابت کر دیا کہ اب دوسرا کیا لکھے گا۔ روایت کشی میں مرزا خدا بخش صاحب نے حد کر دی ہے۔ میں سوچنے لگا کہ مجھے کوئی نئی دلیل اس کے متعلق سمجھ میں آسکتی ہے۔ قرآن کو اٹھاتے ہی یہ بات ذہن میں آئی۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (آل عمران:٦٠) جہاں جہاں اس کو دیکھا تو مردوں کے جی اٹھنے پر آیا ہے۔

پھر آدم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کی وفات کا تذکرہ نہیں مگر مسیح کی وفات کا تذکرہ ہے۔ پھر مشکلات ہیں تو کیا ہیں؟ جواب ہے وہی اندرونی اور بیرونی مشکلات جو ابھی کہہ چکا ہوں۔ کل بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا کہ ایسا نہ ہو عید تجھ کو پڑھانی پڑے۔ جیسے مجددوں کی ضرورت ہے' اس لئے عید کے متعلق تیرے دل میں نئی نئی بات کیا آتی ہے۔ اسی دھن میں کبھی فقہ کی کتابیں پڑھتا۔ کبھی احادیث کو دیکھتا۔ کبھی مختصرات پر نظر کرتا۔ آخر میرے جی میں آیا کہ ان لوگوں کی کتابوں کو دیکھوں جو اخلاق اور ضروریات کو بیان کر سکتے ہیں۔ اس مطلب کے لئے میں نے ایک کتاب لی۔ ۴۲ صفحوں اور وہ بھی بہت بایک سطروں میں عید کا ذکر تھا۔ میں اسے پڑھنے لگا تو دیکھا کہ لمبے مباحثات ہیں جن کا کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر میں نے کہا کہ چھوڑ دوں۔ پھر کہا شاید کچھ آگے لکھا ہو۔ اسی طرح پر ساری کتاب کو ختم کیا۔ آخر مجھے افسوس ہی ہوا کہ کس قدر وقت ضائع کیا۔ لیکن میری نیت چونکہ بخیر تھی اس لئے وہ افسوس جاتا رہا۔ لیکن مجھے یہ حیران کر دینے والا خیال پیدا ہوا کہ کس قدر مشکلات اس ایک عید کے معاملے میں ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ کس وقت نماز پڑھی جاوے۔ ایک رمحہ سورج نکل آیا ہو۔ کس وقت اس عشرہ میں تمجید' تکبیر' تقدیس' تسبیح اللہ کو پسند ہے اور ہر وقت خدا کی یاد کی جاوے۔ پھر یہ کہ دو رکعت نماز پڑھ لو۔ پھر بحث شروع کی کہ فرض عین ہے یا نہیں۔ مستحب ہے یا کیا؟ تکبیریں کتنی پڑھنی چاہئیں وغیرہ۔ کپڑوں' خطبوں کے متعلق کیا احکام ہیں۔ غرض ایک لمبا سلسلہ تھا۔ مجھے اس پر غور کرتے کرتے یہ معلوم ہوا کہ وہ مقدس دین جس کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو پہنچایا اس کا خلاصہ تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ ملائکہ پر ایمان ہو۔ اس کے رسولوں پر ایمان ہو۔ اس کی کتابوں پر ایمان ہو۔ تقدیر پر ایمان ہو۔ ختم نبوت اور قیامت پر ایمان ہو اور ضرورت ہے کہ اس میں کچھ بھی کمی بیشی نہ ہو۔ لیکن یہ ایزادی کی ہی بات تھی جو ۴۲ صفحے لکھ دیئے۔ اب اس کے حل کرنے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیئے۔

ایک شیعہ نے مجھے خط لکھا کہ تم جو دین کی طرف متوجہ ہو یہ تو بتاؤ کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ

ہونے کے دلائل جو آج تک سنیوں نے دیئے ہیں کیا ہیں اور ان پر شیعوں نے جو اعتراض کئے ہیں اور پھران کا جو جواب سنیوں نے دیا ہے اور ان سب پر اپنا فیصلہ لکھ دو۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ تیرہ سو برس کا جھگڑا اور پھر خوارج بھی ساتھ۔ اعتراض اور جرح الگ' ان سب پر نظر۔ لکھنا آسان بات نہ تھی۔ میں نے کہا مولیٰ کریم! تونے اپنے فضل و کرم سے ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے کہ حَکَم۔عدل تو موجود ہی ہے۔ کوئی راہ اس کے پرتو سے کھول دے۔ آخر میں نے یہ لکھ دیا کہ ہمارا انتخاب آخر غلط ہوتا ہے' اس کو معزول کرنا پڑتا ہے۔ زندگی اور موت ہی ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ ایک کو منتخب کریں اور رات کو اس کی جان نکل جاوے۔ میرے استاد کہتے تھے۔ سعادت علی خاں نے کئی کروڑ روپیہ ہند کے واسطے انگریزوں کو دیا کہ اسے دے دیں۔ کہتے ہیں جب عملدر آمد کے لئے کاغذ پہنچے تو رات کو جان نکل گئی۔ یہ مشکلات ہیں جو ہمارے انتخاب درست نہیں ہو سکتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (النور:۵۶) یہ خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے کہ کسی کو خلیفہ بناوے۔ پس کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ بنی ہاشم نے بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ خدا نے جس کو بنانا تھا اس کو بنا دیا۔ۓ

اسی امت سے خلیفہ ہونا اور خلیفہ کا تقرر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہونا ہی قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے اور اگر خلیفہ بننا بہت کتابوں کے پڑھ لینے پر ہوتا تو چاہئے تھا کہ میں ہوتا۔ میں نے بہت کتابیں پڑھی ہیں اور کثیر التعداد میرے کتب خانہ میں ہیں۔ مگر میں تو ایک آدمی پر بھی اپنا اثر نہیں ڈال سکتا۔ غرض خدا تعالیٰ کا وعدہ آپ ہی منتخب کرنے کا ہے۔ کون منتخب ہوتا ہے؟ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام:۱۲۵)۔ جو شخص خلافت کے لئے منتخب ہوتا ہے اس سے بڑھ کر دوسرا اس منصب کے سزاوار اس وقت ہرگز نہیں ہوتا۔ کیسی آسان بات تھی کہ خدا تعالیٰ جس کو چاہے مصلح مقرر کردے۔ پھر جن لوگوں نے خدا کے ان مامور کردہ منتخب بندوں سے تعلق پیدا کیا انہوں نے دیکھ لیا کہ ان کی پاک صحبت میں ایک پاک تبدیلی اندر ہی اندر شروع ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط اور مستحکم کرنے کی آرزو پیدا ہونے لگتی ہے۔

دیکھو انسان عبث پیدا نہیں کیا گیا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (المومنون:۱۱۶) کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ ہم نے تم کو عبث پیدا کیا ہے؟ ایسا خیال تمہارا غلط ہوگا۔ ہمارے حضور تم کو آنا ہوگا۔ جب تم عبث نہیں بنائے گئے تو پھر سوچو کہ تم کیوں بنائے گئے ہو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ لوگو اپنے رب کے فرمانبردار بن جاؤ۔ فرمانبرداری ضروری ہے۔ مگر کوئی

فرمانبرداری بدوں فرمان کے نہیں ہو سکتی اور کوئی فرمان اس وقت تک عمل کے نیچے نہیں آتا جبتک کہ اس کی سمجھ نہ ہو۔ پھر اس فرمان کے سمجھنے کے لئے کسی معلم کی ضرورت ہے اور الٰہی فرمان کی سمجھ بدوں کسی مزکی اور مطہر القلب کے کسی کو نہیں آتی۔ کیونکہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعہ:۸۰) خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ پس کیسی ضرورت ہے امام کی، کیسی مزکی کی۔ میں تمہیں اپنی بات سناؤں۔ تمہارا کنبہ ہے، میرا بھی ہے۔ تمہیں ضرورتیں ہیں۔ مجھے بھی آئے دن اور ضرورتوں کے علاوہ کتابوں کا جنون لگا رہتا ہے۔ مگر اس پر بھی تم کو وقت نہیں ملتا کہ یہاں آؤ۔ موقع نہیں ملتا کہ پاس بیٹھنے سے کیا انوار ملتے ہیں۔ فرصت نہیں، رخصت نہیں۔ سنو! تم سب سے زیادہ کمانے کا ڈھب بھی مجھے آتا ہے۔ شہروں میں رہوں تو بہت سا روپیہ کما سکتا ہوں۔ مگر ضرورت محسوس ہوتی ہے بیمار کو۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ کا زمانہ ہے۔ میرے لئے تو یہاں سے ایک دم بھی باہر جانا موت کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ تم شائد دیکھتے ہو گے کہ یہاں کھیت لہلہا رہے ہیں۔ دنیا اپنے کاروبار میں اسی طرح مصروف ہے۔ مگر میرا ایک دوست لکھتا ہے کہ وبا کے باعث گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے ہیں۔

بے فکر ہو کر مت بیٹھو۔ خدا کے دردناک عذاب کا پتہ نہیں کس وقت آ پکڑے۔ غرض اس وقت سخت ضرورت ہے اس امر کی کہ تم اس شخص کے پاس بار بار آؤ جو دنیا کی اصلاح کے واسطے آیا ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ جو شخص اس زمانہ میں خدا کی طرف سے آیا ہے وہ ابکم نہیں ہے بلکہ علی وجہ البصیرت تمہیں بلاتا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ اشتہاروں اور کتابوں ہی کو پڑھ کر فائدہ اٹھالو اور انہیں ہی کافی سمجھو۔ میں سچ کہتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بے فائدہ اپنے وطنوں اور عزیز و اقارب کو چھوڑا تھا۔ پھر تم کیوں اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ کیا تم ہم کو نادان سمجھے ہو جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں؟ کیا ہماری ضرورتیں نہیں؟ کیا ہم کو روپیہ کمانا نہیں آتا؟ پھر یہاں سے ایک گھنٹہ غیر حاضری بھی کیوں موت معلوم ہوتی ہے۔ شائد اس لئے کہ میری بیماری بڑھی ہوئی ہو۔ دعاؤں سے فائدہ پہنچ جاوے تو پہنچ جاوے مگر صحبت میں نہ رہنے سے تو کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

مختلف اوقات میں آنا چاہئے۔ بعض دن ہنسی ہی میں گزر جاتا ہے اس لئے وہ شخص جو اسی دن آ کر چلا گیا وہ کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں میں بیٹھے ہوئے قصہ کر رہے ہوں گے اس وقت جو عورت آئی ہو گی تو حیران ہی ہو کر گئی ہو گی۔ غرض میرا مقصد یہ ہے کہ میں تمہیں توجہ دلاؤں کہ تم یہاں بار بار آؤ اور مختلف اوقات میں آؤ۔

میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ انسان عبث نہیں بنایا گیا اور اس کو خدا تعالیٰ کے حضور ضرور حاضر ہونا ہے اور پھر یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کی اصل غرض پیدا کرنے کی یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو۔ فرمانبرداری فرمان کے بغیر نہیں ہوتی اور فرمان کی تعمیل جب تک فرمان کی سمجھ نہ ہو ناممکن ہے۔ خدا تعالیٰ کا فرمان قرآن شریف ہے اور اس کی زبان عربی ہے۔ پس عربی زبان سے واقفیت پیدا کرو۔ پھر امام کی صحبت میں آکر رہو کیونکہ وہ مطہر القلب ہے۔ قرآن شریف کا علم لے کر آیا ہے۔ ایک اور بات ہے جو انسان کو سچائی کے قبول کرنے سے روک دیتی ہے اور وہ تکبر ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ متکبر کو خدا تعالیٰ کی آیتیں نہیں مل سکتیں۔ کیونکہ تکبر کی وجہ سے انسان تکذیب کرتا ہے اور جھٹلانے کے بعد صداقت کی راہ نہیں ملتی ہے۔ پہلے تکذیب کر چکتا ہے پھر انکار کرتا ہے۔ یاد رکھو مفتری کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ۔ (المومن:۲۹) پس اپنے اندر دیکھو کہ کہیں ایسا مادہ نہ ہو۔ کبھی کبھی انسان کی ایک بدعملی دوسری بدعملی کے لئے تیار کر دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے بہت وعدہ کر کے خلاف کرنے والا منافق مرتا ہے۔ امام کے ہاتھ پر بڑا زبردست اور عظیم الشان وعدہ کرتے ہیں کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔

اب سوچ کر دیکھو کہ کہاں تک اس وعدہ کی رعایت کرتے ہو اور دین کو مقدم کرتے ہو۔ جب قرآن شریف دیکھا ہے تو انبیا علیہم السلام کی اجماعی تعلیم استغفار ہے۔ اس کے معنے ہیں اپنی غلطیوں اور ان کے بدنتائج سے بچنے کے لئے دعا کرنا۔ پہلے استغفار ہے۔ گذشتہ گناہوں کے بدنتائج اور آئندہ ان سے بچنے کی دعا۔ اس کے ذنوب سے بچنے کے لئے سعی اور مجاہدہ کرنا اور پھر امر الٰہی کی تعظیم کرنا اور نواہی سے اللہ تعالیٰ کے جلال کو دیکھ کر ہٹ جانا اور ڈر جانا ہے۔ قرآن شریف میں مطالعہ کرو کہ نابکار خدا تعالیٰ سے نہ ڈرنے والوں اور انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کرنے والے شریروں کا انجام کیا ہوا۔ کس طرح وہ ذلت کی مار سے ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں پر' ختم نبوت پر' تقدیر پر' مسئلہ جزا و سزا پر۔ اس سب کے بعد رذائل سے بچنے اور فضائل کو حاصل کرنے کی بے تعداد ضرورت ہے۔ اور یہ بات حاصل ہوتی ہے کسی برگزیدہ انسان کی صحبت میں رہنے سے جس کو خدا نے اس ہی کام کے لئے مقرر کیا ہے۔

مشکلات آتی ہیں اور ضرور آتی ہیں۔ مگر مومن کا کام ہے کہ وہ خدا تعالیٰ پر کبھی بدظن اور اس سے مایوس نہیں ہوتا۔ مجھے اس آیت نے بڑا ہی مزا دیا ہے اِنَّہٗ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ (یوسف:۸۸)۔ پس مجھے دیکھو کہ کتنی دیر سے کس استقلال اور ہمت سے محض خدا کو راضی

کرنے کے واسطے یہاں بیٹھا ہوں۔ مجھے بھی مشکلات ہیں۔ بعض دوست کہتے ہیں کہ تم الٹی ترقی کرتے ہو' پر میں خود ہی سمجھتا ہوں کہ میری مرض گھٹ رہی ہے یا بڑھ رہی ہے۔

مشکلات ضرور ہوتے ہیں' تمہیں بھی آئیں گی۔ مگر اس بات کی کچھ پروا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ ہم نے جس کو امام' مامور من اللہ مانا ہے اور خدا کے فضل سے علیٰ وجہ البصیرت مانا ہے اس کو خدا کے لئے مانا ہے۔ پس ہم کو تو اپنی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ یاد رکھو کہ مزکی کے پاس رہنے کے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ علوم میں سے ہمیں ضرورت ہے اس بات کی کہ اسماء اللہ معلوم ہوں۔ خدا تعالیٰ کے افعال کا علم ہو۔ ایمان کے معنے معلوم ہوں۔ کفر اور نفاق کی حقیقت معلوم کریں۔ ایک میرے بڑے پڑھے لکھے دوست نے کئی بار مجھ سے پوچھا ہے کہ عبادت کیا چیز ہے؟ پس جب اتنے بڑے علم کے بعد بھی ان کو مشکل پیش آئی تو وائے ان لوگوں پر جو مطلق بے خبر اور ناواقف ہیں۔

پرسوں یا اترسوں میں لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ پر کچھ کہہ رہا تھا کہ ایک بول اٹھا کہ تمہارے نزدیک سارے کافر ہو جاتے ہیں۔

پہلا الہام جو ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا وہ بھی رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۵) کی دعا تعلیم ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علم کی کس قدر ضرورت ہے۔ سچے علوم کا مخزن قرآن شریف ہے تو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے اور سمجھ کر پڑھنے اور عمل کے واسطے پڑھنے کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اور یہ حاصل ہوتا ہے تقویٰ اللہ سے' مامور من اللہ کی پاک صحبت میں رہ کر۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی سلامتی' صدق نیت' شفقت علی خلق اللہ' غایت البعد عن الاغنیاء' آسانی جودت طبع' سادگی اور دور بینی کی صفات سے فائدہ پہنچاتے ہیں۔

ایک اثر میں میں نے پڑھا ہے کہ نماز کی نسبت خطبہ چھوٹا ہو' اس لئے اب میں اس کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ل

اولاد کے لئے ایسی تربیت کی کوشش کرو کہ ان میں باہم اخوت' اتحاد' جرات' شجاعت' خودداری' شریفانہ آزادی پیدا ہو۔ ایک طرف انسان بناؤ دوسری طرف مسلمان۔ ۲

ل۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۲۔۔۔۳۱ مارچ ۱۹۰۱ء صفحہ ۷۔۸) و (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۳۔۔۔۱۰ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۳ تا ۷)

۲۔ (الحکم جلد ۵ نمبر ۱۴۔۔۔۱۷ اپریل ۱۹۰۱ء صفحہ ۳۔۴)

۱۷ / مئی ۱۹۰۱ء

خطبہ جمعہ

(ایڈیٹر "الحکم" کے اپنے الفاظ میں)

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفاً وَّ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (البقرۃ:۱۳۱) کی تلاوت سے بعد آپ نے فرمایا:۔

ہر ایک سلیم الفطرت انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ نے یہ ایک بات حجت کے طور پر رکھ دی ہے کہ وہ ایک مجمع کے درمیان معزز ہو جاوے۔ گھر میں اپنے بزرگوں کی کوئی خلاف ورزی اس لئے نہیں کی جاتی کہ گھر میں ذلیل نہ ہوں۔ ہر ایک دنیادار کو دیکھتے ہیں کہ محلہ داری میں ایسے کام کرتا ہے جن سے وہ باوقعت انسان سمجھا جاوے۔ شہروں کے رہنے والے بھی ہتک اور ذلت نہیں چاہتے۔ پھر اس مجمع میں جہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے اس مقام پر جہاں انبیاء و اولیاء موجود ہوں گے وہاں کی ذلت کون عاقبت اندیش سلیم الفطرت گوارا کر سکتا ہے؟ کیونکہ عزت و وقعت کی ایک خواہش ہے جو انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک نظیر کے ساتھ اس خواہش اور اس قاعدہ کو جس کے ذریعہ انسان معزز ہو سکتا ہے بیان کرتا ہے۔ نظیر کے طور پر جس شخص کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اس کا نام ہے

ابراہیم علیہ السلام۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو کیسی عزت دی' یہ اس نظارہ سے معلوم ہو سکتا ہے جو خدا نے فرمایا وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (البقرۃ:۱۳۱) ہم نے اس کو برگزیدہ کیا دنیا میں اور آخرت میں بھی سنوار والوں سے ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کے مکالمات کا شرف رکھنے والے' شریعت کے لانے والے' ہادی و رہبر' بادشاہ اور اس قسم کے عظیم الشان لوگ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہوئے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے لئے نتیجہ دکھایا ہے۔ حضرت موسیٰؑ' حضرت داؤدؑ' حضرت مسیح علیہ السلام سب حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے اور حضرت اسماعیلؑ اور ہمارے سید و مولیٰ ہادی کامل صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی اولاد سے ہیں۔

ایک اور جگہ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ اور اس کی اولاد کو بہت بڑا ملک دیا۔ مگر غور طلب امر یہ ہے کہ جڑ اس بات کی کیا ہے؟ کیا معنی۔ وہ کیا بات ہے جس سے وہ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور برگزیدہ ہوا اور معزز ٹھہرایا گیا؟ قرآن کریم میں اس بات کا ذکر ہوا ہے جہاں فرمایا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ:۱۳۲) جب ابراہیم کے رب نے اس کو حکم دیا کہ تو فرمانبردار بن جا تو حضرت ابراہیمؑ عرض کرتے ہیں میں رب العالمین کا فرمانبردار ہو چکا۔ کوئی حکم نہیں پوچھا کہ کس کا حکم فرماتے ہو۔ کسی قسم کا تامل نہیں کیا۔ فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ ہی معاً بول اٹھے کہ فرمانبردار ہو گیا۔ ذرا بھی مضائقہ نہیں کیا اور نہیں خیال کیا کہ عزت پر یا مال پر صدمہ اٹھانا پڑے گا یا احباب کی تکالیف دیکھنی پڑیں گی۔ کچھ بھی نہ پوچھا۔ فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ اقرار کر لیا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یہ ہے وہ اصل جو انسان کو خدا تعالیٰ کے حضور برگزیدہ اور معزز بنا دیتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا سچا فرمانبردار ہو جاوے۔

فرماں برداری کا معیار کیا ہے؟ ایک طرف انسان کے نفسانی جذبات کچھ چاہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے احکام کچھ۔ اور اب دیکھیں کہ آیا خدا تعالیٰ کے احکام کو انسان مقدم کرتا ہے یا اپنے نفسانی اغراض کو۔ اسی طرح رسم و رواج' عادات' کسی کا دباؤ' حب جاہ' رعایت قانون قومی ایک طرف کھینچتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایک طرف۔ اس وقت دیکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کی طرف جھکتا ہے یا اس پر دوسرے امور کو ترجیح دیتا ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی قدر کرتا اور ان کو مقدم کر لیتا ہے تو یہی خدا کی فرمانبرداری ہے۔

وہ لوگ جو اولوالامر کہلاتے ہیں اور جن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ان کے لئے بھی ارشاد الٰہی یوں

ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:۶۰) یعنی اگر تم میں کسی امر کی نسبت تنازع ہو تو اس کا آخری فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کی اتباع سے کر لو۔ یہی ایک سیدھی راہ ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ اہل حق کے انکار کا مدار تکبر پر ہوتا ہے اس لئے اس سے دور رہو۔ ورنہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ فرماتے ہیں کہ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:۱۰) میں کوئی نیا رسول تو نہیں آیا۔ آدم سے لے کر اب تک جو رسول آئے ہیں ان کو پہچانو۔ ان کی معاشرت' تمدن اور سیاست کیسی تھی اور ان کا انجام کیا ہوا' ان کی صداقت کے کیا اسباب تھے' ان کی تعلیم کیا تھی' ان کے اصحاب نے ان کو پہلے پہل کس طرح مانا' ان کے مخالفوں اور منکروں کا چال چلن کیسا تھا اور ان کا انجام کیا ہوا؟ یہ ایک ایسا اصل تھا کہ اگر اس وقت کے لوگ اس معیار پر غور کرتے تو ان کو ذرا سی دقت پیش نہ آتی اور ایک مجدد' مہدی' مسیح' مرسل من اللہ کے ماننے میں ذرا بھی اشکال نہ ہوتا۔ مگر اپنے خیالات ملکی اور قومی رسوم بزرگوں کے عادات کے ماننے میں تو بہت بڑی وسعت سے کام لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ماموروں اور اس کے احکام کے لئے خدا کے علم اور حکمت کے پیمانہ کو اپنی ہی چھوٹی سی کھوپڑی سے ناپنا چاہتے ہیں۔ ہر ایک امام کی شناخت کے لئے یہ عام قاعدہ کافی ہے کہ کیا یہ کوئی نئی بات لے کر آیا ہے؟ اگر اس پر غور کرے تو تعجب کی بات نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ اصل حقیقت کو اس پر کھول دے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ہیچ سمجھے اور تکبر نہ کرے ورنہ تکبر کا انجام یہی ہے کہ محروم رہے۔

پس انسان خدا کے غضب سے بچنے کے لئے ہر وقت دعا کرتا رہے۔ وہ دعا جس کے پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی' یہ ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحة) یعنی ہم کو صراط مستقیم دکھا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہوا۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا اور جو حق سے بیجا عداوت کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں کی راہ جو گمراہ ہو گئے ہیں۔ مُنْعَمْ عَلَيْهِ گروہ کی شناخت کے لئے ایک آسان اور سہل راہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات' احکام' اور عملدرآمد اور ان کی زندگی کو ان کے ثبوتوں اور آخر انجام کو دیکھو۔ پھر ان کے حالات پر نظر کرو جنھوں نے مخالفت کی۔ غرض مامور من اللہ لوگوں کا گروہ ایک نمونہ ہوتا ہے۔ اس خواہش کے پورا کرنے کے قواعد بتانے کے لئے جو ہر انسان میں بطور حجت رکھی گئی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ معزز ہو۔ خدا تعالیٰ کے حضور معزز وہی ہو سکتا ہے جو رب العالمین کا فرمانبردار ہو۔ یہ ایک دائمی سنت ہے جس میں تخلف نہیں ہو سکتا۔

اب ہم لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ ہم غور کر کے دیکھیں کہ ہم لباس' عادات' عداوت' دوستی'

دشمنی، غرض ہر رنج و راحت، ہر حرکت و سکون میں کس پر عمل در آمد کرتے ہیں۔ کیا فرمانبرداری کی راہ ہے یا نفس پرستی کی؟

عام مسلمانوں اور عام غیر مذہب کے لوگوں کو دیکھو کہ اگر وہ جھوٹ بولتے ہیں تو کیا مسلمان ہو کر ایک مسلمان جھوٹ سے محفوظ ہے؟ غیر مذہب والے اگر نفس پرستیاں اور شہوت پرستیاں کرتے ہیں تو کیا مسلمانوں میں ایسے کام نہیں کرتے؟ اگر ان میں باہم تباغض اور تحاسد ہے تو کیا ہم میں نہیں؟ اگر ان حالات میں ہم ان ہی کے مشابہ ہیں اور کوئی فرق اور امتیاز ہم میں اور ان میں نہیں ہے تو بڑی خطرناک بات ہے، فکر کرو۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد:۱۲) یاد رکھو خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ قانون یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیضان میں تبدیلی اسی وقت ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے جب انسان خود اپنے اندر تبدیلی کرے۔ اگر ہم وہی ہیں جو سال گذشتہ اور پیوستہ میں تھے تو پھر انعامات بھی وہی ہوں گے لیکن اگر چاہتے ہو کہ ہم پر نئے نئے انعامات ہوں تو نئے نئے طریق پر تبدیلی کرو۔

خدا کی کتاب نے تصریح کر دی ہے کہ کفر کیا ہوتا ہے کیونکر پیدا ہوتا ہے اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ایمان کیا ہوتا ہے۔ اس کے نشان اور انجام کیا ہیں؟ منافق اور مفتری کے انجام اور نشان کو بتا دیا ہے۔ پھر امام اور راستباز کی شناخت میں کیا دقت ہو سکتی ہے۔

آدم سے لے کر اس وقت تک ہزاروں ہزار مامور آئے ہیں۔ سب کے واقعات ایک ہی طرز اور رنگ کے ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو تکبر سے محفوظ کر لو تو شیطانی عمل دخل سے پاک ہو کر خدا کے فیضان کو لے سکو گے۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت کی اور انہی باتوں کی وصیت اپنی اولاد کو بھی کی اور یعقوب نے بھی یہی وصیت کی کہ اے میری اولاد! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک عجیب دین کو پسند کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وقت فرمانبرداری میں گزارو۔ چونکہ موت کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے اس لئے ہر وقت فرمانبردار رہو تاکہ ایسی حالت میں موت آوے کہ تم فرمانبردار ہو۔ میری تحقیقات میں یہی بات آئی ہے کہ سچی تبدیلی کر کے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرے۔

اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے کہ وہ ایک پاک تبدیلی کریں۔ آمین

(الحکم جلد ۵ نمبر۱۹--- ۲۴ر مئی ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۰-۱۱)

۲۲؍ نومبر ۱۹۰۱ء

خطبہ جمعہ

(خلاصہ از ایڈیٹر الحکم)

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے سورۃ البقرہ کی آیات ۹ تا ۱۵ کی تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا:-

یہ آیتیں سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع کی ہیں۔ اَلْحَمْدُ شَرِیْف میں خدا تعالیٰ نے تین راہیں بتائی ہیں۔ ایک اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی راہ، دوسرے مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ تیسرے اَلضَّآلِّیْنَ کی راہ۔
اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے معنی خود قرآن شریف نے بتائے ہیں کہ وہ انبیاء، اصدقاء، شہداء اور صالحین کی جماعت ہے۔
انبیاء وہ رفیع الدرجات انسان ہوتے ہیں جو خدا سے خبریں پاتے ہیں اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ پھر وہ راستباز ہیں جو انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور پھر وہ لوگ ہیں جن کے لئے وہ باتیں گویا مشاہدہ میں آئی ہوئی ہیں اور پھر عام صالحین۔
اس گروہ کی تفسیر خدا تعالیٰ نے آپ ہی سورۃ بقرہ کے شروع میں بیان کر دی ہے کہ ہدایت کی راہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ اللہ پر ایمان لائے۔ جزاء و سزا پر ایمان لاوے اور پھر اللہ ہی کی نیاز مندی کے لئے،

تعظیم لامراللہ کے واسطے نمازوں کو درست رکھنا اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے واسطے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کریں۔

پھر اس بات پر ایمان لاویں کہ ہمیشہ خدا تعالیٰ سے تسلی اور تعلیم پا کر دنیا کی اصلاح کے لئے معلم اور مزکی آئے ہیں۔ یاد رکھو صرف علم تسلی بخش نہیں ہو سکتا جب تک معلم نہ ہو۔ بائیبل میں نصیحتوں کا انبار موجود ہے اور عیسائی بھی بغل میں کتاب لئے پھرتے ہیں۔ پھر اگر ایمان صرف کتابوں سے مل جاتا تو کیا کمی تھی۔ مگر نہیں' ایسا نہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جو یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ (الجمعة:۳) کے مصداق ہوتے ہیں۔

ان مزکی اور مطہر لوگوں کی توجہ' انفاس اور روح میں ایک برکت اور جذب ہوتا ہے جو ان کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے انسان کے اندر تزکیہ کا کام شروع کرتا ہے۔ یاد رکھو انسان خدا کے حضور نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ کوئی اس پر خدا کی آیتیں تلاوت کرنے والا اور پھر تزکیہ کرنے والا اور پھر علم اور عمل کی قوت دینے والا نہ ہو۔ تلاوت تب مفید ہو سکتی ہے کہ علم ہو اور علم تب مفید ہو سکتا ہے جب عمل ہو اور عمل تزکیہ سے پیدا ہوتا ہے اور علم معلم سے ملتا ہے۔

بہرحال مومنوں کا ذکر ہے کہ ان کو ایمان بالغیب کی ضرورت ہے جس میں حشر و نشر' صراط' جنت و نار سب داخل ہیں۔ یہ اس کا عقیدہ اول درست ہو جائے تو پھر نماز سے امر الٰہی کی تعظیم پیدا ہوتی ہے اور خدا کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرنے سے شفقت علیٰ خلق اللہ۔

پھر برہموؤں کی طرح نہ ہو جاوے جو الہام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے بلکہ وہ اس بات پر ایمان لائے کہ خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام اتارا اور آپ سے پہلے بھی اور آپ کے بعد بھی مکالمات الہیہ کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ یہ تو منعم علیہ گروہ کا ذکر ہے۔

اس کے بعد وہ لوگ مغضوب ہیں جو خدا کے ماموروں کے وجود اور عدم وجود کو برابر سمجھ لیتے ہیں اور ان کے انذار اور عدم انذار کو مساوی جان لیتے ہیں اور پروا نہیں کرتے اور اپنے ہی علم و دانش پر خوش ہو جاتے ہیں۔ وہ خدا کے غضب کے نیچے آ جاتے ہیں۔ یہی حال یہود کا ہوا۔

پھر تیسرا گروہ گمراہوں کا ہے جن کا ذکر ان آیات میں ہے جو میں نے پڑھی ہیں۔ اس کے کاموں میں دجل اور فریب ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کلام الٰہی کا خادم کہتے ہیں مگر مَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (البقرة:۹)۔

بڑی بڑی تجارتیں کرتے ہیں مگر ہدایت کے بدلے تباہی خریدتے ہیں اور کوئی عمدہ فائدہ ان کی تجارت سے نہ ہوا۔

میرے دل میں بارہا یہ خیال آیا ہے کہ ایک تنکے پر بھی شے کا اطلاق ہوتا ہے اور وہی شے کا لفظ وسیع ہو کر خدا پر بھی بولا جاتا ہے۔

یاد رکھو منافق دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دل میں کوئی صداقت نہیں ہوتی۔ وہ اعتقادی منافق ہوتا ہے۔ اس کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ عیسائیوں کا مذہب ہے۔ انجیل کی حالت کو دیکھو کہ اس کی اشاعت پر کس قدر سعی بلیغ کی جاتی ہے مگر یہ پوچھو کہ اس کتاب کے جملہ جملہ پر اعتقاد ہے؟ تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس طرح پر میں دیکھتا ہوں کہ خدا کا خوف اٹھ گیا ہے۔ وہ دعویٰ اور معاہدہ کہ "دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" قابل غور ہو گیا ہے۔ اب اپنے حرکات و سکنات' رفتار و گفتار پر نظر کرو کہ اس عہد کی رعایت کہاں تک کی جاتی ہے۔ پس ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ مَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ کے نیچے آ جاؤ۔ منافق کی خدا نے ایک عجیب مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص نے آگ جلائی مگر وہ روشنی جو آگ سے حاصل کرنی چاہئے تھی وہ جاتی رہی اور ظلمت رہ گئی۔ رات کو جنگل کے رہنے والے درندوں سے بچنے کے واسطے آگ جلایا کرتے ہیں لیکن جب وہ آگ بجھ گئی تو پھر کئی قسم کے خطرات کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح پر منافق اپنے نفاق میں ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچ جاتا ہے اور اس کا دل ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ حق کا گویا' شنوا اور حق کا بینا نہیں رہتا۔ ایک شخص اگر راہ میں جاتا ہو اور سامنے ہلاکت کا کوئی سامان ہو وہ دیکھ کر بچ سکتا یا کسی کے کہنے سے بچ سکتا یا خود کسی کو مدد کے لئے بلا کر بچ سکتا ہے۔ مگر جس کی زبان' آنکھ' کان' کچھ نہ ہو اس کا بچنا محال ہے۔ یاجوج ماجوج بھی آگ سے بڑے بڑے کام لے رہے ہیں مگر انجام وہی نظر آتا ہے۔ مومن کا کام ہے کہ جب دعویٰ کرے تو کر کے دکھاوے کہ عملی قوت کس قدر رکھتا ہے۔ عمل کے بدوں دنیا کا فاتح ہونا محال ہے۔

یاد رکھو کہ ہر ایک عظیم الشان بات آسمان سے ہی آتی ہے۔ یہ امر خدا کی سنت اور خدا کے قانون میں داخل ہے کہ امساک باراں کے بعد مینہ برستا ہے۔ سخت تاریکی کے بعد روشنی آتی ہے۔ اسی طرح پر فیج اعوج اور سخت کمزوریوں کے بعد ایک روشنی ضروری ہے۔ وہ شیطانی منصوبوں سے مل نہیں سکتی۔ بہتوں کے لئے اس میں ظلمت اور دکھ ہو اور ایک نمک کا تاجر جو اس میں جا رہا ہے اسے پسند نہ کرے۔

بہت سے لوگ روشنی سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور اکثر ہوتے ہیں جو اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں مگر احمقوں کو اتنی خبر نہیں ہوتی کہ خدائی طاقت اپنا کام کر چکی ہوتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ علم حاصل کرو اور پھر عمل کرو۔ علم کے لئے معلم کی ضرورت ہے۔ یہ دعویٰ کرنا کہ ہمارے پاس علم القرآن ہے

صحیح نہیں ہے۔ ایک نوجوان نے ایسا دعویٰ کیا۔ ایک آیت کے معنے اس سے پوچھے تو اب تک نہیں بتا سکا۔ ہمارے ہادی کامل نبی کریم کو تو یہ تعلیم ہوتی ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً (طٰہٰ:۱۱۵)۔ تم بھی دعا کرو۔

یاد رکھو کہ اگر اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں سے ہو تو اور ترقی کرو اور کسی وجود کو جو خدا کی طرف سے آیا ہے اس کے وجود اور عدم وجود کو برابر نہ سمجھو۔ ظاہر و باطن مختلف نہ ہو۔ دنیا کو دین پر مقدم نہ کرو۔ بعض اوقات دنیاداروں کو دولت و عزت اندھا کر دیتی ہے۔ خدا کی برسات لگ گئی ہے۔ وہ اب سچے پودوں کو نشوونما دے گی اور ضرور دے گی۔ خدا کی ان ساری باتوں پر ایمان لا کر سچے معاہدہ کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ اِذَا لَقُوْا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا (البقرۃ:۱۵) ہی کے مصداق رہ جاؤ۔ اس کا اصل علاج استغفار ہے اور استغفار انسان کو ٹھوکروں سے بچانے والا ہے۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۴۳--- ۲۴ر نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۷-۸)

جنوری ۱۹۰۲ء

خطبہ عید الفطر

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (المومنون:۲۴) کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا:۔

یہ آیتیں جو میں نے تم کو سنائی ہیں یہ اس شخص کا قصہ ہے جو دنیا میں اصلاح الناس کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس کا نام نوح ہے' علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ وہ ایک پہلا انسان ہے جو لوگوں کو آگاہ اور بیدار کرنے کے واسطے غفلت کے زمانہ میں آیا تھا۔ وہ ایک خطرناک ظلمت اور تاریکی کے دنوں میں نور اور ہدایت لے کر آیا تھا۔ یہ اسٹوریاں' کہانیاں اور دل خوش کن قصے نہیں بلکہ عِبْرَۃٌ لِاُولِی الْاَبْصَارِ صداقتیں ہیں ان اہل نظر کے لئے جن میں تذکرہ کا مادہ ہوتا ہے' جو فہم و فراست سے حصہ رکھتے ہیں۔ ان قصص میں بڑے بڑے مفید اور سودمند نصائح ہوتے ہیں۔ میں نے بجائے خود ان قصص سے بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ ان میں یہ عظیم الشان (امور) قابل غور ہیں۔

اول:۔ کسی مامور من اللہ کی کیونکر شناخت کرسکتے ہیں؟

دوم:۔ مامور من اللہ کیا پیش کرتے ہیں یا یوں کہو کہ وہ کیا تعلیم لے کر آتے ہیں یا یہ کہو کہ وہ خدا تعالیٰ

کے حضور سے کس غرض کے لئے مامور ہو کر آتے ہیں؟

سوم:۔ لوگ ان پر کس کس قسم کے اعتراض کرتے ہیں؟

یہ امور اس لئے پیش کئے ہیں تا کسی راستباز مامور من اللہ کی شناخت میں تمہیں کبھی کوئی دقت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سید و مولیٰ ہادی کامل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی رسالت اور نبوت کو پیش کرتے ہوئے یہی فرمایا اور یہی آپ کو ارشاد ہوا۔ قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:۱۰) میں کوئی نیا رسول تو نہیں آیا ہوں۔ جو رسول پہلے آتے رہے ہیں ان کے حالات اور تذکرے تمہارے پاس ہیں ان پر غور کرو اور سبق سیکھو کہ وہ کیالائے اور لوگوں نے ان پر کیا اعتراض کئے۔ کیاباتیں تھیں جن پر عملدر آمد کرنے کی وہ تاکید فرماتے تھے اور کیا امور تھے جن سے نفرت دلاتے تھے۔ پھر اگر مجھ میں کوئی نئی چیز نہیں ہے تو اعتراض کیوں ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ان کے معترضوں کا انجام کیا ہوا تھا؟

الغرض پہلے نبیوں کے جو قصص اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں ان میں ایک عظیم الشان غرض یہ بھی ہے کہ آئندہ زمانہ میں آنے والے ماموروں اور راستبازوں کی شناخت میں دقت نہ ہوا کرے۔ اس وقت میں نے نوح علیہ السلام کا قصہ آپ کو پڑھ کر سنایا ہے۔ سب سے پہلی بات جو اس میں بیان کی ہے و، یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل وعظ اور ان کی تعلیم کا اصل مغز اور خلاصہ کیا ہوتا ہے۔ وہ خدا کے ہاں سے کیا لے کر آتے ہیں اور کیا سنوانا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ اللہ جل شانہ کی سچی فرمانبرداری اختیار کرو' اس کی اطاعت کرو' اس سے محبت کرو' اس کے آگے تذلل کرو' اسی کی عبادت ہو اور اللہ کے مقابل میں کوئی غیر تمہارا مطاع' محبوب' معبود' مطلوب' امید و بیم کا مرجع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے مقابل تمہارے لئے کوئی دوسرا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمہیں ایک طرف بلاتا ہو اور کوئی اور چیز خواہ وہ تمہارے نفسانی ارادے اور جذبات ہوں یا قوم اور برادری (سوسائٹی) کے اصول اور دستور ہوں' سلاطین ہوں' امراء ہوں' ضرورتیں ہوں' غرض کچھ ہی کیوں نہ ہو' اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابل میں تم پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ پس اللہ تعالیٰ کی اطاعت' عبادت' فرمانبرداری' تذلل اور اس کی حب کے سامنے کوئی اور شے محبوب' معبود' مطلوب اور مطاع نہ ہو۔

یہ ایک صورت خدا تعالیٰ کے ساتھ نِدّ نہ بنانے کی اعتقادی طور پر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی نِد اور مقابل نہ ہو اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی جس طرح پر عبادت کی جاتی ہے' جس طرح اس کے احکام کی تعمیل اور اوامر کی تعظیم کی جاتی ہے' دوسرے کے احکام و اوامر کی ویسی

اطاعت، وہی تعمیل، وہی تعظیم، اسی طرز و نہج پر امید و ڈر ہرگز نہ ہو اور کسی کو اس کا شریک نہ بنایا جاوے۔

جب انسان ان دونوں مرحلوں کو طے کر لیتا ہے یا یوں کہو کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑتا اور اس کی اطاعت اور صرف اسی کی اطاعت کرتا ہے تو پھر اس کا آخری مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ متقی ہو جاتا ہے۔ تمام دکھوں سے محفوظ ہو کر سچی راحتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ پس نوحؑ نے آکر اپنی قوم کے سامنے وہی تعلیم پیش کی جو تمام راستبازوں کی تعلیم کا خلاصہ اور انبیاء اور رسل کی بعثت کی اصل غرض ہوتی ہے اور پھر انہیں کہا اَفَلَا تَتَّقُوْنَ تم کیوں متقی نہیں بنتے؟ یاد رکھو انسان کو جس قدر ضرورتیں پیش آسکتی ہیں، جس قدر خواہشیں اور امنگیں اسے کسی کی طرف کھینچ کر لے جا سکتی ہیں وہ سب تقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں۔ متقی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر انسان کس دوست اور حبیب کی خواہش کر سکتا ہے۔ تقویٰ سے انسان خدا تعالیٰ کی "تولی" کے نیچے آتا ہے۔ متقی کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ متقی کے دشمن ہلاک ہوتے ہیں۔ متقی کو اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے تعلیم دیتا ہے۔ متقی کو ہر تنگی سے نجات ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی کو ایسی راہوں اور جگہوں سے رزق پہنچاتا ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا جیسا کہ اسی حمید و مجید کتاب میں موجود ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبة:۷) وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (الجاثية:۲۰) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل:۱۲۹) اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال:۳۰) وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرة:۲۸۳) مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۳،۴)۔ اب مجھے کوئی بتاوے کہ انسان اس کے سوا اور چاہتا کیا ہے۔ اس کی تمام خواہشیں، تمام ضرورتیں، تمام امنگیں اور ارادے ان سات ہی باتوں میں آ جاتی ہیں اور یہ سب متقی کو ملتی ہیں۔ پھر نوحؑ ہی کے الفاظ بلکہ خدا تعالیٰ ہی کے ارشاد کے موافق میں آج تمہیں بھی کہتا ہوں اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ تم کیوں متقی نہیں بنتے۔ اور تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ نام ہے اعتقادات صحیحہ، اقوال صادقہ، اعمال صالحہ، علوم حقہ، اخلاق فاضلہ، ہمت بلند، شجاعت، استقلال، عفت، حلم، قناعت، صبر کا۔ اور یہ شروع ہوتا ہے حسن ظن باللہ، تواضع اور صادقوں کی محبت سے اور ان کے پاس بیٹھنے، ان کی اطاعت سے۔ جبکہ تقویٰ کی ضرورت ہے تو راستبازوں اور ماموروں کا دنیا میں آنا ضرور ہوا اور ان کی تعلیم اور بعثت کا منشا اور مدعا یہی ہوا اور یہی تعلیم لے کر نوحؑ آئے تھے اور انہوں نے قوم کو فرمایا۔ مگر ناعاقبت اندیش، جلد باز، حیلہ ساز، مخالفوں نے اس کے جواب میں کیا کہا؟ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (المومنون:۲۵) نابکار اعدائے ملت ائمۃ الکفر نے کہا تو

یہ کہا مَاھٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہ یہ شخص جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہونے کا مدعی ہے کہتا ہے کہ تمہیں ظلمت سے نکالنے کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اس میں کوئی انوکھی اور نرالی بات تو ہے نہیں' ہمارے تمہارے جیسا آدمی ہی تو ہے۔

پس یاد رکھو سب سے پہلا اعتراض جو کسی مامور من اللہ' راستباز صادق انبیاء و رسل اور ان کے سچے جانشین خلفاء پر کیا جاتا ہے' وہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو حقیر سمجھا جاتا ہے اور اپنی ہی ذات پر اس کو قیاس کر لیا جاتا ہے۔ ایک طرف وہ اس کے بلند اور عظیم الشان دعاوی کو سنتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اس کے ملائکہ مجھ پر اترتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دیکھتے ہیں کہ وہی ہاتھ' پاؤں' ناک' کان' آنکھ' اعضاء رکھتا ہے۔ بشری حوائج اور ضرورتوں کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح ہم ہیں اس لئے وہ اپنے ابنائے جنس میں بیٹھ کر یہی کہتے ہیں۔ یَاْکُلُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ مِنْہُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (المومنون:۳۴)۔ پس اپنے جیسے انسان کی اطاعت و فرمانبرداری کر کے خسارہ اٹھاؤ گے۔

غرض اس قسم کے الفاظ اور قیاسات سے وہ مامور من اللہ کی تحقیر کرتے ہیں اور جو کچھ اپنے اندر رکھتے ہیں وہی کہتے ہیں۔ مگر انبیاء' مرسل' مامور اور اصحاب شریعت کے سچے خلفاء اور جانشین انہیں کیا جواب دیتے ہیں۔ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (ابراھیم:۱۲) اور کہتے ہیں۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ (ابراھیم:۱۲) بیشک ہم تمہاری طرح بشر ہیں۔ تمہاری طرح کھاتے پیتے اور حوائج بشری کے محتاج ہیں۔ مگر یہ خدا کا احسان ہوا ہے کہ اس نے ہمیں اپنے مکالمات کا شرف بخشا ہے۔ اس نے ہمیں منتخب کیا ہے اور ہم میں ایک جذب مقناطیس رکھا ہے جس سے دوسرے کھچے چلے آتے ہیں۔ خدا کی توحید کا پانی جو مایہ حیات ابدی ہے وہ ہمارے ہاں سے ملتا ہے اور لوگ خوش ہوتے ہیں۔ مگر بدکار انسان جس طرح اپنی بدیوں' جہالتوں' شہوات و جذبات کا اسیر و پابند ہوتا ہے دوسروں کو بھی اسی پر قیاس کرتا ہے اور ایک نامرادی پر دوسری نامرادی لاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ (المومنون:۲۵) یہ چاہتے ہیں کہ تم پر فضیلت حاصل کر لیں۔ دکان چل جاوے۔ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کچھ جمع کر لیں۔ یہ ان کی اپنی ہی ہوائے نفس ہوتی ہے جس میں دوسروں کو اسی طرح ملوث اور ناپاک خیال کرتے ہیں جیسے خود ہوتے ہیں۔

یہ خطرناک مرض ہے جس کو شریعت میں سوء ظن کہتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور ہزاروں قسم کی نکتہ چینیوں سے دوسروں کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں اور اسے حقیر بنانے کی فکر میں ہیں۔ مگر یاد

رکھو وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ (النحل:۱۲۷)۔ عقاب کے معنے جو پیچھے آتا ہے۔ انسان جو بلاوجہ دوسرے کو بدنام کرتا ہے اور سوء ظن سے کام لے کر اس کی تحقیر کرتا ہے اگر وہ شخص اس بدی میں مبتلا نہیں جس بدی کا سوء ظن والے نے اسے متہم ٹھہرایا ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ سوء ظن کرنے والا ہرگز نہیں مرے گا جب تک خود اس بدی میں گرفتار نہ ہو لے۔ پھر بتاؤ کہ سوء ظن سے کوئی کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مت سمجھو کہ نمازیں پڑھتے ہو۔ عجیب عجیب خوابیں تم کو آتی ہیں یا تمہیں الہام ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سوء ظن کا مرض تمہارے ساتھ ہے تو یہ آیات تم پر حجت ہو کر تمہارے ابتلا کا موجب ہیں۔ اس لئے ہر وقت ڈرتے رہو اور اپنے اندر کا محاسبہ کرکے استغفار اور حفاظت الٰہی طلب کرو۔

میں پھر کہتا ہوں کہ آیات اللہ جن کے باعث کسی کو رفعت شان کا مرتبہ عطا ہوتا ہے' ان پر تمہیں اطلاع نہیں وہ الگ رتبہ رکھتی ہیں۔ مگر وہ چیزیں جن سے خود رائی' خود پسندی' خود غرضی' تحقیر' بدظنی اور خطرناک بدظنی پیدا ہوتی ہے وہ انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں۔ ایک ایسے انسان کا قصہ قرآن میں ہے جس نے آیات اللہ دیکھے مگر اس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَوْشِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (الاعراف:۱۷۷)۔ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (بخاری کتاب الوصایا) بدگمانیوں سے اپنے آپ کو بچاؤ' ورنہ نہایت ہی خطرناک جھوٹ میں مبتلا ہو کر قرب الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے۔

یاد رکھو حسن ظن والے کو کبھی نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر بدظنی کرنے والا ہمیشہ خسارہ میں رہتا ہے۔

غرض پہلا مرحلہ جو انبیاء علیہم السلام کے مخالفوں اور ان کی ذریت اور نوابوں کو پیش آیا' وہ یہ تھا کہ اپنے آپ پر قیاس کیا۔ پھر یہ بدظنی کی کہ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ تم پر فضیلت چاہتا ہے۔ پس اس پہلی اینٹ پر جو ٹیڑھی رکھی جاتی ہے جو دیوار اس پر بنالی جاوے خواہ وہ کتنی ہی لمبی اور اونچی ہو کبھی مستقیم نہیں ہو سکتی اور وہ آخر گرے گی اور نیچے کے نقطہ پر پہنچے گی۔ سوء ظن کرنے والا نہ صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بلکہ اس کا اثر اس کی اولاد پر' اعقاب پر ہوتا ہے اور وہ ان پر مصیبت کے پہاڑ گراتا ہے جن کے نیچے ہمیشہ راستبازوں کے مخالفوں کا سر کچلا گیا ہے۔ میں بار بار کہتا ہوں کہ یہ سوء ظن خطرناک بلا ہے جو اپنے غلط قیاس سے شروع ہوتا ہے۔ پھر غلط نتائج نکال کر قوانین کلیہ تجویز کرتا ہے اور اس پر غلط ثمرات مترتب ہوتے ہیں اور آخر قوم نوح علیہ السلام کی طرح ہلاک ہو جاتا ہے۔ پھر اس سوء ظن سے تیسرا خیال اور غلط نتیجہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (المومنون:۲۵) اگر اس کو قرب الٰہی حاصل تھا' اگر یہ واقعی خدا کی طرف سے آیا تھا تو پھر کیوں خدا نے ملائکہ کو نہ بھیج دیا جو

مخلوق کے دلوں کو کھینچ کر اس کی طرف متوجہ کر دیتے اور ان کو بھی مکالمات الٰہیہ سے مشرف کر کے یقین دلا دیتے؟ اس وقت بھی بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں۔ میں اس نتیجہ پر ان خطوط کو پڑھ کر پہنچا ہوں جو کثرت سے میرے پاس آتے ہیں جن میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے، ہم نے بہت دعائیں کیں، توجہ کی اور کوئی ایسا رویا یا مکالمہ نہیں ہوا۔ پس ہم کیونکر جانیں کہ فلاں شخص اپنے اس دعویٰ الہام میں سچا ہے؟ یہ ایک خطرناک غلطی ہے جس میں دنیا کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ مبتلا رہا ہے۔ حالانکہ انہوں نے کبھی بھی اپنے اعمال اور افعال پر نگاہ نہیں کی اور کبھی موازنہ نہیں کیا کہ قرب الٰہی کے کیا وسائل ہیں اور ان کے اختیار کرنے میں کہاں تک سچی محنت اور کوشش سے کام لیا ہے؟

وہ کہتے ہیں کہ اگر مشیت حق میں یہ بات ہوتی تو وہ ملائکہ بھیجتا۔ یہ مثال ان لوگوں کی طرح ہے جیسے کوئی چھوٹا سا زمیندار جس کے پاس دو چار گھماؤں اراضی ہو اس کو نمبردار کہے کہ محاصل ادا کرو اور وہ کہہ دے کہ تو میرے جیسا ہی ایک زمیندار ہے، تجھ کو مجھ پر کیا فضیلت ہے؟ صرف اپنی عظمت اور شیخی جتانے کو محاصل مانگتا ہے اور ہمارا روپیہ مارنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی بادشاہ ہوتا تو وہ خود آ کر لیتا۔ وہ آپ کیوں نہیں آیا؟ مگر لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا (الفرقان:۲۲) کیا بڑا بول بولا۔ نادان زمیندار بادشاہ کو طلب کرتا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ بادشاہ تو رہا ایک طرف اگر ایک معمولی سا چپڑاسی بھی آ گیا تو وہ مار مار کر سر گنجا کر دے گا اور محاصل لے لے گا۔ اسی طرح ماموروں کے مخالف ایسے ہی اعتراض کیا کرتے ہیں۔ لیکن جب ملائکہ کا نزول ہو جاتا ہے پھر ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں جو انہیں یا تو چکنا چور کر دیتے ہیں اور یا وہ ذلیل و خوار حالت میں رہ جاتے ہیں اور یا منافقانہ رنگ میں شریک ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تین قسم کے لوگ ہوئے تھے۔ ایک وہ جو سابق اول من المہاجرین تھے اور دوسرے وہ جو فتح کے بعد ملے۔ اور تیسرے اس وقت جو رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر:۳) کے مصداق تھے۔ اسی طرح جو لوگ عظمت و جبروت الٰہی کو پہلے نہیں دیکھ سکتے آخر ان کو داخل ہونا پڑتا ہے اور اپنی بودی طبیعت سے اپنے سے زبردست کے سامنے مامور من اللہ کو ماننا پڑتا ہے اور بالآخر يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ (التوبة:۲۹) کے مصداق ہو کر رہنا پڑتا ہے۔

پھر اس سے ایک اور گندہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب ملائکہ بھی نہیں آتے تو ہمیں بھی الہام نہیں ہوتا، کشف نہیں ہوتا۔ اور یہ دوکاندار بھی نہ سہی مگر یہ بھی تو دیکھیں کہ کیا ہمارے پیشوایان مذہب نے اس

کو مان لیا ہے؟ وہ لوگ چونکہ اپنے نفس کے غلام اور اپنے جذبات کے تابع فرمان ہوتے ہیں اس لئے پھر کہہ دیتے ہیں کہ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ (القصص:۳۷) ہم نے یہ باتیں جو یہ بیان کرتا ہے اپنے آباء واجداد سے تو کبھی بھی نہیں سنی ہیں۔ جب کوئی مامور من اللہ آتا ہے تو نادان بدقسمتی سے یہ اعتراض بھی ضرور کرتے ہیں کہ یہ تو نئی نئی بدعتیں نکالتا ہے اور ایسی تعلیم دیتا ہے جس کا ذکر بھی ہم نے اپنے بزرگوں سے نہیں سنا۔ اس وقت بھی جب خدا کی طرف سے ایک مامور ہو کر آیا اور اس نے سنت انبیاء کے موافق ان بدعتوں اور مشرکانہ تعلیموں کو دور کرنا چاہا جو قوم میں بعد زمانہ کے باعث پھیل گئی تھیں تو ناعاقبت اندیش' ناقدر شناس قوم نے بجائے اس کے کہ اس کی آواز پر آگے بڑھ کر لبیک کہتی اس کی مخالفت شروع کی اور نوح کی قوم کی طرح اس کی باتوں کو سن کر یہی کہا مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ یہ سلف کے خلاف ہے۔ یہ اجماع امت کے مخالف ہے۔ فلاں بزرگ کے اقوال میں کہاں لکھا ہے؟ فلاں مصنف کے مخالف ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی صدائیں ہمارے کان میں آرہی ہیں۔ ورنہ اگر غور کیا جاتا اور ذرا ٹھنڈے دل سے ان باتوں پر توجہ کی جاتی جو خدا کا مامور لے کر آیا تھا اور سنن انبیاء کے موافق اس کی تعلیم کو دیکھا جاتا تو آسانی کے ساتھ یہ عقدہ حل ہو سکتا تھا۔ مگر افسوس! ان نادانوں نے جلدبازی سے وہی کہا جو پہلے معترضوں اور مخالفوں نے کہا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف میں انبیاء ورسل کے مخالفوں کے اعتراضوں کو پڑھ کر مجھے بڑی عبرت ہوئی ہے اور خدا کے فضل سے میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ میرے سامنے اب کسی نشان یا اعجاز کی ضرورت میرے ماننے کے لئے نہیں رہی۔ اس لئے تمہیں میں یہ اصول سمجھاتا ہوں کہ مامور من اللہ جب آتے ہیں تو کیا لے کر آتے ہیں اور ان پر کس قسم کے اعتراض کئے جاتے ہیں؟ میں نے بارہا معترضوں اور مخالفوں سے اب بھی پوچھا ہے کہ کوئی ایسا اعتراض کریں جو کسی نبی پر نہ کیا گیا ہو۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ کوئی نیا اعتراض پیش نہیں کرتے۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ آج جو لوگ حضرت اقدس کی مخالفت میں اٹھے ہیں ان کے معتقدات کا تو یہ حال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کی اصل غرض اور قرآن شریف کی تعلیم کا خاص منشاء دنیا میں سچی توحید کا قائم کرنا تھا مگر لوگوں کو پوچھو تو وہ مسیح کو خالق مانتے ہیں كَخَلْقِ اللّٰهِ۔ شافی مانتے ہیں۔ عَالِمُ الْغَيْبِ یقین کرتے ہیں۔ مُحْيِیْ اسے مانتے ہیں۔ حلال اور حرام ٹھہرانے والا اسے سمجھتے ہیں۔ قُدُّوْس وہ ہے۔ ساری دنیا کے راستبازوں حتیٰ کہ اصفی الاصفیا' سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کو مس شیطان سے بری نہیں سمجھتے مگر مسیح کو بری کرتے ہیں۔ مسیح خلا میں ہے' زندہ ہے مگر باقی سارے نبی فوت ہو چکے۔ اس کے آئندہ مرنے کے دلائل بھی بودے' کمزور اور ایسے الفاظ پر

مشتمل ہیں کہ ان پر بہت سے اعتراض ہو سکتے ہیں۔ غرض وہ کونسی صفت خدا میں ہے جو مسیح میں نہیں مانتے۔ اس پر بھی جو ایک خدا کے ماننے کی تعلیم دیتا ہے اور خدا کی عظمت و جلال کو اسی طرح قائم کرنا چاہتا ہے جیسے انبیاء کی فطرت میں ہوتا ہے' اس پر اعتراض کیا جاتا ہے اور اس کی تعلیم کو کہا جاتا ہے کہ سلف کے اقوال میں اس کے آثار نہیں پائے جاتے۔ افسوس! یہ لوگ اگر انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ تعلیم کو پڑھتے اور قرآن شریف میں ماموروں کے قصص اور ان کے مخالفوں کے اعتراضوں اور حالات پر غور کرتے تو انہیں صاف سمجھ میں آجاتا کہ یہ وہی پرانی تعلیم ہے جو نوح' ابراہیم' موسیٰ' عیسیٰ علیہم السلام اور سب سے آخر خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لے کر آیا تھا۔ اگر تعلیم پر غور نہ کر سکتے تھے تو ان اپنے اعتراضوں ہی کو دیکھتے کہ کیا یہ وہی تو نہیں جو اس سے پہلے ہر زمانہ میں ہر مامور پر کئے گئے ہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ یہ قرآن شریف کو پڑھتے ہی نہیں۔

غرض یہ بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جو مامور من اللہ اور اس کے مخالفوں کو پیش آتا ہے اور اس زمانہ میں بھی پیش آیا۔ پھر یہ لوگ گھبرا اٹھتے ہیں اور لوگوں کو دین الٰہی کی طرف رجوع کرتا ہوا پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان کی مخالفتیں اور عداوتیں مامور کے حوصلے اور ہمت کو پست نہیں کر سکتی ہیں اور وہ ہر آئے دن بڑھ بڑھ کر اپنی تبلیغ کرتا ہے اور نہیں تھکتا اور درماندہ نہیں ہوتا اور اپنی کامیابی اور مخالفوں کی ہلاکت کی پیشگوئیاں کرتا ہے۔ جیسے نوح علیہ السلام نے کہا کہ تم غرق ہو جاؤ گے اور خدا کے حکم سے کشتی بنانے لگے تو وہ اس پر ہنسی کرتے تھے۔ نوحؑ نے کیا کہا؟ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (ہود:۳۹) اگر تم ہنسی کرتے ہو تو ہم بھی ہنسی کرتے ہیں اور تمہیں انجام کا پتہ لگ جاوے گا کہ گندے مقابلہ کا کیا نتیجہ ہوا۔ اسی طرح پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ سن کر کہا قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (المومنون:۴۸) ان دونوں کی قوم تو ہماری غلام رہی ہے۔ هُوَ مَهِيْنٌ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ (الزخرف:۵۳) یہ کمینہ ہے اور بولنے کی اس کو مقدرت نہیں۔ اور ایسا کہا کہ اگر خدا کی طرف سے آیا ہے تو کیوں اس کو سونے کے کڑے اور خلعت اپنی سرکار سے نہیں ملا۔ غرض یہ لوگ اسی قسم کے اعتراض کرتے جاتے ہیں۔ اور جب اس کی انتھک کوششوں اور مساعی کو دیکھتے ہیں اور اپنے اعتراضوں کا اس کی ہمت اور عزم پر کوئی اثر نہیں پاتے بلکہ قوم کا رجوع دیکھتے ہیں تو پھر کہتے ہیں اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ (المومنون:۲۶) میاں یہ وہی آدمی ہے۔ انسان جس قسم کی دھت لگاتا ہے اسی قسم کی رؤیا بھی اس کو ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے خیالات کے اظہار سے وہ یہ کرنا چاہتے ہیں کہ تا خدا کی پاک اور سچی وحی کو ملتبس کریں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جیسے رمال' احمق' جفار' گنڈے والے' فال والے' ایک سچائی کے ساتھ

جھوٹ ملاتے ہیں اسی طرح اس سچائی کا بھی خون کریں۔ اس لئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ دست کی باتیں ہیں۔ یہ وعدے اور یہ پیشگوئیاں اپنے ہی خیالات کا عکس ہیں۔ دوستوں کے لئے بشارتیں اور اعداء کے لئے انذار۔ یہ جنون کا رنگ رکھتے ہیں۔ عیسائی اور آریہ اب تک اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں اپنے مطلب کی وحی بنا لیتے ہیں۔ اور دور کیوں جائیں اس وقت کے کم عقل مخالف بھی یہی کہتے ہیں۔ مگر ایک عجیب بات میرے دل میں کھٹکتی ہے کہ وہ کافر جو نوح علیہ السلام کے مقابل میں تھے انہوں نے یہ کہا۔ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ (المومنون:۲۶) چند روز اور انتظار کرلو۔ اگر یہ جھوٹا اور کاذب مفتری ہے تو خود ہی ہلاک ہو جاوے گا۔ مگر ہمارے وقت کے ناعاقبت اندیش اندھوں اور نادانوں کو اتنی بھی خبر نہیں اور ان میں اتنی بھی صلاحیت اور صبر نہیں جو نوحؑ کے مخالفوں میں تھا۔ وہ کہتے ہیں فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوب سمجھتے تھے کہ کاذب کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ اس کی گردن پر جھوٹ سوار ہوتا ہے۔ خود اس کا جھوٹ ہی اس کی ہلاکت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ مگر وہ لوگ کیسے کم عقل اور نادان ہیں جو اس سچائی سے بھی دور جا پڑے ہیں اور اس معیار پر صادق اور کاذب کی شناخت نہیں کرسکے۔ میرے سامنے بعض نادانوں نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ مفتری کے لئے مہلت مل جاتی ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ ان کے ایسے بیہودہ دعویٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی صداقت اور آپ کی نبوت پر کس قدر حرف آتا ہے' قطع نظر اس کے ان نادانوں کو اتنا معلوم نہیں ہوتا کہ قرآن کریم کی پاک تعلیم پر اس قسم کے اعتراف سے کیا حرف آتا ہے اور کیونکر انبیاء و رسل کے پاک سلسلہ پر سے امن اٹھ جاتا ہے؟ پوچھتا ہوں کہ کوئی ہمیں بتائے کہ آدمؑ سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تک اور آپؐ سے لے کر اس وقت تک کیا کوئی ایسا مفتری گذرا ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ وہ خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہے۔ اور وہ کلام جس کی بابت اس نے دعویٰ کیا ہو کہ خدا کا کلام ہے' اس نے شائع کیا ہو اور پھر اسے مہلت ملی ہو۔ قرآن شریف میں ایسے مفتری کا تذکرہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے پاک اقوال میں پاک لوگوں کے بیان میں اگر ہوا ہے تو دکھاؤ کہ اس نے تَقَوَّلَ عَلَى اللّٰهِ کیا ہو اور بچ گیا ہو۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ وہ ایک مفتری بھی پیش نہ کرسکیں گے۔ مہلت کا زمانہ میرے نزدیک وہ ہے جبکہ مکہ میں اللہ تعالیٰ کا کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم پر یوں نازل ہوا۔ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ (الحاقہ:۴۵ تا۴۸) اگر یہ رسول کچھ اپنی طرف سے بنا لیتا اور کہتا کہ فلاں بات خدا نے میرے پر وحی کی ہے حالانکہ وہ اس کا اپنا کلام ہوتا نہ خدا کا تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے

اور پھر اس کی رگ جان کاٹ دیتے اور کوئی تم میں سے اس کو بچا نہ سکتا۔ کیسا صاف اور سچا معیار ہے کہ مفتری کی سزا ہلاکت ہے اور اسے کوئی مہلت نہیں دی جاتی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی سچائی کی کیسی روشن دلیل اور ہر صادق مامور من اللہ کی شناخت کا کیسا خطا نہ کرنے والا معیار ہے۔ مگر اس پر بھی نادان کہتے ہیں کہ نہیں۔ مفتری کو مہلت مل جاتی ہے۔

یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی۔ اب کیا مشکل ہے جو ہم اس زمانہ کو جو مفتری کے ہلاک ہونے اور راستباز کے راستباز ٹھہرائے جانے پر بطور معیار ہو سکتا ہے سمجھ لیں

اس آیت کے نزول کا وقت صاف بتاتا ہے مگر اندھوں کو کون دکھا سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم جبکہ جامع جمیع کمالات تھے آپ کی امت ان تمام برکات اور فیوض کی جامع ہے جو پہلی امتوں پر انفرادی طور پر ہوئے۔ اور آپ کے اعداء ان تمام خسرانوں کے جامع جو پہلے نبیوں کے مخالفوں کے حصہ میں آئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب سورۃ الشعراء میں ہر نبی کا قصہ بیان فرماتا ہے تو اس کے بعد فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (الشعرآء:٦٩)[1]

غرض یہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ والی ہر ایک مفتری اور صادق مامور من اللہ میں امتیاز کرنے والی اور صادق کی صداقت کا کامل معیار ہے۔ لیکن اگر کوئی نادان یہ کہے کہ اس سے تاریخ کا پتہ کیونکر لگائیں اور میعاد مقررہ کیونکر معلوم ہو؟ میں کہتا ہوں ان امور کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ اگر اس پر بھی کوئی یہ کہے کہ مکی اور مدنی آیتوں کا تفرقہ مشکلات میں ڈالتا ہے' اور اصطلاحات میں اب تک بھی اختلافات چلا آتا ہے تو میں کہتا ہوں اس سے بھی ایک آسان تر راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس آیت کو آخری آیت ہی تجویز کر لو۔ پھر بھی تم کو ماننا پڑے گا کہ تیئس برس تک خیر الرسل صلی اللہ علیہ و سلم کی صداقت' عظمت و جبروت' عزت' وجاہت' تائید و نصرت' دشمن کے خسران کے لئے ایک فیصلہ کن امر ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا حجت باقی رہی؟ مکی مدنی کا فیصلہ نہ کرو۔ اصطلاحات کے تفرقہ میں نہ پڑو۔ اس تیئس سال کی عظیم الشان کامیابیوں کا کیا جواب دو گے۔ پس بہر حال ماننا پڑے گا کہ اس قدر عرصہ دراز تک جو چوتھائی صدی تک پہنچتا ہے اللہ تعالیٰ مفتری کو مہلت نہیں دیتا۔ ایک راستباز کی صداقت کا پتہ اس کے چہرہ سے' اس کے چال چلن سے' اس کی تعلیم سے' ان اعتراضوں سے' جو اس پر کئے جاتے ہیں' اس کے ملنے والوں سے لگ سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نادان ان امور سے پتہ نہ لگا سکے تو آخر تیئس سال کی کافی مہلت اور اس کی تائیدیں اور نصرتیں' اس کی سچائی پر مہر کر دیتی ہیں۔ میں جب اپنے زمانہ کے راستباز کے مخالفوں اور حضرت نوح علیہ السلام کے مخالفوں کے حالات پر غور کرتا ہوں تو مجھے اس زمانہ

کے مخالفوں کی حالت پر بہت رحم آتا ہے کہ یہ ان سے بھی جلد بازی اور شتاب کاری میں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ وہ نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور دعوت کو سن کر اعتراض تو کرتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ (المومنون:۲۶) چندے اور انتظار کر لو۔ مفتری ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کا جھوٹ خود اس کا فیصلہ کر دے گا۔ مگر یہ شتاب کار نادان اتنا بھی نہیں کہہ سکتے۔ العجب! ثم العجب!!

غرض جب ان شریروں کی شرارت اور تکذیب حد سے گزر گئی تو چونکہ مامور من اللہ بھی انسان ہی ہوتا ہے' اعداء کی تکذیب اور نہ صرف تکذیب بلکہ مختلف قسم کی تکالیف خود اسے اور اس کے احباب کو دی جاتی ہیں تو وہ بے اختیار ہو کر لَوْ كَانَ الْوَبَاءُ الْمُتَبَّرْ کہہ اٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں حضرت نوح علیہ السلام نے بھی کہا رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (المومنون:۲۷) اے میرے مولیٰ! میری مدد کر۔ میری ایسی تکذیب کی گئی ہے جس کا تو عالم ہے۔ جب معاملہ اس حد تک پہنچا تو خدا کی وحی یوں ہوتی ہے۔ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا (المومنون:۲۸) ہماری وحی کے موافق ہماری نظر کے نیچے ایک کشتی تیار کرو اور اپنے ساتھ والوں کو بھی ساتھ لے لو تو ہم تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو بچالیں گے اور شریر مخالفوں کو غرق کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے ایک کشتی تیار کی اور اپنی جماعت کو لے کر اس میں سوار ہوئے۔ خدا کا غضب پانی کی صورت میں نمودار ہوا۔ وہی پانی حضرت نوح کی کشتی کو اٹھانے والا ٹھہرا اور اسی نے طوفان کی صورت اختیار کر کے مخالفوں کو تباہ کر دیا اور نتیجہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی سچائی پر مہر کر دی۔ غرض یہ آسان پہچان ہے راستباز کی۔

تمہیں چونکہ اور بھی بہت سے کام ہوں گے میں خطبہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور پھر مختصر سی بات کہہ کر آگاہ کرتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنی خاص حفاظتوں میں لاتا ہے' ارضی بیماریوں اور دکھوں سے بچاتا ہے' آسمانی مشکلات سے بھی محفوظ رکھتا ہے اور اس کی نصرت فرماتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو سچے طور سے اس کا ساتھ دیتے ہیں یا یوں کہو کہ ان کے رنگ میں رنگین ہو کر وہی بن جاتے ہیں' سچا تقویٰ اور حقیقی ایمان حاصل کرتے ہیں اور مامور کا ادھورا نمونہ بھی بن جاتے ہیں تو مقتدا کی عظمت و ترقی اور نصرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کو بھی شریک کر لیتا ہے۔

جو لوگ حضرت اقدسؑ کے رات کے وعظ میں شریک تھے' ان کو معلوم ہو گا اور جو بدقسمتی سے نہیں پہنچے ان کو میں ایک جملہ میں اس کا مغز اور خلاصہ بتا دیتا ہوں کہ انسان سچا متقی' سچا مومن اور خدا کے حضور راستباز تب ٹھہرتا ہے جب وہ دین کو دنیا پر مقدم کر لے۔ یہ چھوٹی بات نہیں۔ کہنے کو بہت مختصر مگر حقیقت میں تمام نیکیوں کی جامع اور تمام اعمال حسنہ پر مشتمل ہے۔

یاد رکھو کبھی کسی گناہ کو چھوٹا اور حقیر نہ سمجھو۔ چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے انسان ایک خطرناک اور گھیر لینے والے گناہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں یہ پہاڑ چھوٹے چھوٹے ذرات سے بنے ہیں۔ یہ عظیم الشان بڑ کا درخت ایک بہت ہی چھوٹے سے بیج سے بنا ہے۔ بڑے بڑے اجسام ان ہی باریک ایٹمز و ذرات سے بنے ہیں جو نظر بھی نہیں آتے۔ پھر گناہ کے بیج کو کیوں حقیر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو! چھوٹی چھوٹی بدیاں جمع ہو کر آخر پیس ڈالتی ہیں۔ انسان جب چھوٹا سا گناہ کرتا ہے تو اس کے بعد اور گناہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی حدبندی کو توڑ کر نکل جاتا ہے جس کا نام کبیرہ ہوتا ہے اور پھر راستبازوں کے قتل کی جرات کر بیٹھتا ہے۔

اسی طرح پر ادنیٰ سی نیکی اگر کرو تو اس سے ایک نور معرفت پیدا ہوتا ہے۔ نیکی اور بدی کی شناخت کا انحصار ہے قرآن شریف کے علم پر۔ اور وہ منحصر ہے سچے تقویٰ اور سعی پر۔ چنانچہ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:۲۸۳)۔ اور فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰)۔ جب اللہ تعالیٰ میں ہو کر انسان مجاہدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی راہیں اس پر کھول دیتا ہے۔ پھر سچے علوم سے معرفت، نیکی اور بدی کی پیدا ہوتی ہے اور خدا کی عظمت و جبروت کا علم ہوتا ہے اور اس سے سچی خشیت پیدا ہوتی ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۹)۔ یہ خشیت بدیوں سے محفوظ رہنے کا ایک باعث ہوتی ہے اور انسان کو متقی بناتی ہے اور تقویٰ سے محبت الٰہی میں ترقی ہوتی ہے۔ پس خشیت سے گناہ سے بچے اور محبت سے نیکیوں میں ترقی کرے، تب بیڑا پار ہوتا ہے اور مامور من اللہ کے ساتھ ہو کر اللہ تعالیٰ کے غضبوں سے جو زمین سے یا آسمان سے نکلتے ہیں محفوظ ہو جاتا ہے۔

یہ بات کہ دین کو ہم نے دنیا پر مقدم کیا ہے یا نہیں ہم کو واجب ہے کہ ہم اپنے تمام معاملات میں، دین کے ہوں یا دنیا کے متعلق ہوں یا مال کے متعلق، ہر وقت سوچتے اور پرکھتے رہیں اور اپنا محاسبہ آخرت کے محاسبہ سے پہلے آپ کریں۔ اور جب خدا کی راہ میں قدم اٹھایا جاتا ہے تو معرفت کا نور ملتا ہے۔ پس کوشش کرو، استغفار کرو اور جس درخت کے ساتھ تم نے اپنا آپ پیوند کیا ہے اس کے رنگ میں رنگین ہو کر قدم اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ ۲

ل (الحکم جلد ۶ نمبر ۲--- ۱۷ر جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۸ تا ۱۰)

و (الحکم جلد ۶ نمبر ۳--- ۲۴ر جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۵، ۶)

۲ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴--- ۳۱ر جنوری ۱۹۰۲ء صفحہ ۶، ۷)

۳۱؍ جنوری ۱۹۰۲ء

خطبہ جمعہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ- وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا- فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا- (النصر: ۲ تا ۴)

یہ ایک مختصر اور چھوٹی سی سورۃ قرآن شریف کے آخری حصہ میں ہے۔ مسلمانوں کے بچے علی العموم نمازوں میں اسے پڑھتے ہیں۔ اس پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اس کی جناب میں قدم صدق پیدا کرنے کے لئے اور اپنی عزت و آبرو کو دنیا و آخرت میں بڑھانے کے واسطے انسان کو مختلف اوقات میں مختلف موقعے ملتے ہیں۔ ایک وہ وقت ہوتا ہے کہ جب دنیا میں اندھیر ہوتا ہے اور ہر قسم کی غلطیاں اور غلط کاریاں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ خدا کی ذات پر شکوک' اسماء الٰہیہ میں شبہات' افعال اللہ سے بے اعتنائی اور مسابقت فی الخیرات میں غفلت پھیل جاتی ہے اور ساری دنیا پر غفلت کی تاریکی چھا جاتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا کوئی برگزیدہ بندہ اہل دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور اپنے مولیٰ کی عظمت و جبروت دکھانے' اسماء الٰہیہ و افعال اللہ سے

آگاہی بخشنے کے واسطے آتا ہے تو ایک کمزور انسان تو ساری دنیا کو دیکھتا ہے کہ کس رنگ میں رنگین اور کس دھن میں لگی ہوئی ہے اور اس مامور کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ سب سے الگ اور سب کے خلاف کہتا ہے۔ کل دنیا کے چال چلن پر اعتراض کرتا ہے۔ نہ کسی کے عقائد کی پروا کرتا ہے نہ اعمال کالحاظ۔ صاف کہتا ہے کہ تم بے ایمان ہو اور نہ صرف تم بلکہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (الروم:۴۲) سارے دریاؤں، جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں اور سمندروں اور جزائر، غرض ہر حصہ دنیا پر فساد مچا ہوا ہے۔ تمہارے عقائد صحیح نہیں۔ اعمال درست نہیں۔ علم بودے ہیں۔ اعمال ناپسند ہیں۔ قویٰ اللہ تعالیٰ سے دور ہو کر کمزور ہو چکے ہیں۔ کیوں؟ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (الروم:۴۲) تمہاری اپنی ہی کرتوتوں سے۔ پھر کہتا ہے دیکھو میں ایک ہی شخص ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا (الروم:۴۲) لوگوں کو ان کی بد کرتوتوں کا مزہ چکھا دیا جاوے۔ بہت سی مخلوق اس وقت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے عدم اور وجود کو برابر سمجھتی ہے اور بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ بالکل غفلت ہی میں ہوتے ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہو رہا ہے؟ اور کچھ مقابلہ و انکار پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جبروت دکھانا چاہتا ہے۔ وہ ان لوگوں کے مقابلہ میں جو مال و دولت، کنبہ اور دوستوں کے لحاظ سے بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے رؤسا اور اہل تدبیر لوگوں کے مقابلہ میں ان کی کچھ ہستی ہی نہیں ہوتی۔ یہ اس مامور کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یعنی ضعفاء سب سے پہلے ماننے والے کیوں ہوتے ہیں؟ اس لیے کہ اگر وہ اہل دول مان لیں تو ممکن ہے خود ہی کہہ دیں کہ ہمارے ایمان لانے کا نتیجہ کیا ہوا؟ دولت کو دیکھتے ہیں، املاک پر نگاہ کرتے ہیں، اپنے اعوان و انصار کو دیکھتے ہیں تو ہر بات میں اپنے آپ کو کمال تک پہنچا ہوا دیکھتے ہیں اس لئے خدا کی عظمت و جبروت اور ربوبیت کا ان کو علم نہیں آ سکتا۔ لیکن جب ان ضعفاء کو جو دنیوی اور مادی اسباب کے لحاظ سے تباہ ہونے کے قابل ہوں عظیم الشان انسان بنا دے اور ان رؤسا اور اہل دول کو ان کے سامنے تباہ اور ہلاک کر دے تو اس کی عظمت و جلال کی چمکار صاف نظر آتی ہے۔ غرض یہ سر ہوتا ہے کہ اول ضعفاء ہی ایمان لاتے ہیں۔

اس دبدھا کے وقت جبکہ ہر طرف سے شور مخالفت بلند ہوتا ہے خصوصاً بڑے لوگ سخت مخالفت پر اٹھے ہوئے ہوتے ہیں کچھ آدمی ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے چن لیتا ہے اور وہ اس راستباز کی اطاعت کو نجات کے لئے غنیمت اور مرنے کے بعد قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور بہت سے مخالفت کے لئے اٹھتے ہیں جو اپنی مخالفت کو انتہا تک پہنچاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت

اور مدد آجاتی ہے اور زمین سے، آسمان سے، دائیں سے، بائیں سے، غرض ہر طرف سے نصرت آتی ہے اور ایک جماعت تیار ہونے لگتی ہے۔ اس وقت وہ لوگ جو بالکل غفلت میں ہوتے ہیں اور وہ بھی جو پہلے عدم و وجود مساوی سمجھتے ہیں آ آکر شامل ہونے لگتے ہیں۔ وہ لوگ جو سب سے پہلے ضعف و ناتوانی اور مخالفت شدیدہ کی حالت میں آکر شریک ہوتے ہیں ان کا نام سابقین اولین، مہاجرین اور انصار رکھا گیا۔ مگر ایسے فتوحات اور نصرتوں کے وقت جو آکر شریک ہوئے ان کا نام "ناس" رکھا ہے۔

یاد رکھو جو پودا اللہ تعالیٰ لگاتا ہے اس کی حفاظت بھی فرماتا ہے یہاں تک کہ وہ دنیا کو اپنا پھل دینے لگتا ہے لیکن جو پودا احکم الحاکمین کے خلاف اس کے منشاء کے موافق نہ ہو اس کی خواہ کتنی ہی حفاظت کی جاوے وہ آخر خشک ہو کر تباہ ہو جاتا ہے اور ایندھن کی جگہ جلایا جاتا ہے۔ پس وہ لوگ بہت ہی خوش قسمت ہیں جن کو عاقبت اندیشی کا فضل عطا کیا جاتا ہے۔

اس سورۃ شریفہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کو ظاہر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اللہ کی تسبیح کرو، اس کی ستائش اور حمد کرو اور اس سے حفاظت طلب کرو۔ استغفار یا حفاظت الٰہی طلب کرنا ایک عظیم الشان سر ہے۔ انسان کی عقل تمام ذرات عالم کی محیط نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ موجودہ ضروریات کو سمجھ بھی لے تو آئندہ کے لئے کوئی فتویٰ نہیں دے سکتی۔ اس وقت ہم کپڑے پہنے کھڑے ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت اور فضل کے نیچے نہ ہوں اور محرقہ ہو جاوے تو یہ کپڑے جو اس وقت آرام دہ اور خوش آئند معلوم ہوتے ہیں ناگوار خاطر ہو کر موذی اور مخالف طبع ہو جاویں اور وبال جان سمجھ کر ان کو اتار دیا جاوے۔ پس انسان کے علم کی تو یہ حد اور غایت ہے۔ ایک وقت ایک چیز کو ضروری سمجھتا ہے اور دوسرے وقت اسے غیر ضروری قرار دیتا ہے۔ اگر اسے یہ علم ہو کہ سال کے بعد اسے کیا ضرورت ہو گی، مرنے کے بعد کیا ضرورتیں پیش آئیں گی تو البتہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بہت کچھ انتظام کر لے لیکن جب کہ قدم قدم پر اپنی لاعلمی کے باعث ٹھوکریں کھاتا ہے پھر حفاظت الٰہی کی ضرورت نہ سمجھنا کیسی نادانی اور حماقت ہے۔ یہ صرف علم ہی تک بات محدود نہیں رہتی۔ دوسرا مرحلہ تصرفات عالم کا ہے وہ اس کو مطلق نہیں۔ ایک ذرہ پر اسے کوئی تصرف و اختیار نہیں۔ غرض ایک بے علمی اور بے بسی تو ساتھ تھی ہی پھر بدعملیاں ظلمت کا موجب ہو جاتی ہیں۔

انسان جب اولاً گناہ کرتا ہے تو ابتدا میں دل پر غین ہوتا ہے پھر وہ امر بڑھ جاتا ہے اور رین کہلاتا ہے۔ اس کے بعد مہر لگ جاتی ہے۔ یہ چھاپا مضبوط ہو جاتا ہے۔ قفل لگ جاتا ہے۔ پھر یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ بدی سے پیار اور نیکی سے نفرت کرتا ہے۔ خیر کی تحریک ہی قلب سے اٹھ جاتی ہے۔ اس کا ظہور

ایسا ہوتا ہے کہ خیر و برکت والی باتوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ یا تو اس کے حضور آنے ہی کا موقع نہیں ملتا یا موقع تو ملتا ہے لیکن انتفاع کی توفیق نہیں پاتا۔ رفتہ رفتہ اللہ سے بعد' ملائکہ سے دوری اور پھر وہ لوگ جن کا تعلق ملائکہ سے ہوتا ہے ان سے بعد ہو کر کٹ جاتا ہے۔ اس لئے ہر ایک عقلمند کا فرض ہے کہ وہ توبہ کرے اور غور کرے۔ ہم نے بہت سے مریض ایسے دیکھے ہیں جن کو میٹھا تلخ معلوم دیتا ہے اور تلخ چیزیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں۔ کسی نے مجھ سے ملذذ نسخہ مانگا۔ میں نے اسے مصبر۔ کچلہ۔ شہد ملا کر دیا۔ اس نے کہا کہ بڑا ملذذ ہے۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے انسان کے معاصی کا۔ ان کی بصر اور بصیرت جاتی رہتی ہے اور ان کی آنکھیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے چہروں پر نگاہ کر کے اہل بصر انہیں اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے سانپ' بندر' خنزیر کو دیکھتے ہیں۔

اس لئے مومن کو چاہئے کہ خدا کی حمد اور تسبیح کرتا رہے اور اس سے حفاظت طلب کرتا رہے۔ جیسے ایمان ہر نیکی کے مجموعہ کا نام ہے اسی طرح ہر برائی کا مجموعہ کفر کہلاتا ہے۔ ان کے ادنیٰ اور اوسط اور اعلیٰ تین درجے ہیں۔ پس امید و بیم' رنج و راحت' عسر و یسر میں قدم آگے بڑھاؤ اور اس سے حفاظت طلب کرو۔

غور کرو حفاظت طلب کرنے کا حکم اس عظیم الشان کو ہوتا ہے جو خاتم الانبیاء اصفی الاصفیاء سید ولد آدم ہے' صلی اللہ علیہ و سلم' تو پھر اور کون ہے جو طلب حفاظت سے غنی ہو سکتا ہے؟ مایوس اور نا امید مت ہو۔ ہر کمزوری' غلطی' بغاوت کے لئے دعا سے کام لو۔ دعا سے مت تھکو۔ یہ دھوکا مت کھاؤ جو بعض ناعاقبت اندیش کہتے ہیں کہ انسان ایک کمزور ہستی ہے' خدا اس کو سزا دے کر کیا کرے گا؟ انہوں نے رحمت کے بیان میں غلو کیا ہے۔ کیا وہ اس نظارہ کو نہیں دیکھتے کہ یہاں بعض کو رنج اور تکلیف پہنچتی ہے۔ پس بعد الموت عذاب نہ پہنچنے کی ان کے پاس کیا دلیل ہو سکتی ہے؟ یہ غلط راہ ہے جو انسان کو کمزور اور سست بنا دیتی ہے۔ بعض نے یاس کو حد درجہ تک پہنچا دیا ہے کہ بدیاں حد سے بڑھ گئی ہیں اب بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ استغفار اس سے زیادہ نہیں کہ زہر کھا کر کلی کر لی۔ یہ بھی سخت غلطی ہے۔ استغفار انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اس میں گناہ کے زہر کا تریاق ہے۔ پس استغفار کو کسی حال میں مت چھوڑو۔ پھر آخر میں کہتا ہوں کہ نبی کریمؐ سے بڑھ کر کون ہے؟ وہ اَخشٰی لِلّٰہِ۔ اَتقٰی لِلّٰہِ۔ اَعلَمُ بِاللّٰہِ انسان تھا' صلی اللہ علیہ و سلم۔ پس جب اس کو استغفار کا حکم ہوتا ہے تو دوسرے لاابالی کہنے والے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ پس جنہوں نے اب تک اس وقت کے امام راستباز کے ماننے کے لئے قدم نہیں اٹھایا اور دبدھا میں ہیں وہ استغفار سے کام لیں کہ ان پر سچائی کی راہ کھلے اور جنہوں نے خدا کے

فضل سے اسے مان لیا ہے وہ استغفار کریں تاکہ آئندہ کے لئے معاصی اور کسی لغزش کے ارتکاب سے بچیں اور حفاظت الٰہی کے نیچے رہیں۔

(الحکم جلد۶ نمبر۵---۷ر فروری ۱۹۰۲ء صفحہ ۶-۷)

☆-☆-☆-☆

۱۲ر ستمبر ۱۹۰۲ء

خطبہ نکاح

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ۔

پھر آیات مسنونہ بابت نکاح کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

مومن ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے اور یہ ایک عظیم الشان انعام انسان پر ہے۔ کیونکہ ساری راحتیں ' ساری خوشیاں اور خوشحالیاں اسی کے بعد ملتی ہیں کہ پیدا ہوا ہو اور پھر پیدا بھی اپنے رب کے ہاتھ سے ہوا ہو جو بتدریج کمالات تک پہنچاتا ہے اور پھر ہمارے لئے تو خصوصیت کے ساتھ حمد ضروری ہے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ ایسی نعمت عظمیٰ کے منعم ہیں کہ جس قدر صداقتیں اور حق و حکمت حضرت آدمؑ سے لے کر ہمارے سید و مولا ' سرور عالم ' فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم تک مختلف اوقات میں مختلف نبیوں ' رسولوں ' راستبازوں کے ذریعہ مختلف زبانوں اور ملکوں میں پہنچایا گیا ' ان تمام صداقتوں کا مجموعہ مبرہن اور مدلل ہو کر ہم کو ملا جس کا نام قرآن کریم

ہے۔ یہ انعام کیا کم انعام ہے۔ سوچ کر دیکھو کہ ساری دنیا کی کل صداقتیں، وہ تمام ذریعے جو روح کی پرورش کے تھے، وہ سب مہیمن کتاب مجید میں جس کا نام نور، شفا، رحمت، برکت ہے، ہم کو دی گئی ہے اور پھر "عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ" میں جیسی صاف اور کھلی سہولت اور یسر سے دی گئی، وہ سب صداقتیں مدلل اور مبرہن کر کے قرآن شریف نے بیان کی ہیں اور نہایت سہل الفاظ میں جو میرے خیال میں چار ہزار سے زیادہ لغت نہیں۔ پھر پہنچانے والا ایسی طاقت اور تاثیر رکھتا ہے کہ باید و شاید۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ یعنی محمد بن عبد اللہ اور بن آمنہ، کس طرح کا وہ معلم اور ہادی ہے اور کس طرح سے اس کی پاک تاثیروں نے ایک تبدیلی کی؟ وہ اسی ایک واقعہ سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس نے حیرت انگیز، آئینہ نما فتح اپنی قوم پر جو عرب تھی حاصل کی اور ایسی فتح کہ ایک بھی مخالف نہ رہا اور پھر یہ کس قدر تعجب انگیز گویا آیت مبینہ، اثر ہے کہ تیرہ سو برس پہلے مکہ اور مدینہ میں جس قسم کے فیوض اور برکات آپ کے پاک انفاس سے پہنچے اور آپؐ کی تعلیم و تربیت نے جو اثر اس وقت پیدا کیا آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی کی تعلیم و تربیت کے نیچے اس کا غلام موجود ہے۔

(غلام احمد علیہ الصلوۃ والسلام)

اور پھر کیا بلحاظ اس انعام اور فضل کے جو ہم پر اللہ تعالیٰ نے کیا کہ تیرہ سو برس سے جس کے دیکھنے کو ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں مخلوق کی آنکھیں ترستی گئی ہیں اور امت کے صلحا اور اولیاء اور علماء ربانی جس کو سلام کہتے گئے، ہم نے اس کا زمانہ پالیا۔ اور پھر جس سے اکثر لوگوں کی بدبختی نے انہیں محروم رکھا ہمیں اس کی غلامی کا شرف عطا فرمایا اور اس طرح پر ہم پر وہ انعام کیا کہ جیسے اولین میں ایک نبی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھا، آخرین میں بھی اسی طرح آپ کا تابع نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ اس لئے جب ہم پر یہ انعام، یہ فضل ہوئے ہیں تو اور بھی زیادہ ہمیں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں۔

نَسْتَعِيْنُ لیکن انسان چونکہ ایک کمزور اور ضعیف ہستی ہے اس لئے ہر آن اور ہر حالت میں اسی رب العالمین اور تمام صفات کاملہ سے موصوف اور تمام نقائص اور بدیوں سے منزہ ذات، اللہ تعالیٰ سے استمداد کی ضرورت ہے۔ انسان کا فانی جسم ہر آن تغیرات کے نیچے ہے اور کمزور روح علوم میں اسی فانی اور کمزور جسم کی محتاج ہے۔ کیونکہ وہ اس جسم اور ذرات کے بغیر کوئی راحت یا علم و صداقت حاصل نہیں کر سکتی اور سارے علوم اور صداقتیں زبان، کان، آنکھ، ناک اور ٹٹولنے کی حس کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔ مگر یہ جسم فانی ہے اور ہر آن تنزل کی حالت پیدا کرتا ہے۔ فضلے پیدا ہو کر جسم سے نکلتے رہتے

ہیں۔ ایسی حالت میں صاف ظاہر ہے کہ روح کا ذریعہ فانی اور کمزور ہے۔ پھر کیسے ترقی کرے، جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ نہ ہو۔ اسی محسن نے کیسی پاک راہ بتائی اور سچے اور حقیقی محسن، اللہ کی بتائی ہوئی بتائی کہ اللہ کے فضل اور احسان کے بغیر ایک آن گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ہم اس کی ہی مدد چاہتے ہیں۔

وَنَسْتَغْفِرُهٗ پھر ایک اور تعلیم دی اور وہ استغفار کی تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وسیع قانون اور زبردست حکم اس قسم کے ہیں کہ انسان بعض بدیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے بڑے بڑے فضلوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ جب انسان کوئی غلطی کرتا اور خدا تعالیٰ کے کسی قانون اور حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ غلطی اور کمزوری اس کی راہ میں ایک روک ہو جاتی ہے اور یہ عظیم الشان فضل اور انعام سے محروم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس محرومی سے بچانے کے لئے یہ تعلیم دی کہ استغفار کرو۔ یہ تعلیم بھی اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے۔ استغفار کیا ہے؟ پچھلی کمزوریوں کو جو خواہ عمداً ہوں یا سہواً اور نسیان اور خطا سے۔ غرض مَاقَدَّمَ وَاَخَّرَ جو نہ کرنے کا کام آگے کیا اور جو نیک کام کرنے سے رہ گیا ہے، اپنی تمام کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کی ساری نارضامندیوں کو اَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ کے نیچے رکھ کر یہ دعا کرے کہ میری غلطیوں کے بدنتائج اور بد اثر سے مجھے محفوظ رکھ اور آئندہ کے لئے ان غلط کاریوں سے محفوظ فرما۔ یہ ہیں استغفار کے مختصر سے معنے۔

بارہا ہمارے امام علیہ الصلوۃ والسلام لوگوں کو استغفار بتاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ اکثر مجھ سے آکر پوچھتے ہیں کہ استغفار کی کتنی تسبیحیں کریں اور آپ کے یہاں کونسا استغفار معمول ہے۔ اس لئے میں نے بتایا ہے کہ سچا استغفار یہی ہے کہ انسان اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو یاد کر کے جناب الٰہی میں یہ طلب کرے کہ ان کمزوریوں کے برے نتائج سے محفوظ رکھ اور آئندہ کے لئے ان کمزوریوں سے محفوظ فرما۔

وَنُؤْمِنُ بِهٖ اور ہم پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ جمیع صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ہے۔ وہ اپنی ذات میں، اپنی صفات میں، اسماء اور محامد اور افعال میں واحد لاشریک ہے۔ وہ اپنی ذات میں یکتا، صفات میں بے ہمتا اور افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲) اور بے نظیر ہے۔ اور اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی رضامندی اور ناراضی کی راہوں کو ظاہر کرتا رہا ہے اور ملائکہ کے ذریعہ اپنا کلام پاک اپنے نبیوں اور رسولوں کو پہنچاتا رہا ہے اور اس کی بھیجی ہوئی کتابوں میں آخری کتاب قرآن شریف ہے جس کا نام شفا، فضل، رحمت اور نور ہے اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ

وسلم ہیں جو خاتم النبیین ہیں۔ اور اب کوئی نبی اور رسول آپؐ کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت بھی جو آیا وہ اس کا غلام ہی ہو کر آیا ہے۔

اور پھر یہ تعلیم دی کہ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ یہ بات ہم میں پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں جس مطلب اور غرض کے لئے بنائی ہیں وہ اپنے نتائج اور ثمرات اپنے ساتھ ضرور رکھتے ہیں۔ اس لئے اس پر ایمان ہونا چاہئے کہ لابد ایمان کے ثمرات اور نتائج ضرور حاصل ہوں گے اور کفر اپنے بد نتائج دیئے بغیر نہ رہے گا۔ انسان بڑی غلطی کرتا اور دھوکا کھا جاتا ہے' جب وہ اس اصل کو بھول جاتا ہے۔ اعمال اور اس کے نتائج کو ہرگز ہرگز بھولنا نہیں چاہئے۔ سعی اور کوشش کو ترک کرنا نہیں چاہئے۔

اور پھر یہ تعلیم دی وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ انسان اپنی کمزوریوں پر پوری اطلاع نہیں رکھتا اور بعض وقت نقد کو ادھار پر پسند کرتا اور ترجیح دیتا ہے۔ پیش پا افتادہ اور زیردست چیزیں مقبول نگاہ ہوتی ہیں۔ اس لئے الٰہی احکام کو اپنی غلطی سے بھول جاتا ہے یا ان کے ثمرات اور نتائج کو اپنی غلطی اور نادانی سے ادھار اور دوسرے ہی جہان پر منحصر سمجھ کر سستی اور لاپروائی کرتا ہے اور اس طرح پر اصل مقصد سے دور جا پڑتا ہے۔ اس غلطی کو دور کرنے اور اس کے برے نتائج سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جائیں۔ کیونکہ بڑی پناہ اور معاذ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ ہے جو ساری قدرتوں اور قوتوں کا مالک اور مولیٰ ہے اور ہر نقص سے پاک' ہر کامل صفت سے موصوف۔

پہلے ضروری ہے کہ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا سے پناہ مانگیں۔ انسان کی اندرونی بدیاں اور شرارتیں اکثر اس کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ مثلاً شہوت کے مقابلہ میں زیر ہو جاتا اور عفت کو ترک کرتا ہے۔ بد نظری اور زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔ حلم کو چھوڑتا ہے اور غضب کو اختیار کرتا ہے اور کبھی قناعت کو جو سچی خوشحالی کا ایک بڑا ذریعہ ہے' چھوڑ کر حرص و طمع کا پابند ہو جاتا اور کبھی ہمت بلند اور استقلال نہیں رہتا' بلکہ پست ہمتی اور غیر مستقل مزاجی میں پھنس جاتا ہے۔ سعی اور مجاہدہ کو ترک کرتا اور کسل میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ نفسانی شرور ہیں۔ اس لئے ان تمام شرارتوں اور ان کے برے نتائج سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ لینی چاہئے اور پھر بد اعمال کے بد نتائج ہیں۔ ان سے بھی محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نہ ہو۔

غرض اصل تو یہ ہے مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ اللہ کے سوا کوئی ہادی نہیں جس کے پاس گمراہی کا ڈر نہیں اور جس کو اللہ ہلاک کرے اس کو کوئی بامراد نہیں کر سکتا۔

وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ پھر عظیم الشان اصولوں میں سے یہ اصل بتائی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا معبود' محبوب اور مطاع نہ بناؤ۔ اللہ وہ ذات کامل ہے جو ہر نقص سے منزہ اور خوبی سے موصوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود' محبوب' مطاع بنانا اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کیا آنکھ سے بد نظری کرتا ہے یا نہیں؟ کان سے حرص و ہوا کی باتیں سنتا ہے یا نہیں؟ ناک کے خیال سے تکبر اور فضول خرچیاں کرتا ہے یا نہیں؟ پھر زبان' غرض کل اعضاء فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں یا نہیں؟ مختصر یہ کہ کوئی خوف اور امید اگر مخلوق سے ہے تو سمجھ لو کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنوں سے بے خبری ہے یا بے پروائی ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو ماننے والا کسی کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا اور نہ رکوع سجود کر سکتا ہے۔ ایسا ہی مخلوق کے لئے نہ قربانی دے سکتا ہے اور نہ اپنے مال کا ایک مقرر حصہ مخلوق میں سے کسی کے لئے الگ کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے الگ کرنے کا حکم ہے بلکہ ساری باتوں میں وہ اپنا معبود مسجود اللہ ہی کو مانتا ہے اور اپنی امید و بیم کو اسی سے وابستہ کرتا ہے۔ ہر ایک کام اس کی رضا کے لئے کرتا یہاں تک کہ کھانا اس لئے کھاتا ہے کہ "كُلُوْا" کا حکم ہے۔ اور پیتا اس لئے کہ "اِشْرَبُوْا" کا حکم ہے۔ بیوی سے معاشرت کرے نہ اس لئے کہ طبعی تقاضا ہے بلکہ اس لئے کہ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۲۰) کا حکم ہے اور اس لئے کہ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (البقرة:۱۸۸) کا ارشاد ہے۔ اس سے نیکی کے کاموں میں پہلا جزو پیدا ہو گا' جس کو اخلاص کہتے ہیں۔ پھر ان سارے کاموں میں صواب ہو اور یہ تب حاصل ہو سکتا ہے کہ ساری الٰہی رضامندیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور حکم کے نیچے ہوں۔ کیونکہ وہ کامل انسان اللہ تعالیٰ کا سچا پرستار بندہ تھا اور ہماری اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث فرمایا۔ ان کے سوا الٰہی رضا ہم معلوم نہیں کر سکتے اور اسی لئے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲)۔ جس طرح پر اس نے اپنے غیب اور اپنی رضا کی راہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ظاہر کی ہیں اسی طرح پر اب بھی اس کی غلامی میں وہ ان تمام امور کو ظاہر فرماتا ہے۔ اگر کوئی انسان اس وقت ہمارے درمیان آدمؑ' نوحؑ' ابراہیمؑ' موسیٰؑ' عیسیٰؑ' داؤدؑ' محمدؐ' احمدؐ' ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ سے ہے اور آپؐ ہی کی چادر کے نیچے ہو کر ہے۔ کوئی راہ اگر اس وقت کھلتی ہے اور کھلی ہے تو وہ آپ میں ہو کر۔ ورنہ یقیناً یقیناً سب راہیں بند ہیں۔ کوئی شخص براہ راست اللہ تعالیٰ سے فیضان حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی اس وقت یہ کہے کہ "من چہ پروائے مصطفیٰ دارم" اور پھر وہ ہمارا مقتدا اور امام اور مطاع بننا چاہے تو یاد رکھو کہ وہ ہمارا امام اور مقتدا

ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہمارا مقتدا اور امام وہی ہو سکتا ہے جو "و لیکن میفزائے بر مصطفٰےؐ" پر عمل کرنے کی ہدایت کرتا ہو اور غلام احمدؑ ہو۔ غرض ہر ایک نیکی، نیکی تب ہی ہو سکتی ہے جب وہ اولاً اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو اور پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نیچے ہو۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء:۲)۔

یہ ایک آیت شریف ہے جس سے ایک سورۃ کا ابتداء ہوتا ہے اور ایسے خطبوں کے وقت اس کا پڑھا جانا مسلمانوں میں مروج ہے۔ وہ اس آیت کو ضرور پڑھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ساری سورۃ کی طرف گویا متوجہ کیا گیا ہے جس میں میاں بیوی کے متعلق حقوق کو بیان کیا گیا ہے اور تفاؤل کے طور پر اس کی ابتداء کو پڑھتے ہیں تاکہ سعادت مند لوگ ایسے تعلقات پیدا کرنے سے پہلے اور بعد ان امور پر نگاہ کر لیا کریں جو اس سورۃ میں بیان ہوئے ہیں۔

وہ تعلق جو میاں بیوی میں پیدا ہوتا ہے بظاہر وہ ایک آن کی بات ہوتی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنی لڑکی دی اور دوسرا کہتا ہے کہ میں نے لی۔ بظاہر یہ ایک سیکنڈ کی بات ہے۔ مگر اس ایک بات سے ساری عمر کے لئے تعلقات کو وابستہ کیا جاتا ہے اور عظیم الشان ذمہ داریوں اور جواب دہیوں کا جوا میاں بیوی کی گردن پر رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اس سورۃ کو يٰاَيُّهَا النَّاسُ سے شروع کیا ہے۔ کوئی اس میں مخصوص نہیں۔ ساری مخلوق کو مخاطب کیا ہے۔ مومن، مقرب، مخلص، اصحاب الیمین، غرض کوئی ہو کسی کو الگ نہیں کیا، بلکہ يٰاَيُّهَا النَّاسُ فرمایا۔ الناس جو انس سے تعلق رکھتا ہے وہ انسان ہے۔ انسان جب انس سے تعلق رکھتا ہے تو سارے انسوں کا سرچشمہ میاں بیوی کا تعلق اور نکاح کا انس ہے۔ اس کے ساتھ اگر ایک اجنبی لڑکی پر فرائض کا بوجھ رکھا گیا ہے تو اجنبی لڑکے پر بھی اس کی ذمہ داریوں کا ایک بوجھ رکھا گیا ہے۔ اس لئے اس تعلق میں ہاں نازک تعلق میں جو بہت سی نئی ذمہ داریوں اور فرائض کو پیدا کرتا ہے، کامل انس کی ضرورت ہے جس کے بغیر اس بوجھ کا اٹھانا بہت ہی ناگوار اور تلخ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب وہ کامل انس ہو تو رحمت اور فضل انسان کے شامل حال ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ غرض اس تعلق کی ابتدا انس سے ہونی چاہئے تاکہ دو اجنبی وجود مُتَّحِدٌ فِي الْاِرَادَتْ ہو جائیں۔ اس لئے يٰاَيُّهَا النَّاسُ کہہ کر اس کو شروع فرمایا۔

اور دوسرے یہ آیت يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی لوگو! تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ عظیم الشان نعمت اور فضل ہے جسے ملے۔ انسان اپنی ضروریات زندگی میں کیسا مضطرب اور بے قرار ہوتا ہے۔ خصوصاً رزق کے معاملہ میں۔ لیکن متقی ایسی جگہ سے رزق پاتا ہے کہ کسی کو تو کیا

معلوم ہوتا ہے خود اس کے بھی وہم گمان میں نہیں ہوتا۔ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۴)
پھر انسان بسا اوقات بہت قسم کی تنگیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ متقی کو ہر تنگی سے نجات دیتا ہے جیسے فرمایا۔ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا (الطلاق:۳) انسان کی سعادت اور نجات کا انحصار علوم الہیہ پر ہے۔ کیونکہ جب تک کتاب اللہ کا علم ہی نہ ہو وہ نیکی اور بدی اور احکام رب العالمین سے آگاہی اور اطلاع کیونکر پا سکتا ہے۔ مگر تقویٰ ایک ایسی کلید ہے کہ کتاب اللہ کے علوم کے دروازے اسی سے کھلتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ متقی کا معلم ہو جاتا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرۃ:۲۸۲)
انسان اپنے دشمنوں سے کس قدر حیران ہوتا اور ان سے گھبراتا ہے۔ لیکن متقی کو کیا خوف؟ اس کے دشمن ہلاک ہو جاتے ہیں۔
اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال:۳۰)۔ اللہ تعالیٰ سے دوری اور بعد ساری نامرادیوں کی جڑ اور ناکامیوں کی اصل ہے۔ مگر متقی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل:۱۲۹)۔ تقویٰ ایسی چیز ہے جو انسان کو اپنے مولیٰ کا محبوب بناتی ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (ال عمران:۷۷)۔ تقویٰ کے باعث اللہ تعالیٰ متقی کے لئے مکتفی ہو جاتا ہے اور اس سے ولایت ملتی ہے وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (الجاثیہ:۲۰)۔ پھر تقویٰ ایسی چیز ہے کہ دعاؤں کو قبولیت کے لائق بنا دیتا ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدۃ:۲۸) بلکہ اس کے ہر فعل میں قبولیت ہوتی ہے۔
غرض تقویٰ جیسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے اور تقویٰ نام ہے اعتقادات صحیحہ' اقوال صادقہ' اعمال صالحہ' علوم حقہ' اخلاق فاضلہ' ہمت بلند' شجاعت' استقلال' عفت' حلم' قناعت' صبر کا' حسن ظن باللہ' تواضع' صادقوں کے ساتھ ہونے کا۔
پھر یہ تقویٰ اپنے رب کا اختیار کرو۔ "رَبَّكُمْ" میں بتایا ہے کہ وہ تمہیں کمالات بخشنے والا ہے۔ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت تک پہنچانے والا ہے۔ اس کے متقی بنو۔
مخلوق کی نظر کا متقی نہیں۔ اگر انسان مخلوق کی نظر میں متقی بنتا ہے لیکن آسمان پر اس کا نام متقی نہیں تو یاد رکھو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ہے مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (البقرۃ:۹)۔
ایک غلط خیال عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو بھی دور کروں اور وہ یہ ہے کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ دین پر عمل درآمد کرنا انسان کی مقدرت سے باہر ہے اور یہ شریعت گویا کہنے کی ہے کرنے کی نہیں۔ اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ بدی عام پھیلی ہوئی ہے اور اس نے بہت حصہ مخلوق کا تباہ کیا ہے۔ دراصل اس قسم کے حیلے شریروں نے اپنی بدیوں کو چھپانے کے لئے تراشے ہوئے

ہیں۔ مگر میں یقیناً کہتا ہوں کہ یہ بدی اور بدخیالی اللہ تعالیٰ پر سوء ظن سے پیدا ہوئی ہے کہ انسان کہلائے اور کہے کہ شریعت پر پابندی نہیں کر سکتے اور فرائض اور سنن ادا نہیں ہو سکتے۔ یہ بڑی بد قسمتی ہے۔ اسی ایک بدی نے قوم کو تباہ کر دیا اور اس نے شریعت کو نعوذ باللہ لعنت کہہ دیا۔ یعنی عیسائیوں کی قوم نے شریعت کو بالکل الگ رکھ دیا۔ یہ شیطانی وسوسہ تھا اور شیطان ان پر غالب آیا۔ پس ایسی باتوں اور خیالوں سے پرہیز کرو۔ میں نے ایک ایسے ہی خطبہ میں (یعنی نکاح کے خطبہ میں جو اگلے روز مجھے پڑھنا پڑا اور اسی طرح پر صادق امام کے حضور میں پڑھا) اس امر پر زور دیا تھا (اور یہ میرا ایمان ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اسی طرح ہو اور میں خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے ایسا کرنا چاہتا ہوں) کہ لوگ اپنے امام کی سچی اتباع کریں اور اس کے احکام کی تعمیل کو اپنی خواہشوں پر مقدم کر لیں۔ بعض بد قسمتوں نے میری ان باتوں کو سن کر یہی نتیجہ نکالا کہ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔ ان پر عمل کرنا مشکل ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ یہ خطرناک بدظنی ہے جو ایک مومن کی نسبت کی جاوے۔ اس کا محاسبہ اللہ تعالیٰ کے حضور دینا پڑے گا۔[2]

پھر فرمایا۔ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء:۲) اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک جی سے بنایا اور اسی جنس سے تمہاری بیوی بنائی اور پھر دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ قرآن شریف سے عمدہ اور نیک اولاد کا پیدا ہونا' اللہ تعالیٰ کی رضا کا منطوق معلوم ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو دیکھو کہ خدا نے اسے کیسا برومند کیا' جس میں صدہا نبی اور رسول آئے' حتیٰ کہ خاتم الرسل بھی اسی میں ہوئے۔ مگر یہ طیب اور مبارک اولاد کس طرح سے حاصل ہو؟ اس کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے حصول کا یہ ذریعہ ہے کہ انسان اپنے عقائد اور اعمال کا محاسبہ کرے اور اس امر کو ہمیشہ مدنظر رکھے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء:۲) جب تم یہ یاد رکھو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حال کا نگران ہے تو ہر قسم کی بے حیائی اور بدکاری کی راہ سے جو تقویٰ سے دور پھینک دیتی ہے' بچ سکو گے۔ دیکھو کسی عظیم الشان انسان کے سامنے انسان بدی کے ارتکاب کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ ہر ایک بدی کرنے والا اپنی اس بدی کو مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ پھر جب خدا تعالیٰ کو رقیب اور بصیر مانے گا اور اس پر سچا ایمان لائے گا تو ایسے ارتکاب سے بچ جائے گا۔ غرض تقویٰ ایسی نعمت ہے کہ متقی ذریت طیبہ بھی پالیتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (الاحزاب:۷۱) یہ ایک دوسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ ایسے تعلقات اور عقد کے وقت یہ نصیحت فرماتا ہے۔ تقویٰ اللہ اختیار کرو اور پکی باتیں کہو۔ پکی باتیں حاصل ہوتی ہیں کتاب اللہ کو غور کے ساتھ پڑھنے سے' سنن اور تعامل کے

مطالعہ سے' احادیث صحیحہ کے یاد رکھنے سے۔ یہ باتیں ہیں علوم حقہ کے حاصل کرنے کی۔ مجھے اس موقعہ پر یہ بھی کہنا ہے کہ بعض لوگ تم میں سے اپنی غلط فہمی سے احادیث کو طالمود کہتے ہیں۔ یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ انہوں نے ہرگز ہرگز امام کے مطلب کو نہیں سمجھا۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ حضرت امام اپنی عظیم الشان پیشگوئیاں احادیث سے لیتے ہیں اور اپنے دعاوی پر احادیث سے تمسک کرتے ہیں؟ آپ کا مطلب یہ ہے کہ جو حدیث قرآن شریف کے معارض ہو وہ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ راجح کا مقابلہ مرجوح سے نہیں کر سکتے۔ اس کو آگے بڑھانا اور یہاں تک پہنچانا جہالت ہے۔ اگر میری بات پر توجہ نہ ہو تو تم خود دریافت کر سکتے ہو۔ احادیث سے انکار کرنا بڑی بد قسمتی ہے۔

حضرت امام علیہ السلام نے بارہا فرمایا ہے کہ ہمارے لئے تین چیزیں ہیں۔ قرآن' سنت اور حدیث۔ قرآن اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنایا تو سنت کے ذریعہ اس پر عمل کر کے دکھادیا اور پھر حدیث نے اس تعامل کو محفوظ رکھا ہے۔ غرض حدیث کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے جب تک وہ صریح قرآن شریف کے معارض اور مخالف واقع نہ ہوئی ہو۔ بھلا دیکھو تو اسی نکاح کے متعلق غور کرو کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب آدمی نکاح کرتا ہے تو کیا کیا امور مد نظر رکھتا ہے۔ گاہے عورت بیاہی جاتی ہے کہ وہ مالدار ہے اور گاہے یہ کہ حسین ہے یا کسی عالی خاندان کی ہے اور بعض اوقات مقابلہ مد نظر ہوتا ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (بخاری کتاب النکاح باب اکفاء فی الدین) تاکہ تقویٰ بڑھے۔ ایک سے زیادہ نکاح بھی اگر کرو تو اس لئے کہ تقویٰ بڑھے۔ جب تقویٰ مد نظر نہ ہو تو وہ نکاح مفید اور مبارک نہیں ہوتا۔

غرض خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور مومنوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (الاحزاب:۷۱) انسان کی زبان بھی ایک عجیب چیز ہے جو گاہے مومن اور گاہے کافر بنا دیتی ہے۔ معتبر بھی بنا دیتی ہے اور بے اعتبار بھی کر دیتی ہے اس لئے مولیٰ کریم فرماتا ہے کہ اپنے قول کو مضبوطی سے نکالو۔ خصوصاً نکاحوں کے معاملہ میں اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ يُصْلِحْ لَكُمْ (الاحزاب:۷۲) تاکہ تمہارے سارے کام اصلاح پذیر ہو جاویں۔

صدہا لوگ ان معاملات نکاح میں تقویٰ اور خدا ترسی سے کام نہیں لیتے اور الٰہی حکم کی قدر و عظمت ان کو مد نظر نہیں ہوتی بلکہ وہ اس تراش خراش میں رہتے ہیں کہ یہ مقابلہ ہو یا شہوات کو مقدم کرتے ہیں۔ لیکن جب تقویٰ ہو تو اعمال کی اصلاح کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے اور اگر نافرمانی ہو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔

بات یہ ہے جو اللہ رسول کا مطیع ہوتا ہے وہ بڑا کامیاب ہے۔ اس لئے یہ بات ہر ایک کو مدنظر رکھنی چاہئے۔

پھر فرمایا:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۹) پھر تقویٰ کی تاکید اس تیسری آیت میں بھی ہے کہ تقویٰ اللہ اختیار کرو اور ہر ایک جی کو چاہئے کہ بڑی توجہ سے دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا کیا۔ جو کام ہم کرتے ہیں' ان کے نتائج ہماری مقدرت سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جو کام اللہ کے لئے نہ ہوگا تو وہ سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ لیکن جو اللہ کے لئے ہے تو وہ ہمہ قدرت اور غیب دان خدا جو ہر قسم کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے' اس کو مفید اور مثمر بثمرات حسنہ بنا دیتا ہے۔

غرض مختصر یہ ہے کہ متقی بنو اور اللہ کا خوف کرو۔ تمہارے اعمال میں تکبر' کذب اور دوسرے کو ایذا نہ ہو۔ ان شرائط کی پوری پابندی کرو جو بیعت کے لئے بیان کی گئی ہیں اور پھر کثرت سے درود شریف پڑھا کرو اور استغفار کرتے رہو اور لاحول پڑھ کر دوسری قوموں کے لئے نمونہ بنو۔

اس کے بعد میں اللہ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرکے اس ایجاب و قبول کا اقرار کراتا ہوں۔ میاں بشیر احمد صاحب جو اللہ تعالیٰ کے پیغام اور اطلاع کے موافق دنیا میں آئے ہیں' ان کا نکاح مولوی غلام حسین صاحب کی لڑکی سے جن کا نام سرور سلطان ہے (اللہ اس کے نام میں بڑی برکت نازل کرے آمین۔ ایک ہزار مہر کے قرار پایا ہے اور میں دعا کرتا ہوں اور میری دعاؤں سے بڑھ کر ہمارے امام کی دعائیں اس کے حق میں ہوں کہ جب اس کی ساس نور کے بچے جننے والی ہوئی ہے ایسے ہی نور اور برکت کا وہ باعث ہو۔ حضور خصوصیت سے اس وقت دعا کریں کہ ہمارے گھروں کی عورتوں میں بخصوصیت اصلاح ہو۔ گو ان کی بد قسمتی ہے کہ ان میں سے ان کی جنس سے کوئی نبی یا رسول نہیں آیا اور ہم میں باہم اتحاد اور محبت ہو اور وہ بات پیدا ہو جو حضور چاہتے ہیں۔ خدا آپ کی دعائیں ہمارے حق میں منظور کرے۔ آمین۔ [۳]

[۱] (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۳---۱۷/ ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۰ تا ۱۲)

[۲] (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹---۳۱/ اکتوبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴' ۱۵)

[۳] (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱---۱۷/ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳)

☆-☆-☆-☆

جنوری ۱۹۰۳ء

خطبہ جمعۃ الوداع

(ایڈیٹر "الحکم" کے الفاظ میں)

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰاهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَ لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ (البقرۃ:۱۳۱)

ان آیتوں میں، ان کلمات شریفہ میں اللہ تعالیٰ ایک شخص کی راہ پر چلنے کی ہدایت فرماتا ہے اور وہ انسان اس قسم کا ہے جس کو ہر مذہب و ملت کے لوگ عموماً یا غالباً عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ کون؟ ابوالانبیاء حنفاء کا باپ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام۔ یہ ابراہیمؑ وہ ہے جس کی نسبت اس سے پہلے فرمایا۔ وَ اِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ (البقرۃ:۱۲۵) کہ جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں کے بدلے انعام دینا چاہا تو اس نے ان کو پورا کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ جب انسان کو سچے علوم عطا کرتا ہے اور اس کا ان علوم کے مطابق عملدرآمد ہو پھر اس میں قوت مقناطیسی پیدا ہو جاتی ہے اور نیکیوں کا نمونہ ہو کر دوسروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہ درجہ اس کو تب ملتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ ہو اور اس کی فرمانبرداری میں ایسا ثابت قدم اور مستقل مزاج

ہو کہ رنج میں، راحت میں، عسر میں، یسر میں، باساء میں، ضراء میں، غرض ہر حالت میں قدم آگے بڑھانے والا ہو اور اللہ جل شانہ کی وفاداری میں چست ہو۔ اس کو حاجتیں پیش آتی ہیں مگر وہ اس کے ایمان کو ہر حال میں بڑھانے والی ہوتی ہیں کیونکہ بعض وقت حاجت پیش آتی ہے تو دعا کا دروازہ اس پر کھلتا ہے اور توجہ الی اللہ اور تضرع الی اللہ کے دروازے اس پر کھلتے ہیں اور اس طرح پر وہ حاجتیں مال و جان کی ہوں، عزت و آبرو کی ہوں، غرض دنیا کی ہوں یا دین کی، اس کے تقرب الی اللہ کا باعث ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جب وہ دعائیں کرتا ہے اور ایک سوز و رقت اور دلگداز طبیعت سے باب اللہ پر گرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں کامیاب ہو جاتا ہے تو باب شکر اس پر کھلتا ہے اور پھر وہ سجدات شکر بجالا کر ازدیاد نعمت کا وارث ہوتا ہے جو ثمرات شکر میں ہیں۔ اور اگر کسی وقت بظاہر ناکامی ہوتی ہے تو پھر صبر کے دروازے اس پر کھلتے ہیں اور رَضَا بِالْقَضَاءِ کے ثمرات لینے کو تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ حاجتیں جب کسی بدبخت انسان کو آتی ہیں اور وہ مالی، جانی یا اور مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ حاجتیں اور بھی اس کی دوری اور مہجوری کا باعث ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ بے قرار مضطرب ہو کر قلق کرتا اور ناامید اور مایوس ہو کر مخلوق کے دروازہ پر گرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے ایسا بیگانہ اور ناآشنا ہوتا ہے کہ ہر قسم کے فریب و دغا سے کام لینا چاہتا ہے۔ اگر کبھی کامیاب ہو جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ذکر اور اس کی حمد و ستائش کا موقع نہیں ملتا۔ بلکہ وہ اپنی کرتوتوں اور فریب و دغا اور چالبازیوں کی تعریف کرتا اور شیخی اور تکبر میں ترقی کرتا اور اپنی حیل و تجاویز پر عجب و ناز کرتا ہے۔ اگر ناکام ہوتا ہے تو رَضَا بِالْقَضَاءِ کے بدلے اس کی مقادیر کو کوستا اور بری نگاہ سے دیکھتا اور اپنے رب کا شکوہ کرتا ہے۔ غرض یہ حاجتیں تو سب کو ہیں اور انبیاء، اولیاء و صدیقوں اور تمام منعم علیہ گروہ کے لئے بھی مقدر ہوتی ہیں مگر سعید الفطرت کے لئے وہ تقرب الی اللہ کا باعث ہو جاتی اور اس کو مزید انعامات کا وارث بنا دیتی ہیں اور شقی مضطرب ہو کر قلق کرتا ہے اور ناکام ہو کر سُخط عَلَی اللّٰہ کر بیٹھتا ہے۔ کامیابی پر وہ مبتلائی الشرک ہو جاتا ہے اور ناکامی پر مایوس۔

مشکلات اور حوائج کیوں آتے ہیں؟ ان میں باریک در باریک مصالح الٰہیہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ مشکلات میں وسائط کا مہیا کرنا تو ضروری ہوتا ہے۔ اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً (النساء:٨٦) کا ثواب لینا بھی کیسی نعمت الٰہی ہے اور پھر ان میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ ان خدمات کے ثمرات، مساعی جمیلہ، ان کی فکر اور محنت پر اللہ تعالیٰ کو انعام دینا منظور ہوتا ہے اور اس طرح پر نہ سنن الٰہی باطل ہوتے ہیں اور نہ سلسلہ علم ظاہری کا باطل ہوتا ہے۔

غرض سچا اور پکا مومن وہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت امام نے شرائط بیعت میں لکھا ہے کہ رنج میں' راحت میں' عسر میں' یسر میں قدم آگے بڑھاوے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ان امور کا پیش آنا ضروری ہے تو ہر ایک حالت میں فرمانبردار انسان کو چاہئے کہ ترقی کرتا رہے اور دعاؤں کی طرف توجہ کرے تا کامیابی کی راہیں اسے مل جائیں۔ اور یہ ساری باتیں ابراہیمی ملت کے اختیار کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

ابراہیمی ملت کیا ہے؟ یہی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا اَسْلِمْ تو فرمانبردار ہو جا۔ انہوں نے کچھ نہیں پوچھا' یہی کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (البقرۃ:۱۳۲)۔

اسلام کسی دعوے کا نام نہیں۔ بلکہ اسلام یہ ہے کہ اپنی اصلاح کر کے سچا نمونہ ہو۔ صلح و آشتی سے کام لے۔ فرمانبردار ہو۔ سارے اعضا قلب' زبان' جوارح' اعمال و اموال انقیاد الٰہی میں لگ جائیں۔ منہ سے مسلمان کہلا لینا آسان ہے۔ شرک' حرص' طمع اور جھوٹ سے گریز نہیں۔ زنا' چوری' غفلت' کنبہ پروری اور ایذا رسانی سے دریغ نہیں۔ پھر کہتا ہے میں فرمانبردار ہوں۔ یہ دعویٰ غلط ہے۔ کیسا عجیب زمانہ تھا جب یہ دعویٰ کہ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ (البقرۃ:۱۴۰)' نَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ (البقرۃ:۱۳۹) علی رؤس الاشہاد کئے جاتے تھے۔ ایسے پاک مدعیوں کی طرح مومن بننا چاہئے جن کی تصدیق میں خدا نے بھی فرمایا کہ ہاں' سچ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے مخلص عابد ہیں۔ مومن کو اَسْلِمْ کہنے کے ساتھ ہی اَسْلَمْتُ کہنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ یہی نکتہ معرفت کا ہے جو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے اور اس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن:۸۴) کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم مدارج تحقیقات پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اس غلط خیال نے بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اسی سے مشرکوں نے استدلال کر لیا بَلْ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (البقرۃ:۱۷۱)۔ غرض ایک راستباز کی شناخت کے لئے کبھی کوئی مشکل یہود یا نصاریٰ یا منکرین امام پر نہ آتی اگر وہ سمجھتے کہ پاک رسول نے کیا دعویٰ کیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:۱۰) ان کو کہہ دو کہ میں نے کوئی نیا دعویٰ نہیں کیا۔ نئے رسول کے لئے مشکلات ہوتی ہیں لیکن جس سے پہلے اور رسول اور نواب اور ملوک اور راست باز گزر چکے ہیں اس کو کوئی مشکلات نہیں ہوتیں۔ جن ذرائع سے پہلے راستبازوں کو شناخت کیا ہے وہی ذریعے اس کی شناخت کے لئے کافی اور حجت ہیں۔ تعلیم میں مقابلہ کر لے۔ اس کا چال چلن دیکھ لے کہ پہلے راستبازوں جیسا ہے یا نہیں۔ دشمن کو دیکھ لے کہ اسی رنگ کے ہیں یا نہیں۔ آدمی کو ایک آسان راستہ

نظر آتا ہے۔ مگر خدا کے فضل سے مجھے محض اللہ ہی کے فضل سے اس آیت قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:۱۰) کے بعد راستباز کی شناخت میں کوئی مشکل نہیں پڑی۔ مگر بات یہ ہے کہ تعلیم الٰہی کے بغیر یہ سمجھ میں نہیں آسکتی اور تعلیم الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون ٹھہرادیا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ (البقرہ:۲۸۳)۔

میں پھر کہتا ہوں کہ ملت ابراہیم بڑی عجیب راحت بخش چیز ہے۔ وہ ملت' وہ سیرت کیا ہے؟ اَسْلِمْ فرمانبردار ہو کر چلو۔ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پھر اس ملت اور سیرت کو چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شفابخش' رحمت اور نور پایا تھا اس لئے نہ صرف اپنے ہی لئے اس کو پسند کیا بلکہ وَوَصّٰی بِھَآ اِبْرٰھٖمُ (البقرۃ:۱۳۳) اسی سیرت اور ملت کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو وصیت کی۔ ایک دانا انسان اولاد کے لئے کوئی ضرر رساں چیز نہیں چاہتا۔ مکانوں میں ان کے لئے مضبوطی' خوبصورتی اور دیگر لوازم کی کیسی سعی کرتا ہے اور کیوں؟ اولاد کی بہتری کے خیال سے یہ انسانی فطرت میں ہے کہ وہ اولاد کی بہتری چاہتا ہے۔ پھر ابراہیمؑ جیسا اولوالعزم انسان جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَلَّذِیْ وَفّٰی (النجم:۳۸) اس نے اپنی اولاد کے لئے کیا خواہش کی ہوگی؟ اور وہ خواہش اس وصیت ابراہیمی سے ملتی ہے اور اس دعا سے اس کا پتہ ملتا ہے جو انہوں نے کی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ (البقرۃ:۱۳۰)۔ اس وصیت پر غور کر کے ہمیں اندازہ کرنا چاہئے کہ ہم اپنی اولاد کے لئے کیا خواہش کرتے اور کیا ارادہ رکھتے ہیں؟ الغرض یہی باتیں تھیں یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہونا اور اس کے احکام پر کاربند ہونا۔ اسی کی وصیت اپنی اولاد کو کی اور اس کے پوتے کے بیٹے کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق کی بھی یہی ملت تھی۔ اب تم سب اپنے اندر ہی اندر سوچو کہ کیا خواہش اور ارادے ہیں۔

میں نے ایک شخص کو کہا کہ قرآن پڑھا کرو۔ اس نے کہا کہ میری شان کے موافق کوئی قرآن مجھے دیدو۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں اس نے قرآن پر خرچ کرنے سے مضائقہ کیا۔ علی العموم لوگ یہی چاہتے ہیں کہ قرآن مفت مل جاوے اور دیگر اخراجات میں خواہ کسی قدر بھی روپیہ خرچ کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی طرف توجہ ہی نہیں۔ دیکھو ہمارے امام کو الہام ہو چکا ہے اور میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ سورج کے ہوتے سورج کے وجود پر۔ وہ کہتا ہے کہ جن کی خواہش اور محبت قرآن کریم سے نہ ہوگی ان کی اولاد گندہ خراب وخستہ ہوگی۔ اب تم سب اپنی اپنی جگہ دیکھو کہ بیاہ شادی اور معاشرت کے وقت کیا کیا خواہشیں ہوتی ہیں۔ ایک طرف ان کو رکھو اور دوسری طرف اس

پیغام الٰہی پر غور کرو جو امام کی معرفت ملا ہے۔ پھر ابراہیمؑ کا پوتا یعقوبؑ اپنی اولاد کو مخاطب کر کے کہتا ہے یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ (البقرہ:۱۳۳) اے میری اولاد اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک دین برگزیدہ کیا ہے۔ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ (البقرہ:۱۳۳) پس تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تمہاری موت نہ آوے مگر ایسے رنگ میں کہ تم مسلمان ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہو۔

انسان کو موت کا وقت معلوم نہیں اور پتہ نہیں اس وقت حواس درست ہوں یا نہ ہوں اور پھر یہ امر اختیاری نہیں' اس لئے یہ عقدہ کس طرح حل ہو؟ ایک صحیح حدیث نے اس مسئلہ میں میری رہنمائی کی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب عمل کرتا ہے تو فرشتے اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں' سعادت کے اعمال بھی اور شقاوت کے اعمال بھی اور موت کے قریب ان کی میزان کی جاتی ہے اور پھر وہ مقادیر الٰہیہ سبقت کرتی ہیں۔ اگر وہ لوگوں کی نظر میں نیک تھا' پر اللہ سے معاملہ صاف نہیں یا اللہ سے معاملہ صاف ہے مگر لوگوں کی نگاہ میں نہیں تو وہ کتاب باعث ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ اللہ کی رضا یا سخط پر جیسی صورت ہو' ہو۔ پس ہر روز اپنے اعمال کا محاسبہ چاہئے۔ ایک صحابی نے ہماری سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ جاہلیت میں میں نے کچھ صدقات کئے تھے۔ کیا وہ بابرکات ہوں گے؟ ارشاد ہوا کہ اَسۡلَمۡتَ مَا اَسۡلَفۡتَ یہ اسلام ان کی ہی برکت سے تجھے نصیب ہوا ہے۔ موت علی الاسلام اس طرح نصیب ہو سکتی ہے کہ انسان ہر روز محاسبہ کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف کرے۔ اگر تعلقات صحیحہ نہ ہوں تو توبہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ (البقرہ:۱۳۴) تم تو موجود تھے۔ تمہارے اسلاف گواہی دیتے ہیں کہ یعقوبؑ نے آخر وقت کیا ارشاد کیا' کس کی اطاعت کرو گے؟ انہوں نے کہا نَعۡبُدُ اِلٰـہَکَ (البقرہ:۱۳۴) ہم اللہ کے فرمانبردار ہوں گے جو تمہارا اور اسحاقؑ اور ابراہیمؑ کا معبود تھا اور وہ ایک ہی تھا۔ وَ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ (البقرہ:۱۳۴) ہم ہمیشہ اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔ پس یہ حق وصیت کا ہے اور تمام وعظوں کا عطر اور اصل مقصد یہی ہے جو تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور یہ وصیت ہے اس شخص کی جو ابوالانبیاء اور ابوالحنفاء ہے۔

اور اسی کی وصیت کو میں نے تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ پس تم اپنے کھانے پینے' لباس' دوستی' محبت' رنج' راحت' عسر' یسر' افلاس' دولتمندی' صحت اور مرض' مقدمات و صلح میں اس اصول کو مدنظر رکھو کہ اللہ کی فرمانبرداری سے کوئی قدم باہر نہ ہو۔ پس یہ وصیت تمام وصیتوں کی ماں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ ہر حال میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری مدنظر ہو۔ اور یہ ہو نہیں سکتی جب اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہو۔ اور یہ بھی بغاوت ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک کو بڑا بناتا ہے اور اس کو برگزیدہ کرتا

ہے مگر یہ اس کی مخالفت کرتا اور اس سے انکار کرتا ہے۔ برہموؤں نے اسی قسم کا دعویٰ کیا ہے جو وہ رسالت ونبوت کے منکر ہیں۔ یہ بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ مطاع ہو اور وہ گویا ارادہ الٰہی کا دشمن اور باغی ہے۔ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ:٦) کی دعا کرو۔ علوم پر ناز اور گھمنڈ نہ کرو۔ رنج میں، راحت میں اور عسر یسر میں قدم آگے بڑھاؤ۔

خطبہ ثانی

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآىِٔ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل:٩١)

اس آیت میں بڑے حکم ہیں۔ پہلا حکم عدل کا ہے۔ ایک عدل و انصاف بندوں کے ساتھ ہے۔ دیکھو ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ہم سے دغا فریب کرے یا ہمارا نوکر ہو تو وہ ہماری خلاف ورزی کرے۔ پس ہم کو بھی لازم ہے کہ اگر ہم کسی کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے ہیں تو اپنے مخدوم و محسن کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اپنے فرائض منصبی کو ادا کریں اور کسی سے کسی قسم کا مکروفریب اور دغا نہ کریں۔ یہی عدل ہے۔ ہرچہ برخود نہ پسندی بردیگراں مپسند۔

یہ عدل باہم مخلوق کے ساتھ ہے۔ اور پھر جیسے ہم اپنے محسنوں کے ساتھ تعلقات رکھتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو محسنوں کا محسن اور مربیوں کا مربی اور رب العالمین ہے اس کے ساتھ معاملہ کرنے میں عدل کو ملحوظ رکھیں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اس کا نِدّ اور مقابل تجویز نہ کریں۔

اس کے بعد دوسرا حکم احسان کا ہے۔ مخلوق کے ساتھ یہ کہ نیکی کے بدلے نیکی کرتے ہیں اس سے بڑھ کر سلوک کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ احسان یہ ہے کہ عبادت کے وقت ہماری یہ حالت ہو کہ ہم گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہیں اور اگر اس مقام تک نہ پہنچے تو یقین ہو کہ وہ ہم کو دیکھتا ہے۔

پھر تیسرا حکم ایتاء ذی القربیٰ کا ہے۔ ذی القربیٰ کے ساتھ تعلق اور سلوک انسان کا فطری کام ہے جیسے ماں باپ بھائی بہن کے لئے اپنے دل میں جوش پاتا ہے اسی طرح اللہ کی فرمانبرداری میں متوالا ہو۔ کوئی غرض مدنظر نہ ہو۔ گویا محبت ذاتی کے طور پر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہو۔

پھر چوتھا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے ہر قسم کی بے حیائیوں' نافرمانیوں اور دوسرے کو دکھ دینے والی باتوں سے اور ان بغاوتوں سے جو اللہ جل شانہ یا حکام یا بزرگوں سے ہوں اور آخر میں یہ ہے یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہیں وعظ کرتا ہے۔ غرض اور منشاء الٰہی یہ ہے کہ تم اس کو یاد رکھو۔ دو قسم کے واعظ ہوتے ہیں اور دو ہی قسم کے سننے والے۔ واعظ کی دو قسمیں تو یہ ہیں کہ کچھ پیسے مل جاویں اور یا مدح سرائی ہو کہ عمدہ بولنے والا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہارے وعظ میں یہ دونوں باتیں نہیں بلکہ وہ محض نصح کے لئے کہتا ہے جو کہتا ہے۔ اور سننے والوں میں سے ایک قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جن کو اس وقت کچھ مزہ آتا ہے اور پھر یاد کچھ نہیں رہتا۔ دوسرے بالکل کورے کا رے ہوتے ہیں۔ پس تم اس قسم کے سننے والے نہ بنو بلکہ وعظ کی اس غرض کو ملحوظ رکھو لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ ---- ۱۷؍ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۱ تا ۱۳)

جنوری ۱۹۰۳ء

خطبہ عید الفطر

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ:۲۵۷)

دین کے معاملہ میں جبر نہیں، وہ کھلی چیز ہے۔ رُشد اور غَی الگ الگ چیزیں ہیں۔ رُشد کے اختیار کرنے اور غَی کے چھوڑنے میں کسی اکراہ کی ضرورت نہیں۔ اس آیت میں تین لفظ ہیں "دین"۔ "رشد"۔ اور "غی"۔

الدین

اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں جو "دین" کی توضیح اور تفسیر فرمائی ہے وہ یہ ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (ال عمران:۲۰) اللہ تعالیٰ کے حضور "دین" کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ الاسلام! اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ اللہ کا فرمانبردار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کو لے اور اس پر روح اور راستی سے عمل درآمد کرے۔ دین کے متعلق جرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سوال کیا ہے اور آپؐ نے صحابہ کرام کو بلکہ ہم کو آگاہ کیا ہے کہ یہ جرائیل تھا۔ اَتَاكُمْ

لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنَكُمْ (صحیح مسلم کتاب الایمان)۔ پس دین کی حقیقت اور اس کا صحیح اور سچا مفہوم وہ ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بیان فرمایا۔ الاسلام کے معنی یہ ہیں سر رکھ دینا۔ جان سے، دل سے، اعضاء سے، مال سے غرض ہر پہلو اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کرنا۔

دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزیں عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعہ ہم اس کی کامل اطاعت، فرمان پذیری اور وفاداری کا اظہار کر سکتے ہیں اور پھر ان کے وراء الوریٰ، اندر ہی اندر قویٰ پر حکمرانی کر سکتے ہیں اور ان کو الٰہی فرمانبرداری میں لگا سکتے ہیں۔ غرض دین کی اصل حقیقت جو قرآن شریف نے بتائی ہے وہ مختصر الفاظ میں کامل وفاداری، سچی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔

دین کا پہلا رکن ایمان

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل کے توسط سے جو کچھ صحابہ کو اور ہم کو سکھایا ہے وہ ان سوالات میں بیان ہوا ہے جو صحابہ کی موجودگی میں جبرائیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے اور جن کی اصل غرض لِيُعَلِّمَكُمْ دِيْنَكُمْ تھی۔ ان میں سے پہلا یہ ہے۔ مَاالْاِيْمَانُ؟ یا رسول اللہ! ایمان کس چیز کا نام ہے؟ فرمایا۔ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ ایمان کی عظیم الشان اور پہلی جزو ایمان باللہ ہے۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ ایمان کا سرچشمہ اور اس کی ابتدا اللہ پر یقین کرنے سے شروع ہوتی ہے۔ ایمان باللہ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کو جمیع صفات کاملہ سے موصوف اور تمام محامد اور اسماء حسنیٰ کا مجموعہ اور مسمی اور تمام بدیوں اور نقائص سے منزہ یقین کرنا اور اس کے سوا کسی شے سے کوئی امید و بیم نہ رکھنا اور کسی کو اس کا نِدّ اور شریک نہ ماننا، یہ ایمان باللہ ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے موصوف یقین کرتا ہے تو ایسے خدا سے وہی قرب اور تعلق پیدا کر سکتا ہے جو خوبیوں سے موصوف اور بدیوں سے پاک ہو گا۔ پس جس جس قدر انسان فضائل کو حاصل کرتا اور رذائل کو ترک کرتا ہے اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے قرب کے مدارج اور مراتب کو بڑھاتا اور اللہ تعالیٰ کی ولایت میں آتا جاتا ہے کیونکہ پاک کو گندے کے ساتھ قرب کی نسبت نہیں ہو سکتی اور جوں جوں رذائل کی طرف جھکتا اور فضائل سے ہٹتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے محروم ہو کر اس کے فیضان ولایت سے دور اور مہجور ہوتا جاتا ہے۔

حصول قرب الٰہی کا ذریعہ

یہ ایک قابل غور اصل ہے اور اس کو کبھی بھی ہاتھ سے دینا نہیں چاہئے۔ صفات الٰہی پر غور کرو اور وہی صفات اپنے اندر پیدا کرو۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ قرب الٰہی کی راہ قریب ہوتی جائے گی۔ اور اس کی قدوسیت اور سبحانیت تمہاری پاکیزگی اور طہارت کو اپنی طرف جذب کرے گی۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں جو خود ناپاک اور گندی زیست رکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کیوں ہم کو قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا؟ وہ نادان نہیں جانتے کہ ایسے لوگوں کو قرب الٰہی کیونکر حاصل ہو جو اپنے اندر پاکیزگی اور طہارت پیدا نہیں کرتے۔ قدوس خدا ایک ناپاک انسان سے کیسے تعلق پیدا کرے؟

ایمان بالملائکہ کی فلاسفی

ایمان باللہ کے بعد دوسری جزو ایمان کی ایمان بالملائکہ ہے۔ ایمان بالملائکہ کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ نے یوں سمجھ دی ہے کہ انسان کے دل پر ہر وقت ملک اور شیطان نظر رکھتے ہیں۔ اور یہ امر ایسا واضح اور صاف ہے کہ اگر غور کرنے والی فطرت اور طبیعت رکھنے والا انسان ہو تو بہت جلد اس کو سمجھ لیتا ہے۔ بلکہ موٹی عقل کے آدمی بھی معلوم کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح پر کہ بعض وقت یکایک بیٹھے بٹھائے انسان کے دل میں نیکی کی تحریک ہوتی ہے یہاں تک کہ ایسے وقت بھی تحریک ہو جاتی ہے جبکہ وہ کسی بڑی بدی اور بدکاری میں مصروف ہو۔ میں نے ان امور پر مدتوں غور کی اور سوچا ہے اور ہر ایک شخص اپنے دل کی مختلف کیفیتوں اور حالتوں سے آگاہ ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کبھی اندر ہی اندر کسی خطرناک بدی کی تحریک ہو رہی ہے اور پھر محسوس کرتا ہے کہ معاً دل میں رقت اور نیکی کی تحریک کا اثر پاتا ہے۔ یہ تحریکات نیک یا بد جو ہوتی ہیں بدوں کسی محرک کے تو ہو نہیں سکتی ہیں۔ پس یہ وہی بات ہے جو میں نے ابھی کہی ہے کہ انسان کے دل کی طرف ملائکہ اور شیاطین نظر رکھتے ہیں۔ پس ایمان بالملائکہ کی اصل غرض یہ ہے کہ ہر نیکی کی تحریک پر جو ملائکہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے کبھی کسل و کاہلی سے کام نہ لے اور فوراً اس پر عمل کرنے کو تیار ہو جائے اور توجہ کرے۔ اگر ایسا نہ کرے گا تو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ (الانفال:۲۵) کا مصداق ہو کر پھر نیکی کی توفیق سے بتدریج محروم ہو جائے گا۔

قرب الٰہی کا دوسرا ذریعہ

یہ پکی بات ہے کہ جب انسان نیکی کی تحریکوں کو ضائع کرتا ہے تو پھر وہ طاقت' وقت' فرصت اور موقع نہیں ملتا۔ اگر انسان اس وقت متوجہ ہو جاوے تو معاً نیک خیال کی تحریک ہوتی ہے۔ چونکہ اس خواہش کا محرک محض فضل الٰہی سے مَلَکْ ہوتا ہے جب انسان اس کی تحریک پر کاربند ہوتا ہے تو پھر اس فرشتہ اور اس کی جماعت کا تعلق بڑھتا ہے اور پھر اس جماعت سے اعلیٰ ملائکہ کا تعلق بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں صاف آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے پیار کرتا ہے تو جبرائیل کو آگاہ کرتا ہے تو وہ جبرائیل اور اس کی جماعت کا محبوب ہوتا ہے۔ اسی طرح پر درجہ بدرجہ وہ محبوب اور مقبول ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زمین میں مقبول ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث اسی اصل اور راز کی حل کرنے والی ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ ایمان بالملائکہ کی حقیقت پر غور نہیں کی گئی اور اس کو ایک معمولی بات سمجھ لیا جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ ملائکہ کی پاک تحریکوں پر کاربند ہونے سے نیکیوں میں ترقی ہوتی ہے یہاں تک کہ انسان اللہ تعالیٰ کا قرب اور دنیا میں قبول حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح پر جیسے نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے میں نے کہا ہے کہ بدیوں کی بھی تحریک ہوتی ہے۔ اگر انسان اس وقت تعوذ واستغفار سے کام نہ لے' دعائیں نہ مانگے' لاحول نہ پڑھے تو بدی کی تحریک اپنا اثر کرتی ہے اور بدیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس جیسے یہ ضروری ہے کہ ہر نیک تحریک کے ہوتے ہی اس پر کاربند ہونے کی سعی کرے اور سستی اور کاہلی سے کام نہ لے' یہ بھی ضروری ہے کہ ہر بد تحریک پر فی الفور استغفار کرے' لاحول پڑھے۔ درود شریف اور سورۃ فاتحہ پڑھے اور دعائیں مانگے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایمان باللہ کے بعد ایمان بالملائکہ کو کیوں رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ساری سچائیوں اور پاکیزگیوں کا سرچشمہ تو جناب الٰہی ہی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پاک ارادے ملائکہ پر جلوہ گری کرتے ہیں اور ملائکہ سے پاک تحریکیں ہوتی ہیں۔ نیکی کی ان تحریکوں کا ذریعہ دوسرے درجہ پر چونکہ ملائکہ ہیں اس لئے ایمان باللہ کے بعد اس کو رکھا۔

ملائکہ کے وجود پر زیادہ بحث کی اس وقت حاجت نہیں۔ یہ تحریکیں ہی ملائکہ کے وجود کو ثابت کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ لاکھوں لاکھ مخلوق الٰہی ایسی ہے جس کا ہم کو علم بھی نہیں اور نہ ان پر ایمان لانے کا ہم کو حکم ہے۔

اس کے بعد تیسرا جزو ایمان کا ایمان بالکتب ہے۔ براہ راست مکالمہ اول فضل ہے پھر ملائکہ کی تحریک پر عمل کرنا اس کے قرب کو بڑھاتا ہے۔ ان کے بعد کتاب اللہ کے ماننے کا مرتبہ ہے۔ کتاب اللہ پر ایمان بھی اللہ کے فضل اور ملائکہ ہی کی تحریک سے ہوتا ہے۔ اللہ کی کتاب پر عمل درآمد جو سچے ایمان کا مفہوم اصلی ہے' چاہتا ہے محنت اور جہاد۔ چنانچہ فرمایا۔ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰) یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر مجاہدہ اور سعی کرتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ یہ کیسی سچی اور صاف بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اختلاف کے وقت انسان مجاہدات سے کام نہیں لیتا۔

کیوں ایسے وقت انسان دبدھا اور تردد میں پڑتا ہے اور جب یہ دیکھتا ہے کہ ایک کچھ فتویٰ دیتا ہے اور دوسرا کچھ تو وہ گھبرا جاتا اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ کاش وہ جَاهَدُوْا فِيْنَا کا پابند ہوتا تو اس پر سچائی کی اصل حقیقت کھل جاتی۔ مجاہدہ کے ساتھ ایک اور شرط بھی ہے' وہ تقویٰ کی شرط ہے۔ تقویٰ کلام اللہ کے لئے معلم کا کام دیتا ہے وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:۲۸۳)۔ اللہ کی تعلیم تقویٰ پر منحصر ہے اور اس کی راہ کا حصول جہاد پر۔ جہاد سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سعی اور جہاد اور تقویٰ اللہ سے روکنے والی ایک خطرناک غلطی ہے جس میں اکثر لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن:۸۴)۔ کسی قسم کا علم جو انسان کو ہو وہ اس پر ناز کرے اسی کو اپنے لئے کافی اور راحت بخش سمجھے تو وہ سچے علوم اور ان کے نتائج سے محروم رہ جاتا ہے۔ خواہ کسی قسم کا علم ہو' وجدان کا' سائنس کا' صرف و نحو یا کلام یا اور علوم' غرض کچھ ہی ہو انسان جب ان کو اپنے لئے کافی سمجھ لیتا ہے تو ترقیوں کی پیاس مٹ جاتی ہے اور محروم رہتا ہے۔

راستباز انسان کی پیاس سچائی سے کبھی نہیں بجھ سکتی بلکہ ہر وقت بڑھتی ہے۔ اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو گا کہ ایک کامل انسان اَعْلَمُ بِاللّٰهِ۔ اَتْقٰى لِلّٰهِ۔ اَخْشٰى لِلّٰهِ جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سچے علوم' معرفت' سچے بیان اور عمل درآمد میں کامل تھا۔ اس سے بڑھ کر اعلم' اتقی اور اخشی کوئی نہیں۔ پھر بھی اس امام المتقین اور امام العالمین کو یہ حکم ہوتا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ (طٰہٰ:۱۱۵) اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ سچائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور یقین کی راہوں اور علوم حقہ کے لئے اسی قدر پیاس انسان میں بڑھے گی جس قدر وہ نیکیوں اور تقویٰ میں ترقی کرے گا۔ جو انسان اپنے اندر اس پیاس کو بجھا ہوا محسوس کرے اور فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن:۸۴) کے آثار پائے اس کو استغفار اور دعا کرنی چاہئے کہ وہ خطرناک مرض میں مبتلا ہے جو اس

کے لئے یقین اور معرفت کی راہوں کو روکنے والی ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہیں بے انت اور اس کے مراتب و درجات بے انتہا ہیں پھر مومن کیونکر مستغنی ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسے واجب ہے کہ اللہ کے فضل کا طالب اور ملائکہ کی پاک تحریکوں کا متبع ہو کر کتاب اللہ کے سمجھنے میں چست و چالاک ہو۔ اور سعی اور مجاہدہ کرے۔ تقویٰ اختیار کرے تا سچے علوم کے دروازے اس پر کھلیں۔

غرض کتاب اللہ پر ایمان تب پیدا ہو گا جب اس کا علم ہو گا اور علم منحصر ہے مجاہدہ اور تقویٰ پر اور فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن:۸۴) سے الگ ہونے پر۔

ایمان بالرسالت

اس کے بعد چوتھا رکن ایمان کا ایمان بالرسول ہے۔ بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ڈھیروں ڈھیر کتابیں ہیں۔ پرانے لوگوں کی یادداشتیں ہیں۔ ہم نیکی اور بدی کو سمجھتے ہیں۔ کسی مامور و مرسل کی کیا ضرورت ہے؟لے

یہ لوگ اپنے مخازن علوم کو کافی سمجھتے ہیں اور خطرناک جرم کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور باغی ٹھہرائے جاتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے تو وہ مقابلہ کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ایک انسان کو معظم و مکرم اور مطاع بنانا چاہتا ہے تو ہر ایک کا فرض ہے کہ رضاء الٰہی کو مقدم کرے اور اس کو اپنا مطاع سمجھے۔ ارادہ الٰہی کو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ اس کے مقابلہ میں تو جو آئے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پس جو خلاف ورزی کرتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ میرے علوم کے سامنے اس کی احتیاج نہیں وہ اس تعظیم، مکرمت، اعزاز میں جو اس مطاع، مکرم و معظم کے متبعین کو ملتا ہے حصہ دار نہیں ہوتا بلکہ محروم رہ جاتا ہے۔ خواہ ایسا انسان اپنے طور پر کتنی ہی نیکیاں کرتا ہو مگر ایک انسان کی مخالفت اور خلاف ورزی سے اس کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان منشاء کے خلاف کرتا ہے۔ اس پر بغاوت کا الزام ہے۔ دنیوی گورنمنٹوں کے نظام میں بھی یہی قانون ہے۔ ایک بھلامانس آدمی جو کبھی بدمعاملگی نہیں کرتا۔ چوری اور رہزنی اس کا کام نہیں۔ تاجر ہے تو چونگی کا محصول اور دوسرے ضروری محاصل کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرتا۔ زمیندار ہے تو وقت پر لگان ادا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے کہ بادشاہ کی ضرورت نہیں اور اس کے اعزاز و اکرام میں کمی کرے تو یہ شریر اور باغی قرار دیا جاوے گا۔

اسی طرح پر ماموروں کی مخالفت خطرناک گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور ہو سکتا ہے۔ ابلیس نے یہی گناہ کیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے حضور شیاطین بہت دھوکے دیتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ بڑے ہی بدبخت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ذرہ ذرہ اس پر لعنت بھیجتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ معزز و مکرم اور مطاع ہو تو اس کی مخالفت کرنے والا تباہ نہ ہو تو کیا ہو۔ یہی سر ہے جو انبیاء و مرسل اور مامورین کے مخالف ہمیشہ تباہ ہوئے ہیں۔ وہ جرم بغاوت کے مجرم ہوتے ہیں۔

پس کتابوں کے بعد رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ انسان متکبر ہو جاتا ہے اور پہلا گناہ دین میں خلیفۃ اللہ کے مقابل یہی تھا اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ (البقرۃ:۳۵)۔ اس میں شک نہیں کہ سنت اللہ اسی طرح پر ہے کہ ماموروں پر اعتراض ہوتے ہیں۔ اچھے بھی کرتے ہیں اور برے بھی، مگر اچھوں کو رجوع کرنا پڑتا ہے اور برے نہیں کرتے۔ مگر مبارک وہی ہیں جو اعتراض سے بچتے ہیں کیونکہ نیکوں کو بھی آخر مامور کے حضور رجوع اور سجدہ کرنا ہی پڑا ہے۔ پس اگر یہ ملَکْ کی طرح بھی ہو پھر بھی اعتراض سے بچے کیونکہ خدا تو سجدہ کرائے بغیر نہ چھوڑے گا ورنہ لعنت کا طوق گلے میں پڑے گا۔

جزا و سزا

اس کے بعد پانچواں رکن ایمان کا جزا و سزا پر ایمان ہے۔ یہ ایک فطرتی اصل ہے اور انسان کی بناوٹ میں داخل ہے کہ جزا اور بدلے کے لئے ہوشیار اور سزا سے مضائقہ کرتا ہے۔ یہ ایک فطرتی مسئلہ ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ایک بچہ بھی جب دیکھتا ہے کہ یہاں سے دکھ پہنچے گا وہاں سے ہٹتا ہے اور جہاں راحت پہنچتی ہے وہاں خوشی سے جاتا ہے۔ چلا چلا کر بھی جزا لینے کو تیار رہتا ہے یہاں تک کہ فاسق و فاجر کی فطرت میں بھی یہ امر ہے۔ ایک آدمی کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسرے کے سامنے ذلیل و خوار ہو۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ معزز ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ فیل ہونے سے ایک بچہ کو کیسی ذلت پہنچتی ہے۔ بعض اوقات ان ناکامیوں نے خود کشیاں کرادی ہیں اور پاس ہونے سے کیسی خوشی ہوتی ہے۔ زمینداروں کو دیکھا جب بروقت بارش نہ ہو، پھل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو کیسا رنج ہوتا ہے لیکن اگر غلہ گھر لے آئے تو کیسا خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر حرفہ صنعت والا، دوکاندار غرض کوئی نہیں چاہتا کہ محنت کا بدلہ نہ ملے اور بچاؤ کا سامان نہ ہو۔

پس جب یہ فطرتی امر ہے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کا جزو رکھا ہے کہ جزا و سزا پر ایمان لاؤ۔ وہ

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحة:۴) ہے۔ روز روشن کی طرح اس کی جزائیں سزائیں ہیں اور وہ مخفی نہ ہوں گی اور مالکانہ رنگ میں آئیں گی جیسے مالک اچھے کام پر انعام اور برے کام پر سزا دیتا ہے۔ اس حصہ پر ایمان لاکر انسان کامیاب ہو جاتا ہے مگر اس میں سستی اور غفلت کرنے سے ناکام رہتا ہے اور قرب الٰہی کی راہوں سے دور چلا جاتا ہے۔

دوسرا سوال

پھر دوسرا سوال جو جبرائیل نے تعلیم الدین کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے کیا اور آپؑ نے اس کا جواب دیا وہ ہے مَا الْاِسْلَامُ؟ اس کا جواب جو پاک انسان خاتم الانبیاء و خاتم الاولیاء' خاتم الکمالات کی زبان سے نکلا وہ یہ ہے۔ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (بخاری کتاب الایمان)۔ جو بات انسان کے دل سے اٹھتی ہے ضرور ہے کہ اس کا اثر اس کے اعضا' جوارح اور مال پر پڑے۔ کون نہیں سمجھتا کہ شجاعت اگر اندر ہو تو وہ اپنے ہاتھ' بازو اور اعضا سے محل و موقع پر اس کا ثبوت نہ دے گا۔ اگر وہ موقع پر بھاگ جاتا اور بزدلی ظاہر کرتا ہے تو کوئی اس کو شجاع نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح سخاوت ایک عمدہ جوہر ہے لیکن اگر اس کا اثر مال پر نہیں پڑتا تو وہ سخاوت نہیں' بخل ہے۔ ایسا ہی عفت ایک عمدہ صفت ہے۔ ضرور ہے کہ جس میں یہ صفت ہو وہ بد نظری اور بے حیائی سے بچے اور تمام فواحش اور ناپاک کاموں سے پرہیز کرے۔ اسی طرح جس کے اندر قناعت ہو ضروری ہو گا کہ وہ دوسروں کے مال پر بے جا تصرف سے پرہیز کرے گا۔ غرض یہ ضروری بات ہے کہ جب اندر کوئی بات ہو تو اس کا اثر جوارح اور مال پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اگر سچی نیازمندی' فرمانبرداری' تحریک ملائکہ' کتابوں' ماموروں' خلفاء اور مصلحوں کی اطاعت میں ہو اور دل میں یہ بات ہو تو زبان پر ضرور آئے گی اور وہ اظہار کرے گا۔ اگر سچائی سے کسی انسان کو مانا ہوا ہو اور اس کے اظہار سے مضائقہ ہو تو یاد رکھو دل کمزور ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اگر اللہ کے اسماء پر کامل یقین ہو اور اس کے رسولوں پر' ملائکہ پر اور کتابوں اور انبیاء پر یقین ہو اور ایسا ہی اس یقین میں ان کا ثواب اور اللہ کا قرب داخل ہو تو اس یقین کا اثر زبان پر آتا ہے اور وہ ایک لذت کے ساتھ کہہ اٹھتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

بے ریب سید الاولین و الاخرین' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم' کامل صفات والا انسان کل سچائیوں اور علوم حقہ کا لانے والا ہے۔ جب یہ اقرار اور وہ ایمان ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سچی نیازمندی

کے ساتھ جناب الٰہی کے حضور پیش ہو اور یہی نماز ہے۔ نماز ظاہری پاکیزگی' ہاتھ منہ دھونے اور ناک صاف کرنے اور شرمگاہوں کو پاک کرنے کے ساتھ یہ تعلیم دیتی ہے کہ جیسے میں اس ظاہری پاکیزگی کو ملحوظ رکھتا ہوں اندرونی صفائی اور پاکیزگی اور سچی طہارت عطا کر اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور سبحانیت' قدوسیت' مجدیت' پھر ربوبیت' رحمانیت' رحیمیت اور اس کے ملک ملک میں تصرفات اور اپنی ذمہ واریوں کو یاد کرکے کہ اس قلب کے ساتھ ماننے کو تیار ہوں' سینہ پر ہاتھ رکھ کر تیرے حضور کھڑا ہوتا ہوں۔ اس قسم کی نماز جب پڑھتا ہے تو پھر اس کی وہ خاصیت اور اثر پیدا ہوتا ہے جو اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (النحل:۹۱) میں بیان ہوا ہے۔ پھر پاک کتاب کا کچھ حصہ پڑھے اور رکوع کرے اور غور کرے کہ میری عبودیت اور نیازمندی کی انتہا بجز سجدہ کے اور کوئی نہیں۔ جب اس قسم کی نماز پڑھے تو وہ نیازمندی اور سچائی جب اعضاء اور جوارح پر اپنا اثر کر چکی تو اور جوش مار کر ترقی کرے گی اور اس کا اثر مال پر پڑے گا اور ایک مقررہ حصہ اپنے مال کا دے گا۔ جیسے آج کے دن بھی صدقۃ الفطر ہر شخص پر' غنی ہو' حر ہو یا عبد' غرض سب پر واجب ہے کہ صدقہ دے تاکہ روزوں کے لئے طہر کا کام دے اور نماز سے پہلے ایک مقام پر جمع کرے۔

وحدت کی ضرورت

اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ وحدت پیدا ہو۔ اسلام کے ہر امر میں وحدت کی روح پھونکی گئی ہے۔ جب تک وحدت نہ ہو اس پر اللہ کا ہاتھ نہیں ہوتا جو جماعت پر ہوتا ہے۔ میں درختوں کو دیکھ کر سوچتا ہوں کہ اگر ایک ایک پتہ کہے کہ میں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں اور اپنے رب سے مانگتا ہوں وہ مجھے سرسبز کردے گا۔ کیا وہ الگ ہو کر سرسبز رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ مرجھا جائے گا اور ادنیٰ سے جھونکے سے گر جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایک شاخ سے اس کا تعلق ہو اور پھر اس شاخ کا کسی بڑی شاخ سے اور اس کا کسی بڑے تنے سے تعلق ہو جو جڑ اور اس کی رگوں سے اپنی خوراک کو جذب کرے۔ یہ سچی مثال ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا بیج لگاتا ہے تو جو شاخ اس سے الگ ہو کر بار آور اور ثمردار ہونا چاہے وہ نہیں رہ سکتی خواہ اسے کتنے ہی پانی میں رکھو۔ وہ پانی اس کی سرسبزی اور شادابی کی بجائے اس کے سڑنے کا موجب اور باعث ہو گا۔ پس وحدت کی ضرورت ہے اسی لئے صدقۃ الفطر بھی ایک ہی جگہ جمع ہونا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عید سے پہلے یہ صدقہ جمع ہو جاتا اور ایسے ہی زکوٰۃ کے اموال بڑی احتیاط سے اکٹھے کئے جاتے یہاں تک کہ منکرین کے لئے قتل کا

فتویٰ دیا گیا۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے بھائیوں میں ابھی یہ وحدت پیدا نہیں ہوئی یا ہوتی ہے تو بہت کمزور ہے۔

تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور احسان ہے کہ تم نے اس کو کامل صفات سے موصوف مانا ہے اور یہاں تک تم نے توحید سے حظ اٹھایا ہے کہ اگر کوئی غلطی سے مخلوق میں سے کسی کو ان صفات سے موصوف مانتا تھا تم نے اس کو بھی اس امام کے طفیل سے چھوڑا اور اب تم پاک ہو گئے کہ مسیح کو خالق اور باری، محلل، محرم اور محی اور ممیت اور عالم الغیب سمجھو۔ تو جیسے یہ امتیاز حاصل کیا تھا اب کیسی ضرورت تھی کہ پھر صحابہ کی طرح تمہارے سارے تعلقات اس شجر طیبہ کے ساتھ ہوتے جس کے ساتھ پیوند ہو کر وہ تمام پھل لانے والے تم ہو سکتے تھے۔ مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے جب میں کسی کو ایسے تعلقات سے باہر دیکھتا ہوں۔ دیکھو تمہارے تعلقات، تمہارے چال چلن، شادی و غمی، حسن معاشرت، تمدن، سلطنت کے ساتھ تعلقات، غرض ہر قول و فعل آئندہ نسلوں کے لئے ایک نمونہ ہو گا۔ پھر کیا تم چاہتے ہو کہ رحمت اور فضل کا نمونہ تم بنو یا لعنت کا۔ پس دعائیں کرو کہ تم جو اس پاک چشمہ پر پہنچے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے سیراب کرے اور عظیم الشان فضل اور خیر کے حاصل کرنے کی تمہیں توفیق ملے۔ اور یہ سب توفیقیں اس وقت ملیں گی جب تمہارے سب معاملات ایک درخت سے وابستہ ہوں۔

پس ان سارے چندوں اور اغراض میں ایک ہی تنا اور جڑ ہو۔ پھر ایسی وحدت ہو کہ تمام دغا اور فریب، کپٹ سے بری ہو جاؤ۔ شائد تم نے سمجھا ہو کہ کسی کتاب کا نام کشتی نوح ہے۔ نہیں، کچھ اغراض و مقاصد ہیں، کچھ عقائد اور اعمال ہیں۔ اس پر وہی سوار ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو اس کی تعلیم کے موافق بناتا ہے۔ پھر ان سب کے بعد تقویٰ کی وہ راہ ہے جس کا نام روزہ ہے۔ جس میں انسان شخصی اور نوعی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک وقت معین تک چھوڑتا ہے۔

اب دیکھ لو کہ جب ضروری چیزوں کو ایک وقت ترک کرتا ہے تو غیر ضروری کا استعمال کیوں کرے گا۔ روزہ کی غرض اور غایت یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں میں اللہ کو ناراض نہ کرے۔ اس لئے فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۸۴)۔

پھر جیسے پنجگانہ نمازیں ہر محلے میں باجماعت پڑھتے ہیں اور پھر جمعہ کی نماز سارے شہر والے اسی طرح ارد گرد کے دیہات والے اور کل شہر کے باشندے جمع ہو کر عید کی نماز ایک جگہ پڑھتے ہیں۔ اس میں بھی وہی وحدت کی تعلیم مقصود ہے۔ غرض اسلام نے ہر رکن میں ایک وحدت کو قائم کیا ہے پھر اس کو قائم رکھنے کے لئے خاص حکم بھی دیا لَا تَنَازَعُوْا (الانفال:۴۷) باہم کش مکش نہ کرو۔ کیونکہ جب ایک

کھچا کھچی کرتا ہے تو دوسرا بھی اس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوا بگڑ جاتی ہے۔ جب یہ خود دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو چونکہ وہ بھی کبر الٰہی کا مظہر ہے اس لئے تکبر کرتا اور وحدت اٹھ جاتی ہے۔ اسی لئے حکم دیا کہ نزاع نہ کیا کرو ورنہ پھسل جاؤ گے اور فرمایا صبر کرو۔ ایسا صبر نہیں کہ کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری پھیر دو بلکہ ایسا صبر کرو اور عفو ہو کہ جس میں اصلاح مقصود ہو۔ سچے مومن بننا چاہتے ہو تو یاد رکھو لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (بخاری کتاب الایمان)۔ اسی وحدت کے قائم رکھنے کے لئے نمازوں میں یک جہتی تھی۔ مکہ کا وجود تھا۔ اور اب اس وقت خدا کا کیسا فضل ہے اور کیسی مبارکی کا یہ زمانہ ہے کہ سب سامان موجود ہیں۔ مکالمہ الٰہی ہوتا ہے۔ ایک مطاع مکرم معظم موجود ہے جو اپنے عام چال چلن، مخلوق کے ساتھ تعلقات، معاشرت اور گورنمنٹ کے ساتھ اپنے معاملات کا نمونہ دکھانے سے قوم بنا رہا ہے۔ اس لئے اب کوئی عذر باقی نہیں رہ سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کہنے کی باتیں ہیں، کرنے کی نہیں۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی امر و نہی ایسا نہیں دیا ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہو ورنہ اس کی حکیم کتاب قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ:۲۸۷) باطل ہو گا اور وہ باطل نہیں ہے۔ متقی اور خدا سے ڈرنے والا ایسی بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔ یہ صرف خبیث روح کی تحریکیں ہیں۔

الاحسان

اس کے بعد تیسری بات جبرائیل نے پوچھی ہے جس سے دین کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ یہ ہے۔ مَا الْاِحْسَانُ؟ (بخاری کتاب الایمان) احسان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ایسا اخلاص اور ایسا انتساب ہو کہ تو گویا اس کو دیکھتا ہے اور اگر اس درجہ تک نہ پہنچے تو کم از کم اپنے آپ کو اس کی نگرانی میں سمجھے۔ جب تک ایسا بندہ نہ ہو وہ دین کے مراتب کو نہیں سمجھ سکتا۔ پس ایسا دین، کوئی سلیم الفطرت کہہ سکتا ہے کہ اس میں اکراہ کی ضرورت ہے؟ ہرگز نہیں۔ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (البقرہ:۲۵۷)۔ اس وقت بھی ویسا ہی وقت ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ ہدایت کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔ تجربے، مشاہدہ، سائنس، قویٰ کا نشو و نما، وجدان، صحیح فطری قویٰ رشد اور غی میں امتیاز کرنے کو موجود ہیں۔ رُشد کو اقتصاد بھی کہتے ہیں جو افراط اور تفریط کے درمیان کی راہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو خاص

خاص مذاق میں بڑھے ہوئے ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ان کو کھانے ہی کی ایک دھت ہوتی اور اب وہ اس میں بہت ترقی کر گئے ہیں اور کرتے جاتے ہیں۔ بعض کو دیکھا ہے کہ بچپن میں یہ عادت ہوئی اور پھر بڑھتے بڑھتے بہت سی بداطواریوں کا باعث بن گئی۔ ایسا ہی لباس میں افراط کرنے والے' مکانات میں افراط سے کام لینے والوں کا حال ہے۔ ایسا ہی بعض جمع اموال میں' بعض فضول خرچیوں میں بڑھتے ہیں۔ جب ایک کی عادت ڈال لیتے ہیں تو پھر وہ ہر روز بڑھتی ہے۔ غرض افراط اور تفریط دونوں مذموم چیزیں ہیں۔ عمدہ اور پسندیدہ اقتصاد یا رشد ہے۔ یہی حال اقوال اور افعال میں ہے۔ اس طرح پر ترقی کرتے کرتے ہم عقائد تک پہنچتے ہیں۔ بعض نے تو سوسائٹی کے اصول رسم و رواج سب کو اختیار کر لیا اور مذہب کا جزو قرار دے لیا اور بعض ایسے ہیں کہ ساری انجمنوں کو لغو قرار دیتے ہیں۔ غرض دنیا عجیب قسم کی افراط اور تفریط میں پڑی ہوئی ہے۔ رشد اور اقتصاد کی صراط مستقیم صرف اسلام لے کر آیا ہے۔ بعض نادانوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسلام تو رشد اور اقتصاد سکھاتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کیوں کیا؟ مگر افسوس ہے کہ ان کو معلوم نہیں۔ انہوں نے تو تیرہ سال تک صبر کر کے دکھایا اور پھر آخر آپ چونکہ کل دنیا کے لئے ہادی تھے تو بادشاہوں اور تاجداروں کے لئے بھی کوئی قانون چاہئے تھا یا نہیں؟ اب دیکھ لو کہ غیر قوموں کی لڑائیوں میں کیا ہوتا ہے۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو بعض اوقات عورتیں' بچے' مویشی' کھیت سب تباہ ہو جاتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اس لئے کہ مذہب نے ملک داری کا کوئی نمونہ اور قانون پیش نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ضرورت کی خود تکمیل کی ہے اور اسی لئے خانہ داری کے اصولوں پر الگ بحث کی ہے۔ ان لوگوں کو جو حیض و نفاس کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں غور کرنا چاہئے کہ معاشرت کا یہ بھی ایک جزو ہے۔

غرض ہماری شریعت جامع شریعت ہے جس میں انسان کے فطری حوائج کھانے پینے سے لے کر معاشرت' تمدن' تجارت' زراعت' حرفت' ملک داری اور پھر ان سب سے بڑھ کر خدا شناسی اور روحانی مدارج کی تکمیل کی یکساں تعلیم موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ یہی باعث ہے کہ اسلام مکمل دین ہے۔ یہ ایک نیا قصہ ہے کہ اسلام ہر شعبہ اور ہر حصہ میں کیا تعلیم دیتا ہے۔ چونکہ اس وقت کتاب اللہ موجود ہے اور اس کا معلم بھی خدا کے فضل سے موجود ہے اور اس کا نمونہ تم دیکھ سکتے ہو۔ میں صرف یہی کہوں گا۔ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ:۲۵۷) اس کی راہ رشد کی راہ ہے اور اس کے خلاف خواہ افراط کی راہ ہو یا تفریط کی اس کا نام غی ہے۔ رشد والوں کو مومن' متقی' سعید کہا

گیا اور غَنِیّ والوں کو کافر' منافق' شقی۔ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (البقرۃ:۲۵۷) جو لوگ الٰہی حدبندیوں کو توڑ کر چلے گئے ہیں ان کو طاغوت کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہیں جن کو قرآن نے واضح کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا ان میں تو فصم نہیں ہے۔ (ادنیٰ درجہ فصم ہے اس سے بڑھے تو فصم پھر اس سے بھی بڑھے تو فضم۔) اللہ وہ اللہ ہے جو تمہاری دعاؤں کو سنتا اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔

الغرض یہ دین ہے اور اس کا نتیجہ ہے قربِ الٰہی۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے تو چونکہ اللہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:۳۶) ہے اس لئے یہ ظلمت سے نکلنے لگتا ہے اور اس میں امتیازی طاقت پیدا ہوتی جاتی ہے۔ ظلمت کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک جہالت کی ظلمت ہے۔ پھر رسومات' عادات' عدم استقلال کی ظلمت ہوتی ہے۔ جس قدر ظلمت میں پڑتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے اور جس قدر قرب حاصل ہوتا اسی قدر امتیازی قوت پیدا ہوتی ہے۔

نزول و صعود

پس اگر کسی صحبت میں رہ کر ظلمت بڑھتی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ قربِ الٰہی کا موجب نہیں بلکہ بعد و حرمان کا باعث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تو جسقدر انسان قریب ہو گا اسی قدر اس کو ظلمت سے رہائی اور نور سے حصہ ملتا جاوے گا۔ اسی لئے ضروری ہے کہ ہر فعل اور قول میں اپنا محاسبہ کرو۔ نیچے اور اوپر کے دو لفظ ہیں جو سائنس والوں کی اصطلاح میں بھی بولے جاتے ہیں اور مذہب کی اصطلاح میں بھی ہیں۔ میں نے نیچے اور اوپر جانے والے چیزوں پر غور کی ہے۔ ڈول جوں جوں نیچے جاتا ہے اس کی قوت میں تیزی ہوتی جاتی ہے اور اسی طرح پتنگ جب اوپر جاتا ہے پہلے اس کا اوپر چڑھانا مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن آخر وہ بڑے زور سے اوپر کو چڑھتا ہے۔ یہی اصل ترقی اور تنزل کی جان ہے یا صعود اور نزول کے اندر ہے۔ انسان جب بدی کی طرف جھکتا ہے اس کی رفتار بہت سست اور دھیمی ہوتی ہے لیکن پھر اس میں اس قدر ترقی ہوتی ہے کہ خاتمہ جہنم میں جا کر ہوتا ہے۔ یہ نزول ہے۔ اور جب نیکیوں میں ترقی کرنے لگتا اور قربِ الی اللہ کی راہ پر چلتا ہے تو ابتدا میں مشکلات ہوتی ہیں اور ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ ہونا پڑتا ہے مگر آخر جب وہ اس میدان میں چل نکلتا ہے تو اس کی قوتوں میں پرزور ترقی ہوتی ہے اور وہ اس قدر صعود کرتا ہے کہ سَابِقٌ بِالْخَیْرَاتِ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس اصل پر غور کرتے ہیں اور اپنا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم ترقی کی طرف جا رہے ہیں یا تنزل کی طرف' وہ ضرور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

غرض وعظ کا اصل تو مختصر سا تھا مگر مضمون لمبا ہو گیا ہے اس لئے پھر میں مختصر الفاظ میں کہتا ہوں کہ اصل غرض اور منشاء دین کا سعادت اور شقاوت کی راہوں کا بیان کرنا ہے۔ ایمان باللہ' ایمان بالملائکہ' اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان' جزاو سزا پر ایمان ہو اور پھر اس ایمان کے موافق عمل درآمد ہو اور ہر روز اپنے نفس کا محاسبہ کرو۔

آخر میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ تمہارا اعتصام حبل اللہ کے ساتھ ہو۔ قرآن تمہارا دستور العمل ہو۔ باہم کوئی تنازع نہ ہو کیونکہ تنازع فیضان الٰہی کو روکتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم جنگل میں اسی نقص کی وجہ سے ہلاک ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی قوم نے احتیاط کی اور وہ کامیاب ہو گئے۔ اب تیسری مرتبہ تمہاری باری آئی ہے۔ اس لئے چاہئے کہ تمہاری حالت اپنے امام کے ہاتھ میں ایسی ہو جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تمہارے تمام ارادے اور خواہشیں مردہ ہوں اور تم اپنے آپ کو امام کے ساتھ ایسا وابستہ کرو جیسے گاڑیاں انجن کے ساتھ۔ اور پھر ہر روز دیکھو کہ ظلمت سے نکلتے ہو یا نہیں۔ استغفار کثرت سے کرو اور دعاؤں میں لگے رہو۔ وحدت کو ہاتھ سے نہ دو۔ دوسرے کے ساتھ نیکی اور خوش معاملگی میں کوتاہی نہ کرو۔ تیرہ سو برس کے بعد یہ زمانہ ملا ہے اور آئندہ یہ زمانہ قیامت تک نہیں آسکتا۔ پس اس نعمت کا شکر کرو۔ کیونکہ شکر کرنے پر ازدیاد نعمت ہوتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراهیم:۸) لیکن جو شکر نہیں کرتا وہ یاد رکھے اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (ابراهیم:۸)

اب میں ایک تحریک کر کے ختم کرتا ہوں۔ دیکھو یہاں کئی قسم کے چندے اور ضرورتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چندوں کی کیا ضرورت ہے وہ غلطی کرتے ہیں۔ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرة:۱۹۶) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اگر تم اس پر عمل نہیں کرتے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کئی قسم کی ضرورتیں درپیش ہیں۔ حضرت امام کی تعلیم کی اشاعت اور تبلیغ' مہمانوں کی خبر گیری' مکانات کی توسیع کی ضرورت' مدرسہ کی ضروریات' غرباء و مساکین رہتے ہیں ان کا انتظام' مدرسہ میں غریب طالب علم ہیں ان کے خرچ کا کوئی خاص طور پر متکفل نہیں اور مستقل انتظام نہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی ضروریات ہیں۔ اسی مسجد کا خادم ایک بڈھا ہے اور حضرت اقدس کا ایک سچا خادم حافظ معین الدین ہے۔ ایسے لوگوں کی خبر گیری کی ضرورت ہے۔ غرض یہاں کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر ہر شخص کو جو کچھ اس سے ہو سکے اپنے مال سے' کپڑے سے الگ کرنا چاہئے۔ یہ مت خیال کرو کہ بہت ہی ہو' کچھ ہو خواہ ایک پائی ہی کیوں نہ ہو۔ ہر قسم کا کپڑا یہاں کام آسکتا ہے۔ پس یہاں کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر ان میں دینے

کے لئے کوشش کرو۔ صحابہ کی سوانح پڑھو تا تمہیں معلوم ہو کہ کیا کرنا پڑا تھا۔ تم جو ان سے ملنا چاہتے ہو وہی راہ اور رنگ اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم تم سب کو اس امر کی توفیق دے کہ ہم سچے مسلمان بنیں اور امام کے متبع ہوں۔ آمین۔ ؎

؎ (الحکم جلد ۷ نمبر ۲۔ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴۔۱۵)

؎ (الحکم جلد ۷ نمبر ۳۔ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴۔۱۵)

و (الحکم جلد ۷ نمبر ۴۔ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۶۔۷)

☆ ☆ ☆ ☆
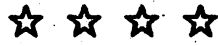
۱۱؍ مارچ ۱۹۰۳ء

دارالامان قادیان

خطبہ عید اضحیٰ

(عید الضحیٰ دارالامان میں ۱۱مارچ ۱۹۰۳ء بروز بدھ ہوئی۔ اس سے پہلی رات کو اور اس دن قادیان دارالامان میں خوب بارش ہوئی۔ راستے خراب ہو گئے۔ اس لئے نماز عید دو جگہ ادا ہوئی۔ مسجد اقصیٰ میں حسب معمول سابق حضرت حکیم الامت نے پڑھائی اور بعد نماز سورۃ کوثر پر خطبہ پڑھا جو ہم ناظرین کے فائدہ کے لئے درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ (الکوثر:۲ تا۴)

یہ ایک سورۃ شریف ہے بہت ہی مختصر۔ لفظ اتنے کم کہ سننے والے کو کوئی ملال طوالت کا نہیں۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی ایک دن میں اسے یاد کر لے۔ مگر ان کے مطالب اور معانی کو دیکھو تو حیرت انگیز۔

واعظوں اور سامعین کی اقسام

ان کو بیان کرنے سے پہلے میں ایک ضروری بات سنانی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں واعظوں اور سننے والوں کی دو قسم پاتا ہوں۔ ایک وہ واعظ ہیں جو دنیا کے لئے وعظ کرتے ہیں۔ دنیا کا وعظ کرنے والے بھی پھر دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے وعظ سے اپنی ذات کا فائدہ چاہتے ہیں یعنی کچھ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ایک وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی یہ غرض تو نہیں ہوتی کہ خود کوئی روپیہ حاصل کریں مگر یہ مطلب ضرور ہوتا ہے کہ سننے والوں کو ایسے طریقے اور اسباب بتائیں جن سے وہ روپیہ کما سکیں۔ مادی ترقی کرنے والے بنیں۔ دنیا کے لئے وعظ کرنے والوں میں اس قسم کے واعظوں کی اغراض ہمیشہ مختلف ہوتی ہیں۔ کوئی فوجوں کو جوش دلاتا ہے' ان میں مستعدی اور ہوشیاری پیدا کرنے کے لئے تحریک کرتا ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ کے لئے چست و چالاک ہو جائیں۔ کوئی امور خانہ داری کے متعلق' کوئی تجارت اور حرفہ کے لئے۔ مختصر یہ کہ ان کی غرض انتظامی امور یا عامہ اصلاح ہوتی ہے جو دوسرے الفاظ میں سیاسی یا پولٹیکل' تمدنی یا سوشل اصلاح ہے۔

اور وہ لوگ جو دین کے لئے وعظ کرنے کو کھڑے ہوتے ہیں ان کی بھی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو محض اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کریں اور امر بالمعروف کا جو فرض ان کو ملا ہے اس کو ادا کریں۔ بنی نوع انسان کی بھلائی کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کریں اور اپنے آپ کو اس خیر امت میں داخل ہونے کی فکر ہوتی ہے جس کا ذکر یوں فرمایا گیا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران:۱۱۱) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے مبعوث ہوئے ہو۔ امر بالمعروف کرتے ہو اور نہی عن المنکر۔

اور ایک وہ ہوتے ہیں جن کی غرض دنیا کمانا بھی نہیں ہوتی مگر (مذکورہ بالا) یہ غرض بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف حاضرین کو خوش کرنا چاہتے ہیں یا ان کی واہ واہ کے خواہش مند کہ کیسا خوش تقریر یا مؤثر واعظ ہے۔

دینی واعظوں میں سے پہلی قسم کے واعظ بھی فتوحات ہی کا ارادہ کرتے ہیں مگر ملکی فتوحات سے ان کی فتوحات نرالی ہوتی ہیں۔ ان کی فتوحات یہ ہوتی ہیں کہ برائیوں پر فتح حاصل کریں۔ نیکی کی حکومت کو وسیع کریں۔

جیسی واعظوں کی دو قسم ہیں ایسی ہی سننے والوں کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک وہ جو محض اللہ کے لئے

سنتے ہیں کہ اس کو سن کر اپنی اصلاح کریں اور دوسرے جو اس لحاظ سے سنتے ہیں کہ واعظ ان کا دوست ہے یا کوئی ایسے ہی تعلق رکھتا ہے یعنی واعظ کی خاطرداری سے۔ اب تم دیکھ لو کہ تمہارا واعظ کیسا ہے اور تم سننے والے کیسے؟ تمہارا دل تمہارے ساتھ ہے؟ اس کا فیصلہ تم کر لو۔ جس نیت اور غرض سے کھڑا ہوا ہوں وہ میں خوب جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ درد دل کے ساتھ خدا ہی کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی ایک تقسیم فرمائی ہے کہ واعظ یا مامور ہوتا ہے یا امیر یا متکبر۔ امیر وہ ہوتا ہے جس کو براہ راست اس کام کے لئے مقرر کیا جاوے اور مامور وہ ہوتا ہے جس کو امیر کہے کہ تم لوگوں کو وعظ سنا دو اور متکبر وہ جو محض ذاتی بڑائی اور نمود کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ یہ اقسام واعظوں کی ہیں۔

اب میں پھر تمہیں کہتا ہوں کہ اس بات پر غور کرو کہ تمہیں وعظ کرنے والا کیسا ہے اور تم کیسا دل لے کر بیٹھے ہو؟ میرا دل اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ناظر ہے۔ جو بات میری سمجھ میں مضبوط آئی ہے اسے سنانا چاہتا ہوں اور خدا کے لئے۔ پھر مجھے حکم ہوا ہے تم مسجد میں جا کر نماز پڑھا دو۔ اس حکم کی تعمیل کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور سناتا ہوں۔

میں دنیا پرست واعظوں کا دشمن ہوں کیونکہ ان کی اغراض محدود، ان کے حوصلے چھوٹے، خیالات پست ہوتے ہیں۔ جس واعظ کی اغراض نہ ہوں وہ ایک ایسی زبردست اور مضبوط چٹان پر کھڑا ہوتا ہے کہ دنیوی وعظ سب اس کے اندر آ جاتے ہیں کیونکہ وہ ایک امر بالمعروف کرتا ہے۔ ہر بھلی بات کا حکم دینے والا ہوتا ہے اور ہر بری بات سے روکنے والا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ نے مُهَيْمِن فرمایا۔ یہ جامع کتاب ہے جس میں جیسے ایک ملٹری (فوجی) واعظ کو فتوحات کے طریقوں اور قواعد جنگ کی ہدایت ہے ویسے ہی نظام مملکت اور سیاست مدن کے اصول اعلیٰ درجہ کے بتائے گئے ہیں۔ غرض ہر رنگ اور ہر طرز کی اصلاح اور بہتری کے اصول یہ بتاتا ہے۔

پس میں قرآن کریم جیسی کتاب کا واعظ ہوں جو تمام خوبیوں کی جامع کتاب ہے اور جو سکھ اور تمام کامیابی کی راہوں کی بیان کرنے والی ہے اور اسی کتاب میں سے یہ چھوٹی سی سورۃ میں نے پڑھی ہے۔

قرآن کا طرز بیان ''ہم'' اور ''میں''

میں اس سورۃ کے مطالب بیان کرنے سے پہلے یہ بات بھی تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ

قرآن شریف کا طرز بیان دو طرح پر واقع ہوا ہے۔ بعض جگہ تو اللہ تعالیٰ ایک فعل کو واحد متکلم یعنی "میں" کے لفظ کے ساتھ بیان فرماتا ہے اور بعض جگہ جمع متکلم یعنی "ہم" کے ساتھ۔ ان دونوں الفاظ کے بیان کا یہ سر ہے کہ جہاں "میں" کا لفظ ہوتا ہے وہاں کسی دوسرے کا تعلق ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں "ہم" ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے فرشتے اور مخلوق بھی اس کام میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس اس بات کو یاد رکھو۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ، بے ریب ہم نے تجھ کو دیا ہے اَلْکَوْثَرُ، ہر ایک چیز میں بہت کچھ۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے "ہم" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسا کام ہے جیسے اس میں آپ فضل کیا ہے، فرشتوں اور مخلوق کو بھی لگایا ہے۔

"بہت کچھ" کے معنی مختلف حالتوں میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے "بہت کچھ" عطا فرمایا ہے۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس "بہت کچھ" کی کیا مقدار ہے؟ تم میں سے بہت سے لوگ شہروں کے رہنے والے ہیں جنہوں نے امیروں کو دیکھا ہے۔ بہت سے دیہات کے رہنے والے ہیں جنہوں نے غریبوں کو دیکھا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے محض اپنے فضل سے ایسا موقع دیا ہے کہ میں نے غریبوں امیروں کے علاوہ بادشاہوں کو بھی دیکھا ہے اور ان تینوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ان کی ہر چیز میں، ہر بات میں علیٰ قدر مراتب امتیاز ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کسی غریب کے گھر جا کر سوال کرے تو وہ اس کو ایک روٹی کا ٹکڑا دیدیتا ہے۔ اس کی طاقت اتنی ہی ہے۔ لیکن جب ایک امیر کے گھر جاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس کو "کچھ" دیدو تو اس کی "کچھ" سے مراد تین چار روٹیاں ہوتی ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ جب بادشاہ کہتا ہے کہ "کچھ" دیدو تو اس کے "کچھ" سے مراد دس بیس ہزار روپیہ ہوتا ہے۔ اس سے عجیب بات پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر کسی کا حوصلہ ہوتا ہے اسی کے موافق اس کی عطا ہوتی ہے۔ اب اس پر قیاس کر لو۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے "بہت کچھ" دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کی کبریائی، اس کی عظمت و جبروت پر نگاہ کرو اور پھر اس کے عطیہ کا تصور۔ دیکھو ایک چھوٹی سی شمع، سورج اس نے بنائی ہے۔ اس کی روشنی کیسی عالمگیر ہے۔ ایک چھوٹی سی لالٹین چاند ہے۔ اس کی روشنی کو دیکھو کس قدر ہے۔ کنوؤں سے پانی نکالنے میں کس قدر جدوجہد کرنی پڑتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی عطا پر دیکھو کہ جب وہ بارش برساتا ہے تو پھر کس قدر دیتا ہے۔

غرض یہ سیدھی سادھی بات ہے اور ایک مضبوط اصل ہے۔ جس قدر کسی کا حوصلہ ہو اسی قدر وہ

دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی عظمت کے لحاظ سے اب اس لفظ کے معنی پر غور کرو کہ ہم نے "بہت کچھ" دیا ہے۔ خدا کا "بہت کچھ" وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا اور پھر اس کا اندازہ میری کھوپڑی کرے! یہ احمقانہ حرکت ہو گی اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے اس وقت کوئی کوشش کرے. کہ وہ پانی کے ان قطرات کو شمار کرنے لگے جو آسمان سے برس رہے ہیں (جس وقت آپ یہ خطبہ پڑھ رہے تھے آسمان سے نزول باران رحمت ہو رہا تھا۔ ایڈیٹر)۔ ہاں یہ بیشک انسانی طاقت کے اندر ہرگز نہیں ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے اس کو سمجھ سکے۔ چونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور آپ کی عظمت کا علم بھی مجھے دیا گیا ہے اس لئے میں اندازہ تو ان عطیات کا نہیں کر سکتا لیکن ان کو یوں سمجھ سکتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے کہ باپ انتقال کر گیا اور چلنے ہی لگے تھے کہ ماں کا انتقال ہوا۔ کوئی حقیقی بھائی آپ کا تھا ہی نہیں۔ چنانچہ اسی کے متعلق فرمایا اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا (الضحیٰ:۷) ہم نے تجھے یتیم پایا تھا۔ اس یتیم کو جسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بہت کچھ دے دیا' خاتم الانبیاء' خاتم الرسل' سارے علوم کا مالک' ساری سلطنتوں کا بادشاہ بنا دیا۔ آپ کی عادت شریف تھی کہ کبھی جو بے انتہا روپیہ مالیہ کا آیا ہے تو مسجد ہی میں خرچ کر دیا۔

غرض غور کرو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے بہت کچھ دیا۔ کس قدر خیر کثیر آپ کو دی گئی ہے۔ آپ کا دامن نبوت دیکھو تو وہ قیامت تک وسیع ہے کہ اب کوئی نبی نیا ہو یا پرانا' آ ہی نہیں سکتا۔ کسی دوسرے نبی کو اس قدر وسیع وقت نہیں ملا۔ یہ کثرت تو بلحاظ زمان کے ہوئی۔ اور بلحاظ مکان یہ کثرت کہ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف:۱۵۹) میں فرمایا کہ میں سارے جہان کا رسول ہوں۔ یہ کوثر بلحاظ مکان کے عطا ہوئی۔ کوئی آدمی نہیں جو یہ کہہ دے کہ مجھے احکام الٰہی میں اتباع رسالت پناہی کی ضرورت نہیں۔ کوئی صوفی' کوئی بالغ مرد' بالغہ عورت' کوئی ہو اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے۔ اب کوئی وہ خضر نہیں ہو سکتا جو لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (الکہف:۷۶) بول اٹھے۔ یہ وہ موسیٰؑ ہے جس سے کوئی الگ نہیں ہو سکتا۔ کوئی آدمی مقرب نہیں ہو سکتا' جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع نہ کرے۔

تعلیم اور کتاب میں وہ کاملیت اور جامعیت اور کثرت عطا فرمائی کہ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ:۴) کل دنیا کی مضبوط کتابیں اور ساری صداقتیں اور سچائیاں اس میں موجود ہیں۔

ترقی مدارج میں وہ کوثر۔ جب کہ یہ سچی بات ہے اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ پھر دنیا بھر کے نیک

اعمال پر نگاہ کرو جب کہ ان کے اَلدَّال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو ان کی جزائے نیک آپ کے اعمال میں شامل ہو کر کیسی ترقی مدارج کا موجب ہو رہی ہے۔

اعمال میں دیکھو' اتباع' فتوحات' عادات' علوم' اخلاق میں کس کس قسم کی کوثریں عطا فرمائی ہیں۔ آدمی وہ بخشے جن کے نام لیکر عقل حیران ہوتی ہے۔ ابوبکر' عمر' عثمان' علی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے لوگ' عباسیوں اور مروانیوں جیسے۔ کیا انتخاب سے ایسے آدمی مل سکتے ہیں کہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی گرانے کا حکم دیں خون گرانے کے لئے تیار ہو جائیں؟ جگہ وہ بخشی کہ ایران' توران' مصر' شام' ہند تمہارا ہی ہے۔ وہ ہیبت اور جبروت آپ ؐ کو عطا فرمائی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف کا ارادہ کرتے تو ایک مہینہ کی دور راہ کے بادشاہوں کے دل کانپ جاتے۔ اللہ جب دیتا ہے تو اس طرح دیتا ہے۔

یہ بڑا لمبا مضمون ہے جو اس تھوڑے وقت میں بیان نہیں ہو سکتا۔ مختلف شاخوں اور شعبوں میں جو کوثر آپ کو عطا ہوئی ایک مستقل کتاب اس پر لکھی جا سکتی ہے۔

باطنی دولت کا یہ حال ہے کہ تیرہ سو برس کی تو میں جانتا نہیں' اپنی بات بتاتا ہوں۔ جس قدر مذاہب ہیں میں نے ان کو ٹٹولا ہے۔ ان کو پرکھ پرکھ کر دیکھا ہے۔ قرآن کریم کے تین تین لفظوں سے میں ان کو رد کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ کوئی باطل مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب اور طرز انسان کے پاس ہو تو باطل مذاہب خواہ وہ اندرونی ہوں یا بیرونی' وہ ٹھہر نہیں سکتے۔

پھر استحکام و حفاظت مذہب کے لئے دیکھو۔ جس قدر مذہب دنیا میں موجود ہیں یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں' ان کی حفاظت کا ذمہ وار اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ٹھہرایا ہے مگر قرآن کریم کی تعلیم کے لئے فرمایا اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰) یہ کیا کوثر ہے!

اللہ تعالیٰ خود اس دین کی نصرت اور تائید اور حفاظت فرماتا اور اپنے مخلص بندوں کو دنیا میں بھیجتا ہے جو اپنے کمالات اور تعلقات الٰہیہ میں ایک نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک انسان کیونکر خدا تعالیٰ کو اپنا بنالیتا ہے۔ ہر صدی کے سر پر وہ ایک مجدد آتا ہے جو ایک خاص جماعت قائم کرتا ہے۔ میرا اعتقاد تو یہ ہے کہ ہر ۴۵' ۵۰ اور سو برس پر آتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کوثر ہو گا؟

پھر سارے مذہب میں دعا کو مانتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب بندہ اپنے مولیٰ سے کچھ مانگتا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے۔ گو مانگنے کے مختلف طریق ہیں مگر مشترک طور پر یہ سب مانتے ہیں کہ جو

مانگتا ہے وہ پاتا ہے۔ اس اصل کو لیکر میں نے غور کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پہلو سے بھی کیا کچھ ملا ہے۔ تیرہ سو برس سے برابر امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہہ کر دعائیں کر رہی ہے اور پھر اللہ اور اللہ کے فرشتے بھی اس درود شریف کے پڑھنے میں شریک ہیں اور ہر وقت یہ دعا ہو رہی ہے کیونکہ دنیا پر کسی نہ کسی نماز کا وقت موجود رہتا ہے اور علاوہ نماز کے پڑھنے والے بھی بے انتہا ہیں۔ اب سوچو کہ اس تیرہ سو برس کے اندر کس قدر روحوں نے کس سوز اور تڑپ کے ساتھ اپنے محبوب آقا کی کامیابیوں اور آپ کے مدارج عالیہ کی ترقی کے لئے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہہ کر دعائیں مانگی ہوں گی۔ پھر ان دعاؤں کے ثمرہ میں جو کچھ آپ کو ملا' کیا اس کی کوئی حد ہو سکتی ہے؟

اگر دعا کوئی چیز ہے اور ضرور ہے تو پھر اس پہلو سے آپ کے مدارج اور مراتب کی نظیر پیش کرو۔ کیا دنیا میں کوئی قوم اور امت ایسی ہے جس نے اپنے نبی اور رسول کے لئے یہ التزام دعا کا کیا ہو۔ کوئی بھی نہیں۔ کوئی عیسائی مسیحؑ کے لئے' یہودی موسیٰؑ کے لئے' سناتنی شنکر اچارج کے لئے دعائیں مانگنے والا نہیں ہے۔

اس دنیا کے مدارج کو تو ان امور پر قیاس کرو اور آگے جو کچھ آپ کو ملا ہے وہ وہاں چل کر معلوم ہو جاوے گا۔ مگر اس کا اندازہ اسی بہت کچھ سے ہو سکتا ہے کہ برزخ میں' حشر میں' صراط پر' بہشت میں غرض کوثر ہی کوثر ہو گا۔

اس عاجز انسان اور اس کی ہستی کو دیکھو کہ کیسی ضعیف اور ناتوان ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اس کے بنانے پر آتا ہے تو اس عاجز انسان کو اپنا بنا کر دکھا دیتا ہے اور ایک اجڑی بستی کو آباد کرتا ہے۔ کیا تعجب انگیز نظارہ ہے۔ بڑے بڑے شہروں اور بڑے اکڑباز مدبروں کو محروم کر دیتا ہے حالانکہ وہاں ہر قسم کی ترقی کے اسباب موجود ہوتے ہیں اور علم و واقفیت کے ذرائع وسیع۔ مثلاً اس وقت دیکھو کہ کس بستی کو اس نے برگزیدہ کیا؟ جہاں نہ ترقی کے اسباب' نہ معلومات کی توسیع کے وسائل' نہ علمی چرچے' نہ مذہبی تذکرے' نہ کوئی دارالعلوم' نہ کوئی کتب خانہ! صرف خدائی ہاتھ ہے جس نے اپنے بندہ کی خود تربیت کی اور عظیم الشان نشان دکھایا۔ غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ثابت کرتا ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوثر عطا فرمایا۔ لیکن غافل انسان نہیں سوچتا۔ افسوس تو یہ ہے کہ جیسے اور لوگوں نے غفلت کی' ویسی ہی غفلت کا شکار مسلمان ہوئے۔ آہ! اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مدارج پر خیال کرتے اور خود بھی ان سے حصہ لینے کے آرزومند ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی

کو ثر عطا فرماتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ جھوٹ بولنے میں دلیر' فریب و دغا میں بیباک ہو رہے ہیں۔ نمازوں میں سستی' قرآن کے سمجھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیا جاتا ہے اور سب سے بدتر سستی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چال چلن کی خبر نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ عیسائی اور آریہ آپ کے چال چلن کو تلاش کرتے ہیں اگرچہ اعتراض کرنے کے لئے' مگر کرتے تو ہیں۔ مسلمانوں میں اس قدر سستی ہے کہ وہ کبھی دیکھتے ہی نہیں۔ اس وقت جتنے یہاں موجود ہیں ان کو اگر پوچھا جاوے تو شاید ایک بھی ایسا نہ ملے جو یہ بتا سکے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی معاشرت کیسی تھی۔ آپ کا سونا کیسا تھا' جاگنا کیسا۔ مصائب اور مشکلات میں کیسے استقلال اور علو ہمتی سے کام لیا اور رزم میں کیسی شجاعت اور ہمت دکھائی۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ایک بھی ایسا نہیں جو تفصیل کے ساتھ آپ کے واقعات زندگی پر اطلاع رکھتا ہو۔[1]

حالانکہ یہ ضروری بات تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر پوری اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی۔ کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ آپ دن رات میں کیا کیا عمل کرتے تھے' اس وقت تک ان اعمال کی طرف تحریک اور ترغیب نہیں ہو سکتی۔

خدا تعالیٰ کی محبت یا اس کے محبوب بننے کا ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع ہے۔ پھر یہ اتباع کیسے کامل طور پر ہو سکتی ہے جب معلوم ہی نہ ہو کہ آپ کیا کیا کرتے تھے؟ اس پہلو میں بھی مسلمانوں نے جس قدر اس وقت سستی اور غفلت سے کام لیا ہے وہ بہت کچھ ان کی ذلت اور ضعف کا باعث ٹھہرا۔

اس ضروری کام کو تو چھوڑا پر مصروفیت کس کام میں اختیار کی؟ نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں۔ چائے پی لی۔ حقہ پی لیا۔ پان کھا لیا۔ غرض ہر پہلو اور ہر حالت سے دنیوی امور میں ہی مستغرق ہو گئے۔ مگر پھر بھی آرام اور سکھ نہیں ملتا۔ ساری کوششیں اور ساری تگ و دو دنیا کے لئے ہی ہوتی ہے اور اس میں بھی راحت نہیں۔ لیکن جو خدا تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں ان کو وہ دیتا ہے تو پھر کس قدر دیتا ہے اور ساری راحتوں کا مالک اور وارث بنا دیتا ہے۔ میں نے پہلے بتا دیا ہے کہ جتنا چھوٹا ہوتا ہے اس کا اتنا ہی دینا ہوتا ہے۔ اور جس قدر بڑا' اسی قدر اس کی دہش ہوتی ہے۔ جس قدر کبریائی اللہ تعالیٰ رکھتا ہے اسی کے موافق اس کی عطا ہے اور اس کی عطا کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

میں نے ایک دنیادار کو دیکھا ہے۔ وہ میرا دوست بھی ہے۔ میں کلکتہ میں اس کے مکان پر تھا۔ اس نے مجھے دکھایا کہ وہ ایک ایک دن میں چار چار پانچ پانچ سو روپیہ کیسے کما لیتا ہے۔ مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا

کہ میں نے اس کو اور تو کچھ نہ کہا۔ صرف یہ پوچھا کہ بتاؤ کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ یہ حالت ہو گئی ہے کہ رہنے کو جگہ نہیں' کھانے کو روٹی نہیں۔ اس وقت یہاں آیا ہوں کہ فلاں شخص کو پندرہ ہزار روپیہ دیا تھا مگر اب وہ بھی جواب دیتا ہے۔ میں نے اس کی اس حالت کو دیکھ کر یہ سبق حاصل کیا کہ چالاکی سے انسان کیا کما سکتا ہے؟ ادھر بالمقابل دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع نے کیا کمایا؟ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وعظ کرتے ہیں۔ چالاکیاں کرتے ہیں۔ لیکن ذرا پیٹ میں درد ہو تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم گئے۔

پس تم وہ چیز بنو جس کا نسخہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کے اتباع پر تجربہ کر کے دکھایا ہے کہ جب وہ دیتا ہے تو اس کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ لمبی کہانی ہے کہ کس کس طرح پر خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی نصرت کی ہے۔ اسی شہر میں دیکھو (مرزا غلام احمد ایدہ اللہ الاحد) ایک شخص ہے۔ کیا قد میں امام الدین اس سے چھوٹا ہے یا اس کی ڈاڑھی چھوٹی ہے۔ اس کا مکان دیکھو تو حضرت اقدس کے مکانوں سے مکان بھی بڑا ہے۔ ڈاڑھی دیکھو تو وہ بھی بڑی لمبی ہے۔ کوشش بھی ہے کہ مجھے کچھ ملے۔ مگر دیکھتے ہو خدا کے دینے میں کیا فرق ہے۔ میں یہ باتیں کسی کی اہانت کے لئے نہیں کہتا۔ میں ایسے نمونوں کو ضروری سمجھتا ہوں اور ہر جگہ یہ نمونے موجود ہیں۔

میں خود ایک نمونہ ہوں۔ جتنا میں بولتا' کہتا اور لوگوں کو سناتا ہوں اس کا بیسواں حصہ بھی مرزا صاحب نہیں بولتے اور سناتے۔ کیونکہ تم دیکھتے ہو وہ خاص وقتوں میں باہر تشریف لاتے ہیں۔ اور میں سارا دن باہر رہتا ہوں۔ لیکن ہم پر تو بدظنی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی باتوں پر کیسا عمل ہے۔ بات یہی ہے کہ اللہ کا دین الگ ہے اور وہ موقوف ہے ایمان پر۔

منصوبہ باز' چالاکیوں سے کام لینے والے بامراد نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی تدابیر اور مکائد پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم یوں کرلیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کو دکھاتا ہے کہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دینے کے منتظر بنو۔ اور یہ عطا منحصر ہی ایمان پر ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ملا وہ سب سے بڑھ کر ملا۔ شرط یہ ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں لگو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ نماز مومن کی الگ اور دنیادار کی الگ اور منافق کی الگ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام ابراہیمؑ بھی تھا جس کی تعریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِبْرَاهِيمَ الَّذِیْ وَفّٰی اور وہی ابراہیمؑ جو جَاۤءَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الصافات:۸۵) کا مصداق تھا اس نے سچی تعظیم امر الٰہی کی کر کے دکھائی۔ اس کا نتیجہ کیا دیکھا۔ دنیا کا امام ٹھہرا۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ

تعظیم لامراللہ کے لئے تو فَصَلِّ لِرَبِّكَ کا حکم ہے مگر شفقت علیٰ خلق اللہ اور تکمیل تعظیم امرالٰہی کے لئے وَانْحَرْ (قربانی بھی کرو)۔ قربانی کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ جب یہ شروع ہوئی اس وقت دیکھو کیسے مشکلات تھے اور اب بھی دیکھو۔

ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے اور ضعیف تھے۔ ۹۹ برس کی عمر تھی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اولاد صالح عنایت کی۔ اسمٰعیل جیسی اولاد عطا کی۔ جب اسمٰعیلؑ جوان ہوئے تو حکم ہوا کہ ان کو قربانی میں دیدو۔ اب ابراہیم علیہ السلام کی قربانی دیکھو۔ زمانہ اور عمر وہ کہ ۹۹ تک پہنچ گئی۔ اس بڑھاپے میں آئندہ اولاد کے ہونے کی کیا توقع اور وہ طاقتیں کہاں؟ مگر اس حکم پر ابراہیم نے اپنی ساری طاقتیں ساری امیدیں اور تمام ارادے قربان کر دیئے۔ ایک طرف حکم ہوا اور معاً بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پھر بیٹا بھی ایسا سعید بیٹا تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بیٹا! اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ (الصّٰفّٰت:۱۰۳) تو وہ بلا چون و چرا یونہی بولا کہ اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (الصّٰفّٰت:۱۰۳) ابا! جلدی کرو۔ ورنہ وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ خواب کی بات ہے' اس کی تعبیر ہو سکتی ہے۔ مگر نہیں۔ کہا پھر کر ہی لیجئے۔ غرض باپ بیٹے نے فرمانبرداری دکھائی کہ کوئی عزت' کوئی آرام' کوئی دولت اور کوئی امید باقی نہ رکھی۔ یہ آج ہماری قربانیاں اسی پاک قربانی کا نمونہ ہیں۔ مگر دیکھو کہ اس میں اور ان میں کیا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اس کے بیٹے کو کیا جزا دی؟ اولاد میں ہزاروں بادشاہ اور انبیاء پیدا کئے۔ وہ زمانہ عطا کیا جس کی انتہا نہیں۔ خلفا ہوں تو وہ بھی ملت ابراہیمی میں۔ سارے نواب اور خلفاء الٰہی دین کے قیامت تک اسی گھرانے میں ہونے والے ہیں۔

پس اگر قربانی کرتے ہو تو ابراہیمی قربانی کرو۔ زبان سے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام:۸۰) کہتے ہو تو روح بھی اس کے ساتھ متفق ہو۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:۱۶۳) کہتے ہو تو کر کے بھی دکھلاؤ۔

غرض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کی فرمانبرداری اور تعمیل حکم کے لئے جو اسلام کا سچا مفہوم اور منشا ہے۔ کوشش کرو مگر میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں وسوسے اور دنیا کی اپچا پیچی ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے کل قویٰ اور خواہشوں کو قربان کر ڈالو اور رضاء الٰہی میں لگا دو تو پھر نتیجہ یہ ہو گا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (تیرے دشمن ابتر ہوں گے)۔

انسان کی خوشحالی اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ خود اس کو راحتیں اور نصرتیں ملیں اور اس کے دشمن'

تباہ اور ہلاک ہوں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز اور اپنی قربانیوں میں دکھادیا کہ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے اپنی نصرتوں اور تائیدوں سے بتادیا کہ ہم اس کے ہیں اور اس کے دشمنوں کا نام و نشان تک مٹادیا۔ آج ابو جہل کو کون جانتا ہے۔ ماں باپ نے تو اس کا نام ابو الحکم رکھا تھا مگر آخر ابو جہل ٹھہرا۔ وہ سید الوادی کہلاتا مگر بدتر مخلوق ٹھہرا۔ وہ بلال جس کو ذلیل کرتے' ناک میں نکیل ڈالتے اس نے اللہ تعالیٰ کو مانا۔ اسی کے سامنے ان کو ہلاک کر کے دکھادیا۔ غرض خدا کے ہو جاؤ وہ تمہارا ہو جائے گا مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہزاروں ہزار اعتراض مرزا صاحب پر کرتے ہیں۔ مگر وہ وہی اعتراض ہیں جو پہلے برگزیدوں پر ہوئے۔ انجام بتادے گا کہ راستباز کامیاب ہوتا ہے اور اس کے دشمن تباہ ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا بنتا ہے وہی کامیاب ہوتا ہے ورنہ نامراد مرتا ہے۔ پس ایسے بنو کہ موت آوے خواہ وہ کسی وقت آوے مگر تم کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار پاوے۔ یاد رکھو کہ مر کر اور مرتے ہوئے بھی اللہ کے ہونے والے نہیں مرتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمال صالحہ کی توفیق دے۔ جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اور اپنا مطالعہ نہیں کرتا وہ پتھر ہے۔ اور دنیا کے اینچ پینچ کام نہیں آتے۔ کام آنے والی چیز نیکی اور اعمال صالحہ ہیں۔ خدا سب کو توفیق عطا کرے۔ آمین

خطبہ ثانیہ میں اتنا ہی فرمایا کہ قربانیاں دو جو بیمار نہ ہوں' دبلی نہ ہوں' بے آنکھ کی نہ ہوں' کان چری نہ ہوں' عیب دار نہ ہوں' لنگڑی نہ ہوں۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب تک کامل طور پر قویٰ قربان نہ کرو گے ساری نیکیاں تمہاری ذات پر جلوہ گر نہ ہوں گی۔ اصل منشا قربانی کا یہ ہے۔ پھر جس کو مناسب سمجھتا ہو وے۔[۲]

[۱] (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰۔۔۔ ۱۷ / مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۴ تا ۱۶)

[۲] (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱۔۔۔ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء صفحہ ۳ تا ۵)

☆ ☆ ☆ ☆

۲۱ ؍ دسمبر ۱۹۰۳ء

خطبہ عید الفطر

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔
اَمَّا بَعْدُ۔
يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(البقرہ:۱۹۰)

یہ رکوع جس کا میں نے ابتداء پڑھا ہے' اس رکوع کے بعد ہے جس میں رمضان اور روزہ کا تذکرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو نیک اعمال کے بجالانے کی کیسی محبت تھی اور کلام اور اس کی اصلی بات پر آگاہی پانے کا کس قدر شوق تھا۔

روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے نفس پر قابو حاصل ہوتا ہے اور انسان متقی بن جاتا ہے۔ رکوع میں رمضان شریف کے متعلق یہ بات مذکور ہے کہ انسان کو جو ضرورتیں پیش آتی ہیں ان میں سے بعض تو شخصی ہوتی ہیں اور بعض نوعی۔ اور بقائے نسل کی شخصی ضرورتوں میں جیسے کھانا پینا ہے اور نوعی ضرورت جیسے نسل کے لئے بیوی سے تعلق۔ ان دونوں قسم کی طبعی ضرورتوں پر قدرت حاصل کرنے کی

راہ روزہ سکھاتا ہے اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ انسان متقی بننا سیکھ لیوے۔ آجکل تو دن چھوٹے ہیں۔ سردی کا موسم ہے اور ماہ رمضان بہت آسانی سے گذرا۔ مگر گرمی میں جو لوگ روزہ رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بھوک پیاس کا کیا حال ہوتا ہے اور جوانوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ان کو بیوی کی کس قدر ضرورت پیش آتی ہے۔ جب گرمی کے موسم میں انسان کو پیاس لگتی ہے۔ ہونٹ خشک ہوتے ہیں۔ گھر میں دودھ' برف' مزہ دار شربت موجود ہیں مگر ایک روزہ دار ان کو نہیں پیتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے مولا کریم کی اجازت نہیں کہ ان کو استعمال کرے۔ بھوک لگتی ہے۔ ہر ایک قسم کی نعمت زردہ' پلاؤ' قلیہ' قورمہ' فرنی وغیرہ گھر میں موجود ہیں۔ اگر نہ ہوں تو ایک آن میں اشارہ سے طیار ہو سکتے ہیں مگر روزہ دار ان کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کے مولیٰ کریم کی اجازت نہیں۔ شہوت کے زور سے پٹھے پھٹے جاتے ہیں اور اس کی طبیعت میں سخت اضطراب جماع کا ہوتا ہے۔ بیوی بھی حسین' نوجوان اور صحیح القویٰ موجود ہے۔ مگر روزہ دار اس کے نزدیک نہیں جاتا۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ مانتا ہے کہ اگر جاؤں گا تو خدا تعالیٰ ناراض ہو گا۔ اس کی عدول حکمی ہو گی۔ ان باتوں سے روزہ کی حقیقت ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے نفس پر یہ تسلط پیدا کرلیتا ہے کہ گھر میں اس کی ضرورت اور استعمال کی چیزیں موجود ہیں مگر اپنے مولا کی رضا کے لئے وہ حسب تقاضائے نفس ان کو استعمال نہیں کرتا' تو جو اشیاء اس کو میسر نہیں ان کی طرف نفس کو کیوں راغب ہونے دے گا؟ رمضان شریف کے مہینہ کی بڑی بھاری تعلیم یہ ہے کہ کیسی ہی شدید ضرورتیں کیوں نہ ہوں مگر خدا کا ماننے والا خدا ہی کی رضامندی کے لئے ان سب پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کی پروا نہیں کرتا۔ قرآن شریف روزہ کی حقیقت اور فلاسفی کی طرف خود اشارہ فرماتا ہے۔ کہتا ہے۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۸۴) روزہ تمہارے لئے اس واسطے ہے کہ تقویٰ سیکھنے کی تم کو عادت پڑ جاوے۔ ایک روزہ دار خدا کے لئے ان تمام چیزوں کو ایک وقت ترک کرتا ہے جن کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے اور ان کے کھانے پینے کی اجازت دی ہے۔ صرف اس لئے کہ اس وقت میرے مولا کی اجازت نہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ پھر وہی شخص ان چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے جن کی شریعت نے مطلق اجازت نہیں دی اور وہ حرام کھاوے' پیوے اور بدکاری میں شہوت کو پورا کرے۔ تقویٰ کے لئے ایک جزو ایمان یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال مت کھایا کرو۔

حرام خوری کے اقسام

حرام خوری اور مال بالباطل کا کھانا کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک نوکر اپنے آقا سے پوری تنخواہ لیتا ہے۔ مگر وہ اپنا کام سستی یا غفلت سے' آقا کی منشاء کے موافق نہیں کرتا تو وہ حرام کھاتا ہے۔ ایک دوکاندار یا پیشہ ور خریدار کو دھوکا دیتا ہے۔ اسے چیز کم یا کھوٹی حوالہ کرتا ہے اور مول پورا لیتا ہے۔ تو وہ اپنے نفس میں غور کرے کہ اگر کوئی اسی طرح کا معاملہ اس سے کرے اور اسے معلوم بھی ہو کہ میرے ساتھ دھوکا ہوا تو کیا وہ اسے پسند کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ جب وہ اس دھوکا کو اپنے خریدار کے لئے پسند کرتا ہے تو وہ مال بالباطل کھاتا ہے۔ اس کے کاروبار میں ہرگز برکت نہ ہو گی۔ پھر ایک شخص محنت اور مشقت سے مال کماتا ہے مگر دوسرا ظلم (یعنی رشوت' دھوکا' فریب) سے اس سے لینا چاہتا ہے تو یہ مال بھی مال بالباطل لیتا ہے۔ ایک طبیب ہے۔ اس کے پاس مریض آتا ہے اور محنت اور مشقت سے جو اس نے کمائی کی ہے اس میں سے بطور نذرانہ کے طبیب کو دیتا ہے یا ایک عطار سے وہ دوا خریدتا ہے تو اگر طبیب اس کی طرف توجہ نہیں کرتا اور تشخیص کے لئے اس کا دل نہیں تڑپتا اور عطار عمدہ دوا نہیں دیتا اور جو کچھ اسے نقد مل گیا اسے غنیمت خیال کرتا ہے یا پرانی دوائیں دیتا ہے کہ جن کی تاثیرات زائل ہو گئی ہیں تو یہ سب مال بالباطل کھانے والے ہیں۔ غرضیکہ سب پیشہ ور حتیٰ کہ چوڑھے چمار بھی سوچیں کہ کیا وہ اس امر کو پسند کرتے ہیں کہ ان کی ضرورتوں پر ان کو دھوکا دیا جائے۔ اگر وہ پسند نہیں کرتے تو پھر دوسرے کے ساتھ خود وہی ناجائز حرکت کیوں کرتے ہیں۔ روزہ ایک ایسی شے ہے جو ان تمام بری عادتوں اور خیالوں سے انسان کو روکنے کی تعلیم دیتا ہے اور تقویٰ حاصل کرنے کی مشق سکھاتا ہے۔ جو شخص کسی کا مال لیتا ہے وہ مال دینے والے کی اغراض کو ہمیشہ مدنظر رکھ کر مال لیوے اور اسی کے مطابق اسے شے دیوے۔

روزہ سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

روزہ جیسے تقویٰ سیکھنے کا ایک ذریعہ ہے ویسے ہی قربِ الٰہی حاصل کرنے کا بھی ذریعہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کا ذکر فرماتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی بیان کیا ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ:۱۸۷)۔

یہ ماہ رمضان کی ہی شان میں فرمایا گیا ہے اور اس سے اس ماہ کی عظمت اور سر الٰہی کا پتہ لگتا ہے کہ اگر وہ اس ماہ میں دعائیں مانگیں تو میں قبول کروں گا۔ لیکن ان کو چاہئے کہ میری باتوں کو قبول کریں اور مجھے مانیں۔ انسان جس قدر خدا کی باتیں ماننے میں قوی ہوتا ہے خدا بھی ویسے ہی اس کی باتیں مانتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کو رشد سے بھی خاص تعلق ہے اور اس کا ذریعہ خدا پر ایمان' اس کے احکام کی اتباع اور دعا کو قرار دیا ہے۔ اور بھی باتیں ہیں جن سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

آیت کا شان نزول

جب صحابہؓ نے دیکھا کہ ایک ماہ رمضان کی یہ عظمت اور شان ہے اور اس قرب الٰہی کے حصول کے بڑے ذرائع موجود ہیں تو ان کے دل میں خیال گزرا کہ ممکن ہے کہ دوسرے چاندوں و مہینوں میں بھی کوئی ایسے ہی اسرار مخفیہ اور قرب الٰہی کے ذرائع موجود ہوں۔ وہ معلوم ہو جاویں اور ہر ایک ماہ کے الگ الگ احکام کا حکم ہو جاوے۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے عرض کیا کہ دوسرے چاندوں کے احکام اور عبادات خاصہ بھی بتا دیئے جاویں۔

ہلال اور قمر کا فرق

یہاں لفظ اَهِلَّة کا استعمال ہوا ہے جو کہ ہلال کی جمع ہے۔ بعض کے نزدیک تو پہلی' دوسری اور تیسری کے چاند کو اور بعض کے نزدیک ساتویں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور پھر اس کے بعد قمر کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ احادیث میں جو مہدی کی علامات آئی ہیں ان میں سے مہدی کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ ایک ہی ماہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن لگے گا۔ وہاں چاند کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قمر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اعلیٰ درجہ کا قمر ۱۳' ۱۴' ۱۵ تاریخ کو ہوتا ہے اور اس کے گرہن کی بھی یہی تاریخیں مقرر ہیں۔ اس سے کم زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے ہی سورج گرہن کے لئے بھی ۲۷' ۲۸' ۲۹ تاریخ ماہ قمری کی مقرر ہے۔ غرضیکہ قمر کا لفظ اپنے حقیقی معنوں کی رو سے مہدی کی علامت تھی۔ لیکن لوگوں نے تصرف کر کے وہاں قمر کی بجائے ہلال کا لفظ ڈال دیا ہے اور یہ ان کی غلطی ہے۔

ہر ایک نیا چاند انسانی زندگی کی مثال میں ایک سبق دیتا ہے

صحابہ کرامؓ کے اس سوال پر کہ اور چاندوں کے برکات و انوار سے ان کو اطلاع دی جاوے اللہ جل شانہ نے یہ جواب دیا۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ یعنی جیسے ماہ رمضان تقویٰ سکھانے کی ایک شے ہے ویسے ہر ایک مہینہ جو چڑھتا ہے وہ انسان کی بہتری کے لئے ہی آتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ نئے چاند کو دیکھ کر اپنی عمر رفتہ پر نظر ڈالے اور دیکھے کہ میری عمر میں سے ایک ماہ اور کم ہو گیا ہے اور نہیں معلوم کہ آئندہ چاند تک میری زندگی ہے کہ نہیں۔ پس جس قدر ہو سکے وہ خیر و نیکی کے بجالانے میں اور اعمال صالحہ کرنے میں دل و جان سے کوشش کرے اور سمجھے کہ میری زندگی کی مثال برف کی تجارت کی مانند ہے۔ برف چونکہ پگھلتی رہتی ہے اور اس کا وزن کم ہوتا رہتا ہے اس لئے اس کے تاجر کو بڑی ہوشیاری سے کام کرنا پڑتا ہے اور اس کی حفاظت کا وہ خاص اہتمام کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان کی زندگی کا حال ہے جو برف کی مثال ہے کہ اس میں سے ہر وقت کچھ نہ کچھ کم ہوتا ہی رہتا ہے اور اس کا تاجر یعنی انسان ہر وقت خسارہ میں ہے۔ چونسٹھ۔ پینسٹھ سال جب گزر گئے اور اس نے نیکی کا سرمایہ کچھ بھی نہ بنایا تو وہ گویا سب کے سب گھاٹے میں گئے۔ ہزاروں نظارے تو آنکھ سے دیکھتے ہو۔ اپنے بیگانے مرتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے تم ان کو دفن کر کے آتے ہو اور یہ ایک کافی عبرت تمہارے واسطے وقت کی شناخت کرنے کی ہے۔ اور نیا چاند تمہیں سمجھاتا ہے کہ وقت گزر گیا ہے اور تھوڑا باقی ہے۔ اب بھی کچھ کر لو۔ لمبی لمبی تقریریں اور وعظ کرنے کا ایک رواج ہو گیا ہے ورنہ سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے ایک لفظ ہی کافی ہے۔ کسی نے اسی کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے۔

مجلس وعظ رفتنت ہوس است
مرگ ہمسایہ واعظ تو بس است

پس ان روزانہ موت کے نظاروں سے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے اور تمہارے ہاتھوں میں ہوتے ہیں، عبرت پکڑو اور خدا تعالیٰ سے مدد چاہو اور کاہلی اور سستی میں وقت کو ضائع مت کرو۔ مطالعہ کرو اور خوب کرو کہ بچہ سے لے کے جوان اور بوڑھے تک اور بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ جس قدر جاندار چیزیں ہیں، سب مرتے ہیں اور تم نے بھی ایک دن مرنا ہے۔ پس وہ کیا بدقسمت انسان ہے جو اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وقت کی کیسی قدر کرتے تھے کہ جب ان کو ماہ رمضان کے فضائل معلوم ہوئے تو معاً دوسرے مہینوں کے لئے سوال کیا کہ قرب الٰہی کے اگر اور ذرائع بھی ہوں تو معلوم ہو جاویں۔

روح کا علاج ضروری ہے اور اس کا ایک ہی نسخہ ہے

میرے پاس بیمار آتے ہیں۔ ان کی اور اپنی حالت پر حیران ہوا کرتا ہوں کہ جس جسم کے آرام کے لئے یہ اس قدر تکلیف برداشت کر کے اور اخراجات اور مصائب سفر کے زیر بار ہو کر میرے پاس آتے ہیں اسے یہ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور چھوڑ دیں گے۔ لیکن پھر بھی ذرا سے دکھ سے آرام پانے کے لئے ترک وطن کرتے ہیں۔ عزیز و اقارب کو چھوڑتے ہیں۔ اور ان کی بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ جس طرح ہو تپ جلدی ٹوٹ جاوے لیکن روح کی بیماری کی کسی کو فکر نہیں ہے۔ اس کے واسطے نہ کوئی تڑپ، نہ رنج و الم۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد اعمال کے جوابدہ ہوں گے اور یہاں بھی برابر ہوتے رہتے ہیں۔ آتشک والے مریض کو اس کے اعمال کی جو پاداش ملتی ہے وہی اسے خوب جانتا ہے۔ اسی طرح بد نظری اور بدکاری کی عادتیں جو پڑتی ہیں پھر انسان ہزار جتن کرے ان کا دور ہونا بغیر خاص فضل الٰہی کے بہت مشکل ہوتا ہے اور اس کے بڑے بڑے دکھ دینے والے نتیجے اسے برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ جب یہ حال ہے اور جسم کی ادنیٰ ادنیٰ سی ایذا کی تم کو فکر ہے تو روح کا کیوں فکر نہیں کرتے۔ روح کی بیماریوں کے علاج کا ایک ہی نسخہ ہے جس کا نام قرآن شریف ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بدکار لوگ کہیں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک:11) کہ اگر ہم خدا کے فرستادوں کی باتوں کو کان دھر کر سنتے اور عقل سے کام لیتے تو آج ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ یہ حسرت ان کو کیوں ہو گی؟ صرف اس لئے کہ وقت ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب پھر ہاتھ نہیں آ سکتا۔ پس روح کی بیماری کا بھی علاج ہے کہ وقت کو ہاتھ سے نہ گنواوے اور اس نور اور شفا کتاب، قرآن شریف پر عملدرآمد کرے۔ اپنے حال اور قال اور حرکت اور سکون میں اسے دستور العمل بناوے۔

عبرت پکڑنے کے میں دو مرحلے اوپر بیان کر آیا ہوں۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ واعظ کا وعظ انسان کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ آج سے کئی سو برس پیشتر ایک تجربہ کار کہتا ہے۔

مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

میری طرح بہت سے واعظ کھڑے ہوتے ہیں۔ بہت سے ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی نیت

روپیہ بٹورنے کی ہوتی ہے۔ بہت سے ایسے کہ لوگ ان کے وعظ اور تقریر کی تعریف کریں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہوں گے جو کہ محض خدا کے واسطے وعظ کرتے ہوں۔ اسی طرح سننے والوں کا حال ہے۔ میں طبیب ہوں اس لئے بعض لوگ صرف اسی لحاظ سے وعظ سنتے ہوں گے کہ ان کا علاج بھی اچھی طرح کروں اور کسی کی کچھ اور کسی کی کچھ غرض ہو گی اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ محض خدا کے لئے سنتے ہوں۔

غرض وعظوں کے سننے اور سنانے والے مختلف اغراض لئے ہوتے ہیں۔ جو خدا کے لئے سنتے اور سناتے ہیں ان کو چھوڑ کر باقیوں کے لئے یہ علم بڑی مشکلات کا موجب ہوتا ہے اور وبال جان ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوتی ہے اور انسان سن یا سنا کر خود ہی اس میں پھنس جاتا ہے۔ عالموں سے قیامت کے دن سوال ہو گا کہ تم خود اپنے علم پر عامل تھے کہ نہیں؟ تم تکبر کا وعظ کرتے تھے لیکن خود تکبر سے خالی نہ تھے۔ تم بغض اور کینہ سے بچنے کی نصیحت لوگوں کو کرتے تھے مگر خود نہیں بچتے تھے۔ تم ریاکاری سے لوگوں کو روکتے تھے مگر خود نہیں رکتے تھے۔ یہ روحانی بیماریاں ہیں جن کا علاج انسان کے لئے ضروری ہے۔ چاہئے کہ علم کے مطابق تمہارا عمل ہو۔

ایک مزکی النفس انسان سے مستفید ہونے کی راہ

لوگوں کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے خدا کی رحمت کا یہ بھی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ ان کے لئے ایک مزکی نفس انسان پیدا کرتا ہے جو کہ اپنے نفس اور خواہش سے کچھ نہیں کرتا۔ خدا کے بلائے بولتا ہے۔ اس کی زبان خدا کی زبان ہوتی ہے۔ اس کی آنکھیں خدا کی آنکھیں یا خدا کی آنکھیں اس کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اس کے ہاتھ خدا کے ہاتھ یا خدا کے ہاتھ اس کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی طرف سے آتا ہے اور ایک مقناطیسی قوت اپنے ساتھ رکھتا ہے تاکہ لوگ اس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے اپنے اپنے نفوس کا تزکیہ کریں اور یہ تعلق ایسا مضبوط ہو جیسے ایک درخت کی شاخ پورے طور پر اپنے تنے سے پیوستہ ہوتی ہے۔ ایسا ہی یہ بھی صدق و صفا اور اخلاص اور پوری اطاعت کے ساتھ اس کے ساتھ پیوستہ ہو تو تزکیہ کی اس روح سے جو مزکی کے اندر ہوتی ہے فائدہ اٹھا سکے گا۔ ورنہ اس کا نشو و نما ہرگز ممکن نہیں۔

ماہ شوال نبوت کا چاند ہے

پس وقت کی قدر کرو اور ہر ایک چاند جو تمہاری روح کے لئے ایک وقت اور فرصت لاتا ہے اس سے نصیحت سیکھو۔ جو چاند تم نے کل دیکھا ہے وہ گویا نبوت کے اول سال کا چاند ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کا نزول اسی ماہ شوال کے ماقبل رمضان میں شروع ہوا۔ اس لئے یہ چاند اور اس کے پہلے کا چاند ہر ایک مومن کے لئے خیر و برکت کا موجب ہے۔ حدیث شریف میں دعا آتی ہے کہ انسان چاند دیکھے تو کہے۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَ الْاِیْمَانِ وَ السَّلَامَۃِ وَ الْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَ رَبُّکَ اللّٰہُ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّ خَیْرٍ (ترمذی کتاب الدعوات) پس چاہئے کہ روحانی پرورش کے لئے ہم سچا تعلق مزکی کے ساتھ پیدا کریں۔ وہ اب موجود ہے جس کی انتظار تیرہ سو برس سے ہو رہی تھی۔

حقیقت حج و جماعت

پھر فرمایا وَالْحَج۔ کہ چاند حج کے وقت کی بھی خبر دیتا ہے جو اسلام کا ایک اعلیٰ رکن ہے۔ باوجود اس کے کہ نوٹس اور اشتہاروں کی کثرت ہو رہی ہے اور ہر جگہ مجلسیں اور سوسائٹیاں جوش و خروش سے قائم ہو رہی ہیں مگر پھر بھی دنیا میں کوئی مجلس ایسی دید و شنید میں نہیں آئی، جس کے ممبر پانچ وقت جمع ہوتے ہوں۔ مگر جناب الٰہی نے اطاعت اور طہارت کے ساتھ پانچ وقت جمع ہونا اور مل کر اس کی عظمت و جبروت کو بیان کرنا مسلمانوں پر فرض کر دیا ہے۔ کوئی شہر اور قصبہ نہ دیکھو گے جس کے ہر محلہ میں اسلام کی یہ پنجگانہ کمیٹی نہ ہوتی ہو۔ لیکن اس روزانہ پانچ وقت کے اجتماع میں اگر تمام باشندگان شہر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا جاتا تو یہ ایک تکلیف مالایطاق ہوتی۔ اس لئے تمام شہر کے رہنے والے مسلمانوں کے اجتماع کے لئے ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا مقرر ہوا۔ پھر اسی طرح قصبات اور دیہات کے لوگوں کے اجتماع کے لئے عید کی نماز تجویز ہوئی۔ اور چونکہ یہ ایک بڑا اجتماع تھا اس لئے عید کا جلسہ شہر کے باہر میدان میں تجویز ہوا۔ لیکن اس سے پھر بھی کل دنیا کے مسلمان میل ملاپ سے محروم رہتے تھے۔ اس لئے کل اہل اسلام کے اجتماع کے لئے ایک بڑے صدر مقام کی ضرورت تھی تاکہ مختلف بلاد کے بھائی اسلامی رشتہ کے سلسلہ میں یکتا باہم مل جاویں۔ لیکن اس کے لئے چونکہ ہر فرد بشر مسلمان اور امیر اور فقیر کا شامل ہونا محال تھا اس لئے صرف صاحب استطاعت منتخب ہوئے تاکہ تمام دنیا کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر تبادلہ خیالات کریں اور مختلف خیالات و دماغوں کا ایک اجتماع ہو اور سب کے سب مل کر

خدا تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو بیان کریں۔ حج میں ایک کلمہ کہا جاتا ہے لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ (بخاری کتاب الحج باب التلبیہ) جس کا مطلب یہ ہے کہ اے مولا! تیرے حکموں کی اطاعت کے لئے اور تیری کامل فرمانبرداری کے لئے میں تیرے دروازے پر حاضر ہوں۔ تیرے احکام اور تیری تعظیم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ غرضیکہ یہ حقیقت ہے مذہب اسلام کی جس کو مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر دن میں پانچ دفعہ کل مسلمانوں کو "اللہ اکبر" کے الفاظ سے بلایا جاتا ہے۔ کوئی نادان اسلام پر کیسے ہی اعتراض کرے کہ ان کا خدا ایسا ہے ویسا ہے مگر وہ خدا تعالیٰ کے لئے اکبر سے بڑھ کر لفظ وضع نہیں کر سکتا۔ نماز کے لئے بلاتے ہیں تو "اَللّٰہُ اَکْبَر" سے شروع کرتے اور ختم کرتے ہیں تو رَحْمَةُ اللّٰہِ پر۔

حج کے برکات میں سے ایک یہ تعلیم ہے جو کہ اس کے ارکان سے حاصل ہوتی ہے کہ انسان سادگی اختیار کرے اور تکلفات کو چھوڑ دے۔ اس کے ارکان کبر و بڑائی کے بڑے دشمن ہیں۔ سستی اور نفس پروری کا استیصال ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر ایک بات یہ ہے کہ ہزاروں ہزار سال سے ایک معاہدہ چلا آتا ہے۔ وہ یہ کہ جناب الٰہی کے حضور حاضر ہو کر تحمید کرتا ہے اور بہت سی دعائیں مانگتا ہے۔

محدود عقل اور خواہش کے محدود نتائج

"وَلَیْسَ الْبِرَّ" انسان کو ایک زبردست طاقت کا خیال ہمیشہ رہتا ہے اور یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ ہر ایک مذہب میں جناب الٰہی کی عظمت و جبروت کو ضرور مانا جاتا ہے۔ جو لوگ اس سے منکر ہیں وہ بھی مانتے ہیں کہ ایک عظیم الشان طاقت ضرور ہے جس کے ذریعہ سے یہ نظام عالم قائم ہے۔ اس کے قرب کے حاصل کرنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ جسمانی سامان حاصل کر کے جسمانی آرام حاصل کیا جاوے۔ جیسے ایک دوکاندار کی بڑی غرض و آرزو یہ ہوتی ہے کہ اس کا گاہک واپس نہ جاوے۔ ایک اہل کسب ایک دو روپیہ کما کر پھولا نہیں سماتا۔ لیکن ایسے لوگ انجامکار کوئی خوشحالی نہیں پاتے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی خواہش محدود ہوتی ہے۔ اس لئے محدود فائدہ اٹھاتے ہیں اور محدود خیالات کا نتیجہ پاتے ہیں۔ بعض اس سے زیادہ کوشش کرتے ہیں اور ان پر خواب اور کشف کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں میں بھلائی اور اخلاق سے پیش آنے کا خیال و ارادہ بھی ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ان کی عقل بھی محدود ہوتی ہے اس لئے ان کی راہ بھی محدود ہوتی ہے۔ ایک حد کے اندر اندر رہتے ہیں اور ان کو مشیر بھی محدود الفطرت ملتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ کہ کوئی بھلائی ان کی

نظر میں بھلی اور برائی بدی کسی محدود خیال سے نہیں ہوتی بلکہ ان کی نظر وسیع اور اس بات پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وراء الورا ہے۔ کوئی عقل اور علم اسے محیط نہیں۔ بلکہ کل دنیا اس کی محاط ہے۔ اس کی رضامندی کی راہوں کو کوئی نہیں جان سکتا بجز اس کے کہ وہ خود کسی پر ظاہر کرے۔ یہ نظر انبیاء اور رسل اور ان کے خلفاء راشدین کی ہوتی ہے۔ وہ نہ خود تجویز کرتے ہیں اور نہ دوسرے کی تراشیدہ تجاویز مانتے ہیں بلکہ خدا کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلتے ہیں۔

عرب کے نادانوں کا خیال تھا کہ جب وہ گھر سے حج کے لئے نکلیں اور پھر کسی ضرورت کے لئے ان کو واپس گھر آنا پڑے تو گھروں کے دروازہ میں داخل ہونا وہ معصیت خیال کرتے تھے اور پیچھے سے چھتوں پر سے ٹاپ کر آیا کرتے تھے اور اسے ان لوگوں نے نیکی خیال کر رکھا تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ باتیں نیکی میں داخل نہیں بلکہ نیکی کا وارث تو متقی ہے۔ تم اپنے گھروں میں دروازہ کی راہ سے داخل ہوا کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس روح کو ابدالآباد ضرورتیں ہیں جن کی کسی کو خبر نہیں۔ اور مر کر جس ملک میں لوگ جاتے ہیں وہاں سے آج تک کوئی نہیں آیا جو یہ بتلاوے کہ وہاں کے لئے کس قسم کے سامان کی ضرورت ہے۔ کھانے، پینے، لباس اور آسائش کے واسطے کیا کیا انسان ساتھ لے جاوے۔ گزشتہ زمانہ کی نسبت تو لوگوں کے بڑے بڑے دعوے ہیں اور بعض مذاہب اپنی قدامت پر بڑا فخر و ناز کرتے ہیں۔ آریہ کہتے ہیں کہ ہم ہزارہا برس سے ہیں اور جین مت والے ان سے بھی زیادہ قدامت میں قدم مار رہے ہیں اور زردشت کے ماننے والوں نے تو حد ہی کر دی کہ مہاسنکھ کے پہلے سترہ صفر بڑھا دیئے۔

غرضیکہ گزشتہ تاریخ کے دیکھنے میں انسانوں نے بڑے دعوے کئے ہیں۔ ایسے ہی اسٹرالوجی (Astrology) علم نجوم میں دور دور کے ستاروں کی تحقیق کی گئی ہے اور عجیب عجیب خواص اور ہیئت ان کی دریافت کی ہے۔ قدامت میں وہاں تک اور دوربینی میں یہاں تک نوبت پہنچائی ہے۔ نیچے کی طرف جیالوجی والوں نے زمین کے اندر بڑے بڑے غوطے لگائے مگر ایک سیکنڈ کے بعد کیا ہونے والا ہے، کوئی نہیں بتاتا اور جب ایک سیکنڈ کے بعد کی خبر نہیں بتلائی جاتی تو مر کر کیا ہونا ہے اور کیا مرحلے پیش آتے ہیں، اس کی خبر کون دے؟ صرف خدا کی ہی ایک ذات ہے جو اس کی خبر دے سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ وہی بتلاتا ہے کہ مرنے کے بعد تم کو فلاں فلاں امور کی ضرورت ہے اور تم کو اس ولایت میں بود و باش کے لئے فلاں قسم کا سامان درکار ہے۔ یہ خبر انبیاء، ان کے خلیفہ اور ماموروں کے ذریعہ ملتی ہے اور جو کچھ وہ بتلاتے ہیں وہ خدا سے خبر پا کر بتلاتے ہیں ورنہ بذات خود غیب کی کنجی نہیں ہوتے۔

رضاء الٰہی کی وہی راہ ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں کی معرفت بیان کرے اور خوش قسمتی سے ہمارا امام ان سب سے واقف ہے اور وہ بتلا سکتا ہے کہ تم کس طرح خدا کا قرب حاصل کر سکتے ہو۔ لیکن جو شخص اپنی طرف سے کوئی راہ تجویز کرتا ہے اور بلا کسی الٰہی سند کے کہتا ہے کہ اس سے خدا راضی ہو گا' وہ نفس دھوکا دیتا ہے۔ خدا کی راہوں کا علم انسان کو تقویٰ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:۲۸۳) تم تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ تم کو علم عطا کرے گا جس سے تم اس کی رضامندی کی راہ پر چل سکو گے۔ تقویٰ ہی ہے کہ انسان بالکل خدا کا ہو جاوے۔ اس کا اٹھنا' بیٹھنا' چلنا' پھرنا' کھانا' پینا' ہر ایک حرکت و سکون خدا کے لئے ہو۔ جب وہ ہمہ تن اپنے وجود اور ارادوں کو خدا کے لئے بنادے گا تو پھر خدا بھی اس کا بن جاوے گا۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ

یہ وقت قابل قدر ہے

میں نے اوپر ذکر کیا تھا کہ چاندوں کے ذریعہ سے انسان کو وقت کی قدر معلوم ہوتی ہے اور یہ اس کی گذشتہ اور آئندہ عمر کا سبق دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر ایک بات کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ وہ جب ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر ہاتھ نہیں آیا کرتا۔ دیکھو کل شام تک ایک وقت تھا کہ اس دن میں تندرست اور مقیم کے لئے کھانا پینا حرام تھا۔ لیکن جب وہ وقت ختم ہو گیا تو اس کے احکام اور برکات بھی ختم ہو گئے۔ آج ایک وقت ہے کہ اس کا حکم کل سے بالکل متضاد ہے۔ اگر کل تندرست اور مقیم کے لئے کھانا پینا دن میں حرام تھا تو آج اس کے واسطے نہ کھانا حرام ہے' نہ پینا۔ ہماری آنکھ' کان' ناک' دست و پا سب کچھ وہی ہیں جو کل تھے۔ لیکن تقویٰ' اطاعت اور حکم برداری کے لحاظ سے کل اور آج میں کس قدر تفرقہ ہے۔ اسی طرح خدا نے حج' عید' نماز' کھانے پینے' سونے جاگنے وغیرہ کے وقت مقرر کئے ہیں اور جب وقت پر ایک کام حسب رضاء الٰہی بجالایا جاتا ہے تو وہ فضل اور برکات کا موجب ہوتا ہے۔ کل روزہ رکھنے کا ثواب تھا اور آج عذاب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت دراصل اطاعت کا نام ہے۔ اگر اس میں احکام الٰہی کی اطاعت نہ ہو تو وہی عبادت حرام اور قبیح ہو جاتی ہے۔ اس سے ایک سبق حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے ہر ایک بات کے لئے ایک وقت ہوتا ہے ایسے ہی کامل متقی بننے کے لئے ایک وقت ہوتا ہے اور وہ وہ وقت ہوتا ہے جب خدا کی طرف سے کوئی اس کا خلیفہ دنیا میں آیا ہو۔ سو یہ بھی وہی وقت ہے۔ جب وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آتا۔ موت کا دروازہ تو کسی انسان

کے لئے بند نہیں ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سید الرسل' خاتم الانبیاء ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کا زمانہ پایا وہ آپ پر ایمان لائے اور متقی بنے۔ لیکن آخر آپؐ فوت ہوئے اور ہمیشہ کے لئے ان لوگوں میں نہ رہے۔ ہاں آپؐ کے انفاس طیبہ دیر تک رہے اور رہیں گے اور یہ ہر ایک نبی اور مامور کے ساتھ خدا کا فضل ہوتا ہے کہ کسی کے انفاس طیبہ بہت دیر تک رہتے ہیں' کسی کے تھوڑی دیر تک۔ لیکن وہ بذات خود ان میں نہیں رہتے۔ دیکھو جس مسیح کو دو ہزار برس سے زندہ کہتے تھے آخر وہ بھی مردہ ثابت ہوا۔ اس کے پجاریوں نے اسے آسمان پر زندہ کہا مگر زمین نے مردہ ثابت کیا اور اس کے انفاس بھی مر گئے۔ تعلیم کا یہ حال ہوا کہ خدا کا بیٹا بنایا گیا۔ اسی لئے ہماری تعلیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ "عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" کا لفظ ایزاد ہوا کہ کہیں سابقہ قوموں کی طرح گمراہ ہو کر متبوع کو خدا نہ بنا بیٹھیں اور جب خدا کی توحید کا بیان کریں تو ساتھ ہی ساتھ آپ کی عبودیت کا بھی ذکر کیا جاوے۔ اگر ایسی تعلیم عیسائیوں کے ہاتھ ہوتی تو وہ گمراہ نہ ہوتے۔

میں وقت کا ذکر کر رہا تھا۔ پس تم کو چاہئے کہ وقت کا خیال رکھو۔ یہ آج عید الفطر ہے۔ پھر جو زندہ رہے تو دوسرے سال اسے پاوے گا۔ امام کے ماننے کا بھی یہی وقت ہے جبکہ وہ زندہ موجود ہے۔ اگر اس وقت نہ مانا تو پھر پچھتاؤ گے۔

مومنوں پر تین وقت

ہر ایک مامور کے ماننے والوں پر تین وقت ہوا کرتے ہیں اور صحابہؓ پر بھی وہ وقت تھے۔ ایک تو مکہ کا جبکہ آنحضرت کو ہر طرف سے دکھ دیا جاتا تھا۔ جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور اس وقت آپ کو بعض لوگوں نے مانا۔ دوسرا وہ جبکہ آنحضرتؐ مدینہ میں پہلے آئے اور بعض لوگ آپؐ پر ایمان لائے۔ تیسرا وہ وقت جبکہ صحابہؓ دنیا کے فاتح ہو رہے تھے اور ملک پر ملک آپ کے قبضہ میں آ رہا تھا۔ اب سوچ لو کہ ان تین وقتوں میں جن جن لوگوں نے مانا اور خرچ کیا' کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟ فتح مکہ سے اول جن لوگوں نے خرچ کیا تھا ان کی نسبت خود آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اب جو لوگ احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کریں تو ان کی وہ قدر نہیں ہو سکتی جو فتح مکہ سے اول ایک جو کی مٹھی کی ہو سکتی ہے۔

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے مقام اور ان کا وقت

خالد بن ولید جیسے فاتح کے سامنے یہ فقرہ کہا تھا کہ تمہاری خدمات اور فتوحات ان لوگوں کے ہم پلہ

ہرگز نہیں ہو سکتیں جو کہ فتح مکہ سے پیشتر ایمان لائے اور نہ ان کی ان کے سامنے کچھ قدر ہے۔ پس یاد رکھو کہ امام کے ماننے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اسے ہاتھ سے کھونا نادانی ہے اور اس کے ساتھ ہو کر خرچ کرنے میں بڑی برکات ہوتی ہیں اور اس خرچ کا یہی وقت ہے۔ اگر تم کرو گے تو خدا اس کا اجر اپنے ذمہ نہ رکھے گا۔ اس کے لئے خدا نے ہر ایک سلیم فطرت میں ایک نظیر رکھ دی ہے کہ جب کوئی کسی سے سلوک کرے یا نیکی کرے تو ایک سلیم الفطرت انسان کبھی گوارا نہیں کرتا کہ اسے بدلہ نہ دیا جاوے اور دل میں اس کی عظمت گھر نہ کرے۔ تو اب سوچ لو جس نے فطرت میں یہ بات رکھ دی ہے وہ آپ کیسے گوارا کرے گا کہ کسی کی نیکی کا بدلہ نہ دے۔ وہ بڑا غنی ہے۔ اس کی راہ میں اس کی رضامندی کے لئے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے وہ ضرور بدلہ دیتا ہے۔ لمبے لمبے وعظ و نصیحت میں کیا کروں۔ میں مجدد، ملہم، مامور یا مسیح نہیں ہوں۔ جو ہے اس نے کشتی نوح بنا کر تمہارے آگے رکھ دی ہے۔ وہ جدھر بلانا چاہتا ہے ادھر جانا تو درکنار ہمارا تو رخ بھی ابھی اس طرف نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ مجھ کو بڑے بڑے خاردار جنگل جس میں لوہے کے کانٹے ہیں اور دشوار گزار راہیں طے کرنی ہیں۔ نازک پاؤں والے میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔ پھر میں نے اسے یہ بھی کہتے سنا ہے کہ جس چشمہ سے میں تم کو پلانا چاہتا ہوں اس میں سے ابھی کسی نے پانی نہیں پیا۔ اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ بہت سی باتیں کہنے کے لائق ہیں مگر میں تم میں ان کی قبولیت اور برداشت کا مادہ نہیں پاتا اس لئے نہیں کہتا۔ پس اگر یہ سب باتیں تمہارے کام نہیں آتیں اور تم کو نفع نہیں بخشتیں تو میرا کورا بیان کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ اس لئے تمہارے لئے ضروری ہے کہ اس وقت کی قدر کرو۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر ہزاروں برس کے انتظار کے بعد بھی نہ ملے گا۔ خرچ کرنے کا اور نفس کے تزکیہ حاصل کرنے کا یہی وقت ہے۔ نفس کا تزکیہ امام کے ساتھ ہو کر مال خرچ کرنے سے بھی ہوا کرتا ہے۔ وہ اب موجود ہے اور اس سے پیوند ہونے کا موقع ہے۔ اگر یہ چلا گیا تو میرے جیسے واعظوں کا کیا ہے۔ ۱۳۰۰ برس سے وعظ ہوتے ہی آئے ہیں۔ دعا کرو اور وقت کا مطالعہ کرو اور خدا سے قوت طلب کرو کہ وہ ان باتوں کی توفیق عطا کرے۔

مثلاً خرچ کرنے کے یہاں بڑے موقعے ہیں۔ مہمان خانہ ہے۔ لنگر خانہ ہے۔ مدرسہ ہے۔ پھر بعض لوگ آتے ہیں لیکن وہ بے خرچ ہوتے ہیں۔ ان کو خرچ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور بعض دولتمند بھی آتے ہیں اور میں نے اکثر دفعہ لوگوں کو کہا ہے کہ وہ آکر اپنا سامان وغیرہ میرے حوالہ کر کے رسید لے لیا کریں کہ گم نہ ہوا کرے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔ اور ان کا سامان گم ہو جاتا ہے اور امداد کی ضرورت ان کو آپڑتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ محض اِبْتِغَاءً لِوَجْهِ اللّٰهِ یہاں رہتے ہیں۔ پھر دو اخبار بھی ہیں۔

اگرچہ ان کے مہتمم اپنے فرائض کو کماحقہ بجانہیں لاتے مگر تاہم ان کا ہونا غنیمت ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ (البقرہ:۲۶۶)۔ تو ان سب اخراجات کو مدنظر رکھنا اور ان موقعوں پر خرچ کرنا چاہئے۔ جو اہم امور ہیں وہاں اہم اور جو اس سے کم ہیں وہاں کم۔ درجہ بدرجہ ہر ایک کا خیال رکھو۔

اس وقت اور خرچ کی یہ مثال ہے جیسے ایک کسان تھوڑے سے دانے بو کر اور کھیت کو خدا کے سپرد کر کے چلا آتا ہے اور اگرچہ ان میں سے کچھ ضائع ہوتے ہیں۔ پرندے کھاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی منوں غلہ ان سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر بے وقت بونے سے وہ پیداوار محال ہے جو وقت پر بیج بونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

غرضیکہ ہر ایک چاند کو غنیمت جانو اور اپنی بہتری، کنبہ کی بہتری، خلق اللہ کی بہتری کو ہر وقت مدنظر رکھو اور نیک سلوک سے سب سے پیش آؤ۔ اس وقت جو مراتب تم کو مل سکتے ہیں پھر نہیں ملیں گے۔ اب ایک پیسہ سے جو کام نکلتا ہے وہ پھر ہزاروں کے خرچ سے نہ نکلے گا۔ خدا سے قوت مانگو کہ وہ نیکی کرنے کی اور بدی کو ترک کرنے کی توفیق دیوے۔ جس قدر بچے یہاں بورڈنگ میں رہتے ہیں وہ سب ہمارے بچے ہیں۔ ان کے لئے دعا کرتا ہوں کہ وہ سچے علوم میں ترقی کریں اور نیک بنیں۔ آمین۔

(بدر جلد ۳ نمبر۱--- یکم جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ تا ۶)

(الحکم جلد ۸ نمبر ۳--- ۲۴ر جنوری ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۲ تا ۱۴)

☆-☆-☆-☆

۲۲؍ جنوری ۱۹۰۴ء
مسجد اقصیٰ قادیان

خطبہ جمعہ

اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:۱۶۴)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے جسے ہر ایک طبقہ کے مسلمان خواہ مرد ہوں خواہ عورت' بچہ ہو یا بوڑھا' بداطوار ہو یا نیک اطوار' اعلیٰ ہو یا ادنیٰ' غرض کہ سب جانتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ دو برس اور ڈیڑھ برس کا بچہ بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جانتا ہے۔ اگر کسی سے سوال ہو کہ میاں تم مسلمان ہو؟ تو وہ جھٹ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے دیتا ہے۔ اب غور کرو اور سوچو کہ اس اقرار اور اس کے تکرار کرنے میں کیا سر ہے؟ کیا یہ ایک چھوٹی سی بات ہے جو کہ اہل اسلام کو بتلائی گئی تھی۔

نہیں' ہرگز نہیں۔ اس چھوٹے سے فقرے میں دو باتیں ہیں۔ اول حصہ میں تو انکار اور دوسرے میں اقرار ہے۔ اور ان چند ایک چھوٹے حرفوں میں اس قدر قوت اور زور ہے کہ اگر ایک شخص سو برس تک کافر رہے اور کفر کے کام بھی کرتا رہے لیکن اگر وہ اپنے آخر وقت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دے تو وہ

کافروں سے الگ اور مسلمانوں میں شمار ہونے لگ جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفتیں اور جنگیں اور بڑی بڑی خونریزیاں اور جانفشانیاں انہی دو حرفوں پر تھیں۔ انہی حرفوں کے ذریعہ سے اجنبی لوگ دور دور سے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے بن جایا کرتے تھے۔ کیا تمہارے خیال میں یہ کوئی منتر جنتر ہے؟ نہیں۔ یہ کوئی منتر جنتر نہیں ہے کہ بے معنے منہ سے کہہ دینے سے کوئی شعبدہ نظر آجاتا ہے۔ جب یہ بات ہے تو کیا ہر ایک مسلمان کا فرض نہیں ہے کہ وہ کم از کم غور تو کرلے کہ یہ ہے کیا؟ کہ جس کے ذریعے سے سو برس کا شریر النفس دشمن معتبر دوست بن جاتا ہے اور سو برس کا دوست اس کے انکار سے دشمن بن جاتا ہے۔

پیدائش کے بعد کچھ خواہشیں ہوتی ہیں جو کہ انسان کو لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ بھوک چاہتی ہے کہ غذا ملے اور شکم سیری ہو۔ پیاس چاہتی ہے کہ ٹھنڈا پانی ملے۔ آنکھ چاہتی ہے کہ کوئی خوش منظر شے سامنے موجود ہو۔ کان چاہتے ہیں کہ سریلی اور میٹھی آواز ان میں پہنچے۔ اسی طرح ہر ایک قوت الگ الگ اپنا تقاضا وقتاً فوقتاً کرتی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بعض وقت ایسے کام بھی کرتا ہے جن کو اس کا جی نہیں پسند کرتا۔ بعض تو ان میں سے ایسے ہیں کہ قوم' اپنے بیگانے' برادری اور اہل محلہ اور شہر والوں کی مجبوری سے کرتا ہے اور بعض کام حاکموں کے ڈر سے کرنے پڑتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں کسی نہ کسی کی بات کے ماننے کا بھی مادہ موجود ہوتا ہے۔ انسان تو درکنار حیوانوں میں بھی ہم ایک اطاعت کا مادہ پاتے ہیں۔ بندروں کو دیکھو کہ کس طرح سے ایک شخص کی بات مانتے چلے جاتے ہیں اور اسی طرح سے سرکس میں کتے' گھوڑے' شیر' ہاتھی وغیرہ بھی اپنے مالک کا کہا مانتے ہیں۔ پس انسان کو حیوانوں سے متمیز ہونے کے لئے ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر اپنے آقا اور مولا کی اطاعت کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹے سے کلمہ میں اول تو ہر ایک کو اپنے بیگانے یار' دوست' خویش' ہمسائے اور نفس و خواہش کی فرماں برداری سے منع فرمایا ہے اور اس کلمہ کا اول حصہ لَآ اِلٰہَ ہے۔ لیکن اگر کسی کا بھی کہا نہ مانا جاوے تو زندگی محال ہوتی ہے۔ انسان نہ کہیں اٹھ سکتا ہے' نہ بیٹھ سکتا ہے۔ نہ کسی سے مل جل سکتا ہے' نہ صلاح مشورہ لے سکتا ہے۔ نہ کوئی کسب وغیرہ کر سکتا ہے اور اپنی ضروریات مثل بھوک' پیاس' لباس اور معاشرت وغیرہ سب سے اسے محروم رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے آگے اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر ان سب باتوں کا گر بتلا دیا ہے کہ تم سب کچھ کرو لیکن اللہ کے فرماں بردار بن کر کرو۔ پھر دیکھو کہ دنیا تمہاری بنتی ہے کہ نہیں۔ کھانا کھاؤ۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ خدا کا حکم کُلُوْا ہے۔ پانی پیو۔ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ اِشْرَبُوْا خدا کا حکم ہے۔ اپنی بیبیوں سے

معاشرت کرو۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ عَاشِرُوْهُنَّ کا حکم ہے۔ غرضیکہ اسی طرح سے اپنے بیگانے ' ماں باپ اور حکام وقت کی اطاعت وغیرہ سب کاموں کو خدا کے حکم اور اطاعت کے موافق بجالاؤ۔ یہ معنے ہیں اِلَّا اللّٰہُ کے کہ میں حالت عسر اور یسر میں صرف خدا کا فرماں بردار ہوں۔

اب انسان کو غور کرنا چاہئے کہ صبح سے لے کر شام تک اور شام سے لے کر صبح تک جس قدر حرکت و سکون وہ کرتا ہے اگر وہ خدا کے حکم سے اور فرمان کے بموجب کرتا ہے تو وہ اس کلمہ میں سچا ہے ورنہ وہ اسے کہنے کا کیونکر مستحق ہے۔

میں یہاں کس لئے آیا ہوں۔ دیکھو بھیرہ میں میرا مکان پختہ ہے اور یہاں میں نے کچے مکان بنوا لئے اور ہر طرح کی آسائش مجھے یہاں سے زیادہ وہاں مل سکتی تھی۔ مگر میں نے دیکھا کہ میں بیمار ہوں اور بہت بیمار ہوں۔ محتاج ہوں اور بہت محتاج ہوں۔ لاچار ہوں اور بہت ہی لاچار ہوں۔ پس میں اپنے ان دکھوں کے دور ہونے کے لئے یہاں ہوں۔ اگر کوئی شخص قادیان اس لئے آتا ہے کہ وہ میرا نمونہ دیکھے یا یہاں آکر یا کچھ عرصہ رہ کر یہاں کے لوگوں کی شکایتیں کرے تو یہ اس کی غلطی ہے اور اس کی نظر دھوکا کھاتی ہے کہ وہ بیماروں کو تندرست خیال کرکے ان کا امتحان لیتا ہے۔ یہاں کی دوستی اور تعلقات ' یہاں کا آنا اور یہاں سے جانا اور یہاں کی بود و باش ' سب کچھ لا الہ الا اللہ کے ماتحت ہونی چاہئے ' ورنہ اگر روٹیوں اور چارپائیوں وغیرہ کے لئے آتے ہو تو بابا! تم میں سے اکثروں کے گھر میں یہاں سے اچھی روٹیاں وغیرہ موجود ہیں پھر یہاں آنے کی ضرورت کیا؟ تم اس اقرار کے قائل ٹھیک ٹھیک اسی وقت ہو سکتے ہو جب تمہارے سب کام خدا کے لئے ہوں۔ اگر کوئی تمہارا دشمن ہے تو اس سے خوف مت کرو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم:۹۷) کہ ایمان داروں اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے ہم خود دوست مہیا کر دیں گے۔ بڑی ضروری بات یہ ہے کہ تمہارا ایمان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ پر کامل ہو۔

مطالعہ کرو کہ ایک چھوٹے سے کلمے کی اطاعت کی جو ایک انگلی کے ناخن پر کھلا لکھا جا سکتا ہے کس قدر تاکید ہے۔ اس لئے اپنے ہر ایک کام اور عزت اور آبرو کے معاملہ میں اور سکھ اور دکھ میں جناب الٰہی سے صلح کرو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سوائے خدا کے سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔ یہ واقعہ دنیا میں بھی پیش آتا ہے۔ بیٹھے بٹھائے انسان کے پیٹ میں سخت درد شروع ہو جاتی ہے اور انسان ماہی بے آب کی طرح لوٹنے لگ جاتا ہے۔ بیوی سے بڑھ کر غمگساری اور ماں سے بڑھ کر محبت میں اور کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن دونوں میں سے ایک بھی اس کے دکھ کو دور نہیں کر سکتی جب

تک خدا کا فضل نہ ہو۔ پس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطالعہ کرو' اس پر کاربند ہو اور خدا کے سوا کسی اور کے فرمانبردار نہ بنو۔ اسی سے تم کو عزت آبرو اور دوست وغیرہ سب حاصل ہوں گے۔ تجربہ اور فہم کے لحاظ سے ہم جانتے ہیں کہ اس وقت خدا کا منشا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا راج ہو۔ پس تم اس دعویٰ میں سچے بن کر دکھلاؤ۔

(بدر جلد ۳ نمبر۵--- یکم فروری ۱۹۰۴ء صفحہ ۴'۵)
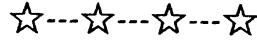
۲؍ دسمبر ۱۹۰۴ء

خطبہ جمعہ

یٰاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ۔قُمْ فَاَنْذِرْ۔وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (المدثر:۲تا۴) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے یہ آیت اس لئے انتخاب کی ہے کہ تمہیں بتلاؤں کہ کیا کرنا چاہئے اور اس کے لئے ہمیں کیسی تحریکیں اور تنبیہیں دی جاتی ہیں۔ پر ہم ایسے غافل ہیں کہ کانوں پر جوں نہیں رینگتی اور ہم کانوں سے غفلت کی روئی نہیں نکالتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی وحی کے بعد جو دوسری وحی ہوئی وہ یہی آیت ہے۔ یٰاَیُّھَاالْمُدَّثِّرُ قُمْ۔ مرسل کو جب وحی ہوتی ہے تو اس پر خدا کے کلام اور اس کی ہیبت کا ایک لرزہ آتا ہے۔ کیونکہ مومن حقیقت میں خدا تعالیٰ کا ڈر اور خشیت اور خوف رکھتا ہے۔ جس طرح کوئی بادشاہ ایک بازار یا سڑک پر سے گزرتا ہے اس سڑک میں ایک زمیندار جاہل جو بادشاہ سے بالکل ناواقف ہے کھڑا ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو زمیندار ہے' پر صرف اس قدر جانتا ہے کہ یہ کوئی بڑا آدمی ہے یا شاید حاکم وقت ہو گا۔ تیسرا وہ شخص کھڑا ہے کہ وہ منجملہ اہالیان ریاست ہے اور خوب جانتا ہے کہ یہ بادشاہ ہے اور ہمارا حاکم ہے۔ اور چوتھا وہ شخص کھڑا ہے جو بادشاہ کا درباری یا وزیر ہے۔ اس کے آداب و قواعد' آئین وانتظام' رعب وداب' رنج اور خوشی کے سب قواعد کا واقف اور جاننے والا ہے۔ پس تم جان سکتے

ہو کہ چاروں اشخاص پر بادشاہ کی سواری کا کیا اثر ہوا ہو گا۔ پہلے شخص نے تو شاید اس کی طرف دیکھا بھی نہ ہو۔ دوسرے نے کچھ توجہ اس کی طرف کی ہو گی اور تیسرے نے ضرور اس کو سلام بھی کیا ہو گا اور اس کا ادب بھی کیا ہو گا۔ پر چوتھے شخص پر اس کے رعب و جلال کا اس قدر اثر ہوا ہو گا کہ وہ کانپ گیا ہو گا کہ میرا بادشاہ آیا ہے۔ کوئی حرکت مجھ سے ایسی نہ ہو جاوے جس سے یہ ناراض ہو جاوے۔ غرض کہ اس پر ازحد اثر ہوا ہو گا۔ پس یہی حال ہوتا ہے انبیاء اور مرسل علیہم السلام کا۔ کیونکہ خوف اور لرزہ معرفت پر ہوتا ہے۔ جس قدر معرفت زیادہ ہو گی اسی قدر اس کو خوف اور ڈر زیادہ ہو گا اور وہ معرفت اس کو خوف میں ڈالتی ہے اور اس لرزہ کے واسطے ان کو ظاہری سامان بھی کرنا پڑتا ہے۔ یعنی موٹے اور گرم کپڑے پہننے پڑتے ہیں جو لرزہ میں مدد دیں۔ جب وہ الہام کی حالت جاتی رہی تو ان کے اعضاء اور اندام بلکہ بال بال پر ایک خاص خوبصورتی آجاتی ہے۔ پس اسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو اللہ تعالیٰ مخاطب فرما کر کہتا ہے کہ اے کپڑا اوڑھنے والے اور لرزہ کے واسطے سامان اکٹھا کرنے والے! کھڑا ہو جا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سست مومن اللہ تعالیٰ کو پیارا نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو پہلا حکم یہی ملا۔ پس یہی وجہ ہے کہ آج تک مسلمان واعظ جب احکام الٰہی سنانے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو کھڑے ہو کر سناتے ہیں۔ یہ اسی قسم کی تعمیل ہوتی اور اس میں نبی کریم کی اتباع کی جاتی ہے۔ بعض لوگ غافل اور سست نہ تو سامان بہم پہنچاتے اور نہ ان سامان سے کام لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں فرصت نہیں۔ پر یہ ساری ضرورتیں جو ہم کو ہیں نبی کریمؐ کو بھی تھیں۔ بیوی بچے' اہل و عیال وغیرہ وغیرہ۔ پر جب اس قسم کا حکم آیا فوراً کھڑے ہو گئے اس لئے کہ بادشاہ رب العالمین' احکم الحاکمین کا حکم تھا۔ پھر کام کیا سپرد ہوا۔ اَنْذِرْ۔

لوگ دو باتوں میں گرفتار تھے اور ہیں۔ وہ خدا کی عظمت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور کھانے پینے' عیش و آرام اور آسائش میں مصروف ہو گئے تھے۔ دوسرا باہمی محبت اخلاص' پیار نام کو نہیں رہا تھا۔ دوسروں کے اموال دھوکہ بازی سے کھا جاتے۔ مثلاً ہمارے پیشہ کی طرف ہی توجہ کرو۔ گندے سے گندے نسخے بڑی بڑی گراں قیمتوں سے فروخت کئے جاتے اور دھوکہ بازی سے لوگوں کا مال کھایا جاتا ہے۔ دوسروں کی عزت مال جان پر بڑے بے باک تھے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کسی نابینا کی لکڑی ہنسی سے اٹھالینا کہ وہ حیران و سرگرداں ہو' سخت گناہ ہے۔ پر ہنسی ٹھٹھا پر کچھ پروا نہیں۔ بدنظری' بدی' بدکاری سے پرہیز نہیں۔ کوئی شخص نہیں چاہتا کہ میرا نوکر میرے کام میں سست ہو۔ پر جس کا یہ نوکر ہے کیا اس کے کام میں سستی نہیں کرتا؟ دوکاندار ہے۔

طبیب ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب پیسہ دینے والے کے دل میں یہ ہے کہ مجھے ایسا مال اس قیمت کے بدلہ میں ملنا چاہئے' اگر اس کو اس نے نتیجہ تک نہیں پہنچایا تو ضرور حرام خوری کرتا ہے اور یہ سب باتیں اس وقت موجود نہیں۔

خدا کی پرستش میں ایسے سست تھے کہ حقیقی خدا کو چھوڑ کر پتھر' حیوانات وغیرہ مخلوقات کی پرستش شروع کی ہوئی تھی۔ اس قوم کی بت پرستی کی نظیریں اب موجود ہیں۔ ابھی ایک بی بی ہمارے گھر میں آئی تھی اور میرے پاس بیان کیا گیا کہ بہت نیک بخت اور خدا رسیدہ ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وظیفہ کرتی ہو؟ کہا مشکل کے وقت اپنے پیروں کو پکارتی ہوں۔ پس مجھے خیال ہوا کہ یہ پہلی سیڑھی پر ہی خطا پر ہے یعنی خدا کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہے۔

پس رسول کریمؐ کے زمانہ میں ایک طرف خدا کی بڑائی' دوسری طرف مخلوق سے شفقت چھوٹ گئی تھی اور خدا کی جگہ مخلوق کو خدا بنایا گیا تھا اور مخلوق کو سکھ پہنچانے کے بدلے لاکھوں تکالیف پہنچائی جاتی تھیں۔

اس لئے فرمایا۔ اَنْذِرْ ڈرانے کی خبر سنا دے۔ جب مرسل اور مامور آتے ہیں تو پہلے یہی حقوق ان کو سمجھائے جاتے ہیں۔ پس ایسے وقت میں امراض طاعون وغیرہ آتے ہیں۔ جنگ و قتال ہوتے ہیں۔ یہ ضرورت نہیں کہ اس مامور کی اطلاع پہلے دی جاوے یا ان لوگوں کو مامور کا علم ہو۔ کیونکہ لوگ تو پہلے خدا ہی کو چھوڑ بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر کھڑا ہو کر کیا کرو؟ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ خدا کی بزرگی بیان کر۔ اَكْبَرْ سے آگے بڑائی کا کوئی لفظ نہیں اور اس کے معنی ہی یہی ہیں کہ ایک وقت آقا کہتا ہے کہ میرا فلاں کام کرو۔ دوسری طرف ایک شخص پکارتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرْ آؤ نماز پڑھو۔ خدا سے بڑا آقا کوئی نہیں۔ ایک طرف بی بی عید کا سامان مانگتی ہے۔ دوسری طرف خدا کہتا ہے کہ فضولی نہ کر۔ اب یہ کدھر جاتا ہے۔ نیک معاشرت' نیک سلوک' بی بی کی رضاجوئی اور خوش رکھنے کا حکم ہے اور مال جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسری طرف حکم ہے کہ ناجائز مال مت کھاؤ۔ ایک طرف عفت اور عصمت کا حکم ہے' دوسری طرف بی بی موجود نہیں' ناصح کوئی نہیں اور نفس چاہتا ہے کہ عمدہ گوشت' گھی' انڈے' زعفرانی' متنجن' کباب کھانے کے واسطے ہوں۔ پھر رمضان میں اس سے بھی کچھ زیادہ ہوں۔ اب بی بی تو ہے نہیں۔ علم اور عمدہ خیالات نہیں۔ پس اگر خدا کے حکم کے خلاف کرتا ہے اور نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ اغذیہ کھاتا ہے تو لواطت' جلق' زنا' بدنظری میں مبتلا ہو گا۔ اسی لئے تو اصفیا نے لکھا ہے کہ انسان ریاضت میں سادہ غذا کھاوے۔

اس لئے ہمارے امام علیہ السلام نے میاں نجم الدین کو ایک روز تاکیدی حکم دیا کہ لوگ جو مہمان خانہ میں مجرد ہیں عام طور پر گوشت ان کو مت دو بلکہ دال بھی پتلی دو اور بعض نادان اس سر کو نہیں سمجھتے اور شور مچاتے ہیں۔ پس رسول کریمؐ نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ مکانوں اور چھتوں اور دیواروں اور منبروں پر چڑھ کر سنایا۔ پس شہوت اور غضب کے وقت بھی اس کو اَکْبَرُ ہی سمجھو۔

ایک شخص کو کسی شخص نے کہا کہ تو جھوٹا ہے۔ وہ بہت سخت ناراض ہوا اور اس کی ناراضگی امام کے کان میں پہنچی۔ آپ ہنس پڑے اور فرمایا کاش کہ اس قدر غضب کو ترقی دینے کی بجائے اپنے کسی جھوٹ کو یاد کر کے اس کو کم کرتا۔ حرص آتی ہے اور اس کے واسطے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت کے وقت حلال حرام کا ایک ہی چھرا چلا بیٹھتا ہے۔ ایسا نہیں چاہئے۔ ایک طرف عمدہ کھانا' دوسری طرف حکم کی خلاف ورزی' سستی کرنا اور یہ دونوں آپس میں نقیض ہیں۔ اس سے عجز اور کسل پیدا ہوتا ہے۔ پس ایسی جگہ میں شہوت پر عفت اور حرص پر قناعت اختیار کرے اور مالی اندیشے کر لیا کرے۔

مال کی تحصیل میرے نزدیک سہل اور آسان امر ہے۔ ہاں حاصل کر کے عمدہ موقع پر خرچ کرنا مشکل امر ہے۔ پس ایک طرف خدا شناسی ہو اور دوسری طرف مخلوق پر شفقت ہو۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا حصول۔ چار دفعہ تم اذان کے شروع میں ہر نماز سے پہلے سنتے ہو اور سترہ دفعہ امام تم کو نماز میں سناتا ہے۔ پھر حج میں' عید میں' رسول کریمؐ نے کیسی حکم الٰہی کی تعمیل کی ہے کہ ہر وقت اس کا اعادہ کرایا۔ اور یہ اس لئے کہ انسان جب ایک مسئلہ کو عمدہ سمجھ لیتا ہے تو علم بڑھتا ہے اور علم سے خدا کے ساتھ محبت بڑھتی ہے۔ پھر اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا جاتا ہے۔ جس کے معنے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہی معبود ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پھر جس طرح خدا نے حکم دیا اس طرح اس کی کبریائی بیان کر۔ جس طرح اس نے حکم دیا اسی طرح نماز پڑھ۔ اسی طرح اس سے دعائیں مانگ۔ پھر یہ طریق کس طرح سیکھنے چاہئیں۔ وہ ایک محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے' اس سے جا کر سیکھو۔ پھر جب ان احکام کی تعمیل میں تو مستعد ہو جاوے تو حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ آ نماز پڑھ کہ وہ تجھے بدی سے روکے۔ پھر نماز کے معانی سیکھنا کوئی بڑی بات نہیں۔ کودن سے کودن آدمی ایک ہفتہ میں یاد کر لیتا ہے۔

ایک امیر میرا مربی تھا۔ اس کے دروازہ پر ایک پوربی شخص صبح کے وقت پہرہ دیا کرتا تھا۔ ایک دن جو وہ صبح کی نماز کو نکلے تو وہ خوش الحانی سے گا رہا تھا۔ کہا تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ جواب دیا کہ پہرہ دار ہوں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا تمہارا پہرہ دن میں دو گھنٹہ کا ہوتا ہے' ہم تمہارا پہرہ پانچ وقت میں بدل دیتے

ہیں۔ تم تھوڑی تھوڑی دیر کے واسطے آجایا کرو اور نماز کے وقت میں پانچوں وقت اس کے وقت کو تقسیم کر دیا اور اس وقت جاتے جاتے اس کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے معنے سکھا دیئے کہ میری واپسی پر یاد رکھنا۔ چنانچہ جب وہ نماز صبح پڑھ کر واپس آئے تو اس نے یاد کر لئے تھے۔ آکر اس کو رخصت دے دی۔ پھر الحمد شریف کے معنے بتا دیئے۔ غرض عشاء کی نماز تک الحمد اور قل کے معنے اس نے پورے یاد کر لئے۔ ایک دفعہ کچھ عرصہ کے بعد اس کا پہرہ پچھلی رات میرے مکان پر تھا۔ میں نے سنا کہ وہ بارھویں پارہ کو پڑھ رہا تھا۔ غرض دریافت پر کہا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے بارہ پارہ بامعنے یاد کر لئے ہیں۔ پس قرآن کا پڑھنا بہت آسان ہے۔ نماز گناہ سے روکتی اور گناہ سے رکنے کا علاج ہے مگر سنوار کر پڑھنے سے۔ غافل سوتے ہوئے اٹھ کر نجات کے طالب بنو اور اذان کی آواز پر دوڑو۔ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر:۵) ہاں بلانے والا پہلے اپنا دامن پاک کر لے پھر کسی کو بلاوے۔ جب اذان سن لے تو درود پڑھے کہ یا اللہ! ہمارے نبیؐ نے کس جانفشانی اور محبت اور ہوشیاری سے خدا کی تکبیر سکھلائی اور ہم تک پہنچائی ہے' اس پر ہماری طرف سے کوئی خاص رحمت بھیج اور اس کو مقام محمود تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو توفیق دے۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۴۳' ۴۴---۱۷' ۲۴/ دسمبر ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۹)

☆-☆-☆-☆

۹؍ دسمبر ۱۹۰۴ء

خطبہ عید الفطر

اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ یُزَکِّیْھِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (البقرہ:۱۳۰) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

یہ ایک دعا ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب رب العزت اور رب العالمین‘ اللہ جلشانہ کے حضور مانگی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس دنیا میں اسلام کے آنے اور اس کے ثمرات کے ظہور کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل نے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ایک دعا کی تقریب پیدا کردی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تو ہمارا رب اور مربی اور محسن ہے۔ تیری عالمگیر ربوبیت سے جیسے جسم کے قویٰ کی پرورش ہوتی ہے‘ عمدہ اور اعلیٰ اخلاق سے انسان مزین ہوتا ہے‘ ویسے ہی ہماری روح کی بھی پرورش فرما اور اعتقادات کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا۔ اے اللہ! اپنی ربوبیت کی شان سے ایک رسول ان میں بھیجیو جو کہ "مِنْھُمْ" یعنی انہی میں سے ہو اور اس کا کام یہ ہو کہ وہ صرف تیری (اپنی نہیں) باتیں پڑھے اور پڑھائے اور صرف

یہی نہیں بلکہ ان کو سمجھا اور سکھلا بھی دے۔ پھر اس پر بس نہ کیجیو بلکہ ایسی طاقت' جذب اور کشش بھی اسے دیجیو جس سے لوگ اس تعلیم پر کاربند ہو کر مزکی اور مطہر بن جاویں۔ تیرے نام کی اس سے عزت ہوتی ہے کیونکہ تو عزیز ہے اور تیری باتیں حق اور حکمت سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اس دعا کی قبولیت کس طرح سے ہوئی وہ تم لوگ جانتے ہو۔ اور یہ صرف اس دعا ہی کے ثمرات ہیں جس سے ہم فائدے اٹھاتے ہیں۔

دعا ایک بڑی عظیم الشان طاقت والی شے ہے۔ علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے جب دوسرے نبیوں کی کامیابیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کا باعث بھی صرف دعا ہی کو پاتے ہیں۔ وہ دعا ہی تھی جس نے حضرت آدم کو کرب و بلا سے نجات دی۔ اور وہ دعا ہی تھی جس نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو پار لگایا۔ قرآن شریف کے ابتداء میں بھی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ:۶) اور انتہا بھی دعا ہی پر ہے یعنی اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس:۲)۔ جب ہم نبی کریم علیہ السلام کی زندگی پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے چلنے پھرنے' اٹھنے بیٹھنے' کھانے پینے' نماز کے ادا کرنے' سودا سلف لانے' بات چیت کرنے' غرضیکہ ہر ایک کی ابتداء دعا ہی سے ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ مضطر کی تسکین کا باعث اور کمزور طبائع کی ڈھارس یہی دعا ہے۔ جب انسان کسی غرض کی تکمیل کے لئے ظاہری سامان مہیا کرتا ہے تو اسے یہ علم ہرگز نہیں ہوتا کہ اس سے ضرور وہ غرض حاصل ہو جاوے گی۔ کیونکہ سامان کے بہم پہنچ جانے کے بعد اور مخفی در مخفی ایسے اسباب اور واقعات کی ضرورت ہوتی ہے جن پر اس کا علم ہرگز محیط نہیں ہوتا' تو اس وقت صرف دعا ہی ایک ایسا ذریعہ ہوتا ہے جس سے وہ اپنی غرض مطلوبہ کے حاصل کرنے کے لئے امداد طلب کر سکتا ہے اور اسی سے وہ مخفی در مخفی اسباب میسر ہو جاتے ہیں جن سے اس غرض کی تکمیل ہوتی ہے۔

بعض کمزور طبائع جو کہ دعا کی اس خوبی سے ناواقف ہیں ان کو چاہئے اور لازم ہے کہ اسے ایک مجرب نسخہ مان کر استعمال کریں۔ کیونکہ یہ ہزارہا راستبازوں کا تجربہ کیا ہوا ہے۔ طبابت میں بھی عمدہ اور اعلیٰ نسخہ وہی ہوتا ہے جو کہ بہت سے بیماروں پر مفید ثابت ہوا ہو۔ اور اگرچہ ایک دو کو مضر بھی ہو لیکن فائدہ کی کثرت اس کے عمدہ ہونے پر کافی دلیل ہوتی ہے۔ یہی حال دعا کا ہے۔ ہر ایک کی طبیعت ایجاد نہیں کر سکتی۔ اس لئے عام اور کمزور طبائع کے لئے مجربات کا استعمال داناؤں نے بھی تجویز کیا ہے۔ اس لئے اس قسم کے لوگوں کو بھی پہلے فرضی طور پر اس کی خوبیوں کو مان کر اس پر عملدرآمد شروع کرنا چاہئے۔ جس قدر بڑے بڑے علوم ریاضی' ہندسہ' جغرافیہ' علم الافلاک' صرف و نحو وغیرہ ہیں ان سب کی ابتداء

اول فرض پر ہے۔ پھر اس پر ہی انسان ترقی کر کے بڑے بڑے عظیم الشان نتائج پر پہنچ جاتا ہے۔ ایک پولیس مین کے کہنے پر فرضی طور پر ایک گھر کی تلاشی لی جاتی ہے۔ اگرچہ صرف ظنی امر ہوتا ہے مگر بسااوقات مال بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ پس مومن کو چاہئے کہ نبی کریم کی تعلیم سے اور سابقہ راستبازوں کے تجربہ کی بناء پر دعا کو ذریعہ بناوے اور اپنی کمزوری کی آگاہی کے لئے بھی دعا ہی کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ دعا کیسی عجیب اور ضروری شے ہے۔ دعا کے ساتھ خدا تعالیٰ نے صبر کی بھی تعلیم دی ہے کیونکہ بعض وقت مصلحت الٰہی سے جب دعا کی قبولیت میں دیر ہوتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ پر سوء ظن کرنے لگتا ہے اور نفس دعا کی نسبت اسے شکوک اور شبہات پیدا ہو جاتے ہیں اس لئے استقلال اور جناب الٰہی پر حسن ظن رکھے۔

جو آیت میں نے پڑھی ہے وہ ثمرہ دعا ابراہیمؑ ہے اور اس میں ظاہر فرمایا ہے کہ ایک رسول ہونا چاہئے جو کہ تیری آیات پڑھے اور پڑھائے اور لوگوں کو مزکی اور مطہر کرے۔ یہ تین باتیں ہیں جو کہ اس دعا کے ذریعہ چاہی گئی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اول دو باتیں تعلیم اور تعلّم تو اب تک موجود ہیں۔ بچہ بچہ اور عورتیں اور مرد اور حفاظ قرآن کی تلاوت میں مصروف ہیں اور عالموں اور واعظوں کے ذریعہ سے لوگوں کو قرآن شریف کے اسرار و حقائق کا بھی کچھ نہ کچھ علم ہوتا ہے۔ اور دونوں سلسلوں نے اب تک جاری رہ کر اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نے قبولیت کا شرف دو تہائی حصہ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن کیسے افسوس کی بات ہو گی اگر ہم یہ مان لیں کہ اس دعا کی جزو اعظم، دوسروں کو مزکی و مطہر بنانے کا کوئی سلسلہ نبی کریم کی طرف سے موجود نہ ہو۔ رسول کی بعثت کی علت غائی اور دعا کا مغز اور لب لباب تو یہی تھا۔ اور پھر اگر یہی نہیں رہا تو دعا کی قبولیت کیا ہوئی۔ خدا تعالیٰ کو چونکہ علم تھا کہ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو کہ اس دعا کی قبولیت کی نفی کریں گے اس لئے اس نے اپنے پاک کلام میں وعدہ فرمایا۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر:۱۰) اور دوسری جگہ فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ (النور:۵۶) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے جانشین لوگوں کو مزکی اور مطہر بناتے رہیں گے۔ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ (النور:۵۶) جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس میں طاقت پیدا کر دیں گے اور ایسی مقدرت عطا کریں گے جس سے نفوس کا تزکیہ ہو۔ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا (النور:۵۶) ان کو مشکلات بھی پیش آویں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی پناہ ہو گا۔

مشکلات پیش آنے کا یہ باعث ہوا کرتا ہے کہ انسانی طبائع کسی کا محکوم ہونے میں مضائقہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہماری حکومت کو یہ لوگ طوعاً اور کرہاً مانتے ہیں۔ پس جب خدا کی حکومت کا یہ حال ہے تو پھر جب انبیاء علیہم السلام کی حکومت ہوتی ہے اس وقت لوگوں کو اور بھی اعتراضات سوجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ لَوْ لَانُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:۳۲) کہ وحی کا مستحق فلاں رئیس یا عالم تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ لوگ رسول کی بعثت کے لئے خود بھی کچھ صفات اور اسباب تجویز کرتے ہیں جس سے ارادہ الٰہی بالکل لگا نہیں کھاتا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ جب رسول کے خلیفہ کی حکومت ہو' تب تو ان کو مضائقہ پر مضائقہ اور کراہت پر کراہت ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ (الزخرف:۳۳) کہ کیا یہ لوگ الٰہی فضل کی خود تقسیم کرتے ہیں؟ حالانکہ دیکھتے ہیں کہ وجہ معاش میں ہم نے ان کو خود مختار نہیں رکھا اور خود ہم نے اس کی تقسیم کی ہے۔ پس جب ان کو علم ہے کہ خدا کے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے تو پھر انبیاء اور ان کے خلفاء کا انتخاب بھی اس کے ارادہ سے ہونا چاہئے۔

سورۃ حجرات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (الحجرات:۸) کہ تم میں محمدؐ خدا کا رسول ہے۔ اگر تمہاری رائے پر چلے تو تمہیں مشکلوں اور دکھوں کا سامنا ہو۔ یہ خدا کا ہی انتخاب ہے جو کہ اپنا کام کئے جا رہا ہے۔ یہ اسی کا فعل ہے کہ امام بناوے' خلیفہ بناوے۔ تمہاری سمجھ وہاں کام نہیں آسکتی۔ "رموز سلطنت خویش خسرواں دانند۔" اگر اللہ تعالیٰ ایک شخص کو ہمارے کہنے سے مامور کر دے اور اس کے اخلاق ردی ثابت ہوں' ظالم' خود غرض' کینہ پرور نکل آوے تو دیکھو کس قدر مشکل پڑے۔ اسی لئے لوگوں کو انجمنوں اور سماجوں میں اپنے منتخب کردہ پریذیڈنٹوں کو منسوخ کرنا پڑتا ہے یا وہ لوگ خود الگ ہو جاتے ہیں۔ انسان جب سے پیدا ہوا ہے اپنے جسم کو چیر پھاڑ رہا ہے اور زمین کا ایک ایک روڑا الٹ دیا ہے۔ صرف اس لئے کہ اس کے بچاؤ کا سامان نکل آوے مگر دیکھ لو کہ کچھ پیش نہیں گئی۔ فن جراحی میں کمال کر دیا۔ ہر ایک مرض کے جرم معلوم ہو گئے ہیں مگر پھر بھی بیماریاں ہیں۔ موت کا بازار گرم ہے۔ اس نے زمانہ سے ۳ لاکھ سال پیشتر تک کا پتہ دیا ہے کہ یہ تھا۔ لیکن کل کیا ہو گا یا چند منٹوں کے بعد کیا پیش آنے والا ہے؟ اس کا اسے علم نہیں۔ پھر کیسی نادانی ہے کہ اس قدر عظیم الشان کام کے انتخاب کو اپنے ذمہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ نبی اور مامور ہمارے کہنے سے ہو۔

پس سوچنے کا مقام ہے کہ جب تلاوت اور تعلیم کا سلسلہ اس دعا کے مطابق ختم نہیں ہوا تو پھر

تزکیہ نفس کا سلسلہ یعنی مامورین الٰہی کا وجود کیوں ختم ہو جاوے؟ اور جیسے رسولوں کی رسالت کسی کی رائے اور کہنے پر نہیں ہوتی تو خلافت کسی کے کہنے سے کیوں ہو؟ جو مامور اور مرسل آتے ہیں وہ خدا ہی کے انتخاب سے آتے ہیں۔ مخالفت صرف اس لئے ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی ہو اور وہ بتلاوے کہ یہ ہمارا انتخاب اور ہمارے ہاتھ کا پودا ہے۔ اسی لئے ان لوگوں کے بیرونی اور اندرونی دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جن کو یہ لوگ بڑے زور سے چیلنج دیتے ہیں۔ اِعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّی عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (الانعام:۱۳۶) کہ تم اپنی جگہ کوئی دقیقہ میری تباہی اور ناکامی کا ہرگز نہ چھوڑو اور کام کئے جاؤ اور میں بھی اپنا کام کر رہا ہوں۔ انجامکار خود پتہ لگ جاوے گا کہ مظفرو منصور کون ہے؟ عَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَکُمْ وَ شُرَکَآئَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ (یونس:۷۲) کہ میرا بھروسہ خدا پر ہے۔ تم سب جمع ہو کر جو حیلہ چاہو کر لو اور ایسا کرو کہ تم کو اپنی کامیابی میں کوئی شک وشبہ نہ رہے اور کوئی مفر میرے لئے نہ رہنے دو۔ پھر دیکھ لو کہ تم ناکام اور میں بامراد ہوتا ہوں کہ نہیں۔ پس ایسے ایسے موقعوں پر خدا تعالیٰ اپنے مرسلوں کے دشمنوں کو بیدست وپا کر کے بتلاتا ہے کہ دیکھو میں اس کا محافظ ہوں کہ نہیں اور یہ ہمارا مرسل ہے کہ نہیں۔ غرضیکہ انبیاء کی بعثت میں ایک سر ہوتا ہے کہ ان کے ذریعہ سے الٰہی تصرف اور اقتدار کا پتہ لگتا ہے۔

بیعت کے معنے اپنے آپ کو بیچ دینے کے ہیں اور جب انسان کسی کو دوسرے کے ہاتھ پر بیچ دیتا ہے تو اس کا اپنا کچھ نہیں رہتا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے نفسوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیچ کر آپ کی اطاعت کو کہاں تک مدنظر رکھا ہوا تھا' اس کا حال دو حکایتوں سے معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر میں کرتا ہوں۔ جمعہ کے روز خطبہ ہو رہا تھا اور لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ ابن مسعودؓ ایک صحابی اس وقت مسجد کی گلی میں آرہے تھے۔ آپ کو بھی یہ آواز پہنچ گئی اور جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا کہ میں نے سمجھا کہ خدا معلوم مسجد جانے تک جان ہو گی یا نہ۔ یہ حکم سنا ہے۔ اسی وقت اس کی تعمیل کر لوں۔

دوسرا واقعہ ایک صحابی کعب نامی کا ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور دولتمند آدمی تھا۔ آپؐ نے جب غزوۂ تبوک کی تیاری کا حکم جماعت کو دیا تو ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ تیاری کرنے لگا اور کعب نے خیال کیا کہ چونکہ میں ایک امیر آدمی ہوں اس لئے جس وقت چاہوں گا ہر ایک سامان مہیا کروں گا۔ چونکہ بستی کوئی بڑی نہ تھی کہ افراط سے ہر ایک شے موجود ہوتی' اس لئے لوگ تو طیاری

کر کے روانہ ہو گئے اور کعب پیچھے رہ گیا۔ جب وہ بازار میں گیا تو اسے کچھ بھی نہ ملا۔ اس کاہلی اور سستی کا اور کیا نتیجہ ہوتا۔ آخر کار شمولیت سے محروم رہا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو کعب ایک حدیث میں خود بیان کرتا ہے مجھے غم نے تنگ کیا اور میں جھوٹ بولنے کا ارادہ کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ ایسی بات کہوں کہ آپؐ کے غصہ سے بچ جاؤں اور اپنی برادری کے ہر عقلمند سے اس میں اعانت کا طلبگار ہوا۔ جب خبر لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اس وقت مجھ سے یہ کذب دور ہو گیا اور میں نے جان لیا کہ آپؐ کے روبرو جھوٹ بولنے سے مجھے کبھی نجات نہ ہو گی۔ پس میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الصباح مدینہ میں آ پہنچے۔ اور جب آپؐ سفر سے تشریف لایا کرتے تھے تو اول مسجد میں نزول فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں کی ملاقات کے لئے وہاں ہی بیٹھ گئے۔ پس مختلف لوگ آتے اور سوگند کھا کھا کر اپنے تخلف کے عذر آپ کے سامنے بیان کرتے تھے اور یہ لوگ اسی آدمی سے کچھ زیادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرمایا اور ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمائے۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر غضبناک آدمی کی طرح تبسم فرمایا اور مجھے کہا آگے آ۔ میں سلام کہہ کر آپؐ کے آگے بیٹھ گیا۔ پھر آپؐ نے مجھے فرمایا کہ تو کس سبب پیچھے رہ گیا۔ کیا تو نے سواری خرید نہیں کی تھی؟ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ اگر آج میں آپ کے سوا کسی دنیادار آدمی کے روبرو ہوتا تو خدا تعالیٰ نے مجھے کلام میں ایسی فصاحت عطا کی ہے کہ آپ دیکھتے کہ میں عذر بیان کر کے اس کے غصہ سے صاف نکل جاتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر میں آج جھوٹ بول کر آپ کو خوش بھی کر لوں گا تو عنقریب خدا تعالیٰ آپ کو مجھ پر غضبناک کر دے گا۔ مگر خدا تعالیٰ سے مجھے عافیت کی امید ہے۔ خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ مجھے کوئی عذر نہ تھا اور میں تخلف کے وقت پہلے سے بھی قوی اور خوش گذران تھا۔ (میری عرض سن کر) آپ نے فرمایا۔ بیشک اس نے سچ کہا (اور مجھے فرمایا) اٹھ کھڑا ہو اور چلا جا تا کہ خدا تعالیٰ تیرے حق میں فیصلہ کرے (میں اٹھ کھڑا ہوا) اور بنی سلمہ میں سے کچھ آدمی میرے پیچھے ہو لئے اور مجھے کہتے تھے۔ خدا تعالیٰ کی قسم ہے، ہم نہیں جانتے کہ تو نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہو۔ آج تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایسے ہی عذر کیوں نہ کئے جیسے دوسرے متخلفوں نے کئے تھے۔ تیرے گناہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کافی تھا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ وہ لوگ ایسے میرے پیچھے ہوئے کہ ان کے کہنے سے میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ لوٹ کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں اپنی پہلی تقریر کی تکذیب کروں۔ پھر میں نے ان سے پوچھا کہ اس کام میں میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے (یعنی کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے میری جیسی تقریر کی ہو)۔ انہوں نے کہا ہاں دو آدمیوں نے تیری جیسی تقریر کی ہے اور ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایسا ہی فرمایا ہے جیسا تجھے فرمایا ہے۔ میں نے کہا وہ دونوں کون کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ایک مرارہ بن ربیعہ عامری اور دوسرا ہلال بن امیہ واقفی۔ وہ کہتا ہے کہ لوگوں نے ایسے دو آدمی صالح کا نام لیا کہ جو بدر میں حاضر ہوئے تھے اور جن کا اقتدا کرنا چاہئے تھا۔ کہتا ہے جب انہوں نے میرے روبرو ان دونوں کا ذکر کیا تو میں چلا گیا اور لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس پہلی تقریر کی تکذیب کرنے نہ گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ متخلفین میں سے ان تین آدمی سے کوئی کلام نہ کرے۔ کہتا ہے کہ لوگ ہم سے اجتناب کر گئے یا کہا کہ لوگ ہم سے متغیر ہو گئے کہ وہ زمین بھی مجھے اوپری معلوم دینے لگی۔ گویا وہ زمین ہی نہ تھی جس کو میں پہچانتا تھا۔ پس ہم پچاس رات اسی حال میں مبتلا رہے۔ میرے ان دونوں یاروں نے عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ کر رونا شروع کیا۔ اور میں جوان دلیر تھا۔ بازاروں میں پھرتا تھا اور نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ مگر مجھ سے کوئی کلام نہ کرتا تھا اور میں نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو آن کر سلام کہتا اور دیکھتا کہ سلام کے جواب میں آپؐ کے لب مبارک نے حرکت کی ہے کہ نہیں۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے قریب کھڑا ہو کر نماز پڑھتا اور آنکھ چرا کر آپ کی طرف

دیکھتا۔ جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف نظر کرتے اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپؐ منہ پھیر لیتے۔ جب مسلمانوں کی کڑائی مجھ پر بہت ہو گئی تو ایک دن میں ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پھاند کر جو میرا چچازاد بھائی تھا اور میری اس سے بہت محبت تھی باغ میں گیا۔ میں نے اس کو السلام علیکم کہا مگر اس نے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے کہا۔ اے ابو قتادہ! میں تجھے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تجھے معلوم ہے کہ میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے محبت رکھتا ہوں۔ وہ خاموش رہا اور مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے پھر اس کو قسم دے کر کہا۔ وہ خاموش ہی رہا اور مجھے کچھ جواب نہ دیا۔ میں نے پھر تیسری دفعہ جب قسم دے کر کہا تو اس نے اس قدر کہا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم خوب جانتے ہیں۔ یہ سنتے ہی میرے اشک جاری ہو گئے اور اسی طرح سے دیوار پر سے ہو کر وہاں سے نکل آیا۔ میں بازار میں چلا جاتا تھا کہ ایک آدمی شام کے لوگوں میں سے جو مدینہ میں غلہ فروخت کرنے کو آئے تھے کہتا پھرتا تھا کہ کوئی مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتلاوے۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر

دیا۔ اس نے مجھے غسان کے حاکم کا خط دیا اور چونکہ میں لکھا پڑا تھا میں نے وہ خط پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔ امابعد! ہم کو خبر پہنچی ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر ظلم کیا اور خدا تعالیٰ نے تجھے ذلیل وضائع نہیں کیا۔ تو ہمارے پاس چلا آ‘ ہم تیری پرورش کریں گے۔ خط پڑھ کر میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ بھی ایک بلا آئی۔ (کفار کو ہماری طرف طمع ہو گئی) میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا۔ جب اس حال کو چالیس روز ہو گئے تو ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا آیا اور مجھے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے فرمایا ہے کہ تو اپنی عورت سے علیحدہ ہو جا۔ میں نے کہا کہ آپ نے طلاق دینے کو فرمایا ہے یا کیا؟ اس نے کہا طلاق کو نہیں فرمایا۔ مجامعت سے منع فرمایا ہے اور دوسرے دونوں میرے یاروں کو بھی یہی کہلا بھیجا ہے۔ میں نے اپنی عورت کو کہا کہ جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ کا حکم نہیں آتا تو اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا۔ اور ہلال بن امیہ کی عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہلال بن امیہ بوڑھا ناکارہ ہے۔ اس کا خادم کوئی نہیں۔ کیا آپ اس کی خدمت کرنے سے مجھے منع فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں‘ بلکہ وہ تجھ سے مقاربت نہ کرے۔ اس نے عرض کی کہ خدا تعالیٰ کی قسم ہے وہ اس کام کے لائق ہی نہیں۔ واللہ! وہ جس روز سے اس حال میں مبتلا ہوا ہے آج تک دن رات روتا ہی رہا ہے۔ بعضے لوگوں نے مجھے کہا کہ تو بھی اپنی عورت کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کر جیسے ہلال کی عورت نے آپ سے اس کی خدمت کرنے کا اذن لے لیا ہے۔ میں نے کہا اگر میں اس امر میں آپؐ سے عرض کروں‘ معلوم نہیں آپ کیا جواب دیں اور میں جوان آدمی ہوں (یعنی عورت کے پاس ہوتے مجھے صبر کرنا مشکل ہے)۔ یہاں تک کہ دس رات اور گذر گئیں اور ہمارے اس حال کو پچاس راتیں ہو گئیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی چھت پر پڑھ کر اسی حالت میں بیٹھا تھا جیسے خدا تعالیٰ نے قرآن میں ہماری خبر دی ہے اور میرا دم بسبب غم کے بند ہو رہا تھا اور زمین باوجود کشائش کے مجھ پر تنگ ہو رہی تھی کہ میں نے ایک آدمی کی آواز سنی کہ پہاڑ سلع پر باآواز بلند کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک! تجھے بشارت ہو۔ میں سنتا ہی سجدہ میں گر پڑا اور جان گیا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کشائش آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھتے ہی لوگوں کو ہماری توبہ کے قبول ہونے کی خبر کر دی۔ لوگ ہم کو بشارت دینے شروع ہو گئے اور دونوں میرے یاروں کے پاس بھی بشارت دینے والے پہنچے اور ایک گھوڑا دوڑا کر میری طرف آیا اور ایک آدمی نے بنی اسلم میں پہاڑ پر چڑھ کر آواز کی۔ آواز گھوڑے کے سوار سے پہلے پہنچی جب وہ شخص جس کی آواز میں نے سنی تھی میرے پاس آیا تو میں نے اپنے دونوں

کپڑے اتار کر بشارت کے عوض میں اس کو پہنا دیئے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اس روز میرے پاس وہی کپڑے تھے جو دے دیئے اور میں نے دو کپڑے عاریتاً لے کر پہن لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر کے چلا۔ راستہ میں لوگ مجھے ملتے تھے اور توبہ کی قبولیت کی تہنیت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تجھے مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمائی حتیٰ کہ میں مسجد میں پہنچا۔ وہاں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے گرد مجتمع تھے۔ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مجھے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور دوڑ کر مجھ سے مصافحہ کیا اور تہنیت دی۔ واللہ! مہاجرین میں سے اس سے سوا دوسرا میری خاطر کوئی کھڑا نہیں ہوا۔ کعب طلحہ کے اس کام کو ہمیشہ یاد کیا کرتا تھا۔ کعب کہتا ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تجھے بشارت ہو ایسے دن کی' جب سے تو ماں سے پیدا ہے' اس دن سے بہتر کوئی دن تجھ پر نہیں آیا۔ میں نے گذارش کی کہ بشارت آپ ی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ فرمایا' نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا چہرۂ مبارک خوشی کے وقت ایسا روشن ہو جایا کرتا تھا کہ گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ اور ہم اس حالت کو خوب جانتے تھے۔ میں نے آپ کے سامنے بیٹھ کر گذارش کی کہ یا رسول اللہ! میری توبہ میں سے ہے کہ میں اپنا مال صدقہ کر دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے لئے رکھ لے کہ یہ تیرے حق میں بہتر ہے۔ میں نے عرض کی کہ خیبر کی غنیمت میں سے جو مجھے حصہ ملا تھا وہ میں اپنے لئے رکھتا ہوں۔ میں نے پھر عرض کی۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرے صدق کے سبب مجھے نجات دی ہے۔ یہ بھی میری توبہ میں سے ہے کہ آئندہ میں اپنی زندگی میں سچ کے سوا کوئی بات نہ کروں گا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ جس دن سے میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے عرض کی ہے اس دن سے کسی مسلمان پر اللہ تعالیٰ نے ایسا انعام نہیں کیا جیسا صدق کے باعث مجھے انعام کیا ہے اور اس دن سے آج تک کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ اور امید ہے کہ خدا تعالیٰ آئندہ بھی مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔

اب دیکھو کہ فرمانبرداری اس کا نام ہے کہ جماعت سے ایک شخص الگ کیا جاتا ہے۔ بیوی کو بھی حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے پاس نہ جاوے اور دشمن کی طرف سے دلداری اور امداد کا وعدہ ملتا ہے مگر سرمو فرق نہیں آتا۔ غرضیکہ فرمانبرداری میں اپنے آپ کو دیتے وقت یہ ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ کسی شیطان کی بیعت تو نہیں کرتے۔ اس لئے کثرت سے استغفار اور لاحول کرنی چاہئے کہ کہیں سابقہ بدیاں اور غلطیاں ٹھوکر کا موجب نہ ہوں۔ یہ خدا ہی کا دست قدرت ہوتا ہے جو کہ ایک نبی کا قائمقام کسی کو بناتا ہے۔ ان

پر مشکلات آتی ہیں مگر خدا بدلہ دیتا ہے۔ ان لوگوں میں تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ دونوں کمالات ہوتے ہیں۔ خدا کی کاملہ صفات کے یہ لوگ گرویدہ ہوتے ہیں اور مخلوق کی بے ثباتی اور لاشے ہونا ان کو بتلاتا ہے کہ خدا کا شریک کوئی نہیں ہے۔ اگر مزکی ہونا انسان کی اپنی طاقت کا کام ہوتا تو عقلمند اور مادی علوم کے محقق اعلیٰ درجہ کے پارسا ہوتے۔ مگر اسی قسم کے لوگ گمراہ خبث ہو کر خدا سے دور چلے جاتے ہیں۔ اس لئے مزکی ہونے کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی آدمی جس میں کشش اور جذب کی طاقت ہو' آوے۔ اس قسم کے انسان آتے ہیں لیکن لوگوں کے اندر جو غلط کاریاں ہوتی ہیں ان سے بعد ہو جاتا ہے۔ ان غلط کاریوں کی ایک بڑی اصل کبر ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے اول تواریخی واقعہ میں کیا ہے اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکَافِرِیۡنَ (البقرہ:۳۵)۔ اس سے ظاہر ہے کہ اول انکار اور کبر ہی ایک ایسی شے ہے جو کہ فیضان الٰہی کو روک دیتی ہے۔ طاعون کے گذشتہ دورہ میں جو الہام حضرت اقدس کو ہوا تھا اس میں بھی ایک شرط لگی ہوئی تھی کہ اِنِّیۡ اُحَافِظُ کَلَّ مَنۡ فِی الدَّارِ اِلاَّ الَّذِیۡنَ عَلَوۡا بِاسۡتِکۡبَارٍ (تذکرہ)۔ کبر تزکیہ نفس کی ضد ہے اور دونوں چیزیں ایک جا جمع نہیں ہو سکتیں۔

دوسری بات جو کہ انسانی ترقی کی سد راہ ہوتی ہے وہ اس کا نفاق ہے کہ جب کوئی دکھ ہوتا ہے تو خدا سے لمبے چوڑے وعدے کرتا ہے کہ اگر یہ دکھ مجھ سے دور ہو جاوے تو میں فلاں فلاں کام کروں گا۔ تیری عبادت کروں گا۔ صدقہ دوں گا۔ دین کی خدمت کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسے مواقع لوگوں کو بے روزگاری' تنگی معاش' کمی تنخواہ' اپنی اور بال بچوں کی بیماری وغیرہ میں پیش آتے ہیں۔ لیکن جب مشکل کا پہاڑ ٹل جاتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ کہ منافق ہو کر مرتے ہیں۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا (التوبہ:۷۷) اباء' استکبار' بدعہدی یعنی نفاق' یہ تین باتیں ہوئیں۔ چوتھی جھوٹ کی عادت ہے جو کہ انسان کو فیض الٰہی سے محروم رکھتی ہے۔ پس چاہئے کہ ہمیشہ اپنا اندرونا ٹٹولتے رہو کہ ان عیبوں میں سے کوئی ہمارے اندر تو نہیں ہے۔ ایک طرف محرومی کے اسباب پر غور کرے۔ دوسری طرف توبہ و استغفار سے کام لے۔ ورنہ یاد رکھو کہ بڑے خطرہ کا مقام ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ایک قوم نکلی تھی اور موسیٰؑ نے ان کو الٰہی ارادوں سے اطلاع بھی دے دی تھی کہ وہ تم پر انعام کرنا چاہتا ہے اور جتلا دیا تھا کہ اگر تم حکم نہ مانو گے تو خائب و خاسر ہو گے مگر قوم نے عذر تراشے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس سال جنگل میں بھٹکتے رہے اور ترقی کی رفتار روک دی گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعض وقت لوگوں کے اعمال ایک مامور کو بھی مشکل میں ڈالتے ہیں۔ اس لئے تم لوگوں کو فکر چاہئے کہ

ایک شخص مامور مرسل تم میں موجود ہے۔ تم نے اپنی برادری اور قوم اور خویش و اقارب کی پروانہ کر کے اس کے ہاتھ پر خود کو فروخت کر دیا ہے۔ اگر تم میں وہی بلائیں اور ظلمتیں موجود ہیں جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ والوں میں تھیں تو تم اس کے راستہ میں روک ڈالتے اور خود فیض سے محروم رہتے ہو۔ جو دنیا میں تو اسے قبول کر کے ناپسندیدہ بن گئے مگر اب خدا کے نزدیک نہ بنو۔

انسانی ترقی کا بڑا ذریعہ انسان کے ذاتی اخلاق ہوتے ہیں جن سے وہ واحد شخص خود اپنے نفس میں سکھ پاتا ہے اور امن اور آرام کی زندگی بسر کرتا ہے۔ مثلاً اگر وہ کسی کی نعمت دیکھ کر حسد نہیں کرتا تو اس سوزش اور جلن سے محفوظ رہتا ہے جو کہ حاسد کے دل کو ہوتی ہے۔ اگر کوئی دوسرے کو دیتا ہے تو یہ طمع نہیں کرتا تو اس عذاب سے بچا رہتا ہے جو کہ طمع کرنے سے ہوتا ہے۔ ایسے ہی جو لوگ اخلاق فاضلہ حاصل کرتے ہیں وہ جزع فزع، شہوت اور غضب کے تمام دکھوں اور آفتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ ذاتی سکھ کے ذرائع اخلاق فاضلہ ہیں۔ یہ بھی فضل کی ایک قسم ہے جو کہ انسان کو حاصل ہوتا ہے لیکن اس سے وہ نتائج مرتب نہیں ہوتے جو اکٹھا ہونے سے ہوتے ہیں۔ یاد رکھو کہ الٰہی فضل کی بہت قسمیں ہیں۔ اکیلے پر وہ فضل نہیں ہوتا جو کہ دو کے ملنے پر ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال دنیا میں موجود ہے کہ اگر مرد اور عورت الگ الگ ہوں اور وہ اس فضل کو حاصل کرنا چاہیں جو کہ اولاد کے رنگ میں ہوتا ہے تو وہ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ دونوں نہ ملیں اور ان تمام آداب کو بجانہ لاویں جو کہ حصول اولاد کے لئے ضروری ہیں۔ اسی طرح ایک بھاری جماعت پر جو فضل الٰہی ہوتا ہے وہ چند آدمیوں کی جماعت پر نہیں ہو سکتا۔ ایک گھر کی آسودگی اور آرام کا فضل اگر کوئی حاصل کرنا چاہے تو جب ہی ہو گا کہ اسے مامائیں، خدمتگار اور سونے، کھانے، پینے، نہانے وغیرہ کے الگ الگ کمرہ اور ہر ایک کا الگ الگ اسباب ہونے کی مقدرت ہو۔ ایسے ہی اگر ترقی کرتے جاؤ تو بادشاہت اور سلطنت کے فضل کا اندازہ کر سکتے ہو۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب تک تم لوگوں میں باوجود اختلاف کے ایک عام وحدت نہ ہو گی اور ہر ایک تم میں سے دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی کوشش میں نہ لگا رہے گا تو تم خدا کے اس فضل عظیم کو حاصل نہ کر سکو گے جو ایک بھاری مجمع پر ہوتا ہے۔ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (الانفال: ۶۴) میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وحدت کی روح کو جو کہ صحابہ کرام میں پھونکی گئی تھی اس کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے تعبیر کیا ہے۔ اس وحدت کے پیدا ہونے کے لئے چاہئے کہ آپس میں صبر اور تحمل اور برداشت ہو۔ اگر یہ نہ ہو گا اور ذرا ذرا سی بات پر روٹھو گے تو اس کا نتیجہ آپس کی پھوٹ ہو

گا۔ اسی وحدت کی بنیاد کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (الانفال:۴۷) یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور ان کی اطاعت اسی حال میں کر سکو گے جبکہ تم میں تنازع نہ ہو۔ اگر تنازعات ہوں گے تو یاد رکھو کہ قوت کی بجائے تم میں بزدلی پیدا ہو گی۔ اور جو تمہاری ہوا بندھی ہوئی ہو گی وہ نکل جاوے گی۔ یہ بات تم کو صبر اور تحمل سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کو اپنے اندر پیدا کرو۔ تب خدا کی معیت تمہارے شامل حال ہو کر وحدت کی روح پھونکے گی۔ پس اگر تم کوئی طاقت اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہو اور مخلوق کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتے ہو تو صبر اور تحمل سے کام لو اور تنازع مت کرو۔ اگر چشم پوشی سے باہم کام لیا جاوے تو بہت کم نوبت فساد کی آتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ لوگ جسمانی بیماریوں کے لئے تو علاج اور دوا تلاش کرتے ہیں لیکن روح کی بیماری کا فکر کسی کو بھی نہیں ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت کی مثال ایک جنم کے اندھے کی سی ہے کہ اس سے اگر بینائی کی خوبی اور لذت دریافت کی جائے تو وہ اسے جانتا ہی نہیں ہے اور اسی لئے اس کے آگے بینائی کی قدر بھی نہیں کیونکہ اس نے اس لذت کو پایا نہیں۔ پس اس وقت کے موجودہ مسلمان بھی اس طاقت کی خوبی کو جو کہ قومی اتحاد اور وحدت سے پیدا ہوتی ہے نہیں پہچانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطنت ان کے ہاتھ سے جا چکی ہے اور اسی لئے انہیں اس طرف توجہ بھی نہیں کہ دوسرے کو اپنے ماتحت کس طرح کیا کرتے ہیں۔ آج کل اگرچہ ریفارمیشن کے مدعی تو سینکڑوں ہیں لیکن وہ کیا ریفارمیشن کریں گے جبکہ خود ہی بغضوں اور کینوں میں گرفتار ہیں۔ دعویٰ تو ہے مگر سمجھ نہیں کہ یہ خدا کے مامور ہی کا کام ہے جو کر سکتا ہے۔

پس اے عزیزو اور دوستو! اپنی کمزوری کے رفع کے لئے کثرت سے استغفار اور لاحول پڑھو اور رب کے نام سے دعائیں کرو کہ خدا تعالیٰ تمہاری ربوبیت یعنی پرورش کرے۔ تم کو مظفر و منصور کرے تا کہ تم آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے نیک نمونہ بن سکو۔ یہ نہ ہو کہ خدا نخواستہ لَعَنَتْ اُخْتَهَا (الاعراف:۳۹) کے مصداق بنو (جب دوزخیوں کا ایک گروہ دوزخ میں داخل ہو گا تو جو اس میں اول موجود ہوں گے وہ ان پر لعنت کریں گے کہ ہم نے تو کچھ نہ کیا تم ہی کرتے تھے) جیسے آجکل کے رافضی ہیں۔ اس کا بچاؤ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ سچی اتباع کرو۔ اپنے استنباط اور اپنے اجتہاد جس سے تم نفس کے دھوکہ میں آ جاتے ہو، دور کرو۔ آپس میں خوش معاملگی اور احسن سلوک برتو۔ رنج، بخل، حسد، کینہ سے بچو کہ خدا تعالیٰ کے وعدے کے موافق جو کہ اس نے اپنے مرسل کی جماعت سے کیا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المومن:۵۲) پورا ہو کر رہے۔ مطلق انسان کی

کوشش سے کامیابیاں حاصل نہیں ہوا کرتیں۔ کیونکہ یہ سارے علل اسباب سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو ایک سال کی جانکاہ محنت سے زمیندار خرمن جمع کرتا ہے مگر جسے اتفاق کہتے ہیں اس سے آگ لگ کر سارے کا سارا خاک ہو جاتا ہے۔ اگر اسے کامل علم ہوتا اور کامل اسباب حفاظت پر وہ احاطہ کر سکتا تو کیوں یہ بربادی دیکھتا۔ یہی حالت انسان کے اعمال کی ہے۔ اگرچہ وہ بڑے بڑے اعمال کرتا ہے لیکن ایک مخفی گند اندر ہوتا ہے جس سے وہ تمام برباد ہو جاتے ہیں۔ اس کا علاج وہی ہے جو کہ ذکر کیا کہ دعا اور استغفار اور لاحول سے کام لو۔ پاک لوگوں کی صحبت میں رہو۔ اپنی اصلاح کی فکر میں مضطر کی طرح لگے رہو کہ مضطر ہونے پر خدا رحم کرتا ہے اور دعا کو قبول کرتا ہے۔ دوسرے کی تحقیر مت کرو کہ اس سے خدا بہت ناراض ہوتا ہے اور دوسرے کو حقیر جاننے والے لوگ نہیں مرتے جب تک کہ اس گند میں خود نہ مبتلا ہوں جس کی وجہ سے دوسرے کو حقیر جانتے ہیں۔

(اس تقریر کے بعد حضرت حکیم الامت بیٹھ گئے اور پھر کھڑے ہو کر فرمایا)

آج عید کا دن ہے اور رمضان شریف کا مہینہ گزر گیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ایام تھے جبکہ اس نے اس ماہ مبارک میں قرآن شریف کا نزول فرمایا اور عامہ اہل اسلام کے لئے اس ماہ میں ہدایت مقدر فرمائی۔ راتوں کو اٹھنا اور قرآن شریف کی تلاوت اور کثرت سے خیرات و صدقہ اس مہینہ کی برکات میں سے ہے۔ آج کے دن ہر ایک کو لازم ہے کہ سارے کنبہ کی طرف سے محتاج لوگوں کی خبرگیری کرے۔ دو بک گیہوں کے یا چار جو کے ہر ایک نفس کی طرف سے صدقہ نماز سے پیشتر ضرور ادا کیا جاوے اور جن کو خدا نے موقع دیا ہے وہ زیادہ دیویں۔ اس جگہ مختلف ضرورتیں ہیں کہ جن کے لئے لوگوں کے خیرات کے روپیہ کی ضرورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس قسم کا کل روپیہ ایک جگہ جمع ہوتا تھا اور پھر آپؐ اسے مختلف مدوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک یہاں مدرسہ ہے اور اس وقت اسے بڑی ضرورت امداد کی ہے۔ مہمانوں کو بھی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض وقت دیکھا گیا ہے کہ ان بیچاروں کا سفر خرچ کسی گناہ کے باعث یا کسی مصلحت الٰہی سے جاتا رہتا ہے۔ مثلاً کسی نے چرا لیا یا گر گیا وغیرہ۔ پھر غور کرو کہ مسافرت اور اجنبیت میں کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک گروہ مساکین کا رہتا ہے۔ تو ان سب کے لئے اخراجات کی ضرورت ہے۔

یہاں رہنے والے تین طرح کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جو حصول ایمان کے لئے رہتے ہیں اور ان کو متواتر تجربہ سے علم ہو گیا ہے کہ ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے خبرگیری کرتا ہے۔ بعض لوگ ملازم ہیں اور ان کی معاش کی سبیل قائم ہے۔ اور ایک گروہ وہ ہے جو صرف محبت کی وجہ سے رہتا

ہے مگر اپنی ضرورتوں کو رفع نہیں کر سکتا۔ پس میری رائے یہ ہے کہ تم میں سے ایک جماعت قائم ہو جو ان سب کی خبرگیری کیا کرے اور اس قسم کے صدقہ اور خیرات کے روپیوں کو مناسب مقام پر تقسیم کر دیا کرے۔ بعض طالب علم مدرسہ کے اور بعض ہمارے پاس بھی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے خبرگیری کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس اگر جماعت قائم ہو تو وہ اس کی بھی خبر لے سکتی ہے۔ انسانی ہمدردی اور باہمی تعاون کے بہت برکات اور افضال ہیں اور اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی زبان پر وعدہ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ (احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)۔

میں چونکہ یہاں رہتا ہوں اور پھر سارے دن باہر رہتا ہوں اس لئے مجھے ان ضرورتوں کا علم ہے اور میری نسبت دوسروں کو کم ہے۔ خدا ہی ان کا سرانجام دینے والا اور مجھے بھی وہی دیکھنے والا ہے۔ ایسے امور کے لئے آپ سعی کریں اور دوسرے بھائیوں تک بھی پہنچا دیویں۔ جیسے ہمارے سردار صلی اللہ علیہ و سلم کے حضور کوئی فوجی کمانڈر تھا۔ کوئی کاتب تھا۔ کوئی قرآن پڑھانے والا تھا۔ کوئی اخوت کی بہتری کی فکر کرنے والا تھا۔ کوئی بادشاہوں کے پاس خطوط پہنچاتا تھا۔ کوئی نیک تحریکیں کرنے والا تھا۔ ایسے ہی اگر مختلف مدیں مختلف لوگوں کے سپرد ہوں اور ایک کمیٹی قائم ہو کر ان سب امور کی ترتیب کیا کرے تو امید ہے کہ بہت کچھ انتظام ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ مجھے اور آپ کو عملدرآمد کی توفیق عطا فرماوے۔

اس کے بعد حکیم صاحب موصوف نے حضرت اقدس علیہ السلام سے درخواست کی کہ حضور دعا فرماویں کہ ہم سب کو نیکی اور عملدرآمد کی توفیق عطا ہو۔ خصوصاً مجھ کو کہ لوگوں کو تو سناتا ہوں، کہیں خود ہی اس پر عملدرآمد سے نہ رہ جاؤں۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ ؎

(الحکم جلد ۹ نمبر ۱ --- ۱۰ / جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۱-۱۲)

و

(الحکم جلد ۹ نمبر ۲ --- ۱۷ / جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۹-۱۱)

☆-☆-☆-☆

۱۶؍ فروری ۱۹۰۵ء
مسجد اقصیٰ۔ قادیان

خطبہ عید الاضحیٰ

اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ اِلاَّ مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَ لَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلاَّ وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۱ تا ۱۳۳)

یہ ایک موقع ہے مسلمانوں کے اجتماع کا اور اس طرح کا موقع سال میں صرف دو دفعہ ہی آیا کرتا ہے۔ ایک تو یہی ہے اور دوسرا اس وقت ہوا کرتا ہے جب کہ لوگ رمضان شریف کے روزوں سے فارغ ہو کر ان انوار اور برکات سے متمتع ہو جاتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک ماہ میں رکھے ہیں۔ اس کا نام عید الفطر ہے۔ اس میں خوشی کا موقع یہ ہے کہ اس ماہ میں تقویٰ کے مراتب طے کرنے کا اور

قرب الٰہی کے حاصل کرنے کا، پھر سحری کے وقت بذریعہ نوافل اور دعاؤں کے خدا کے فضل کو طلب کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لئے اس خوشی میں لوگ صدقہ فطر کے ذریعہ غریب لوگوں کو خوش کیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اصل اسلام کے اجتماع کے مختلف اوقات مقرر کیے ہیں جن میں وہ باہمی ملاپ سے خدا تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کر سکتے ہیں اور ایک محلّہ کی مسجد میں اس محلّہ کے آدمی پانچ وقت جمع ہوتے ہیں۔ پھر ہر ہفتہ میں جمعہ کے روز شہر کے آدمی مل کر شہر کی کسی بڑی مسجد میں اس قومی اجتماع کو قائم کرتے ہیں۔ پھر یہ عیدین کے ایام ہیں کہ جن میں علاوہ شہر کے باہر کے آدمی بھی آجاتے ہیں جیسے کہ اس وقت بھی بعض دوست مختلف مقامات سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ چونکہ آج کی تقریب کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل سے ایک خاص مناسبت ہے اس لئے میں نے ان آیات کو پڑھا ہے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ ایک ایسا انسان گذرا ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلقات ہونے کی وجہ سے اپنی قوم اور قریبی اور بعیدی رشتہ داری کے تعلقات کی پرواہ نہ کی تھی اور اپنے "اب" یعنی چچا سے بھی باوجود اس کے کہ ان کے تعلقات اس سے بہت تھے مباحثہ کیا تاکہ بد رسوم کا استیصال ہو۔ اس مقام پر "اب" کے معنوں میں محققین کا اختلاف ہے لیکن میرے نزدیک اس کے معنے اس جگہ حقیقی باپ کے ہرگز نہیں ہیں۔

ایسا ہی ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ وقت سے بھی مقابلہ کیا اور یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی عظمت کے قائم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس مباحثہ میں احیاء اور اماتت کی بھی ایک بحث تھی جہاں ابراہیم علیہ السلام کا قول رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ (البقرۃ:۲۵۹) درج ہے اور جو کہ توحید باری تعالیٰ کے متعلق ایک عجیب فقرہ ہے جس کو ہمارے زمانہ سے بڑا تعلق ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی مردے زندہ کئے تھے تو پھر ابراہیم علیہ السلام کا یہ استدلال کوئی قابلِ وقعت شے نہیں ہو سکتا اور ان کا یہ کام اور کلام سب خاک میں مل جاتا ہے۔ ہاں ایک معنے کی رو سے انبیاء بھی احیاء کرتے ہیں مگر چونکہ خدا تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲) ہے اس لئے اس کا احیاء بھی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہی ہوگا اور انبیاء کا احیاء اس سے کوئی لگا نہ کھائے گا۔ یہ بالکل سچ ہے کہ احیاء موتی صرف "رب" کا ہی کام ہے اور وہ بھی کسی اور عالم میں۔ انبیاء کے احیاء کے یہ معنے ہیں کہ بعض شریر لوگ جو کہ ان کی پاکیزہ مجالس میں آئے رہتے ہیں اور ان میں سے بعض اپنی کسی فطری سعادت کی وجہ سے جو کہ ان کے نطفہ میں آئی ہوتی ہے ہدایت پا جاتے ہیں ان کی کفر اور فسق کی حالت کا نام موت ہوتا ہے اور ہدایت پا

جانے کو احیاء سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے عملدرآمد اور ان کی تعلیم کا خلاصہ قرآن شریف نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے کہ جیسا اس کے رب نے اسے کہا اَسْلِمْ کہ تو فرمانبردار ہو جا تو ابراہیمؑ نے کوئی سوال کسی قسم کا نہیں کیا اور نہ کوئی کیفیت دریافت کی کہ میں کس امر میں فرمانبرداری اختیار کروں؟ بلکہ ہر ایک امر کے لئے خواہ وہ کسی رنگ میں دیا جاوے اپنی گردن کو آگے رکھ دیا اور جواب میں کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرۃ:۱۳۲) کہ میں تو رب العالمین کا تابعدار ہو چکا۔ ابراہیم علیہ السلام کی یہی فرمانبرداری اپنے رب کے لئے تھی جس نے اسے خدا کی نظروں میں برگزیدہ بنا دیا۔ وہ لوگ جو ابراہیمؑ کا دین یعنی ہر طرح اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا اختیار نہیں کرتے، غلطی کرتے ہیں اور اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو سفیہ قرار دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا۔ پس وہ لوگ جو کہ دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں وہ غور کریں کہ خدا کی فرمانبرداری سے وہ ابراہیمی مراتب حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر ایک قسم کی عزت ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہے اور یہ سب کچھ اَسْلَمْتُ کا نتیجہ ہے۔

وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ (البقرۃ:۱۳۳) ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کو بھی یہی سکھایا کہ جب تک خدا تعالیٰ حکم دے تب تک ہی تم اس کی اطاعت کرتے رہو۔ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے کلام کے منکر ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے کرنا تھا کر چکا اس مقام پر سوچیں کہ اگر یہ سلسلہ بند ہو چکا تھا اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد اور کوئی احکام ضرورت زمانہ کے لحاظ سے نازل نہ ہونے تھے تو پھر اَسْلِمْ کی آواز کی اطاعت کے لئے کیوں ابراہیمؑ نے اولاد کو تاکید کی۔ پھر صرف ابراہیم ہی نہیں بلکہ اس کا پوتا حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اپنی اولاد کو یہی حکم دیتا ہے فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرۃ:۱۳۳) کہ اے میری اولاد! تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دین (ابراہیمی) پسند فرمایا ہے کہ تم ہر وقت خدا کی فرمانبرداری میں رہو حتیٰ کہ تمہاری موت بھی اس فرمانبرداری میں ہو۔ یہ فرمانبرداری جو کہ ہر ایک کامیابی اور ترقی کا چشمہ ہے انسان اس سے کس طرح محروم رہ جاتا ہے؟ اس کا باعث قرآن شریف میں تواریخی واقعات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ پہلا نافرمان جس کی تاریخ ہمیں معلوم ہے ابلیس ہے۔ وہ کیوں نافرمان بن گیا؟ اس کی خبر بھی قرآن شریف نے بتلائی ہے کہ اس نے اباء اور استکبار کیا یعنی اس میں انکار اور تکبر تھا جس کی وجہ سے وہ اَسْلِمْ کی تعمیل نہ کر سکا۔ اس وقت بھی بہت لوگ ہیں کہ اس اباء اور استکبار کی وجہ سے اَسْلِمْ کی تعمیل سے محروم ہیں۔ کسی کو عقل پر تکبر ہے، کسی کو علم پر، کسی کو اپنے بزرگوں پر جو کہ ان کے نقصان کا باعث ہو رہا ہے اور جب کبھی خدا

کے مامور آتے رہے ہیں یہی اباء اور استکبار ان کی محرومی کا ذریعہ ہوتے رہے ہیں۔ انسان جب ایک دفعہ منہ سے "نہ" کر بیٹھتا ہے تو پھر اسے دوبارہ ماننا مشکل ہو جاتا ہے اور لوگوں سے شرم کی وجہ سے وہ اپنی ہٹ پر قائم رہنا پسند کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ پھر کھلم کھلا انکار اور آخرکار وَ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (البقرۃ:۳۵) کا مصداق بننا پڑتا ہے۔

چونکہ مامورین الٰہی کا سلسلہ تو برابر انسانوں اور زمانہ کی ضرورتوں کے موافق ہے اور اپنی قدیم سنت کے لحاظ سے خدا نے نبی اور رسول معبوث کرنے تھے اس لئے قرآن شریف کے اول رکوع میں ہی تعلیم دی ہے کہ انسان کو انکار کا پہلو حتی الوسع اختیار ہی نہ کرنا چاہئے۔ قرآن شریف کے اول رکوع میں ہی اس کا ذکر ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ:۷)۔ چونکہ وہ لوگ اول انکار کر چکے تھے اس لئے سخن پروری کے خیال نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسوں میں بیٹھنے اور آپ کی باتوں پر غور کرنے نہ دیا اور انہوں نے آپ کے انذار اور عدم انذار کو برابر جانا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی ہمیشہ کے لئے ایمان جیسی راحت اور سرور بخش نعمت سے محروم ہو گئے۔ یہ ایک خطرناک مرض ہے کہ بعض لوگ مامورین کے انذار اور عدم انذار کی پروا نہیں کرتے۔ ان کو اپنے علم پر ناز اور تکبر ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی ہمارے پاس بھی موجود ہے۔ ہم کو بھی نیکی بدی کا علم ہے۔ یہ کونسی نئی بات بتانے آیا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاویں۔ ان کمبختوں کو یہ خیال نہیں آتا کہ یہود کے پاس بھی تو تورات موجود تھی۔ اس پر وہ عمل درآمد بھی رکھتے تھے۔ پھر ان میں بڑے بڑے عالم' زاہد اور عابد موجود تھے پھر وہ کیوں مردود ہو گئے؟ اس کا باعث یہی تھا کہ تکبر کرتے تھے۔ اپنے علم پر نازاں تھے اور وہ اطاعت جو کہ خدا تعالیٰ اَسْلِمْ کے لفظ سے چاہتا ہے ان میں نہ تھی۔ ابراہیم کی طرز اطاعت ترک کر دی۔ یہی بات تھی کہ جس نے ان کو مسیح علیہ السلام اور اس رحمۃ للعالمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے سے جس سے توحید کا چشمہ جاری ہے ماننے سے باز رکھا۔

یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور وحی پر ایمان لانے سے جو چیز مانع ہوئی وہ یہی تکبر علم تھا۔ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَھُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔ (المومن:۸۴) انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہمارے پاس ہدایت کا کافی ذریعہ ہے۔ صحف انبیاء اور صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ ہمارے پاس ہیں۔ ہم خدا تعالیٰ کی قوم کہلاتے ہیں۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ (المائدۃ:۱۹) کہہ کر انکار کر دیا کہ ہم عربی آدمی کی کیا پروا کر سکتے ہیں۔ اس تکبر اور خود پسندی نے انہیں محروم کر دیا اور وہ اس رحمۃ للعالمین کے ماننے سے انکار کر

بیٹھے جس سے حقیقی توحید کا مصفی اور شیریں چشمہ جاری ہوا۔

غرض محرومی کا سب سے پہلا اور بڑا ذریعہ اباء (انکار) ہے اور پھر تکبر ہے۔ آہ! اس سے بڑھ کر کسی شخص کی بدنصیبی اور کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ایک ہادی، معلم اور مزکی کو معزز بنا کر بھیجتا ہے اور یہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتا اور ان فیضانوں اور برکات سے جو اس کی معیت اور صحبت سے ملنے والے تھے محروم رہ جاتا ہے۔ فرمانبرداری، ہاں خدا کی فرمانبرداری ایسی راحت بخش اور زندہ جاوید بنانے والی دولت ہے جس نے آج تک اور ابدالآباد تک ابراہیم کو زندہ رکھا۔ آج ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار تم ہر ایک گھر میں دیکھ سکتے ہو۔ ایک غریب سے غریب آدمی بھی قربانی کا گوشت کھاتا ہے جو اس کی یادگار کو تازہ رکھتا ہے۔ یہ قربانی بتاتی ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنی جان اور مال تک سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دریغ نہیں کیا۔ پس جب تک انسان ابراہیمی رنگ اختیار نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے عزیز مال اور جان تک کو، جو دراصل اس کا بھی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ ہی کا ہے، نثار کر دینے کے لئے شرح صدر سے تیار نہیں ہو جاتا، اس وقت تک وہ ان برکات اور فیضانوں کو پا نہیں سکتا جو ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو ملے۔

خدا تعالیٰ کے مامورین و مرسلین کا انکار سلب ایمان کا موجب ہوتا ہے۔ یہ انکار بہت ہی خطرناک چیز ہے اس لئے ہمیشہ اس سے بچو۔ اپنی عقل، اپنی تدبیر اور رائے، اپنے علم و تجربہ کو خدا کے راستباز کے سامنے ہیچ سمجھ لو اور بالکل خالی ہو جاؤ۔ تب وہ تم میں راستبازی اور حقیقی علوم کی روح نفخ کرے گا۔

یہ اباء مخفی رنگ میں انسان کے اندر ہوتا ہے۔ کبھی زبان سے اقرار کرتا ہے لیکن دل اس کے ساتھ متفق نہیں ہوتا جس کا نتیجہ نفاق ہوتا ہے اور یہ نفاق آخر کار کفر تک بھی لے جاتا ہے۔ اس لئے دل اور زبان کو ایک کرنے کے لئے کوشش کرو اور خدا تعالیٰ سے توفیق اور فضل چاہو۔ بعض لوگوں کے لئے ان کا مال و دولت، خدمت گزاری اور نیکی کا خیال بھی اس امر سے روک دیتا اور ان کے لئے سد راہ ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ اگر ضرورت نہ تھی تو خدا تعالیٰ نے اس کو نازل کیوں فرمایا؟ وہ اس پر نہیں، خدا تعالیٰ کے فعل و فضل پر ہنسی کرتے اور اس کے پر حکمت فعل کو لغو ٹھہراتے ہیں (معاذ اللہ)۔ اس لئے ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ وہ نفس اور شیطان کے اس دھوکا سے ہمیشہ بچیں۔ اپنی کسی بات پر تکبر نہ ہو۔ کیونکہ وہی تکبر پھر کسی اور رنگ و صورت میں انکار کا باعث ہو جاوے گا۔ یہ بہرحال زہر ہے۔ اس سے مطمئن ہو رہنا عقلمندی نہیں ہے۔

بعض نادان، ناحق شناس، مامور اور مرسلوں کے آنے پر یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى

مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ (الانعام:۱۲۵) یعنی اس وقت تک ہم ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کو بھی وہی فیض اور فضل نہ دیا جاوے جو رسولوں کو دیا گیا ہے۔ یہ بھی محرومی کا بڑا بھاری ذریعہ ہے۔ جو لوگ ایمان کو مشروط کرتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی پروا نہیں کرتا۔ ہاں خدا تعالیٰ کسی کو خالی نہیں چھوڑتا۔ جو اس کی راہ میں صدق و ثبات سے قدم رکھتا ہے وہ بھی اس قسم کے انعامات سے بہرہ وافر لے لیتا ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (حم السجدۃ:۳۱) جن لوگوں نے اپنے قول و فعل سے بتایا کہ ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے' پھر انہوں نے اس پر استقامت دکھائی ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ سے پہلے دو باتیں ضروری ہیں۔ رَبُّنَا اللّٰہُ کا اقرار اور اس پر صدق و ثبات اور اظہار استقامت۔

ایک نادان سنت اللہ سے ناواقف ان مراحل کو تو طے نہیں کرتا اور امید رکھتا ہے اس مقام پر پہنچنے کی جو ان کے بعد واقع ہے۔ یہ کیسی غلطی اور نادانی ہے۔ اس قسم کے شیطانی وسوسوں سے بھی الگ رہنا چاہئے۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں استقامت اور عجز کے ساتھ قدم اٹھاؤ۔ قویٰ سے کام لو۔ اس کی مدد طلب کرو۔ پھر یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے وارث ہو جاؤ اور حقیقی رؤیا اور الہام سے حصہ پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں تو کسی بات کی کمی نہیں وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر:۲۲)۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ اس قسم کے شیطانی اوہام اور وسوسوں سے بچنے کا کیا طریق ہے؟ سو اس کا طریق یہی ہے کہ کثرت کے ساتھ استغفار پڑھو۔ استغفار سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ طوطے کی طرح ایک لفظ رٹتے رہو۔ بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ استغفار کے مفہوم اور مطلب کو ملحوظ رکھ کر خدا تعالیٰ سے مدد چاہو اور وہ یہ ہے کہ جو انسانی کمزوریاں صادر ہو چکی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بدنتائج سے محفوظ رکھے اور آئندہ کے لئے ان کمزوریوں کو دور کرے اور ان جوشوں کو جو ہلاک کرنے والے ہوتے ہیں دبائے رکھے' پھر لاحول پڑھے' پھر دعاؤں سے کام لے اور جہاں تک ممکن ہو راستبازوں کی صحبت میں رہے۔ اگر اس نسخہ پر عمل کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یقین رکھتا ہوں کہ وہ تمہیں محروم نہ کرے گا۔

پھر محرومی کا ایک اور سبب بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان مشکلات اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کر لیتا ہے کہ یا اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو جاوے اور فلاں دکھ سے مجھے رہائی اور نجات ہو تو میں یہ فرمانبرداری کا کام کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ان مشکلات سے نجات دیتا ہے لیکن وہ

اپنے وعدوں کو بھول جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ پھر خطرناک ہوتا اور اسے محروم کر دیتا ہے۔ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرنے کے برابر ہی وہ معاہدہ ہے جو انسان اپنے امام و مرشد کے ہاتھ پر کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کیا ہے کہ "دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔" کہنے کو یہ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن اس کے معانی پر غور کرو کہ کس قدر وسیع ہیں۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کی آواز آتی ہے اور یہ سنتا ہے لیکن دیکھتا ہے کہ بہت سے ضروری کام کرنے کو ہیں اور ان سے اگر ذرا سی بھی لاپروائی کی تو حرج ہو گا۔ اس لئے فرض تنہا ہی میں ادا کر لوں گا۔ یہ خیالات دل میں ایک طرف ہیں۔ دوسری طرف حَيَّ کا لفظ بتاتا ہے کہ جلدی کرو اور ادھر یہ معاہدہ کیا ہوا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت مقدم کرتا اور حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ کی آواز پر مسجد کو چلتا ہے تو بیشک اس معاہدہ کو پورا کرنے والا ٹھہرتا ہے لیکن اگر تساہل کرتا ہے تو اس معاہدہ کو توڑتا ہے۔

اسی طرح دنیا کے ہر کاروبار میں اس قسم کے امتحان اور مشکلات پیش آتے ہیں۔ ایک طرف بیوی بچوں کے لئے خرچ کی ضرورت ہے۔ ادھر قرآن کریم میں پڑھتا ہے لَا تُسْرِفُوْا (الاعراف:٣٢) اور اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل:٢٨) اور ایک طرف دین مال و عزت اور جان خرچ کرانی چاہتا ہے۔ اس وقت اپنے اندرونہ کا معائنہ کرے اور اپنے فعل سے دکھائے کہ کیا دین کو مقدم کرتا ہے یا دنیا کو۔

غرض ہر حکم الٰہی میں اس کو سوچنا پڑتا ہے کہ دین کو مقدم کرتا ہوں یا دنیا کو۔ کسی تقریر او[illegible] کام لے رہا ہوں یا سچے اخلاص سے۔ اپنے ہر قول اور فعل کی پڑتال کرے کہ کیا واقعی خدا تعالیٰ کے لئے ہے یا دنیوی اغراض اور مقاصد پیش نظر ہیں۔ پس اپنے اس بڑے عظیم الشان معاہدہ کو اپنے پیش نظر رکھو۔ یہ معاہدہ تم نے معمولی انسان کے ہاتھ پر نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ کے مرسل مسیح و مہدی کے ہاتھ پر کیا ہے۔ اور میں تو یقین سے کہتا ہوں کہ خدا کے مرسل ہی نہیں خدا کے ہاتھ پر کیا ہے کیونکہ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:١١) آیا ہے۔

دیکھو اور اپنے حالات خود مطالعہ کرو کہ کیا جس قدر تڑپ، کوشش اور اضطراب دنیوی اور ان [illegible] ضروریات کے لئے دل میں ہے کم از کم اتنا ہی جوش دینی ضروریات کے لئے بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر دین کو دنیا پر تقدم تو کہاں، برابری بھی نصیب نہ ہوئی۔ ایسی صورت میں وہ معاہدہ جو امام کے ہاتھ پر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پر کیا ہے کہاں پورا کیا۔ میں نے خود تجربہ کیا ہے۔ ہزاروں خطوط میرے پاس آتے ہیں جن میں ظاہری بیماریوں کے ہاتھ سے نالاں لوگوں نے جو جو اضطراب ظاہر کیا ہے میں اسے

دیکھتا ہوں لیکن مجھے حیرانی ہوتی ہے کہ وہ ظاہری بیماریوں کے لئے تو اس قدر گھبراہٹ ظاہر کرتے ہیں مگر باطنی اور اندرونی بیماریوں کے لئے انہیں کوئی تڑپ نہیں۔

باطنی بیماریاں کیا ہوتی ہیں؟ یہی بد ظنی، منصوبہ بازی، تکبر، دوسرے کی تحقیر، غیبت اور اس قسم کی بدذاتیاں اور شرارتیں، شرک، ماموروں کا انکار وغیرہ۔ ان امراض کا وہ کچھ بھی فکر نہیں کرتے اور معالج کی تلاش انہیں نہیں ہوتی۔ میں جب ان بیماریوں کے خطوط پڑھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ کیوں یہ اپنے روحانی امراض کا فکر نہیں کرتے۔

نفس کو کبھی توکل اور صبر کے مسائل پیش کر دیتا ہے لیکن جب ظاہری بیماریاں آکر غلبہ کرتی ہیں تو پھر سب کچھ بھول جاتا ہے اور تردد کرتا ہے۔ لیکن جب روحانی بیماریوں کا ذکر ہو تو توکل کا نام لے دیتا ہے۔ یہ کیسی غلطی اور فروگذاشت ہے۔ ان دونوں نظاموں کو مختلف پیمانوں اور نظروں سے دیکھتا ہے۔ یعنی باطنی اور روحانی امور میں تو کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے اور ظاہری امور میں اس کا نام شدید البطش رکھا ہے۔ یہ نادانی اور غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ دونوں امور میں اپنی صفات کی یکساں جلوہ نمائی کرتا ہے۔ پس جو لوگ امور دنیا میں تو سرتوڑ کوششیں کرتے ہیں اور اسی کو اپنی زندگی کا اصل مقصد اور منشاء اعظم سمجھتے ہیں اور دین کو بالکل چھوڑتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کی صفات پر غور نہیں کرتے۔ اَسْلِمْ کے معنے تو یہ تھے کہ فرمانبردار ہو جا اور فرمانبردار ہی رہو۔ پھر وجہ کیا ہے کہ مامور کے ہاتھ پر جو خدا کا ہاتھ کہلاتا ہے یہ وعدہ کر کے کہ "دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا" اس وعدہ کا کچھ بھی پاس نہ ہو۔ ہمارے امام علیہ الصلوۃ والسلام کس قدر چھوٹے لفظ سے کام لیتے ہیں اور وہ کس قدر وسیع ہے۔ یہ زمانہ الفاظ کا ہے۔ چنانچہ بڑی بڑی لمبی تقریریں لوگ کرتے ہیں لیکن جب ان کے معانی اور مطالب پر نظر کرو تو بہت ہی چھوٹے اور تھوڑے۔ لیکن برخلاف اس کے ہمارے امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت ہی مختصر الفاظ اختیار کئے مگر ان کا مفہوم اور منشاء بہت ہی وسیع اور محیط ہے۔

مثلاً الفاظ بیعت میں سے ایک یہ جملہ بھی ہے "جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے گناہوں سے بچتا رہوں گا۔" بظاہر یہ ایک موٹی اور چھوٹی سی بات ہے لیکن غور کرو اس کا مفہوم کس قدر وسیع ہے۔ ایسا اقرار کرنے والے کو یہ الفاظ کیسا محتاط بناتے ہیں کہ وہ اپنے ہر قول و فعل میں، ہر حرکت و سکون میں اس امر کو مدنظر رکھے کہ کیا میرا یہ قول و فعل، یہ حرکت و سکون اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہے اور گناہ کے کسی شعبہ میں تو داخل نہیں؟ جب انسان ان امور پر نظر کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی اطاعت اور رضاجوئی اپنا مقصد بنالیتا ہے تو خدا تعالیٰ خود اس کی مدد فرماتا ہے اور اس کی مشکلات کو آسان

کر دیتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو فرمانبرداری بڑی دولت ہے۔ یہی دولت ابراھیم علیہ السلام کو ملی جس نے اس کو اسقدر معظم و مکرم بنا دیا۔ خدا تعالیٰ کے ہر قسم کے فیض اور فیضان اسی فرمانبرداری پر نازل ہوتے ہیں مگر تھوڑے ہیں جو اس راز کو سمجھتے ہیں۔

اس وقت خدا تعالیٰ پھر ایک قوم کو معزز بنانا چاہتا ہے اور اس پر اپنا فضل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے بھی وہی شرط اور امتحان ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے لئے تھا۔ وہ کیا؟ سچی اطاعت اور پوری فرمانبرداری۔ اس کو اپنا شعار بناؤ اور خدا تعالیٰ کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم کر لو۔ دین کو دنیا پر اپنے عمل اور چلن سے مقدم کر کے دکھاؤ۔ پھر خدا تعالیٰ کی نصرتیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ اس کے فضلوں کے وارث تم بنو گے۔

یاد رکھو خدا تعالیٰ کے فضل سے انسان کے محروم ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہوتی ہے کہ وہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ سے کچھ وعدے کرتا ہے لیکن جب ان وعدوں کے ایفاء کا وقت آتا ہے تو ایفاء نہیں کرتا۔ ایسا شخص منافق مرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ (التوبہ:۷۷)۔ اس سے ہمیشہ بچتے رہو۔ انسان مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا ملجا و ماویٰ تصور کرتا ہے اور فی الحقیقت وہی حقیقی پناہ ہے۔ اس وقت وہ اس سے وعدے کرتا ہے۔ پس تم پر مشکلات آئیں گی اور آتی ہیں۔ تم بہت وعدے خدا تعالیٰ سے نہ کرو اور کرو تو ایفاء کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ایفاء نہ کرنے کا وبال تم پر آئے اور خاتمہ نفاق پر ہو (خدا ہم کو محفوظ رکھے۔ آمین)

اور ہم کو بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ ہم سب ایک عظیم الشان وعدہ کر چکے ہیں کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے اور جہاں تک طاقت اور سمجھ ہے گناہوں سے بچتے رہیں گے۔ اس وعدہ کو ایفاء کرنے کی پوری کوشش کرو اور پھر خدا تعالیٰ ہی سے توفیق اور مدد چاہو۔ کیونکہ وہ مانگنے والوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کی دعائیں سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

پھر ایک اور عیب بتایا ہے جو منافق میں ہوتا ہے' وہ جھوٹ بولنا ہے۔ عام جھوٹ بولنا وہ بھی ہے جو ایک حدیث میں ہے کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ (صحیح مسلم۔ باب النھی عن الحدیث بکل ما سمع) یعنی یہ بھی جھوٹ ہی ہے کہ انسان جو کچھ سنے بلا سوچے سمجھے اسے بیان کر دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشاد میں بڑی بڑی برائیوں سے روکنے کا نسخہ بتایا گیا ہے۔ خود

داری سکھائی ہے اور سخن سازی سے بچایا ہے۔ یہ عام قاعدہ ہو رہا ہے کہ دو تین آدمی جب مل کر بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آؤ ذرا مجلس گرم کریں۔ وہ مجلس گرم کرنا کیا ہوتا ہے؟ کسی کی تحقیر شروع کر دی۔ کسی کے لباس پر، کسی کی زبان پر، کسی کے قد و قامت پر، کسی کے علم و عقل پر، غرض مختلف پہلوؤں پر نکتہ چینی اور ہنسی اڑانا شروع کیا اور بڑھتے بڑھتے یہ ناپاک اور بے ہودہ کلام مذمت، غیبت اور دروغ گوئی تک جا پہنچا۔ پس تمہیں مناسب ہے کہ ایسی مجلسوں کو ترک کر دو جہاں سے تم بغیر لعنت کے اور کچھ لے کر نہ اٹھو۔ خدا تعالیٰ نے اسی لئے فرمایا ہے۔ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ:۱۱۹) صادقوں کے ساتھ رہو۔ کیونکہ وہاں تو بجز صدق کے اور کوئی بات ہی نہ ہو گی۔ ایسی تمام مجلسوں سے الگ ہو جاؤ جہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذکر نہیں ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ سوء ظن بہت بری چیز ہے۔ اس سے بہت بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ غیبت اور دروغ گوئی یہ اسی سوء ظن سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اِيَّاكَ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (بخاری۔ کتاب الوصایا) سوء ظن سے انسان بہت جھوٹا ہو جاتا ہے اور ظنون بجائے خود بھی جھوٹے ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس جھوٹ اور بدظنی سے بڑی ٹھوکریں لگتی ہیں اور انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس سے بچو! پھر بچو!! اور پھر بچو!!! اس معاملہ میں عورتوں اور مردوں میں ایک تفاوت ہے اور ان کے مراتب مختلف ہیں۔ عام طور پر عورتیں نَاقِصَاتُ الْعَقْلِ وَالدِّيْنِ کہلاتی ہیں۔ ایک عظیم الشان عورت کے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے، میں کھول کر بتا دوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بعض نے سوء ظنی کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تطہیر فرمائی اور ان بدظنی کرنے والوں کے لئے حکم آیا۔ لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ (النور:۱۷) یعنی جب عائشہ صدیقہ کی نسبت کوئی بات تم نے سنی تھی تو کیوں تم نے سنتے ہی نہ کہا کہ یہ بات تو منہ سے نکالنے ہی کے قابل نہیں۔ بلکہ تم یہ کہتے۔ سُبْحَانَكَ (النور:۱۷) پاک ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ مگر هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ (النور:۱۷) یہ تو بہت ہی بڑا بہتان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَعِظُكُمْ (النور:۱۸) اللہ تعالیٰ تمہیں وعظ کرتا ہے کہ ایسا پھر نہ کرنا۔ یہ ابد کے لئے حکم ہے کہ جب کسی کی نسبت کوئی ایسی بات سنو تو کہو کہ بہتان ہے۔ بدظنی کرنی شروع نہ کر دو۔ پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ اس قسم کی بلاؤں میں گرفتار ہوتے ہیں یعنی دوسرے کو متہم کرتے ہیں وہ ہرگز نہیں مرتے جب تک خود اس اتہام کا شکار نہ ہو لیں۔ اس لئے یہ بڑے ہی خوف اور خطرے کا مقام ہے۔ افسوس ہے لوگ ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بہت ہی ضروری امور ہیں۔

جہاں تک تم سے ہو سکے سعی کرو اور خدا تعالیٰ سے توفیق مانگو کہ وہ تمہیں سوء ظنی سے محفوظ رکھے۔ پھر اس کے بدنتائج غیبت' دروغ گوئی' دوسرے کی تحقیر' بہتان وغیرہ سے بچائے۔

غرض خدا تعالیٰ کے ماموروں اور ان فیوضات و برکات سے محروم رکھنے کے اسباب مختصر طور پر یہ ہیں۔ اباء' تکبر' اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ اور پھر اس کی خلاف ورزی' پھر جھوٹ۔ دیکھو تم جو احمدی کہلاتے ہو تمہاری ذمہ داری بہت بڑھی ہوئی ہے۔ تم نے وعدہ کیا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ تمہیں ہر وقت یہ وعدہ نصب العین رہنا چاہئے۔ کیسی وعدہ خلافی ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا وعدہ ہوا اور پھر سنتے ہی سوء ظنی پیدا ہو۔ اس کی ذرا بھی پروانہ ہو کہ اِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری نہ کرے تو ایسے لوگ جو سوء ظنی کے مرض میں گرفتار ہیں وہ خود ان سوء ظنیوں کا نشانہ ہو کر مرتے ہیں۔ پس خدا سے ڈرو اور اپنے اس وعدہ کا لحاظ کرو جو تم نے خدا کے مامور کے ہاتھ پر کیا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ انسان چاہتا ہے کہ دنیا میں معزز اور محترم بنے لیکن حقیقی عزت اور سچی تکریم خدا تعالیٰ سے آتی ہے۔ وہی ہے جس کی یہ شان ہے تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (آل عمران:۲۷) اور پھر حقیقی عزت انبیاء و رسل اور ان کے سچے اتباع کو دی جاتی ہے۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنافقون:۹) ساری کی ساری عزتیں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں اور سچے مومنوں کے لئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اسلام کی وجہ سے دنیا میں معزز اور مکرم ہوئے۔ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرۃ:۱۳۲) پھر وہ ابراہیم اَلَّذِیْ وَفّٰی (النجم:۳۸) جس نے خدا تعالیٰ کے ساتھ صدق و وفا کا پورا نمونہ دکھایا۔ اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الصافات:۸۴'۸۵)

پس اس سے نتیجہ نکال لو کہ اللہ تعالیٰ تم سے کیا چاہتا ہے۔ سچی فرمانبرداری' صدق و وفاداری اور قلب سلیم۔ ان باتوں کے ساتھ وہ راضی ہوتا ہے۔ یہی باتیں ہیں جو اسلام تم کو سکھاتا ہے۔ انہیں کے احیاء کے لئے اس وقت خدا تعالیٰ نے تم میں اپنا مہدی اور مسیح نازل کیا ہے۔ ایسے دین میں ہو کر محرومی کے اسباب سے بچو۔ ان اسباب کا علم قرآن مجید میں موجود ہے جو قرآن شریف پر تدبر کرنے سے آتا ہے اور اس کے ساتھ تقویٰ کی بھی شرط ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ باتیں درس تدریس سے نہیں آتیں۔ یہ علوم جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں درس تدریس سے آ ہی نہیں سکتے بلکہ وہ تقویٰ اور محض تقویٰ سے ملتے ہیں۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ (البقرۃ:۲۸۳) اگر محض درس تدریس سے آ سکتے تو پھر قرآن مجید میں مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ (الجمعۃ:۶) کیوں

ہوتا۔ سہ

اس بارہ میں میں خود تجربہ کار ہوں۔ کتابوں کو جمع کرنے اور ان کے پڑھنے کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ میرے مخلص احباب نے بسااوقات میری حالت صحت کو دیکھ کر مجھے مطالعہ سے باز رہنے کے مشورے دئے مگر میں اس شوق کی وجہ سے ان کے دردمند مشوروں کو عملی طور پر اس بارہ میں مان نہیں سکا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہزاروں ہزار کتابیں پڑھ لینے کے بعد بھی وہ راہ جس سے مولیٰ کریم راضی ہو جاوے اس کے فضل اور مامور کی اطاعت کے بغیر نہیں ملتی۔

ان کتابوں کے پڑھ لینے اور ان پر ناز کر لینے کا آخری ڈپلومہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہی کہ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن:۸۴)

میرے ایک شیخ تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ غَايَةُ الْعِلْمِ حَيْرَةٌ۔ غرض وہ بات جو خدا تعالیٰ کو پسند ہے جس سے وہ راضی ہوتا اور اپنے فضلوں سے انسان کو بہرہ مند کرتا ہے' وہ نہ بہت باتوں سے مل سکتی ہے' نہ بہت کتابوں کے پڑھنے سے۔ بلکہ وہ بات تعلق رکھتی ہے دل سے۔ وہ اس کی ایک کیفیت ہے جس کو عام الفاظ میں وفاداری' اخلاص اور صدق کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے ماموروں کی اطاعت سے اور سچی پیروی سے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲) خدا تعالیٰ نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ اس فیصلہ کے بعد اور کیا چاہتے ہو۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ (یونس:۳۳) ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام جس کی نسل سے ہونے کا آج سب سلطنتیں فخر کرتی ہیں اس نے اس راہ کو اختیار کیا۔ اس نے صدق دل سے اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (البقرۃ:۱۳۲) کہا اور اسی ایک امر کی اولاد کو وصیت کی۔ نتیجہ کیا ہوا؟ خدا تعالیٰ نے اسے ایسا معزز و مکرم بنایا کہ اس کی اولاد کی گنتی تک نہیں ہو سکتی۔ وہ بادشاہ جو اس کے مقابلہ میں اٹھا آج کوئی اس کا نام تک بھی نہیں جانتا۔

یقیناً سمجھو اللہ تعالیٰ کسی کا احسان اپنے ذمہ نہیں رکھتا۔ وہ اس سے ہزاروں لاکھوں گنا زیادہ دے دیتا ہے جس قدر کوئی خدا کے لئے دیتا ہے۔ دیکھو! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں ایک معمولی کوٹھا چھوڑا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اس کی کس قدر قدر کی۔ اس کے بدلہ میں اسے ایک سلطنت کا مالک بنا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک اونٹ چرانے والے کو کس وسیع ملک کا خلیفہ بنایا۔ جناب علیؓ نے خدمت کی۔ اس کی اولاد تک کو مخدوم بنا دیا۔ غرض میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور صدق و اخلاص سے چھوٹی سے چھوٹی خدمت بھی ہزاروں گنا بدلہ پاتی ہے۔ وہ تھوڑی سی بات کا بہت بڑا اجر دے دیتا ہے۔ پھر جو اس کے ساتھ سچا رشتہ عبودیت قائم کرتا ہے' اس کے عظمت و جلال سے ڈر جاتا ہے' دین کو دنیا پر مقدم

کرتا ہے جیسا کہ تم نے اپنے مرشد و مولیٰ مہدی و مسیح کے ہاتھ پر اقرار کیا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی تائید اور نصرت میں ایسا لگ جاتا ہے کہ

بر کسے چوں مہربانی می کنی
از زمینی آسمانی می کنی

کا اسے سچا مصداق بنا دیتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تم سچ مچ وہ نمونہ دکھاؤ جو ابراہیم علیہ السلام نے دکھایا۔ کہنے والوں کی آج کمی نہیں۔ تم سے تمہارا امام عمل چاہتا ہے۔ عملی حالت درست ہو گی تو خدا تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام و اکرام تمہارے شامل حال ہو جائیں گے۔ وہ ہزاروں ہزار ابراہیم بنا سکتا ہے۔ تم ابراہیمؑ بنو بھی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابراہیم اور اس کے خاندان نے یہ مجرب نسخہ بتایا کہ تمہاری موت ایسی حالت میں ہو کہ تم مسلمان ہو۔ موت کا کیا پتہ ہے کہ کب آجاوے۔ ہر عمر کے انسان مرتے ہیں۔ بچے' بوڑھے' جوان' ادھیڑ۔ موسم میں جو تغیر ہو رہا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انذار ہے۔ شروع سال میں زمینداروں سے سنا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس قدر غلہ ہو گا کہ سمانہ سکے گا مگر اب وہی زمیندار کہتے ہیں کہ سردی نے فصلوں کو تباہ کر دیا ہے۔ آئندہ کے لئے خطرات پیدا ہو رہے ہیں۔ اس لئے یہ وقت ہے کہ تم خدا تعالیٰ سے صلح کر لو اور اس ایک ہی مجرب نسخہ کو ہمیشہ مدنظر رکھو کہ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (البقرة:۱۳۳) موت کی کوئی خبر نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر وقت مسلمان بنے رہو۔ یہ مت سمجھو کہ چھوٹے سے چھوٹے عمل کی کیا ضرورت ہے اور وہ کیا کام آئے گا۔ نہیں' خدا تعالیٰ کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال:۸)

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں جب کافر تھا تو اللہ کی راہ میں خیرات کیا کرتا تھا۔ کیا اس خیرات کا بھی کوئی نفع مجھے ہو گا؟ فرمایا اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ (مسلم کتاب الایمان) تیری وہی نیکی تو تیرے اس اسلام کا موجب ہوئی۔

خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اور اس کی سچی فرمانبرداری کے نمونے سے ثابت کرو۔ ٹھیک یاد رکھو کہ ہر نیک بیج کے پھل نیک ہوتے ہیں۔ برے بیج کا درخت برا پھل دے گا۔

گندم از گندم بروید جو ز جو
از مکافات عمل غافل مشو

مسلمان بنو۔ اَسۡلِمۡ کی آواز پر اَسۡلَمۡتُ کا جواب عمل سے دو۔ دوست' احباب' رشتہ داروں اور عزیزوں کو نصیحت کرو کہ اسلام اپنے عمل سے دکھاؤ۔ تمہیں خدا تعالیٰ نے بہت عمدہ موقع دیا ہے کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنے وقت پر آیا جو راست بازوں کا پورا نمونہ ہے اور تم میں موجود ہے۔ وہ تم سے بھی چاہتا ہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدم کرو۔ اس پر عمل کرو گے تو ناکام نہ رہو گے۔ مومن کبھی ناشاد نہیں رہ سکتا بلکہ سدا ہی بہشت میں رہتا ہے۔ اس کو دو بہشت ملتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ان باتوں پر عمل کریں۔ کثرت کے ساتھ استغفار کرو اور لاحول پڑھو۔ دعاؤں میں مصروف رہو' پھر خیرات دو۔ خیرات بھی ہدایت کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

قرآن شریف عمل کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ نبی کریم کی سنت موجود ہے۔ امام خود نمونہ ہے۔ وہ حکم ہو کر آیا ہے پس اس کے حکم کو مانو کہ تمہارا بیڑا پار ہو۔

ان لوگوں کے لئے جو یہاں رہتے ہیں اور احتیاجیں رکھتے ہیں' نظر کرو۔ ان کی مدد کرو۔ ان ضرورتوں کو جو سلسلہ کی ضرورتیں ہیں جن کو "فتح اسلام" میں حضرت امام نے ظاہر کیا ملحوظ رکھو۔ مختلف وقتی ضرورتیں بھی پیش آجاتی ہیں ان کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

میں آخر میں حضرت امام کے حضور دردِ دل سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو دور کرے۔ سب سے زیادہ میں دعا کا حاجت مند ہوں۔ اس لئے کہ اکثر لوگوں کو سناتا رہتا ہوں۔ پس اگر میرا ہی نمونہ اچھا نہ ہوا تو بہتوں کو ٹھوکر لگ سکتی ہے۔ اس لئے میرے لئے خاص طور پر دعا فرماویں۔ اس کے بعد حضرت اقدس نے دعا کی۔

خطبہ ثانیہ میں آپ نے قربانی کے متعلق مختصر احکام بیان فرمائے۔[4]

[1] (الحکم جلد ۹ نمبر ۷ --- ۲۴ / فروری ۱۹۰۵ء صفحہ ۷) [2] (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۲ --- ۱۰ / اپریل ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)

[3] (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۶ --- ۱۰ / مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۵) [4] (الحکم جلد ۹ نمبر ۱۷ --- ۱۷ / مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)

۲۱؍ مئی ۱۹۰۵ء

خطبہ نکاح

حضرت حکیم نورالدین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی موجودگی میں بعد نماز ظہر باغ میں مندرجہ ذیل تین نکاحوں کا اعلان فرمایا۔ سید محمد ابن سید حامد شاہ، سید عبد الحمید ابن سید حامد شاہ، سید عبد السلام ابن سید محمود شاہ۔

تشہد، تعوذ اور آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا:۔

سنی، شیعہ، مقلد، غیر مقلد، اسلام کے تمام فرقوں کے درمیان یہ ایک متفق علیہ امر ہے کہ خطبہ نکاح کے وقت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ پڑھا جاتا ہے۔ اس میں اول جناب الٰہی کی حمد ہے جس نے فسق و فجور، زناکاری، بدکاری سے ہم کو بچایا۔ جس طرح مرد پیدا کئے اسی طرح عورتیں بھی پیدا کیں اور زن و شوئی کا تعلق ان کے درمیان رکھ دیا۔ جو لوگ نکاح نہیں کرتے وہ حقیقی طور پر عورتوں کی بلکہ تمام نسل انسانی کی خیر خواہی نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔ نکاح انسان کو بہت سی بدیوں سے بچاتا ہے۔ لیکن یہ نعمت بغیر فضل الٰہی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ امر استعانت حق کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر ان معاملات میں انسان کو بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض دفعہ بیوی مرد کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتی یا مرد ایسا ہوتا ہے کہ

یہ تعلق ہمیشہ کے واسطے بیوی کے لئے ایک دکھ اور تکلیف کا موجب بن جاتا ہے۔ اس واسطے اس موقع پر استغفار کا سبق دیا گیا ہے۔ بعض غلطیوں کے بدنتائج کے سبب وہ اغراض پورے نہیں ہوتے جن کے واسطے یہ تعلقات پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب کا علاج استغفار ہے۔ جناب الٰہی میں استغفار کرنا تمام انبیاء کا ایک اجماعی مسئلہ ہے۔ استغفار تمام انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ گزشتہ غلطیوں کے بدنتائج سے بچاوے اور آئندہ غلطیوں میں پڑنے سے بچائے۔ خدا تعالیٰ نے اس تعلق کی حفاظت کے لئے بڑی تاکید فرمائی ہے۔

نکاح کے تعلقات میں اگرچہ احباب نے حضرت امام علیہ السلام کے منشاء کے مطابق پورے طور پر کارروائی شروع نہیں کی پھر بھی بعض بہت ہی اخلاص رکھنے والے دوست ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد کے نکاح حضرت امام کی موجودگی میں اس جگہ قادیان میں پڑھے جائیں تا کہ آپ کی دعاء و برکت سے یہ تعلقات ثمرات خیر کا باعث ہوں۔ چنانچہ ایسے ہی مخلص دوستوں میں سید حامد شاہ صاحب اور ان کے والد حکیم حسام الدین صاحب اور سید خصیلت علی شاہ صاحب مرحوم ہیں جن کی اولاد کے نکاح اس وقت آپ صاحبان کے سامنے باندھے جاتے ہیں۔

سید حامد شاہ صاحب کے لڑکے محمد کا نکاح سید خصیلت علی شاہ صاحب مرحوم کی لڑکی رفعت نام کے ساتھ کیا گیا۔ لڑکے کی طرف سے مولوی عبد الکریم صاحب وکیل ہیں اور لڑکی کی طرف سے شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر۔ (۲) سید حامد شاہ صاحب کے لڑکے عبد الحمید کا نکاح سید خصیلت علی شاہ صاحب مرحوم کی لڑکی مریم کے ساتھ کیا گیا۔ لڑکے کی طرف سے وکیل مولوی عبد الکریم صاحب اور لڑکی کی طرف سے شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر ہیں۔ (۳) سید حکیم حسام الدین صاحب کے پوتے عبدالسلام پسر سید محمود شاہ صاحب مرحوم کا نکاح سید خصیلت علی شاہ صاحب مرحوم کی لڑکی فضیلت کے ساتھ کیا گیا۔

آپ دعا کریں کہ جس غرض سے یہ نکاح اس جگہ کئے گئے ہیں وہ حاصل ہو اور میاں بیوی کے تعلقات میں برکت ہو۔ نیک اولاد آگے ہو جس سے لاکھوں صلحا آگے پیدا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر احباب نے دعا کی اور پھر چھوہارے تقسیم کئے گئے۔

(اس امر کا بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہو گا کہ لڑکیاں اور لڑکے اور ان کے ولی بعض وجوہات سے خود قادیان میں حاضر نہیں ہو سکتے تھے لیکن ان کی دلی خواہش تھی کہ یہ نکاح قادیان میں ہو اور ایسے جلسہ میں ہو جس میں خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہوں۔ چنانچہ یہ درخواست سیالکوٹ سے یہاں حضرت کی خدمت میں آئی۔)

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ یہ شرعی مسئلہ ہے۔ بذریعہ تحریر اجازت کے بعد اس جگہ نکاح ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے مطابق نکاح ہوا۔ حسن اتفاق سے مکرمی مخدومی شیخ رحمت اللہ صاحب بھی اس جگہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ شیخ صاحب موصوف کو سید خصیلت علی شاہ صاحب مرحوم کے ساتھ ایک خاص محبت و اخلاص کا تعلق تھا۔ خدا نے یہ عجیب اتفاق پیدا کر دیا کہ وہ ان کی لڑکیوں کی طرف سے وکیل بنے۔

(بدر جلد ۱ نمبر ۷ --- ۱۸ تا ۲۴ / مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۶)

۲۷ر اپریل ۱۹۰۶ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے سورۃ آل عمران کی حسب ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَ اِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (ال عمران:۳۲تا۳۸)۔

اے سامعین! قرآن مجید ایک ایسی زندہ کتاب ہے کہ اس کے برکات اور فیوض قیامت تک باقی رہیں گے اس لئے اس کی نسبت فرمایا گیا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:١٠)۔ اور اس کی مثال اس طرح پر فرمائی گئی ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍ بِاِذۡنِ رَبِّهَا (ابراھیم:٢٥)۔ پس سراسر جھوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ دروازہ مکالمات الٰہیہ و الہامات ربانیہ کا امت محمدیہ پر بند کیا گیا ہے۔ خواہ آیات قرآن مجید کی الہام ہوں یا دوسری عبارات ہوں، ہرگز یہ دروازہ بند نہیں ہوا۔ وَ لِلّٰهِ الۡحَمۡدُ۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ قرآن مجید زندہ کتاب ہے، دین اسلام زندہ مذہب ہے، نبی کریم زندہ نبی ہیں اور جو قصص قرآن مجید میں بیان فرمائے گئے ہیں ان کے نظائر و امثال آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے وقت میں بھی موجود ہوئے اور قیامت تک ان کے نظائر اسلامی دنیا میں واقع ہوتے رہیں گے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اتباع اپنے حبیب سے اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ کسی کو آدم صفت، نوح صفت، ابراہیم صفت اور انبیائے آل ابراہیم کی صفت، آل عمران یعنی مریم اور عیسیٰ کی صفت کر دیتا ہے اور کسی کو مثیل زکریا گردانتا ہے حتیٰ کہ جَرِیُّ اللّٰهِ فِىۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِيَآءِ کا لقب عطا فرما دیتا ہے۔ اور یہ سب امور قرآن مجید کے احکام کی فرمانبرداری اور اتباع کامل نبی کریم سے حاصل ہوتے ہیں۔ وَ نِعۡمَ مَا قِيۡلَ۔

بر کسے چوں مہربانی میکنی
از زمینی آسمانی میکنی

لیکن بغیر اتباع کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ (ال عمران:٣٣)

واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے وقت یہود بڑے بڑے دعاوی کرتے تھے حتیٰ کہ کہتے تھے کہ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدۃ:١٩)۔ ان کے حق میں یہ آیت زیر تفسیر نازل ہوئی ہے کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم! ان یہودیوں سے تم کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت کا تم دعویٰ کرتے ہو تو تم میری پیروی کرو کہ اللہ بھی تم کو اپنا دوست کر لیوے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دیوے گا کیونکہ اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے بندۂ متبع کے ساتھ یہ ہے کہ جو منافع دین و دنیا کے اس بندہ کے لئے ضروری ہوں یا اس کے لئے جو فوائد دارین کے مناسب ہوں ان کو پہنچاتا رہے اور جو لوگ اس کی اتباع میں حارج ہو کر طرح طرح کے ضرر پہنچانا چاہتے ہیں خود انہیں کو معرض مضار اور مورد ذلت اور

رسوائی کا کر دیوے۔ چنانچہ جن صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا پورا اتباع کیا ان کے مخالفین ذلیل و رسوا ہو کر ہلاک اور تباہ ہو گئے اور متبعین کاملین حسب الحکم آیت مذکورہ دین اور دنیا کے مالک کہلائے گئے۔ چونکہ آیت ہذا میں جو پیشین گوئی مندرج ہے وہ پورے طور پر واقع ہوئی لہذا یہ آیت ایک نشان نبوت کا ہو گئی۔ اور یہی آیت حضرت مسیح موعود کو الہام ہوئی تھی جس کو مدت تخمیناً چوبیس سال کی ہو گئی ہے۔ دیکھو اُس وقت کو اور اس وقت کو کیسی کیسی نصرتیں اس کے شامل حال ہوئی ہیں اور ہوتی ہیں اور مخالف اس کے کیسے کیسے ذلیل و خوار ہوتے جاتے ہیں۔ ایک طرف تو نظارہ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲) کا نظر آ رہا ہے اور دوسری طرف فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (ال عمران:۳۳) کا نظارہ موجود ہے۔

رحمت اللہ ایں عمل را در وفا
لعنت اللہ آں عمل را در قفا

بعض منافقین نے اس حکم تاکیدی اتباع پر یہ شبہ پیدا کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم تو اپنی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتے ہیں اور اپنی محبت کو اللہ تعالیٰ کی محبت کہتے ہیں۔ اس سے تو لازم آتا ہے کہ جس طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا قرار دے رکھا ہے یہ بھی اپنے تئیں اِلٰہ قرار دینا چاہتے ہیں۔ جواب یہ دیا گیا کہ اطاعت تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ مگر اس کی اطاعت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس کا طریق یہ ہے کہ کوئی ایسا واسطہ موجود ہو کہ ایک لحاظ سے ہم جیسا بشر ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو ایسا قرب حاصل ہو کہ رسالت اس کے احکام کی کر سکے جس کو دوسرے لفظوں میں رسول کہتے ہیں۔ تو اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میری متابعت بحیثیت رسول ہونے کے تم پر واجب ہے' نہ اس حیثیت سے جس طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی نسبت کہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں رسول ہوں۔ اس لئے واسطے اطاعت اللہ تعالیٰ کے میرا اتباع تم پر لازم ہے۔ اگر اس فہمائش اور ہدایت کو بھی نہ مانیں اور روگردانی کریں جو موجب کفر ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس عدم محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام مکذبین اور کافرین آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے وقت میں ہی یا تو تباہ اور ہلاک ہو گئے یا جن کی قسمت میں تھا اسلام میں داخل ہو گئے۔ علیٰ ہذا القیاس هَلُمَّ جَرًّا۔ مسیح موعود کے زمانہ تک کہ بحکم حدیث صحیح مسلم لَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ اَنْ يَّجِدَ رِيْحَ نَفْسِهٖ اِلَّا مَاتَ کے اس کے مکذبین اور مکفرین بھی رسوا اور تباہ ہو گئے اور ہو رہے ہیں۔ پس بلحاظ اس کے کہ یہ

پیشین گوئی لطیف مندرجہ آیت پوری ہوئی' اب آگے اہل کتاب کا وہ استبعاد رفع کیا جاتا ہے جو ان کو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت کے بارہ میں تھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام جہان کے لوگوں پر آدمؑ اور نوحؑ اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو چن لیا ہے۔ کیونکہ یہ سب اولاد آدم کی ہیں کہ بعض ان کے بعض کی نسل سے ہیں اور اللہ ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

فائدہ۔ مراد یہ ہے کہ یہ امر تمہارے نزدیک مسلمات سے ہے کہ حضرت آدمؑ جس طرح پر ابوالبشر ہیں اسی طرح ابوالانبیاء بھی ہیں۔ یعنی نور اصطفا کا اولاً ان میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور چونکہ لائق اولاد اپنے باپ کی وارث ہوتی ہے اس لئے ضروری ہوا کہ نور نبوت کا ان کی اولاد لائق کو بھی پہنچے۔ چنانچہ ایسا ہی کچھ ہوا کہ آدم کی اولاد میں شیثؑ سے لے کر حضرت ادریسؑ تک وہ نور نبوت منتقل ہوتا لائق اولاد میں چلا آیا۔ اور اصطفا سے ہم نے نور نبوت اس لئے مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنِّیْ اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ (الاعراف:۱۴۵)۔ یا حضرت ابراہیمؑ اور اسحاقؑ و یعقوبؑ کے بارہ میں فرماتا ہے وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (ص:۴۸)۔ پس مراد اصطفا سے وہی نور نبوت اور رسالت کا ہے جو آدم ثانی حضرت نوح کو بھی حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت نوحؑ سے ابراہیم کو مرحمت ہوا۔ بعدہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں حضرت اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کو ملا جو آل ابراہیمؑ سے ہیں۔ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں یعقوبؑ ہوئے یعنی اسرائیل جس کی اولاد میں کثرت سے انبیاء پیدا ہوئے اور حضرت عیصؑ بھی یعقوبؑ کی اولاد میں ہیں جن کی ذریت میں کثرت سے بادشاہ ہوئے۔ بالآخر چونکہ عہد عتیق میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ دونوں سے تورات میں وعدہ کیا تھا لہٰذا وہ وعدہ پورا ہوتا ہوا بنی اسرائیل میں چلا آیا حتیٰ کہ بالآخر بموجب وعدہائے تورات کے بنی اسمٰعیل میں سے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و سلم کو وہ نور نبوت تامہ اور نیز خلافت عامہ کا مرحمت ہوا اور کیونکر نہ ہوتا کہ حضرت اسمٰعیلؑ بھی آل ابراہیم میں داخل ہیں اور آل ابراہیم کے لئے وعدہ ہو چکا ہے۔ پس اس دلیل سے جو مسلمہ اہل کتاب ہے لازم آیا کہ بنی اسمٰعیلؑ میں بھی وہ وعدہ اصطفا اس شان سے پورا ہووے کہ تدارک مافات کا کر دیوے۔ اور مافات یہ ہے کہ جس طرح سے من ابتدائے حضرت یعقوبؑ تا عیسیٰ کثرت سے انبیاء بنی اسرائیل میں ہوتے چلے آئے اور بنی اسمٰعیلؑ میں کوئی نبی اولوالعزم پیدا نہیں ہوا تو بنی اسمٰعیلؑ میں ایک ایسا نبی عظیم الشان سید المرسلین و خاتم النبیین پیدا ہووے جو سب انبیاء بنی اسرائیل پر فائق ہو جاوے۔ چنانچہ اس وعدہ کے پورا ہونے سے ان وعدوں مندرجہ تورات کی تصدیق ہو گئی جو بڑے زور و شور سے تورات میں اب تک موجود ہیں۔ یہ ایک بڑی حجت ہے آنحضرتؐ کی تصدیق نبوت

پر، جس کا جواب اہل کتاب سے ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَ الۡحِكۡمَةَ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (البقرۃ:۱۳۰)

سوال۔ اصطفائے آل عمران کو آخر میں بیان کرنے کی بظاہر کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ آل عمران یعنی حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ بنی اسرئیل میں سے ہیں جو آل ابراہیم میں داخل ہو چکے ہیں۔ پھر آل عمران کو مکرر آخر میں کیوں بیان کیا گیا؟

جواب۔ اس تکرار میں ایک سر یہ ہے کہ امت محمدیہ میں سے بھی آخر زمانہ میں ایک مثیل عیسیٰؑ اور نیز مثیل مریمؑ علم الٰہی میں پیدا ہونے والے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے بطور مثل کے مومنوں کے لئے سورہ تحریم میں اس طرح پر بیان فرمایا ہے۔

وَ مَرۡيَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِيۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ صَدَّقَتۡ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ (التحریم:۱۲، ۱۳)۔ چنانچہ اس زمانہ آخری میں عیسیٰؑ اور مریمؑ کے نام سے ایک مجدد عظیم الشان پیدا ہوا۔ پس اس لئے آل عمران یعنی عیسیٰؑ اور مریم کو باوجود داخل ہونے کے بنی اسرائیل میں دوبارہ جو آل ابراہیم سے ہیں آخر میں ذکر فرمایا گیا۔ اور اسی لئے حضرت مریمؑ اور عیسیٰ کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ وَ جَعَلۡنٰهَا وَ ابۡنَهَاۤ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیاء:۹۲)۔ اس آیت میں اگر تھوڑا غور کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ نہ اپنے زمانہ میں اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہوئے اور نہ بعد اپنے زمانہ اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہونا ان کا ظاہر ہوا، ہاں البتہ ان کا اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید میں نازل ہوا تھا۔ اس لئے کلام نبوت میں عیسیٰؑ موعود کے نزول کی پیشگوئی آخر زمانہ کے لئے بیان فرمائی گئی اور اس زمانہ آخری میں اپنے وقت پر ایک مجدد بنام عیسیٰؑ و مریمؑ پیدا ہوا جس کے سبب سے حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کا نام نامی تمام عوالم میں روشن ہو گیا اور جو شرک اور بدعت حضرت عیسیٰؑ یا مریمؑ کے نام سے دنیا جہان میں پیدا ہو گیا تھا جس کے سبب ان کے آیت ہونے میں بھی شبہات پیدا ہوئے تھے اس عیسیٰ موعودؑ نے اس سب کا محو کر دینا چاہا ہے تاکہ عیسیٰؑ و مریمؑ جو بندگان مقبول الٰہی میں سے تھے اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہو جاویں۔ پس یہ سر تھا آل عمران کو آخر میں مکرر ذکر فرمانے کا۔ وَ هٰذَا مَا اَلۡهَمَنِيۡ رَبِّيۡ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ۔ اور یہی معنی ہیں اس شعر کے جو کہا گیا ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

مطلب یہ ہے کہ ایک مرد کامل امت محمدیہ کے طفیل سے حضرت عیسیٰ کا نام دنیا جہان میں روشن ہو گیا ورنہ اہل کتاب نے جو یہود و نصاریٰ "بدنام کنندہ نکونامے چند" ہیں، بسبب اپنے کفر و شرک کے اور اپنی بداعمالیوں کے سبب حضرت عیسیٰ کا نام تو میٹنا ہی چاہا تھا بلکہ میٹ چکے تھے مگر ایک غلام احمد نے ان کے نام کو دنیا جہان میں روشن کر دیا۔ پس ایک فرد کامل امت محمدیہ میں سے ان کے نام کے ساتھ مبعوث ہوا اور اس سے امت محمدیہ کو کوئی فخر حاصل نہیں ہوا بلکہ حضرت عیسیٰ کو اس بعثت مسیح موعود سے فخر حاصل ہوا ہے۔ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (ال عمران:۱۱۱)۔ اسی لئے آگے اس کے حضرت مریمؑ کی ولادت اور دیگر قصص متعلق اس کے بیان فرمائے جاتے ہیں اور تاکیداً ارشاد ہوتا ہے کہ ان قصوں کو یاد کرتے رہو ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤ کہ عمران کی زوجہ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے پیٹ میں جو بچہ ہے تیری نذر کیا۔ دنیا کے کاموں سے آزاد کیا گیا۔

پس اے پروردگار میرے! تو میری طرف سے یہ نذر قبول فرما۔ بے شک تو ہے سب کچھ سنتا۔ سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔

فائدہ:۔ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ ماں باپ اپنے بعض لڑکوں کو اپنی خدمتوں سے آزاد کر کر اللہ تعالیٰ کی نذر کر دیتے تھے اور تمام عمر دنیا کے کاموں میں نہیں لگایا کرتے تھے۔ ہمیشہ مسجد میں عبادت کے لئے یا مسجد کی خدمت کرنے کے لئے اور دینیات کے درس کرنے کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ عمران کی زوجہ حنا کو جب حمل ہوا تو اس نے حالت حمل ہی میں واسطے خالص رضامندی اللہ تعالیٰ کے اول ہی سے یہ نذر کر لی تھی تاکہ مادر زاد ولی پیدا ہو مگر حالت حمل سے ہی شریعت اسلام میں یہ دستور تو نہیں ہے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ خود کسی شخص کو برگزیدہ کر کر خالص خدمت دین ہی کے لئے چن لیتا ہے اور اس کی فطرت اور جبلت ہی ایسی پیدا کرتا ہے کہ دنیا کے کاموں کی طرف اس کو رغبت ہی نہیں ہوتی جیسا کہ کلام نبوت میں وارد ہوا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (سنن ابوداود کتاب الملاحم و الفتن) اور یہی مراد ہے مولانا روم کے اس شعر سے

اولیاء را کار عقبیٰ اختیار
اشقیاء را کار دنیا اختیار
انبیاء در کار دنیا جبر یند
اشقیاء در کار عقبیٰ جبر یند

حضرت مریم کی والدہ نے حالت حمل ہی میں یہ نذر کر کر یہ دعا کی کہ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۔ اس میں سریہ تھا کہ ان کی تمنادلی یہ تھی کہ وہ بچہ پیٹ ہی میں اللہ تعالیٰ کا مقبول اور محبوب ہو جاوے جس کو عرف میں مادر زاد ولی کہتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے دو صفتوں سمیع و علیم کا بیان کیا کہ جس اخلاص سے میں نے تیری جناب میں یہ دعا کی ہے تیرے سوا اور کوئی اس کا سننے والا نہیں اور جو میری تمنائے دلی ہے اس کا علیم و خبیر تیرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ یہ قصہ حضرت مریم کی والدہ کے نذر کرنے کا اس لئے یاد دلایا گیا کہ وہاں تو حضرت حنا کی دعا سے مریم کو پیدا کیا تھا اور امت محمدیہ میں حسب الحکم آیت سورہ تحریم کے ہم خود ایک ایسا غلام احمد پیدا کریں گے کہ مریم صفت ہو کر دین محمدی کا ایسا خادم ہو گا کہ دنیا کے کاموں سے بالکل آزاد اور محرر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا محبوب اور مقبول ہو گا۔ اس لئے الہامات میں اس مسیح موعود کا نام مریم بھی آیا ہے۔ معنی مریم کے کتب لغات میں خادم کے ہی لکھے ہیں۔ یعنی خادم احمد یا غلام احمد' یہ دونوں جو قریب المعنی ہیں۔ اب فرمایا جاتا ہے کہ پس جبکہ جنا اس کو۔ کہا۔ اے رب میرے تحقیق میں نے جنا اس کو لڑکی اور اللہ کو بہتر معلوم ہے جو کچھ جنی۔ اور بیٹا نہیں ہے مانند اس بیٹی کے اور تحقیق میں نے نام رکھا اس کا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔

فائدہ:۔ حنا والدہ مریم کو یہ خیال تھا کہ میرے شکم میں لڑکا ہی ہے اور لڑکا ہی محرر کیا جاتا تھا جبکہ ان کے لڑکی پیدا ہوئی تو ان کو یہ خیال آیا کہ شاید میری نذر قبول نہ ہوئی کیونکہ لڑکی واسطے خدمت بیت المقدس کے یا دیگر خدمات دینیہ کے لئے محرر نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جناب باری میں یہ عذر کیا یا بسبب حسرت کے یہ مقولہ کہا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قدر و عزت خوب جانتا ہے اور لڑکا اس لڑکی کی برابری نہیں کر سکتا۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں اس کی دو توجیہیں لکھی ہیں۔ اول تو یہ کہ تفضیل لڑکے کی لڑکی پر مراد الٰہی ہے۔ دوسرے یہ کہ تفضیل اس لڑکی کی لڑکے پر مقصود ہے۔ پس کلام الٰہی دونوں توجیہوں کو متحمل ہے۔ یہ کلام جو ذوالوجہین فرمایا گیا اس میں سریہ ہے کہ امت محمدیہ میں جو خیر الامم ہے ایک مجدد عظیم الشان بنام مریم علم الٰہی میں مذکر آنیوالا تھا جو دین محمدی کو زندہ کرے گا۔ لہٰذا ایسا کلام ذوالوجہین فرمایا گیا کہ دونوں وجہوں پر صادق آسکے۔ ہاں اس قدر فرق ہے کہ وہاں تو والدہ مریم نے ہی لڑکی کا مریم نام رکھا تھا اور یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خود بذریعہ الہام کے اس مجدد عظیم الشان کا نام مریم رکھا اور چونکہ یہ مجدد ایک لڑکی کے ساتھ توام پیدا ہوا اور وہ لڑکی توام انہیں ایام میں وفات پا گئی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فعل سے بھی یہ شہادت دی کہ اب دین عیسوی باقی نہ رہے گا۔ (جس میں محض مادہ اناث ہے کیونکہ عیسیٰ صرف مریم کے مادہ ہی سے پیدا ہوئے تھے اور مرد کا اس میں

کچھ دخل نہیں تھا) بلکہ دین محمدی اس لڑکے سے زندہ کیا جاوے گا اور مادہ اناث فوت ہو جاوے گا۔ کیونکہ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى (ال عمران:۳۷) اور یہی مراد ہے اس شعر سے جو حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

لیکن ہاں چونکہ حضرت اقدس بنی اسرائیل میں سے ہیں لہٰذا دعا حضرت حنا کی اس لڑکی کے حق میں بھی، جس کا نام خود اللہ تعالیٰ نے مریم رکھا ہے، قبول فرمائی گئی اور کیونکر قبول نہ فرمائی جاتی کہ یہاں پر تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہی نام اس کا مریم رکھا ہے۔ معنی مریم کے خادمہ کے ہیں یعنی خادمہ دین اور پھر دیکھو دوسری قدرت اللہ تعالیٰ کی کہ والدین سے جو اس کا نام اللہ تعالیٰ نے رکھوایا وہ بھی ہم معنی مریم کے رکھوایا یعنی غلام احمد قادیانی جس میں اس کے سن بعثت کی تاریخ کا پتہ بھی بتلا دیا گیا۔ اور پھر اس مریم اور اس مریم میں ایک اور فرق بین ہے۔ پہلی مریم تو خادمہ مسجد ہی تھیں اور یہ مریم جو غلام احمد ہے خادم دین اللہ الاسلام اور مجدد دین احمد علیہ السلام ہے۔ وَشَتَّانَ بَيْنَهُمَا وَلَنِعْمَ مَا قِيْلَ۔

حج زیارت کردن خانہ بود
حج رب البیت مردانہ بود

پہلی مریم تو صرف خانہ خدا کی خدمت کے لئے پیدا کی گئیں اس لئے وہ انثیٰ رہی اور دوسرے مریم جو غلام احمد ہے دین اللہ کی خدمت اور تائید اسلام کے لئے مبعوث ہوئے اس لئے وہ مردانہ ہوئے۔ پہلی مریم نے مسجد اقصیٰ کی بنیاد نہیں ڈالی تھی بلکہ صرف خادمہ تھیں۔ لیکن غلام احمد نے قادیان میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد قائم کی۔ پہلی مریم نے اپنی ذریت کے لئے مُخْلِصًا لِلّٰهِ دعا کی تھی تب قبول ہوئی تھی اور غلام احمد کی ذریت کے "انبات حسن" ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود الہاماً اس کو اطلاع دی۔ چنانچہ فرمایا جاتا ہے۔ "پس اس کے پروردگار نے مریم کو خوشی سے قبول فرمالیا اور اگایا اس کو اچھا اگانا" یعنی اس کی ذریت میں سے ایک فرزند کامل پیدا کیا۔

فائدہ:۔ یعنی وہاں پر حضرت عیسیٰ کو پیدا کیا اور یہاں پر نفخ روح کر کر خدا نے اسی مریم کی ذات کو عیسیٰ کر دیا وَجَعَلْنَاكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ اور پھر علاوہ اس پر اس کی اولاد میں سے ایک فرزند کامل مکمل

پیدا کیا جس کی نسبت الہامات تمام دنیا میں شائع ہو چکے ہیں۔

تنبیہہ:۔ جس طرح پر کہ اولاد صالح سے دنیا میں نام نیک مشہور ہوتا ہے اسی طرح پر سنت الٰہی یہ ہے کہ کسی کامل مکمل کے نام پر کسی زمانہ آخری میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ مبعوث فرماتا ہے تاکہ دوبارہ اس کو زندگی بخشے اور اس پہلے شخص کا نام دنیا میں نیک نامی کے ساتھ مشہور اور روشن ہو جاوے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک فرد کامل کو امت محمدیہ میں سے بنام مسیح و مریم اس آخر زمانہ میں مبعوث فرمایا تاکہ جس قدر شرک اور بدعات کفر جو ان کی طرف اقوام عیسائیاں یا دیگر اقوام منسوب کرتے ہیں ان سے ان کو تطہیر فرما دیا جاوے۔ کما قال اللہ تعالیٰ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (ال عمران:۵۶)۔ اور یہی سر تھا اس آیت کے الہام ہونے کا جو مدت سے براہین احمدیہ میں شائع ہو چکا ہے۔ وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ۔

نام نیک رفتگان ضائع مکن
تا بماند نامِ نیکت یادگار

اور اب یہ الہام قرآنی ذیل کا بھی پورا ہو گیا کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی نسبت جو فرمایا گیا ہے وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء:۹۲)۔ سبحان اللہ! یہ کلام الٰہی کیسا صادق اور مصدوق ہوا ہے ورنہ کوئی مخالف ہی ہم کو بتا دے کہ حضرت عیسیٰؑ باوجود اس کے کہ مدتہائے دراز سے ان کے نام کے ساتھ تمام دنیا میں شرک کیا جا رہا ہے' وہ کیونکر تمام عالموں کے لئے آیت اللہ ہو سکتے ہیں۔

آگے فرمایا جاتا ہے کہ حضرت زکریا کو مریم کا خبر گیر اور تربیت کنندہ کر دیا۔ جب ان پر زکریا محراب میں داخل ہوتے پاتے ان کے پاس رزق۔ کہتے کہ اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ رزق؟ تو مریم کہتیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہے۔ تحقیق اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب۔

فائدہ:۔ پس وہاں پر حضرت مریم حضرت زکریا کی کفالت میں کی گئیں۔ یہاں پر یہ مریم یعنی غلام احمد آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی کفالت تربیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئے گئے۔

دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستان محمد

فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ وہاں تو حسب روایات مفسرین کے غیر موسم کے میوہ جات ہی آتے تھے یہاں

پر علاوہ ان میوہ جات غیر موسمی کے میوہ جات غذائے روحانی اور ثمرات نورانی و فرقانی جن سے تمام حقائق اور معارف اسلام کے منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں' متواتر آ رہے ہیں۔ وہاں تو اقلام احبار میں سے صرف زکریا کا قلم فائق رہنے سے حضرت مریم ہی حضرت زکریا کی کفالت میں کی گئی تھی کہ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ (ال عمران:۴۵)' اور یہاں پر اس کے اقلام کے ذریعہ سے وہ کلمات اللہ 'جن کی نسبت وارد ہے کہ وَلَوْاَنَّ مَافِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان:۲۸)۔ کل دنیا میں سات سمندروں پار تک پہنچائے جاتے ہیں کیونکہ ظہور القلم اس کے لئے حدیث میں موجود ہے۔ وہاں پر مریمؑ کے پاس اگر جسمانی رزق صرف مریمؑ کے لئے بے حساب آتا تھا یہاں پر علاوہ اس رزق جسمانی بے حساب کے رزق روحانی و قرآنی بے حساب تمام عالم کو پہنچایا جاتا ہے کہ يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَ يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (براہین احمدیہ)۔ اب خلاصۃ المقال یہ ہے کہ اگر یہ مسیح موعود بنام عیسیٰؑ و باسم مریم اس آخر زمانہ میں مبعوث بنی اسرائیل میں سے نہ ہوتا تو اصطفا آل عمران کا جو بنی اسرائیل میں سے ہیں کل عالمین پر کیونکر ثابت ہوتا اور پھر اصطفا بنی اسمٰعیل کا جو آل ابراہیم سے ہیں اس وقت کل عالمین پر کیونکر واضح ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ اصطفا آل عمران کا حسب بیان مذکور مستلزم ہے اصطفا بنی اسمٰعیل و بنی اسرائیل کو۔ اور اصطفا دونوں کا مستلزم ہے اصطفا آل ابراہیم کا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ جملہ اصطفا مستلزم ہیں اصطفا محمد رسول اللہ' خاتم النبین' رحمۃ للعالمین کو۔ وھو المدعا

کرامت گرچہ بے نام و نشان است
بیا بنگر ز غلمان محمد

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۷---- ۱۷/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۸ تا ۱۰)

☆-☆-☆-☆

۴/ مئی ۱۹۰۶ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ آل عمران کی حسب ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَاتَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآئَنَا وَ اَبْنَآئَكُمْ وَ نِسَآئَنَا وَ نِسَآئَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ۔ قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَانُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَايَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

(ال عمران:۶۱ تا ۶۵)۔

اور پھر فرمایا:۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس سورۃ مبارکہ کا نام آل عمران ہے۔ وجہ تسمیہ اس کی اس نام کے ساتھ

یہی ہے کہ اس سورۃ متبرکہ میں آل عمران کا اصطفا قریب اسی آیتوں میں بیان فرمایا گیا ہے اور جو نزاع اور اختلاف درمیان اہل کتاب یہود اور نصاریٰ کے واقع تھے ان کا فیصلہ مسلمات اہل کتاب سے بدلائل بینہ کیا گیا۔ اور حق الامر کے دلائل دیتے ہوئے استدلال کا وہ اسلوب حسن اختیار کیا گیا ہے کہ آئندہ زمانوں میں قیامت تک جو نزاع درباره آل عمران یعنی حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے واقع ہو اس کا فیصلہ بھی انہیں دلائل مندرجہ آیات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

ان آیات سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت یہ وعدہ فرمایا ہے کہ تم کو صلیب کی موت سے جو بموجب حکم تورات کے لعنتی موت ہے بچایا جاوے گا اور تمہاری موت۔ تَوَفِّیْ کی موت ہو گی جس میں تم کو رفع الی اللہ یعنی قرب الٰہی حاصل ہو گا اور منکرین کے الزامات بیجا سے تم کو پاک کیا جاوے گا اور تمہارے مخالفین کافرین کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی عذاب شدید کے ساتھ معذب کیا جاوے گا اور تمہارے موافقین مومنین اور متبعین کو مانند تمہارے رفع اور فوقیت مخالفین کافرین پر عطا کی جاوے گی۔ جس طرح پر کہ حضرت آدم کو یہ مراتب بشری یا اصطفا کے ہماری طرف سے عنایت ہوئے تھے اسی طرح تم کو بھی حاصل ہوں گے وغیرہ وغیرہ جو اوپر کی آیات میں مفصلاً مذکور ہے۔ اب ان آیات میں فرمایا جاتا ہے کہ یہ سب ادلہ اور جملہ امور جو حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں مذکور کئے گئے حق اور ثابت شدہ صداقتیں ہیں تیرے رب کی طرف سے جو تیری تربیت کا ذمہ دار اور تعلیم کنہ اشیاء کا متکفل ہے۔ اس لئے شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

سوال۔ انبیاء علیہم السلام کو وحی الٰہی میں کب شک ہوا کرتا ہے خصوصاً حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو شک کیونکر ہو سکتا ہے جس کی نہی فرمائی گئی؟

الجواب۔ بادشاہ کا جو خطاب سپہ سالار فوج کو امر یا نہی ہوا کرتا ہے مراد اس خطاب سے غالباً اس سپہ سالار کی فوج اور لشکر ماتحت اس کا ہوتا ہے۔ اسی طرح پر اگرچہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اس خطاب سے مراد آپ کی امت ہے اور ایسے خطاب میں ایک عجیب نکتہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ان امور مذکورہ میں شک کرنا مذموم اور محذور میں اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ جس شخص سے اس میں شک کرنے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا اس کو بھی نہی فرمائی گئی چہ جائیکہ اس شخص کے جس کو شک کرنے کے لئے شیاطین الجن والانس سامان و اسباب شک کرنے کے مہیا کرتے رہتے ہوں۔ اور آنحضرت کی نسبت امکان شک کا نہ ہونا اس امر سے ظاہر ہے کہ باوجودیکہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اناجیل اور طالمود سے طرح طرح کی روایات اپنے اپنے مذہب کی تائید میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کرتے

تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امر حق پر اس قدر یقین کامل تھا کہ آپ مباہلہ کے لئے مستعد ہو گئے۔ جیسا کہ اس زمانہ آخری میں بھی مسیح موعود کے مخالفین پیچھے پڑے اور تکفیر نامے لکھے اور شور قیامت برپا کر کر ان کے روبرو احادیث موضوعہ اور روایات کاذبہ اپنے مذہب کی تائید میں پیش کی گئی ہیں۔ مگر نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ذرہ بھر شک پیدا ہوا اور نہ مسیح موعود کو کسی طرح کا شک وشبہ اپنے دعاوی میں پیدا ہوا۔ اسی لئے مسیح موعود نے بھی یہ آیت مباہلہ حسب درخواست مخالفین کے پیش کر دی ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی ایک عالم پر اس اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ کی حقیقت منکشف ہو گئی تھی اور اس زمانہ آخری میں بھی حقیقت ان دعاوی مسیح موعود کی جو مضمون آیات ماسبق کی موید اور مبین ہیں ' ایک عالم پر واضح ہوتی چلی جاتی ہے لہٰذا یہ آیت بسبب وقوع اپنے مضمون کے ایک نشان نبوت کا بھی ہو گئی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اور چونکہ تفسیر کبیر وغیرہ میں اس آیت کی ترکیب میں یہ بھی لکھا ہے وَقَالَ اٰخَرُوْنَ اَلْحَقُّ رَفَعَ بِاِضْمَارِ فِعْلٍ اَیْ جَآءَكَ الْحَقُّ اندریں صورت یہ آیت ایک صریح پیشین گوئی ہو گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی واقع ہوئی اور اس زمانہ آخری میں بھی بڑے زور شور سے واقع ہو رہی ہے۔ اس لئے یہ آیت بہمہ وجوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے لئے ایک بڑا نشان ہے۔

اب بعد اتمام حجت کے جو دلائل علمیہ سے بیان فرمائے گئے اور دلائل علمیہ کا بیان انتہا درجہ کو پہنچ گیا تب بھی مخالفین نے تسلیم نہ کیا' تو فرمایا جاتا ہے کہ جو شخص اس کے بعد عیسیٰ کے بارہ میں کٹ حجتی کرتا رہے تو آخری فیصلہ یہ ہے کہ ان سے کہہ دو کہ آجاؤ۔ ہم اپنے بیٹوں کو بلاویں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو شریک کریں اور تم اپنے نفسوں کو۔ پھر ہم سب مل کر تضرع اور زاری کے ساتھ دعا کریں۔ پس جھوٹوں پر خدا کی لعنت ڈالیں۔

فائدہ:۔ یہ قصہ مباہلہ کا نصاریٰ نجران کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا جن میں ساٹھ سواروں کا وفد مع لاٹ پادری سید اور عاقب کے جو بڑے ذی رائے تھے موجود تھا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناظرہ فرما کر بخوبی ان پر اتمام حجت فرمایا تب بھی انہوں نے امر حق اور صداقت ثابت شدہ کو تسلیم نہ کیا۔ تب بالآخر مجبور ہو کر مباہلہ کی آیت پیش کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہوئے اور اپنے اہل بیت یعنی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرا اور ہر دونوں بیٹوں حسنین کو اور حضرت علی داماد کو لے کر مباہلہ کے لئے موجود ہوئے کیونکہ نصاریٰ نجران نے حضرت کا بہت پیچھا کیا تھا۔ آغاز سورۃ آل عمران کا قریب اسی آیتوں کے اسی مناظرہ اور مباہلہ کے بیان میں نازل ہوا ہے۔ یہ مناظرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک بڑا عظیم الشان مناظرہ واقع ہوا تھا جس کی نوبت بالآخر مباہلہ تک پہنچی تھی مگر نصاریٰ نجران اس مباہلہ سے ایسے خوف زدہ ہو گئے کہ جو ان میں بشپ اور لاٹ پادری مسمی عاقب و سید وغیرہ موجود تھے انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا جن میں قریب ساٹھ سواروں کے بھی تھے کہ یا معشرالنصاریٰ! یہ تو وہی سچے نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی نبوت کی خبر عہد عتیق اور عہد جدید میں موجود ہے اور جو دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں وہ منقوض نہیں ہو سکتے۔ اندریں صورت اگر ہم مباہلہ کریں گے تو بالضرور ہم ہلاک اور تباہ ہو جاویں گے۔ اگر تم کو اپنے ہی دین کی محبت ہے تو لوٹ چلو اور ان سے کچھ تعرض مت کرو اور نہ ان سے لڑو۔ یہ دونوں پادری بڑے ذی رائے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت مذکورین سے فرما رہے تھے کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ اس وقت ان کے بشپ لاٹ پادری نے اپنے ہمراہیوں سے یہ بھی کہا کہ میں ان لوگوں کے چہرے ایسے دیکھتا ہوں کہ اگر یہ لوگ پنج تن کسی پہاڑ کا اپنی جگہ سے ٹلا دینا بھی اللہ تعالیٰ سے چاہیں گے تو وہ پہاڑ بھی ٹل جاوے گا۔ فَلَا تَبَاهَلُوْا فَتَهْلِكُوْا۔ غرضیکہ ان نصاریٰ نجران نے پھر تو نہ مباہلہ کرنا چاہا اور نہ لڑنا چاہا بلکہ بالآخر جزیہ دینا قبول کیا۔ سال بھر میں دو مرتبہ یعنی ماہ صفر میں ایک ہزار حلہ اور ماہ رجب میں ایک ہزار حلہ اور خالص لوہے کی عمدہ تیس زرہ۔ اگرچہ اس قوم نصاریٰ نجران سے مباہلہ واقع نہیں ہوا مگر یہ واقعہ جو اس آیت اور احادیث میں مذکور ہے آپ کی حقیت نبوت کے لئے مفسرین ایک بڑی دلیل مثبت لکھتے ہیں۔ روایات میں یہ بھی واقعہ ہوا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اہل نجران نصاریٰ سے عذاب بہت قریب ہو گیا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔ وَلَمَّا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارىٰ كُلِّهِمْ حَتّٰى يَهْلِكُوْا (بخاری کتاب مناقب انصار)۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود جو حضرات عیسائیوں کو مدت دراز سے اسلام کی طرف دعوت کر رہے ہیں لیکن کوئی عیسائی صاحب خواہ بشپ ہو یا لاٹ پادری اس میدان لق و دق میں قدم رکھنا نہیں چاہتے کیونکہ جانتے ہیں کہ ہم اہل اسلام کے مقابلہ مباہلہ میں ہرگز ہرگز کامیاب نہ ہوویں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے مذہب کی پردہ دری ہو جاوے گی۔ مگر اس امتناع کے لئے ایک عذر بار دیہ بنا لیا ہے کہ ہمارے مذہب میں مباہلہ جائز نہیں ہے۔ ہاں یہ فیصلہ الٰہی ہے اور وہ صادق و کاذب کو خوب جانتا ہے اور خود آپ بڑا زبردست عزیز و حکیم اور علیم بالمفسدین ہے۔ وہ تو فیصلہ صادق ہی کے حق میں کرے گا نہ کاذب کے حق میں۔ جیسا کہ اس نے ان آیات مباہلہ کے آگے ان صفات کا ذکر اسی لئے فرمایا ہے۔

سوال :- اگر کہا جاوے کہ بعض کفار نے تو خود چاہا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعاوی میں حق پر ہیں تو ہم مکذبین پر یااللہ! عذاب نازل فرما' تب بھی کوئی عذاب نازل نہیں ہوا تو پھر مباہلہ پر کیونکر عذاب نازل ہوتا۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى حِكَايَتًا عَنْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ - وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (انفال:۳۳'۳۴)۔ پس ان دونوں آیتوں میں توفیق کیا ہو گی؟

الجواب :- آیات مباہلہ اور ان آیات مندرجہ میں کچھ بھی منافات نہیں ہے کیونکہ ان آیات میں ایک خاص عذاب کے نزول کے لئے دعا کی گئی تھی یعنی آسمان سے مثل بارش کے پتھروں کا برسنا جس سے عام ہلاکت بلکہ استیصال عام متصور ہے۔ دوسرا عذاب اس عذاب سے بھی زیادہ تر مولم مانگا تھا۔ سو قدیم سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں ہے کہ قبل قیامت ایسے عذاب دنیا میں فوری نازل فرمادیوے کیونکہ ایسے عذابوں کے انزال میں خواہ کفار کی درخواست سے ہوویں یا کسی فرضاً مامور من اللہ کی دعا سے ہوویں ایمان بالغیب کی حکمت باقی نہیں رہ سکتی اور مع ہذا ایسے عذاب کے انزال سے اجبار اور اکراہ اور الجا لازم آتا ہے جو دین اسلام میں ہرگز موجود نہیں ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ:۲۵۷)۔ ہاں کسی کاذب پر لعنت کا پڑنا جس سے ذلت یا رسوائی ہو اور ایمان بالغیب کی حکمت تلف نہ ہووے اور اکراہ والجا بھی لازم نہ آوے' ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ مخالفین انبیاء پر ایسے عذاب ذلت واقع ہوتے رہے ہیں اور ہوویں گے۔ حتیٰ کہ کاذب کی موت بھی مباہلہ میں شرط نہیں ہے کیونکہ منشا اہل مباہلہ کا صرف کاذب پر وقوع لعنت کا ہے خواہ کسی طرح سے ہو۔ یہ اس علیم و خبیر کے اختیار میں ہے کہ بقدر تکذیب و تشدد مخالفین کے وہ لعنت کسی عذاب مہلک سے ہی واقع ہو۔ موت ہو یا قتل وغیرہ۔ پس ایک خاص عذاب کذائی کی نفی اور لعنت الٰہی کے ثبوت میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ایمان بالغیب کی حکمت کے مانع نہیں اور اجبار بھی اس میں نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سرداران مکہ میں سے ایک شخص مسمی نضر بن حارث تھا اور نیز ابوجہل جس نے یہ دعا کی تھی کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ (انفال:۳۳)۔ تو دیکھو جنگ بدر میں ابوجہل تو عذاب قتل میں مبتلا ہوا بسبب اپنے تشدد کے اور نضر بن حارث باوجودیکہ قیدیوں میں قید ہو کر آیا تھا۔ دوسرے قیدی تو فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے تھے مگر نضر بن حارث بایں وجہ قتل کیا گیا کہ قرآن مجید کی شان میں بڑی بڑی گستاخیاں کیا کرتا تھا اور سخت معاند تھا۔ تو یہ دونوں منجملہ ستر مقتولوں کے عذاب قتل میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ یہ بھی اہل اسلام کے قتل کے درپے تھے ورنہ مباہلہ

میں کاذب کا قتل ہو جانا' مر جانا شرط نہیں۔ صرف وقوع لعنت الٰہی کا ہی ہو خواہ کسی طرح ہو۔ اور عذاب قتل جو بموجب پیشین گوئی ملہم ربانی کے واقع ہو جس میں دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا قتل کرنا بطور ذب کے چاہتا ہے ایسا عذاب نہیں ہے جس میں ایمان بالغیب کی حکمت باقی نہ رہتی ہو یا اجبار لازم آوے۔ الحاصل' مباہلہ میں کاذب پر لعنت کا وقوع ضروری ہے خواہ کسی رنگ میں ہو۔ مباہلہ میں ایسا عذاب جس میں مثل بارش کے آسمان سے پتھر برسنے لگیں یا اس سے بھی زیادہ مولم ہو جس میں کوئی متنفس نہ بچ سکے نازل نہیں ہوتا کہ سنت اللہ کے خلاف ہے۔ اسی لئے ان دونوں آیتوں کے آگے ہی دوسرے عذابوں کے ثبوت کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (انفال:۳۵) یعنی اور کیا ہے واسطے ان کے کہ نہ عذاب کرے گا ان کو اللہ اور وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے۔ اور پھر اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ قید لگائی کہ وَأَنْتَ فِيهِمْ وہ بھی ایسے ہی عذاب کذائی کے عدم نزول کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی جبکہ ایسا عذاب نازل ہووے گا تو پھر اس کا اثر تم کو بھی پہنچے گا۔ لہٰذا ایسے عذاب کا نازل کرنا ہماری سنت قدیمہ کے خلاف ہے۔

اس آیت مباہلہ کی مناسبت ساتھ زمانہ مسیح موعود کے عجیب و غریب اسلوب سے واقع ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہ مباہلہ حضرت عیسیٰ ہی کے بارہ میں واقع ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بعد اتمام حجت اور اتمام مناظرات کے یہ مباہلہ واقع ہوا تھا۔ یہاں پر بھی بعد مناظرات اور تمام حجت کے واقع ہوا۔ نصاریٰ نجران کے خوف زدہ ہو کر مباہلہ پر آمادہ نہ ہوئے' یہاں پر بھی اوائل میں شیخ الکل معہ اپنی جماعت کے مباہلہ نہ کر سکے بلکہ مولوی محمد حسین صاحب بھی مباہلہ پر مستعد نہ ہو سکے۔ اور اگرچہ آیت ہذا مباہلہ کی نصرانیان نجران کے حق میں وارد ہوئی تھی مگر دیگر اقوام قریش مثل ابوجہل وغیرہ سے بھی آپ کا مباہلہ واقع ہوا۔ دیکھو کتب سیر کو۔ اسی طرح پر مسیح موعود کا مباہلہ بھی علاوہ طرفداران عیسیٰؑ کے دیگر اقوام سے بھی حسب درخواست مخالفین کے واقع ہوا ہے جیسا کہ لیکھرام وغیرہ۔ اور جنہوں نے خود درخواست کر کر مباہلہ کیا وہ بقدر اپنے اپنے تشدد اور سختی کے لعنت الٰہی میں مبتلا ہوئے' خواہ ذلت و رسوائی ہو یا ہلاکت ہو۔

جس طرح پر مفسرین نے اس مباہلہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات کیا ہے اسی طرح پر ان مباہلوں سے مسیح موعود کے دعاوی کا اثبات ہوا کیونکہ نتیجہ ان مباہلوں کا حسب دعاوی مسیح موعود کے واقع ہوا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اور اگر کوئی مخالف ان مباہلوں کو بعد وقوع نتائج کے بھی نہ مانے تو وہ بتادے کہ پھر صادق اور کاذب میں کیا مابہ الامتیاز رہے گا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ثبوتوں میں سے ایک بڑا ثبوت، جس کو قرآن مجید میں بڑی عظمت شان سے بیان فرمایا گیا ہے، ضائع ہو جاوے گا بلکہ چند آیات کریمہ قرآن مجید کی متعلق مباہلہ کے، نعوذ باللہ، لغو ہو جاویں گی وَ تَعَالٰی شَانُ کَلَامِہٖ تَعَالٰی عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اور ناظرین کو خوب معلوم رہے کہ ان مباہلوں کا نتیجہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں واقع ہوا تھا یا بعثت مسیح موعود کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اس تیرہ سو برس میں کسی مجدد کے وقت میں ایسے مباہلات واقع نہیں ہوئے اور نہ اس کے نتائج۔ پس ان آیات کا نشانات واسطے نبوت خاتم النبیین کے ہونا بھی ثابت ہوا ثُمَّ الْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اب فرمایا جاتا ہے کہ جو دلائل اور مضامین اوپر مذکور ہوئے، وہی اخبار اور قصص حقہ ہیں جو پے در پے بیان کئے گئے ہیں۔ اور سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک اللہ ہی البتہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ حال میں چراغ دین جموں پر بموجب پیشین گوئی مندرجہ "دافع البلا" کے اس ابنا اور نسا یعنی دختر اور خود اس کے نفس پر پورا اثر واقع ہوا اور کوئی کلمہ آیت مباہلہ کا خالی نہ گیا۔ فائدہ ذکر کرنے صفت عزیز و حکیم کا یہ ہے کہ جو روایات اسرائیلی یا اکاذیب مخالف علم الٰہی ہیں، وہ محض غلط ہیں اور عیسیٰؑ میں کوئی صفت یا صفات مختصہ الٰہیہ میں سے موجود نہیں تھے کیونکہ پھر تو اللہ تعالیٰ کی عزت اور عزیز ہونے میں فرق آجاوے گا اور شان عیسوی، حضرت ابوالبشر اور خاتم النبیین سے بھی بڑھ جاوے گی جو خلاف مقتضائے حکمت اس حکیم برحق کے ہے۔ اب باوجود اس قدر اتمام حجت کے جس کی نوبت مباہلہ تک پہنچ گئی ہے اگر اب بھی اس حق کے قبول کرنے سے وہ لوگ اعراض کریں تو سمجھ لو کہ ان کی نیتوں میں فساد ہے۔ دوسروں کے عقائد حقہ کو بھی فاسد کرنا چاہتے ہیں۔ اندریں صورت اللہ سے بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں کیونکہ مفسدوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے یعنی ان کے فسادوں کی ضرور سزا دیوے گا۔ چنانچہ وہ سزا مفسدین کے لئے دنیا میں بھی واقع ہوئی جو نشان نبوت صادقہ کا ہے۔ اب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان لانے پر کمال درجہ کے حریص تھے باوجودیکہ تمام مدارج تبلیغ اور مناظرات کے مباہلہ تک ختم فرما چکے تھے تو بھی ان کی تبلیغ یا فہمایش وہدایت نہ کرنا آپ کا قلب مبارک گوارا نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حسب خواہش آپ کے جو علیم بسرائر الضمائر ہے، ایک دوسرا طریق تبلیغ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم مباہلہ پر بھی آمادہ نہیں ہوتے تو اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف رجوع کرو جو ہمارے تمہارے درمیان میں برابر مسلّم ہے۔ ایک تو یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراویں۔ تیسرے یہ کہ خدا کے سوا بعض ہمارا بعض کو رب نہ قرار دیوے۔ پس اگر ایسی سیدھی سچی بات فریقین

کی متفق علیہ سے بھی روگردانی کرو تو اے مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم تو بالضرور دین اسلام سے جو دین اللہ ہے خارج ہو گئے۔ گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان فرمانبردار ہیں تا کہ یہ گواہی تمہاری باعث ہماری نجات کا اور موجب تمہاری ہلاکت کا ہو جاوے۔ چنانچہ مسلمون بالآخر کامیاب ہو گئے اور یہ آیت بھی ایک نشان کامل نبوت کا ہو گئی۔

ان آیات میں بتدریج تمام عجیب طرح سے ارشاد و ہدایت میں مبالغہ فرمایا گیا ہے۔ اولاً حضرت عیسیٰؑ کے حالات اور جو ان پر واردات واقع ہوئی تھی ان کو بیان فرمایا کیونکہ وہ تمام حالات منافی الوہیت کے ہیں۔ اور پھر توحید اسلامی پر دلائل قاطعہ بیان فرمائے گئے۔ لیکن طرف مخالف سے بجز عناد کے تسلیم وانقیاد کا کہیں نشان نہ پایا گیا۔ تب مباہلہ کی نوبت پہنچی لیکن انہوں نے مباہلہ سے بھی عاجز ہو کر جزیہ دینا قبول کیا۔ پھر بالآخر ایسے تین امور کی طرف دعوت کی گئی ہے کہ وہ تینوں امر متفق علیہ فریقین کے ہیں۔ تاہم ایسے مفید ہیں کہ اگر وہ تینوں امر قبول کر لئے جاویں تو تمام نزاعات رفع ہو سکتے ہیں۔ امر اول یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی غیر اللہ کی عبادت نہ کی جاوے جس کی طرف تورات وانا جیل اور قرآن مجید بالاتفاق ہدایت فرما رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے کہ اگر اس کو بصدق دل قبول کر لیا جاوے تو تمام اختلافات بیرونی واندرونی کا اس سے فیصلہ ہوا جاتا ہے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ اللہ کی ذات' صفات اور افعال میں غیر اللہ کو شریک نہ کیا جاوے۔ یہ امر دوم بھی ایسا ایک کلیہ ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے اور چونکہ یہ تمام شرکیہ عقائد یا اعمال واقوال بدعیہ جو دنیا میں جاری ہیں' ان کا بڑا سبب یہ ہے کہ اقوال علماء کے جو بدعیہ ہیں اور افعال احبار کے جو شرکیہ ہیں' ان کے ساتھ تمسک کیا جاتا ہے' جس سے ایک خلقت گمراہ ہو گئی ہے لہٰذا تیسرا امر فیصلہ کن یہ ہے کہ علماء اور احبار کو اپنا رب نہ قرار دیا جاوے۔ اس طرح پر کہ ان کے اقوال اور اعمال اور روایات کاذبہ کے تقلید واجب سمجھی جاوے۔ کیونکہ علماء اور احبار کے اقوال یا اعمال کی تقلید واجب سمجھنا بموجب حدیث ذیل عدی بن حاتم کے ان کو اپنا رب قرار دینا ہے۔ تفسیر ابو السعود وغیرہ تفاسیر اور کتب احادیث میں یہ حدیث لکھی ہوئی ہے کہ لَمَّا نَزَلَتِ اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ عَدِیُّ بْنُ حَاتَمٍ مَا كُنَّا نَعْبُدُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلَيْسَ كَانُوْا يُحِلُّوْنَ لَكُمْ وَيُحَرِّمُوْنَ فَتَاخُذُوْنَ بِقَوْلِهِمْ قَالَ نَعَمْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ ذَاكَ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ یہ تینوں کلمے جو ان آیات میں مذکور ہوئے ہیں' اگر کوئی انسان ان تینوں کو اپنا متمسک گردان کر دستور العمل اپنا قرار دے لیوے تو تمام بدعات اور عقائد باطلہ شرکیہ اور اعمال بدعیہ سے نجات پا کر صراط مستقیم پر

لگ جاوے۔ اس مسیح موعود کے جو مخالفین ہیں' انہوں نے بھی ان کلیات سہ گانہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (الشعراء:۲۲۶) کے مصداق ہو رہے ہیں اور لطف یہ ہے کہ مسیح موعود کی دعوت اور تبلیغ بھی اسی ترتیب سے واقع ہوئی ہے جو سورۃ آل عمران میں واقع ہوئی ہے اور یہ بھی ایک ثبوت ہے اس کے مریم اور عیسیٰ موعود ہونے کا کیونکہ مریم اور عیسیٰ آل عمران سے تھے' ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:۹۲)۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی مندرجہ آیت کی کہ تمام عوالم کے لئے ان دونوں کا وجود ایک نشان ہو جاوے گا' پہلے زمانہ میں تو واقع نہیں ہوئی۔ اول تو ان دونوں کو یہود نے تہمت ناجائز کے ساتھ متہم کیا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو تین روز تک ملعون قرار دیا۔ پھر تمام عالم میں ان کے بارہ میں شرک شائع ہو گیا حتیٰ کہ وہی شرک اہل اسلام میں بھی سرایت کر گیا۔ پھر وہ دونوں تمام عالموں کے لئے نشان الٰہی کیونکر ہو گئے۔ مگر علم الٰہی میں ضروری تھا کہ تمام عالموں کے لئے یہ ایک نشان ہو جاویں گے لہٰذا حسب وعدہ الٰہی ان کے نام کے ساتھ نامزد ہو کر امت محمدیہ میں سے ایک ایسا مجدد عظیم الشان آیات و نشانات کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا کہ ان کے نام کو تمام دنیا میں اور ان کی عظمت اور کرامت کو مع توحید الٰہی اور تکریم حضرت رسالت پناہی کے روشن کر رہا ہے۔ صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور یہی سر ہے اس آخر زمانہ پرفتن میں ایک مجدد کے مبعوث ہونے کا بنام عیسیٰؑ بن مریم۔ ورنہ مخالفین ہم کو اس آیت کے معنی بتادیں کہ حضرت مریم اور عیسیٰؑ تمام عالموں کے لئے کیونکر آیت اللہ ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کی قطعیت وفات ملحوظ رہے۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۶---۱۰/ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۹ تا ۱۱)

۱۱؍ مئی ۱۹۰۶ء
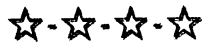
خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ الاعراف کی حسب ذیل آیات تلاوت فرمائیں۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ۔ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ سَآءَ مَثَلَا ِۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔
(الاعراف:۱۷۶تا۱۷۹)

اور پھر فرمایا:۔

واضح ہو کہ تکذیب کے دو درجے ہیں۔ اول درجہ تکذیب کا تو یہ ہی ہے کہ انسان اپنی فطرت صحیحہ کو کھو بیٹھے جو عطیہ الٰہی ہے اور اس کو محض بیکار کر دیوے کیونکہ ہر ایک انسان ذوالعقل کی بناوٹ اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ بغیر پہنچنے رسولوں کی رسالت کے بحکم کُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

(بخاری۔ کتاب الجنائز) کے اللہ تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت خالصہ کو سمجھ سکتا ہے۔ ورنہ اس کی کیا وجہ کہ فونوگراف کا بنانیوالا یہ تو یقیناً جانتا ہے کہ بغیر کاریگر کے فونوگراف خود بخود نہیں بن سکتا' پھر یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ انسان حیوان ناطق' جس کو اپنے وجود اور تربیت میں ہر لحظہ اور ہر آن میں ایک خالق اور رب کی سخت ضرورت ہے' وہ خود بخود موجود ہو گیا ہو اور خود بخود اس نے تمام مراتب تربیت انسانیت کے حاصل کر لئے ہوں؟ دیکھو جس وقت انسان محض نطفہ تھا' مع ہذا اس میں یہ تمام قویٰ ظاہری اور باطنی اور اعضائے جسمی موجود تھے جو اب پیدا ہو گئے ہیں۔ پس وہ نطفہ ہی بزبان حال گواہی دے رہا ہے کہ ایک خالق اور رب اس کا بالضرور ایسا موجود ہے جس نے اس نطفہ میں یہ تمام اعضائے جسمی اور قوائے ظاہری اور باطنی' ہاں اسی میں مرکوز رکھے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف:۱۷۳) میں اس امر کو واضح طور پر بیان فرمادیا ہے۔ پس جبکہ فطرت انسانی ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہے جو ابتدائی حالت نطفگی سے ایک خالق و رب کا وجود ضروری سمجھتی ہے تو اسی فطرت صحیحہ کی طرف رجوع نہ کرنا اور اس کی شہادت کو دوبارہ توحید اور ربوبیت خالصہ الٰہی کے قبول نہ کرنا یہ بھی تکذیب ہے اور اس تکذیب پر بھی کوئی عذر اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (الاعراف:۱۷۳) کا مسموع نہ ہووے گا اور نہ تقلید آباء و اجداد کی کہ اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ (الاعراف:۱۷۴) عذر ہو سکے گا۔ دوسرے درجہ کی تکذیب جو اس سے قباحت میں بہت بڑھ کر ہے یہ ہے جو ان آیات مذکورہ میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اے پیغمبر! ان لوگوں پر اس شخص کا حال بھی تلاوت کر کر سنادو جس کو ہم نے اپنی آیات اور نشانات بھی دیئے تھے۔ پس وہ ان آیات سے جدا ہو گیا جیسا کہ مثلاً بکرے سے کھال علیحدہ کر لی جاوے۔ پس شیطان اس کے پیچھے بھاگا تو وہ سخت گمراہوں میں سے ہو گیا۔

مفسرین میں اس شخص کی نسبت بڑا اختلاف ہے کہ یہ کون شخص تھا؟ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ "یعنی بلعم باعور کہ کتب الٰہی خواندہ بود بعد ازاں باغوائے زن خود ایذائے حضرت موسیٰ قصد کرد و ملعون شد"۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی بعثت کے وقت میں ایک شخص امیہ بن ابی الصلت تھا جس کو کتب سابقہ کے علم سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ اس وقت میں ایک رسول عظیم الشان مبعوث ہونے والا ہے اور اس کو یہ گمان بھی تھا کہ وہ رسول میں ہی ہوں گا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ رسالت فرمایا تو اس کو بڑا رشک اور حسد پیدا ہو گیا اور کمبخت کافر ہی مرا۔ یہ شخص وہی امیہ بن ابی الصلت ہے جو عرب میں بڑا مشہور شاعر تھا اور جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ امَنَ شِعْرُہٗ وَ کَفَرَ قَلْبُہٗ (صحیح مسلم۔ کتاب الشعر) یعنی شعر تو اس کا ایمان لے آیا تھا مگر دل اس کا کافر ہی رہا۔ یہ اس لئے فرمایا کہ یہ شخص اپنے شعروں میں اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کیا کرتا تھا اور توحید الٰہی کے دلائل بھی دیا کرتا تھا اور بیان اعمال صالحہ اور احوال آخرت یعنی جنت و نار کا ذکر بھی ان شعروں میں کیا کرتا تھا اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت ابو عامر راہب کے حق میں نازل ہوئی ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق کا لقب دیا تھا۔

غرضیکہ اس آیت کا مصداق کوئی ہو' خواہ بلعم باعور ولی مستجاب الدعوات ہو یا امیہ بن ابی الصلت شاعر موحد ہو یا ابو عامر راہب ہو جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دنیا کو ترک کر دیا تھا یا اور کوئی ہو' بہرحال اس آیت سے صریح یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ مامور من اللہ کی مخالفت میں سب مخالف مردود ہو جاتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں نہ کسی کی ایسی ولایت ہی مقبول ہوتی ہے جو مستجاب الدعوات کے مرتبہ پر پہنچ گئی ہو جیسا کہ بلعم باعور ولی حضرت موسیٰؑ کے وقت میں تھا یا کوئی شخص فصیح و بلیغ شاعر ہو جو توحید الٰہی کو اپنے قصائد اور اشعار میں نظم کرتا ہو' مقبول ہو سکتا ہے اور نہ کوئی راہب اور زاہد مخالف مامور من اللہ کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سرسبز ہو سکتا ہے۔ بلکہ مامور من اللہ کا مکذب اور مخالف خائب و خاسر' نامراد اور مردود درگاہ الٰہی ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ یہ تینوں شخص باوجود ہونے صاحب ولایت کاملہ کے اور باوجود ہونے موحد عابد زاہد کے مردود ہو گئے جیسا کہ آیت زیر تفسیر میں عبرت حاصل کرنے کے لئے ان کا قصہ ارشاد ہوا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو وہ شخص جو صدہا آیات و نشانات کی دنیا میں تبلیغ بھی کر چکا ہو بلکہ اپنی زبان اور قلم سے ان صدہا نشانات کی دنیا میں تبلیغ بھی کر چکا ہو' اس کی تکذیب موجب عذاب ہونے میں سب سے زیادہ بڑھ کر ہو گی۔ دیکھو اہل کتاب کو جو حافظ اور مفسر تورات وغیرہ کے تھے انہیں کو اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (البینہ:۷) فرمایا گیا ہے اور احادیث میں مولویان مکذبین مسیح موعود کے لئے عُلَمَاؤُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم) کلام نبوت میں وارد ہوا ہے۔

پھر آیت ہذا کے الفاظ پر غور کرو۔ اول تو لفظ اِنْسِلَاخ کا فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم ایک جاندار کی کھال کا ادھیڑا جانا ہے۔ دیکھو جس ذی روح کو کہ مُنْسَلَخ کیا جاوے اس کو کس قدر تکلیف ہو گی اور وہ حیوان مُنْسَلَخ کیسا مکروہ اور قبیح معلوم ہوتا ہے۔ اس جگہ اِنْسِلَاخ اسی لئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ نشانات الٰہیہ کو دیکھ کر پھر بھی ان کا مکذب ہو جانا ایسا ہے جیسا کہ جاندار کی کھال ادھیڑی جاوے اور اس سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ ایسا مکذب پھر مصدق بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ جبکہ کسی جانور کی کھال ادھیڑ لی

جاوے تو پھر وہ کھال اس ذی جان کے جسم میں دوبارہ نہیں لگ سکتی اور یہ بھی مفہوم ہوا کہ قبل اِنْسِلَاخ کے اس کھال کو اس جاندار کے ساتھ کمال اتصال تھا۔ مع ہذا پھر بعد اِنْسِلَاخ کے مباینت تامہ ہو گئی۔ پھر ایسا مکذب کیوں کر مصدق ہو سکتا ہے۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ۔

دوسری مذمت ایسے مکذب کی یہ ارشاد فرمائی گئی کہ اب اس کے پیچھے شیطان ایسا لگ گیا کہ وہ خود شیطان بن جاوے گا کیونکہ ایک قرات میں فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطٰنُ باب افتعال سے بھی آیا ہے۔ یعنی شیطان اس کا تبع ہے اور وہ شیطان کا بھی باپ یعنی متبوع ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو ایسے مکذب کی کس قدر مذمت منظور ہے۔ پھر تیسری مذمت ایسے مکذب کی فرمائی گئی کہ وہ غویٰ اور غاوی ہو چکا یعنی سخت گمراہ ضدی ہو گیا۔ کیونکہ غاوی اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ہدایت پانے کی امید نہ رہی ہو اور لفظ غوغا کا مادہ بھی یہی غوایہ ہے جو جنگ و جدال اور شور و شر پر دال ہے بخلاف لفظ غبی کے کیونکہ اس کے مفہوم میں صرف سادگی اور بے وقوفی داخل ہے۔ لاغیر۔ دیکھو صراح، صحاح وغیرہ کو۔ چوتھی مذمت ایسے مکذب کی یہ فرمائی گئی ہے کہ وہ زمین ہی میں لگ گیا یعنی دھنس گیا اور چپک گیا۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ قَالَ اَصْحَابُ الْعَرَبِيَّةِ اَصْلُ الْاِخْلَادِ اللُّزُوْمُ عَلَى الدَّوَامِ وَ كَاَنَّهٗ قِيْلَ لَزِمَ الْمَيْلُ اِلَى الْاَرْضِ وَ مِنْهُ يُقَالُ اَخْلَدَ فُلَانٌ بِالْمَكَانِ اِذَا لَزِمَ الْاِقَامَةَ بِهٖ۔ پانچویں مذمت اس کی یہ فرمائی گئی ہے کہ کتے کے ساتھ اس کو تشبیہ دی گئی جو اخس الحیوانات ہے۔ چھٹی مذمت ایسے مکذب کی یہ ارشاد ہوئی کہ کتے کی اس حالت کے ساتھ اس کی حالت مشابہ ہے جو بدترین حالت ہے یعنی زبان نکال کر ہانپتے رہنا۔ وہ بھی ہر ایک حال میں خواہ اس کو کسی شکار کرنے کے لئے دوڑایا جاوے یا نہ دوڑایا جاوے مگر زبان نکال کر وہ ہانپتا ہی رہتا ہے۔ پھر خود ہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے افعال ذم کے ساتھ اس مثل کی مذمت فرمائی کہ یہ مثل ایسے مکذبین کی بہت ہی بری مثل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ انبیائے اولوالعزم کے وقت میں بھی ایسے مکذب گزرے ہوئے ہیں جو سب طرح کے نشانات دیکھ کر بلکہ خود ان نشانوں سے مامور من اللہ کی حقیقت کو ثابت کر کر تصدیق کر چکے تھے جس پر الفاظ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا (الاعراف:۱۷۶) دال ہیں پھر بھی وہ مکذب ہو گئے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس قدر مذمت فرمائی ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی اور مکذب کی شاید ہی فرمائی ہو اور یہ سنت اللہ قدیم سے جاری ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ حضرت مسیح کے وقت میں موافق اسی سنت اللہ کے کوئی ایسا فرد کامل مکذبوں کا بھی موجود ہے یا نہیں؟ جواب اس کا یہی ہے کہ کئی شخص موجود ہو گئے ہیں۔ دور کیوں جاتے

ہو۔ دیکھو ایک تو وہ جس نے ریویو براہین احمدیہ کا لکھا اور تائید و تصدیق میں کوئی دقیقہ اس نے فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ یہ شعر بھی اسی ریویو میں لکھا ہوا ہے کہ۔

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

دوسرا شخص وہ ہے جس نے ایک بڑی تفسیر طول طویل لکھی تھی جس تفسیر میں کثرت سے آیات اللہ کو تائید و تصدیق مسیح موعود میں تحریر کیا تھا اور اٰتَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا (الاعراف:۱۷۶) کا مصداق تھا وہ بھی مکذب ہو چکا ہے جس کی تکذیب اخبار بدر وغیرہ میں طبع ہو چکی۔ یہ مضمون میں نے اس لئے بیان کیا ہے کہ کوئی صاحب یہ وہم اپنے دل میں نہ لاویں کہ ایسے لوگوں کا بدل جانا اس مسیح موعود سے اس کی صداقت اور حقیقت میں کچھ فرق پیدا کرتا ہے۔ حاشاو کلا۔ بلکہ یہ تو سنت اللہ ہے جو قدیم سے ہوتی چلی آتی ہے اور قیامت تک رہے گی۔ اسی لئے یہاں پر لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (الاعراف:۱۷۸) وغیرہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ لوگ ہمیشہ غور اور فکر کرتے رہیں کہ ایسی تکذیب سے صداقت اور حقیقت صادق میں کسی طرح کا فرق نہیں آسکتا بلکہ ایسے امور میں تفکر کرنے سے ایک طرح کی صداقت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب حضرت موسیٰؑ کے وقت سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جیسا کہ احوال بلعم باعور اور امیہ بن ابی الصلت سے واضح ہو گیا تو کارخانہ نبوت میں ایسے مرتدین کا وجود واسطے ظہور نشانات کے بھی سنت اللہ میں داخل ہو گیا۔ وَلَنِعْمَ مَاقِیْلَ۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اور جو ایسا مکذب ہو جاوے وہ مامور من اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ بلکہ وَ اَنْفُسَھُمْ کَانُوْا یَظْلِمُوْنَ (الاعراف:۱۷۸) کا مصداق ہو جاتا ہے۔

جو کوئی اس امر کا منکر ہوا
اپنا کچھ کھویا کسی کا کیا گیا

اب فرمایا جاتا ہے اور اگر ہم چاہتے تو انہیں آیات کی تصدیق کی برکت سے اس کا مرتبہ بلند کرتے مگر

اس نے دنیا کی ذلت اور پستی کو اپنے لازم حال کر لیا اور اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے لگ گیا تو اس کی مثل کتے کی سی مثل ہے کہ اگر اس پر دوڑنے جھپٹنے کا بار ڈالو تب بھی زبان کو باہر نکال کر ہانپتا رہتا ہے اور اگر اس کو اسی کے حال پر چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے ہوئے ہانپتا رہتا ہے۔ یہ ہے مثل ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں اور نشانوں کو جھٹلایا۔ تو اے پیغمبر! یہ قصے بیان کرتے رہو تاکہ یہ لوگ کچھ سمجھیں سوچیں۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیات الٰہی کی تصدیق کرنا اور ان کے بموجب عملدر آمد کرنا باعث رفع درجات کا ہے اور تکذیب آیات اللہ کی اور ان سے اعراض کرنا موجب ذلت اور پستی کا ہے۔ چونکہ انبیاء آیات اللہ کے مبلغ ہوتے ہیں تو ان کا رفع بطریق اولیٰ ہوا کرتا ہے اور ان کے متبعین کا رفع بہ سبب اتباع مقتضی ان آیات کے ان کو حاصل ہوتا ہے اور ان کے مکذبین کو دنیا اور آخرت میں بجز عذاب شدید کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ تینوں امر اللہ تعالیٰ نے آیت يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ (ال عمران:٥٦) میں بیان فرما دیئے ہیں۔ رفع عیسیٰ کا' فوقیت متبعین کی' کافروں اور مکذبین کو عذاب شدید دنیا اور آخرت میں۔ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ بالضرور علم آیات الٰہیہ اس کو دیا گیا تھا خواہ وہ آیات اللہ اور حجج دربارہ توحید کے ہوں یا اسم اعظم یا الہامات یا اجابت دعا وغیرہ ہو جیسا کہ تفاسیر میں لکھا ہے۔ بہرحال علم الٰہیات کا بخوبی اس کو حاصل تھا پھر بھی ایک نبی کی مخالفت سے مردود درگاہ ہو گیا۔ قصہ آدم اور ابلیس کا جو متعدد جگہ پر قرآن شریف میں مختلف اسلوبوں سے بیان فرمایا ہے اس کا لب اور خلاصہ بھی یہی ہے۔

یہ آیات اہل علم کے لئے بلکہ ان لوگوں کے لئے جو ملہم بھی ہیں' بڑی عبرت دلانے والی ہیں کہ مامور من اللہ کے مقابلہ اور مخالفت میں جو ان کے الہامات ہوں یا علمی شبہات ہوں' ان کا اتباع صرف اتباع ہوا کا ہے' لاغیر۔ کیونکہ ان کے الہامات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حفاظت نہیں ہوتی ہے بلکہ شیطانی دخل ان الہامات میں اکثر ہو جاتا ہے جس کا نام اتباع ہوا ہے اور اس کا ازالہ نہیں کیا جاتا۔ بخلاف مامور من اللہ کے الہام کے کہ ان کے الہاموں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی حفاظت کی جاتی ہے۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (الجن:٢٨) یعنی اللہ تعالیٰ چلاتا ہے مامور من اللہ کے الہامات کے پیچھے چوکیداروں کا پہرہ تاکہ اس میں شیطانی دخل نہ ہونے پاوے۔ اور اس مسئلہ الہامات کو ہم نے کتاب اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ لِنَسْخِ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ میں ایسا بیان کر دیا ہے جس سے درمیان الہامات عوام غیر مامورین اور الہامات مامورین من اللہ کے ایک مابہ الامتیاز

حاصل ہو جاوے۔

اور متکلمین کا یہ مسئلہ بڑا ہی حق ہے کہ مطلقاً الہام حجت شرعی نہیں ہے جب تک کہ اس کے ثبوت پر قطعی دلائل موجود نہ ہوویں اور نشانات آسمانی و زمینی اس کے ثبوت میں قائم نہ ہولیویں اور سِر اس میں کہ غیر مامورین میں بھی استعداد الہامات اور رویاء کی اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے' یہ ہے کہ کارخانہ نبوت کی ایک نظیر ان میں موجود ہو تا کہ اس نظیر پر قیاس کر کر کارخانہ نبوت کی تصدیق کریں اور ان پر اتمام حجت ہو جاوے اور یہ عذر نہ کر سکیں کہ اِنَّا کُنَّا عَنۡ ھٰذَا غَافِلِیۡنَ (الاعراف:۱۷۳) یعنی فِیۡ اَصۡلِ الۡفِطۡرَۃِ فَلَمۡ یُوۡثِرۡ فِیۡنَا اَقۡوَالُ الرُّسُلِ۔ اور پھر ایسا مکذب جو بعد پہنچ جانے آیات اللہ کے تکذیب کرے اس کا ہدایت پر آنا معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے شخص کے لئے اتباع اپنے ہوا و ہوس کا مانند طبعی امور کے ہو جاتا ہے جیسا کہ کتے کی حالت ہوتی ہے کہ ہر حالت میں زبان نکال کر وہ ہانپتا رہتا ہے یعنی یہ ہانپنا کتے کا ایک طبعی امر اس کا ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ سِر اس میں یہ ہے کہ سوائے کتے کے اور کسی جانور میں ایسی حالت نہیں پائی جاتی ہے۔ مگر ہاں بوقت وقوع مشقت اور تعب کے البتہ ایسی حالت اور حیوانات میں بھی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ کتے کا قلب کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اندر کی ہوائے گرم کو باہر نکالنے کی قوت اس میں بہت ضعیف ہے۔ علی ہذا القیاس باہر سے ہوائے بارد کے جذب کرنے کی قوت بھی اس میں بہت ضعیف ہے۔ اس لئے نہ تو ہوائے بارد کو باہر سے پوری طور پر جذب کر سکتا ہے اور نہ ہوائے گرم کو اندر سے باہر بکمال نکال سکتا ہے۔ اور جو شخص اپنی ہوا و ہوس کا اتباع کرتا ہے اس کا بھی ایسا ہی حال ہو جاتا ہے کہ جو اس کے اندر موادہائے فاسدہ اور حادہ فضلات واجب الاخراج ہیں جو باعث پیدا ہونے اخلاق ردیہ کے ہیں' نہ ان کو بہ سبب اتباع اپنی ہوا کے باہر نکال سکتا ہے جس سے روح انسانی کو تفریح حاصل ہو اور نہ باہر سے اہل حق کے نصائح کو جو مثل ہوائے بارد کے ممد حیات روحانی ہیں' اخذ کر سکتا ہے۔ دیباچہ گلستان میں کیا عمدہ بات لکھی ہے کہ "ہر نفسے کہ فرد میرد و ممد حیات است و چوں برمی آید مفرح ذات پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب"۔ اسی لئے ایسا مکذب مامور من اللہ کا بہت جلد رسوا اور تباہ اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نہ اس کو تفریح روحِ انسانی کی حاصل ہوتی ہے اور نہ امداد حیات یابی کی میسر ہوتی ہے۔ اسی لئے تاکیداً آگے فرمایا جاتا ہے کہ کیسی بری مثل ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا۔ وہ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے ہیں' نہ مامور من اللہ پر۔ و لنعم ما قیل ؎

حملہ بر خود میکنی اے سادہ مرد
ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

دیکھو چراغ دین کو، اس نے اپنی تکذیب سے مامور من اللہ کا کیا بگاڑا۔ جو کچھ اس نے تکذیب کر کر ظلم کیا وہ اپنی ہی اولاد یعنی فرزندان و دختر اور اپنے نفس پر کیا۔ چراغ دین کے گھر کا بے چراغ ہو جانا بڑی عبرت کا مقام تھا۔ جس پر بعض کو توجہ نہ ہوئی۔ تفسیر ابو السعود وغیرہ میں بلعم باعور کے حالات میں لکھا ہے کہ جب اس نے حضرت موسیٰ کی تکذیب کی اور ان پر واسطے بد دعا کرنے کے مشغول ہوا تو اس کو ایک قلبی مرض ایسا عارض ہو گیا کہ مثل کتے کے اس کی زبان نکل آئی اور مثل کتے کے ہانپتے ہانپتے ہی مر گیا۔ یہ مرض بعید نہ سمجھو کیونکہ امراض کا کیا ٹھکانا ہے اور ان کو کون شمار میں محدود کر سکتا ہے۔ مولوی روم فرماتے ہیں۔

باز کن طب را بخواں باب العلل
تا بہ بینی لشکر تن را عمل

جملہ ذرات زمین و آسماں
لشکر حق اند گاہ امتحاں

خاک قاروں را چو فرماں در رسید
با زر و تختش بقعر خود کشید

موج دریا چوں بامر حق بتاخت
اہل موسیٰ را ز قبطی وا شناخت

آتش ابراہیم را دنداں نزد
چوں گزیدہ حق بود چونش گزد

ہود گرد مومناں خطے کشید
نرم می شد باد کانجا می رسید

اب آگے یہ فرمایا جاتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی روبراہ ہوتا ہے اور جس کو وہ بھٹکا دیوے' وہی لوگ ہیں ٹوٹا پانے والے۔

مطلب صرف یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایت لائے ہیں اس کے مضبوط پکڑنے سے ہی انسان روبراہ ہوتا ہے اور اپنے خیالات اور ہوا و ہوس کی اتباع سے منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس نے اپنی ہوا و ہوس کو معبود قرار دے لیا نہ اللہ تعالیٰ کو۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ اَفَرَءَ یْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (الجاثیہ:۲۴)۔ بلکہ ایسے لوگوں کو بجز خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ ذرائع ہدایت کے یعنی قرآن مجید اور رسول کریم خاتم النبین اور فطرت صحیحہ کو اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کے لئے دنیا میں بھیجا ہے جس کی اتباع سے اِهْتَدَا حاصل ہوتا ہے اور نیز قوائے نفسانی و شہوانی و غضبانی بھی انسان میں اسی اللہ تبارک و تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں جن کی پیروی سے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کو اپنے افعالِ اختیاریہ میں کچھ دخل ہی نہ ہووے اور محض مجبور ہی ہو۔ حَاشَا وَ کَلاَّ۔ ورنہ پھر انہیں آیات (یعنی سورہ اعراف کی آیات ۱۷۶ تا ۱۷۸) میں فَانْسَلَخَ۔ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ۔ کَذَّبُوْا بِاٰیَاتِنَا یَظْلِمُوْنَ وغیرہا کا اسناد انسان کی طرف کیوں کیا گیا ہے؟ یعنی جبکہ انسان سے یہ امور قبیح وقوع میں آ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضلال یعنی منزل مقصود کو نہ پہنچانا ہی ظہور میں آتا ہے اور اگر بندہ اتباع ہدایات الٰہیہ میں سعی و کوشش کرتا ہے تو اس کے لئے انہیں آیات کے قبل یہ فرمایا گیا ہے کہ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَانُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ (الاعراف:۱۷۱)۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۲۱---- ۲۴ مئی ۱۹۰۶ء صفحہ ۹ تا ۱۱)

۱۹؍ اکتوبر ۱۹۰۶ء

خطبہ جمعہ

تشہد اور تعوذ کے بعد آپ نے سورۃ البقرہ کی حسب ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (البقرہ:۱۸۶)

تلاوت کے بعد آپ نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

ماہ رمضان ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ درانحالیکہ تمام لوگوں کے لئے وہ بڑا ہدایت نامہ ہے اور روشن حجتیں ہیں۔ ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کرنے والے دلائل ہیں۔ پس جو تم میں سے پاوے اس مہینہ کو تو اس کو چاہئے کہ اس میں روزے رکھے اور جو مریض یا مسافر ہو تو اور دنوں میں گن کر روزے رکھ لے۔ خدا تعالیٰ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور دشواری کو نہیں چاہتا

اور تاکہ تم پوری کرلو گنتی قضاشدہ روزوں کی اور تاکہ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس پر کہ تم کوہدایت کی اور تاکہ تم شکر کرو۔

واضح ہو کہ یہ آیت دوسرے پارہ کے رکوع میں واقع ہے اور تتمہ ہے ان آیات کا جو اس سے پہلے فضیلت صیام میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۸۴، ۱۸۵)۔ احادیث میں فضائل روزہ رکھنے کے بہت کثرت سے مکتوب ہیں جن کو محب صادق کسی قدر بدر میں شائع فرمارہے ہیں۔ لہٰذا میں اس وقت بحولہ و قوتہ تعالیٰ صرف قرآن مجید ہی سے کچھ فضائل صیام و ماہ رمضان کے بیان کروں گا۔ الا ماشاء اللہ۔ لیکن واسطے تفقہ ان آیات کے اولاً چند امور کا بیان کر دینا ضروری ہے امید کہ ان کو بتوجہ سنا جاوے گا۔

(۱)۔ اس آیت سے پہلی آیات میں اگر صیام سے مراد الٰہی رمضان شریف ہی کے روزے لئے جاویں تو تشبیہ بلفظ كما بخوبی چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ امم سابقہ پر رمضان شریف کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے بلکہ مختلف ایام کے روزوں کا رکھنا بغیر کسی خاص تعین کے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے الفاظ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ بھی اسی کی طرف ناظر ہیں۔ دیکھو کتاب خروج کا باب ۳۴ اور کتاب دانیال کا باب دہم جس میں تین ہفتہ کے روزوں کا رکھنا حضرت دانیال کا ثابت ہوتا ہے اور کتاب سلاطین ۱۹: ۸ چالیس دن کا روزہ رکھنا معلوم ہوتا ہے اور اعمال کے ۱۳: ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی بھی یہ روزے اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ رکھا کرتے تھے۔ غرض کہ تعین ایک ماہ رمضان کا کتب بائیبل سے روزوں کے لئے نہیں پائی جاتی۔ ہاں صرف اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے روزے بغیر تعین شہر رمضان کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر یہاں پر صرف ایک ادنیٰ امر میں ایجاب میں ہی حرف كما تشبیہ کے لئے تسلیم کرلیا جاوے تو دوسرا امر یہ ہے کہ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ سے رمضان کے روزے رکھنے اور نہ رکھنے میں اختیار ثابت ہوگا۔ ہاں البتہ صرف ایک فضیلت ہی روزہ رکھنے کی ثابت ہوسکتی ہے۔ کما قال تعالیٰ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ۔ لیکن درصورتیکہ مراد كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ سے رمضان کے ہی روزے ہونویں تو یہ مخالف ہے آگے کی آیت کے، جو بصیغہ امر فَلْیَصُمْهُ وارد ہے اور نیز مخالف ہے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ کے، کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تم عدت صیام شہر رمضان کا اکمال کرلو، نہ یہ کہ صیام اور فدیہ کے درمیان تم کو اختیار ہو۔ اور اگر

یُطِیۡقُوۡنَہٗ کے پہلے لاَ مقدر ماناجاوے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے تو اس طرح سے محذوفات کے ماننے میں مخالف کو بڑی گنجائش مل جاوے گی کہ جس آیت کو اپنے خیال کے مطابق نہ پایا اس کو اپنے خیال کے مطابق کوئی کلمہ محذوفات کا مان کر بنالیا۔ ہاں البتہ اس امر کا انکار نہیں ہو سکتا کہ قرائن سے جملہ کلاموں میں اور نیز قرآن مجید میں اکثر محذوفات مان لئے جاتے ہیں اور اگر ہمزہ باب افعال کا سلب کے لئے کہا جاوے تو اَطَاقَ یُطِیۡقُ کا محاورہ بمعنی عدم طاقت کے عرب عرباء سے ثابت کرنا ضروری ہو گا۔ مختار الصحاح میں تو لکھا ہے۔ وَالطَّوۡقُ اَیۡضًا الطَّاقَۃُ وَاَطَاقَ الشَّیۡءَ اَطَاقَۃً وَھُوَ فِیۡ طَوۡقِہٖ اَیۡ فِیۡ وُسۡعِہٖ۔ اور یہی محاورہ مشہورہ ہے۔ پس ہمزہ سلب کے لئے اس میں ماننا غیر مشہور ہے اور الفاظ قرآن مجید کے معانی حتی الوسع مشہور ہیں یعنی مناسب ہیں نہ غیر مشہور اور اگر یہ سب کچھ تسلیم بھی کر لیا جاوے تو اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اس کے منافی ہے کیونکہ اس کا مفہوم صرف روزے رکھنے کی فضیلت ہے نہ لزوم روزوں کا۔ حالانکہ رمضان کے روزے فرض و لازم ہیں نہ غیر لازم یا اختیاری۔ جیسا کہ فَلۡیَصُمۡہُ اور وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر یُطِیۡقُوۡنَہٗ کی ضمیر فدیہ کی طرف راجع کی جاوے تو بلاوجہ توجیہ کے اضمار قبل الذکر لازم آوے گا اور اگر پھر اضمار قبل الذکر بھی تسلیم کر لیا جاوے تو ضمیر مذکر کی لفظ فدیہ کی طرف جو مونث ہے راجع ہو گی پھر اس میں تاویل در تاویل یہ کرنی پڑے گی کہ مراد فدیہ سے چونکہ طعام ہے اس لئے ضمیر مذکر لائی گئی اور یہ سب امور تکلفات سے خالی نہیں ہیں۔

تیسرا امر یہ ہے کہ مریض اور مسافر کا حکم پہلے ایک مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔ پھر آیت شَھۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ کے آگے اس کا مکرر لانا کس فائدہ کے لئے ہے۔ اگر کہا جاوے کہ واسطے تاکید کے' تو اس پر کہا جاوے گا کہ یہاں پر مقصود تاکید کب ہے۔ کیونکہ اول تو ''بین الفدیہ و الصیام'' اجازت دی گئی ہے اور ثانیاً وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ فرما کر صرف روزے کی فضیلت بیان فرمائی ہے نہ لزوم جس کی تاکید کے لئے فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ دوبارہ فرمایا جاتا۔ اندریں صورت تکرار بے سود لازم آتا ہے اور اگر مکرر ہی فرمانا تھا تو وَعَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ کو بھی مکرر لایا جاتا۔ خلاصہ یہ کہ ایک جگہ تو فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ کے آگے وَعَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ۔ بھی فرمایا گیا اور اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ بھی ارشاد ہوا اور دوسری جگہ پر فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ کے آگے وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ ارشاد ہوا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں دو قسم کے روزے ہیں جن کا حکم علیحدہ علیحدہ ہے۔ یہ بیان تو اس صورت میں تھا کہ مراد الصیام سے صیام رمضان ہی ہووے۔

شق دوم۔ اور اگر پہلی آیت سے علاوہ رمضان کے دوسرے روزے مراد لئے جاویں مثلاً ایام بیض کے روزے یا ستہ شوال وغیرہ جن کی فضیلت بھی کتب معتبرہ احادیث میں لکھی ہوئی ہے اور علماء و فقہاء نے ان روزوں کی فضیلت میں یہاں تک لکھا ہے کہ جس نے رمضان اور ستہ شوال کے روزے رکھے اس نے گویا سال بھر کے روزے رکھ لئے اور اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک نیکی کا ثواب وہ اللہ' رحمٰن ورحیم دس گنا عطا فرماتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام:۱۶۱) یعنی جو شخص ایک نیکی بجالاوے گا تو اس کو اس نیکی کا دس گنا ثواب ملے گا۔ تو تیس روزوں کا ثواب تین سو روزوں کا ثواب ہوا اور چھ روزوں کا ثواب ساٹھ روزوں کا ثواب ہوا اور سال تمام کے قمری دن بھی تین سو ساٹھ (۳۶۰) ہی ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اگر ایام بیض کے تین روزے دس ماہ کے لئے جاویں تو بھی تیس روزے ہوتے ہیں جس کے تین سو ہوئے اور پھر ستہ شوال بھی لیا جاوے جس کے ساٹھ ہوئے' تو بھی تین سو ساٹھ روزوں کا ثواب حاصل ہو گیا اور صیام فرض رمضان کے اس پر علاوہ رہتے ہیں۔ اور صرف دس ماہ ہی کے ایام بیض اس واسطے لئے گئے کہ ایک ماہ رمضان کا علیحدہ رہا اور چونکہ ستہ شوال کا بھی لے لیا گیا ہے لہٰذا اس حساب میں شوال کے ایام بیض بھی نہیں لئے گئے بلکہ صرف دس ماہ کے ایام بیض لے لئے گئے ہیں۔ الحاصل اندریں صورت چونکہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرہ:۱۸۴) سے ان کی فرضیت مفہوم ہوتی ہے حالانکہ یہ روزے ایام بیض وغیرہ کے لازم نہیں ہیں۔ اس لئے اس شق کی صورت میں مفسرین اس آیت کو دوسری آیت فَلْيَصُمْهُ اور یا وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ مگر ایک کلام کے سلسلہ میں ایسا ناسخ و منسوخ ماننا عظمت شان کلام الٰہی کے بالکل منافی ہے۔ چہ جائیکہ بموجب مسلک ان مفسرین کے جو کسی آیت قرآنی کو منسوخ مانتے ہی نہیں۔ پھر ایک ایسے کلام کے سلسلہ میں جو متصل ہے ناسخ منسوخ کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اب خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کوئی ایسی توجیہ صرف نظم قران مجید سے ہی پیدا کرنی چاہئے جس سے نہ تو کوئی محذوف ماننا پڑے' نہ اضمار قبل الذکر لازم آوے' نہ ضمیر مذکر کی مونث کی طرف راجع ہو' نہ ناسخ منسوخ کا ماننا پڑے' نہ کسی قسم کا تخالف آیات مذکورہ کے مفہومات میں لازم آوے اور نہ عدم فرضیت روزوں رمضان کے مفہوم ہووے کیونکہ عدم فرضیت صیام رمضان کی ادلہ شرعیہ کے محض خلاف ہے۔ اگر کسی توجیہ سے یہ تکلفات رفع ہو جاویں تو البتہ ثلج صدر ان آیات کے تفقہ میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اب اس جلسہ خطبہ میں صرف ایک توجیہ بیان کی جاتی ہے۔ اگر اہل علم حاضرین جلسہ کے نزدیک یہ پسند آجاوے تو زہے عزو شرف ورنہ وہ خود بعد خطبہ کے بیان فرماویں اور اگر بعد خطبہ کے کسی صاحب

نے اہل علم میں سے کوئی تطبیق اور توجیہ دیگر بیان نہ فرمائی تو یہی ثابت ہو گا کہ یہ ہی تطبیق ان کو پسند ہے اور وہ تطبیق یہ ہے کہ اسلام میں دو قسم کے روزے ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ ایک لازم اور دوسرے غیرلازم۔ چونکہ روزہ جو بہ نسبت دیگر عبادات کے ایک عمدہ عبادت ہے جس سے مومن تمتع انوار الٰہی کو حاصل کر سکتا ہے اور مکالمات الٰہی کا تجلی گاہ ہو سکتا ہے جیسا کہ کلام نبوت میں وارد ہوا ہے کہ اَلصَّوْمُ لِیْ وَ اَنَا اُجْزیٰ بِہٖ (بخاری۔ کتاب الصوم) یعنی بصیغہ مجہول ترجمہ روزہ مومن کا خاص میرے ہی لئے ہوتا ہے جس میں ریا وغیرہ کو کچھ دخل نہیں اور اس کی جزا میں خود ہو جاتا ہوں۔ یا اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ بصیغہ معروف کہ میں بلا وساطت غیرے خود اس کی جزا دیتا ہوں وغیرہ وغیرہ من الاحادیث الصحیحہ۔ یہ احادیث اس امر پر صریح دال ہیں اور سر اس میں یہی ہے کہ انسان روزے میں فجر سے لے کر شام تک تینوں خواہشوں' کھانے' پینے' جماع سے رکا رہتا ہے اور پھر اس کے ساتھ اپنے آپ کو ذکر الٰہی' تلاوت' نماز' درود شریف کے پڑھنے میں مشغول رکھتا ہے تو پھر اس کی روح پر عالم غیب کے انوار کی تجلی اور ملاء اعلیٰ تک اس کی رسائی کیونکر نہ ہو گی۔ اور یہ جو احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رمضان شریف میں شیطان زنجیروں میں بند کئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ملہم غیبی آواز دیتا ہے کہ اے طالب نیکی کے! اس طرف کو آ اور اے برائی کے کرنے والے! کوتاہی کر۔ یہ سب ایسی احادیث اسی امر لطیف کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ ظلمات جسمانیہ کے دور کرنے کے لئے روزہ سے بہتر اور افضل کوئی عبادت نہیں اور انوار و مکالمات الٰہیہ کی تحصیل کے لئے روزہ سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔ اور حضرت موسیٰ ؑ نے جب کوہ طور پر تیس بلکہ چالیس روزے رکھے تب ہی ان کو تورات ملی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غار حرا کے اعتکاف میں روزوں کا رکھنا ثابت ہے جس کے برکات سے نزول قرآن کا شروع ہوا اور خود قرآن مجید بھی اسی طرف ناظر ہے کہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ اور مسیح موعود نے بھی چھ ماہ یا زیادہ مدت تک روزے رکھے ہیں جن کی برکات سے ہزاروں الہامات کے وہ مورد ہو رہے ہیں۔ بدیں وجوہ موجہ قرآن اور اسلام نے جو جامع تمام صداقتوں اور معارف کا ہے دونوں قسم کے روزوں کو واسطے حاصل ہونے مزید تصفیہ قلب کے ثابت و برقرار رکھا۔ ہاں دونوں قسموں کے حکم جداگانہ فرما دیئے گئے۔ صیام غیرلازم کا حکم تو یوں فرمایا کہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ اور صیام لازم کا حکم یوں ارشاد ہوا کہ فَلْيَصُمْهُ اور وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ آگے رہا لفظ كُتِبَ' جس کے معنے مفسرین فرض لکھتے ہیں۔ اس کی نسبت یہ گزارش ہے کہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کے معنی فرضیت ہی کے لئے جاویں بلکہ جو حکم شرعی لازم یا غیرلازم ہو'

اس کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ شرع اسلام میں مکتوب یا لکھا ہوا ہے خواہ وہ حکم لازم ہو یا غیر لازم۔ یہ اصطلاح علما ہی کی ہے نہ قرآن مجید کی اصطلاح' کیونکہ لفظ کتاب یا اس کی مشتقات قرآن مجید میں صدہا جگہ آئے ہیں' تاہم وہاں پر مرادالٰہی فرضیت نہیں ہے۔ کما قال تعالیٰ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (البقرہ:۲۸۳) اَيْضًا يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ (البقرہ:۸۱) وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الْاٰيَاتِ الْكَثِيْرَةِ۔

آگے رہا حکم شیخ فانی' مرضعہ' پیر ضعیف یا جوان نہایت لاغر و نحیف وغیرہم کا جن پر روزہ رکھنا نہایت درجہ پر شاق معلوم ہوتا ہے۔ سو یہ سب لوگ بایں شرط مشقت حکم مریض میں داخل ہیں کیونکہ تعریف مریض کی ان پر صادق آتی ہے کہ ان کے جملہ قویٰ کے افعال اپنی حالت اصلی پر باقی نہیں رہے۔ اگر یہ لوگ فدیہ بھی دیویں تو مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ پر قیاس کئے جا سکتے ہیں مگر فدیہ بھی اسی شخص پر ہے جو فدیہ دینے کی طاقت رکھتا ہو۔ ورنہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کا روزہ افطار کرنے والے نے خود الٹا ساٹھ مسکینوں کا طعام فدیتاً لے لیا ہے کما فی المشکوٰۃ اور خود قرآن مجید ہی فرماتا ہے کہ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ:۱۸۶) اور لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸۷) وغیرہ وغیرہ من الآیات۔

اس توجیہ سے وہ تکلفات جو مذکور ہوئے نہیں لازم آتے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ اب واضح ہو کہ جس قدر احکام شرع اسلام میں مقرر ہیں ان میں اسرار عجیبہ اور لطائف غریبہ غور کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً یہاں پر جو شَهْرُ رَمَضَانَ واسطے صیام کے اللہ تعالیٰ کے کلام میں مخصوص فرمایا گیا اس میں ایک عجیب سر یہ ہے کہ یہ مہینہ آغاز سنہ ہجری سے نواں (۹) مہینہ ہے۔ یعنی ا۔ محرم ۲۔ صفر ۳۔ ربیع الاول ۴۔ ربیع الثانی ۵۔ جمادی الاول ۶۔ جمادی الثانی ۷۔ رجب ۸۔ شعبان ۹۔ رمضان۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کی تکمیل جسمانی شکم مادر میں نو ماہ میں ہی ہوتی ہے اور عدد نو کا فی نفسہٖ بھی ایک ایسا کامل عدد ہے کہ باقی اعداد اسی کے احاد سے مرکب ہوتے چلے جاتے ہیں' لاغیر۔ پس اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہوا کہ انسان کی روحانی تکمیل بھی اسی نویں مہینے رمضان ہی میں ہونی چاہئے اور وہ بھی اس تدریج کے ساتھ کہ آغاز شہور ہجری سے ہر ایک ماہ میں ایام بیض وغیرہ کے روزے رکھنے سے بتدریج تصفیہ قلب حاصل ہوتا رہا۔ جیسا کہ شیخ نے کہا ہے کہ ؎

صفائی بتدریج حاصل کنی
تامل در آئینہ دل کنی

حتیٰ کہ نواں مہینہ رمضان شریف کا آ گیا تو اس کے لئے یہ حکم ہوا کہ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

فَلْيَصُمْهُ (البقرہ:۱۸۶)۔ یہاں تک کہ مومن متبع کو روزے رکھتے رکھتے آخر عشرہ رمضان شریف کا بھی آ گیا۔ پس اب تو ظلمات جسمانیہ اور تکدرات ہیولانیہ سے پاک وصاف ہو گیا تو عالم ملکوت کی تجلیات بھی اس کو ہونے لگیں اور طاق تاریخوں میں مکالمات الٰہیہ کا مورد ہو گیا اور یہی حقیقت ہے لیلۃ القدر کی جو آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور اس لئے شارع اسلام نے تعیین لیلۃ القدر کی ۲۷ شب مقرر فرمادی کیونکہ درصورت ۲۹ دن ہونے شہر رمضان کے وہی ۲۷ شب آخری طاق شب ہو جاتی ہے، جس میں تکمیل روحانی انسان متبع کے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ شب ۲۷ کی ایک عجیب مبارک شب ہے جس میں قرآن مجید بھی نازل ہوا۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (القدر:۲-۴)۔ ایضاً قال تعالیٰ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (الدخان:۴)۔ اور چونکہ یہ شب مبارک اور لیلۃ القدر دونوں رمضان شریف ہی میں ہوتی ہیں لہٰذا ان تینوں آیتوں میں کوئی اختلاف بھی باقی نہیں رہا۔ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں ضمیر مذکر غائب کا مرجع اس لئے مذکور نہیں ہوا ہے کہ جملہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے اشد درجہ منتظر تھے کیونکہ تمام کتب میں آپ کی بشارات اور صفات حمیدہ موجود تھیں اور اب تک موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام آپ کے منہ میں ڈالا جانا بھی بائیبل میں اب تک پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس کلام الٰہی کے نزول کا بھی ان کو سخت انتظار تھا اور نیز مشرکین عرب اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آتے تھے کہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے بنی اسمٰعیل میں ایک نبی عظیم الشان مبعوث ہونے والا ہے۔ لہٰذا جملہ اہل مذاہب اور اہل کتاب کو اس نبی آخر الزمان اور نزول کلام الٰہی کا انتظار تھا اور ان میں آپ کی بعثت کا ذکر خیر رہتا تھا جیسا کہ سورہ بینہ کی ہماری تفسیر سے واضح ہے۔ اس لئے اَنْزَلْنٰهُ کے مرجع کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ مرجع کے ذکر کرنے میں وہ نکتہ حاصل نہ ہوتا تھا جو اس کے عدم ذکر کرنے میں ایک لطیفہ حاصل ہوا۔ اس لئے مرجع ضمیر "انزلناہ" کا ذکر سابق میں نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کا ذکر تو کل اہل کتاب اور مشرکین عرب میں موجود ہے۔

اسی طرح پر الہام اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۴۹۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳) میں بھی مرجع کا ذکر نہیں فرمایا گیا۔ چونکہ اب بھی کوئی فرقہ مذہبی اس قرن میں ایسا موجود نہیں ہے جو ایک مصلح کامل کا منتظر نہ ہو۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی مسیح اور الیاس کے نزول کے منتظر ہیں اور اہل اسلام بھی مہدی معہود اور مسیح موعود کے نزول کا انتظار کر رہے ہیں اور ہنود بھی کلنکی اوتار کرشن علیہ السلام کی آمد کے لئے منتظر بیٹھے ہوئے ہیں اور تمام عقلاء اور علماء کی انجمنیں ایک مصلح کامل کو بلا

رہی ہیں۔ اس لئے مرجع کے ذکر کرنے کی یہاں پر بھی ضرورت نہیں بلکہ ذکر کرنے مرجع میں کلام الٰہی عالی مقام بلاغت سے نیچے اتر جاتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ پیشین گوئی براہین احمدیہ میں مندرج ہے جس کو مدت پچیس یا چھبیس سال کے منقضی ہو گئے ہیں اور اب اس الہام کا منجاب اللہ ہونا ایسا ثابت ہو گیا' جس میں سخت معاند بھی کوئی اعتراض پیدا نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ جس وقت میں یہ الہام ہوا ہے اس وقت میں کوئی کتاب متضمن معارف اور حقائق قرآن مجید کی قادیان سے دنیا میں بکثرت شائع نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اگر اس وقت سے لے کر اس وقت تک نظر کی جاوے تو ہر ایک اہل بصیرت پر مشاہدہ ہو گا کہ ہزاروں معارف قرآن مجید کے من ابتدائے اشاعت براہین احمدیہ لغایت اشاعت حقیقۃ الوحی قادیان سے تمام دنیا میں شائع ہو چکے ہیں اور حقیقت قرآن مجید اور نبوت محمدیہ کی حجت جملہ اہل مذاہب پر خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ' آریہ ہوں یا سناتن دہرم' سکھ ہوں یا نیچری' کل پر پوری کر دی گئی ہے اور کی جاتی ہے اور کی جاوے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر اس پچیس چھبیس برس کی کتابوں کو جمع کیا جاوے تو ایک بڑے مکان میں بھی وہ نہ سما سکیں گی۔ پس اگر یہ الہام منجانب اللہ نہیں تھا تو کیوں پورا ہوا؟ قادیان کوئی بڑی بستی نہیں تھی جس سے مانند مصر و یونان کے' چشمے علم و حکمت کے جاری ہو جاتے اور علم و حکمت بھی وہ جو مصداق ہو يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (البقرۃ:۱۳۰) کا۔ کیا اچھا کہا ہے حالی نے جو قادیان کے بھی حسب حال ہے۔ اب حالی صاحب کو بھی حال قادیان سے غیرت پکڑنا چاہئے۔

نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی
نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پہ طبع بشر تھی
خدا کی زمیں بن جتی سر بسر تھی

مع ہذا۔ اگر یہ الہام من جانب اللہ نہ ہوتا تو پھر ایسی چھوٹی سی بستی سے یہ چشمے معارف قرآنی اور حقائق اسلامی کے تمام دنیا میں کیونکر جاری ہو سکتے تھے کہ جن کی نہریں تمام دنیا امریکہ۔ یورپ یعنی جرمن' فرانس۔ روس۔ جاپان وغیرہا میں جاری ہو چلی ہیں۔ دیکھو کارخانہ ریویو آف ریلیجنز' الحکم' بدر' تعلیم الاسلام اور تشحیذ الاذہان وغیرہا کو۔ اور قَرِيبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ وہ معارف اور حقائق قرآنی جو مصداق هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (البقرۃ:۱۸۶) کے ہیں' ان میں اور قادیان کے لوگوں میں ایک پردہ غلیظ واقع ہو رہا ہے جس کی وجہ سے فِي الْقَادِيَانِ نہ فرمایا گیا۔

اور فی الحقیقت عموماً حال یہ ہے کہ جو شخص مامور من اللہ ہو کر دنیا میں آتا ہے اس میں اور دوسرے لوگوں میں کسی نہ کسی قدر پردہ ضرور ہی ہوا کرتا ہے اور اس پردہ اور حجاب کے رفع کرنے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَ جَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (یٰس:۱۰)۔ ہاں اگر کوئی طالب صادق ہوتا ہے اور ظلمات' عناد اور تعصب سے دور ہو جاتا ہے تو پھر ان انوار معارف سے ایسا شخص منور اور بہرہ ور بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بلحاظ اس پردہ و حجاب کے قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ فرمایا گیا نہ فِي الْقَادِيَانِ۔ اور یہ امر تو ظاہر ہے کہ بستی سے مراد بستی والے بھی ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک محاورہ ہے جو ہر ایک زبان میں جاری ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ شریعت اسلام میں تمام اوقات عبادات اور ازمنہ روحانیات کو ایک دور کے ساتھ قائم کیا ہے۔ جس طرح پر جسمانیات اور زمانیات میں بھی یہ دور مشاہدہ ہو رہا ہے۔ دیکھو فصل بہار کو کہ ہر ایک سال دورہ کرتی رہتی ہے اور نظر کرو تمام ثمار اور غلہ جات وغیرہ کو کہ اپنے اپنے وقت پیداوار پر دورہ کرتے رہتے ہیں اور غذائے انسان و حیوانات ہوتے ہیں۔ اسی طرح پر نظام روحانی کا انتظام منجانب اللہ فرمایا گیا ہے۔ دیکھو ایک ہفتہ ہی کو کہ یوم جمعہ ہمیشہ دورہ کرتا رہتا ہے جس کی برکات سے مومنین کا ایمان تازہ ہوتا ہے اور ہفتہ بھر کی خطیئات کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ پھر دیکھو رمضان شریف اور موسم حج کو اور لیلۃ القدر وغیرہ کو کہ ہر سال ایک مرتبہ ان کا دورہ ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ اسی لئے کہ مومنین کا ایمان ان کی برکات سے تازہ ہوتا رہے اور تجلیات الٰہیہ کا ورود جن میں مکالمات الٰہیہ ہیں' مومن متبع پر ہوتا رہے۔ اسی طرح پر ہر ایک صدی پر واسطے تجدید دین اسلام کے مجددین کا دورہ ہوتا رہتا ہے كَمَا فِي الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ۔ چنانچہ اس چودہویں صدی میں دورہ مسیح موعود کا ہو رہا ہے۔ یہ مسیح موعود عنداللہ قمر بھی ہے اور ایک لحاظ سے شمس بھی ہے۔ كَمَا ثَبَتَ فِيْ مَحَلِّهٖ۔ یہ شمس و قمر کا دورہ رمضان شریف کے ساتھ بڑی مناسبتیں رکھتا ہے۔ یعنی جس طرح پر رمضان شریف میں ایک قسم کی نفس کشی بسبب امساک کے اکل و شرب سے اور جماع سے کی جاتی ہے اسی طرح پر اس دور قمر میں مومنین متبعین کو کسی قدر صعوبتیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ بلکہ بعض متبعین کو ترک اکل و شرب و جماع کا بھی تائید اسلام اور تبلیغ دین حق کے لئے کرنا پڑا ہے کہ اکثر جگہ پر ازواج میں باہم تفریق واقع ہو گئی اور مخالفین اکثر مخلصین کے اکل و شرب میں بھی حارج ہوئے۔ دوسری مناسبت رمضان کو اس دور قمر کے ساتھ یہ ہے کہ جو معارف قرآنی بذریعہ اس شمس و قمر کے دنیا پر منکشف ہوئے وہ پچھلی صدیوں میں نازل نہیں ہوئے تھے اور رمضان کی خصوصیات سے ضروری ہے کہ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ

بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ (البقرہ:۱۸۶) کا نزول ضرور ہو۔ یہ تینوں امور نزول قرآن مجید کے لئے اس لئے ضروری ہیں کہ ایک تو ہدایت عام ہوتی ہے تمام آدمیوں کے لئے۔ دوسرے اس ہدایت کے دلائل قطعیہ اور شواہد یقینیہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کا مصدق کسوف و خسوف ماہ رمضان ۱۳۱۱ھ اور دیگر بینات واقع ہوئے۔ تیسرے اس ہدایت عامہ کے لئے الفرقان ہونا چاہئے جیسا کہ واقعہ لیکھرام اور چراغ دین کے اس کے شواہد ہیں وغیرہ وغیرہ' جو اس خطبہ میں مفصل بیان نہیں ہو سکتے۔ پس جب ان ہر سہ امور کا نزول اس دور شمس و قمر میں ہم کو مشاہد ہو رہا ہے تو پھر ہم کیونکر تسلیم نہ کریں کہ زمانہ بعثت اس مسیح موعود کو ساتھ شہر رمضان کے بالضرور ایک مناسبت قوی ہے کما قال اللہ تعالیٰ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ۔ پس اگر یہ زمانہ مسیح موعود کا شہر رمضان کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا تو پھر یہ نزول قرآن یعنی رد شبہات تمام فرق باطلہ کا قرآن مجید سے کیوں ہو رہا ہے؟ ہر ایک اہل بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ علت کے وجود سے معلول کا وجود سمجھا جاتا ہے اور معلول کے وجود سے علت کا وجود سمجھ میں آجاتا ہے اور جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بعثت کا ایک عظیم الشان لیلۃ القدر تھا کما قال اللہ تعالیٰ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (القدر:۳)۔ اسی طرح پر یہ آخری زمانہ یعنی دور شمس و قمر کا زمانہ ایک قسم کی لیلۃ القدر ہے کہ اس میں بھی اس مسیح موعود علیہ السلام پر نزول ملائکہ اور روح یعنی جبرائیل کا ہو رہا ہے جس کو کوئی مخالف نہیں ٹال سکتا کیونکہ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (القدر:۵) ہے۔ اور اسی لئے یہ مسیح موعود سلامتی کا شہزادہ ہے کما فی الالہام و کما قال اللہ تعالیٰ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (القدر:۶)۔ چونکہ معارف الہامات مسیح موعود کے بے نہایت ہیں' اس لئے میں اب اس خطبہ کو یہیں ختم کرتا ہوں۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَ نَفَعَنَا وَ اِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَّادٌ قَدِيْمٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ رَّءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

یہاں پر ایک رؤیا کا درج کرنا جو بتاریخ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو بمقام امروہہ خاکسار کو ہوئی تھی بحکم تحدیث بالنعمۃ کے ضروری ہے۔ ۱۲/ تاریخ کی شب کو میں نے دیکھا کہ میں کسی شہر میں ہوں اور ایک مکان میں ایک تخت پر بیٹھا ہوا ہوں۔ کچھ لوگ تخت سے نیچے بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ تخت کے اوپر بھی ہیں اور میں بڑے زور و شور سے صرف اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ:۵) کی تفسیر سے مسلک احمدیہ اور دعاوی حضرت مسیح موعود کو ثابت کر رہا ہوں۔ تمام مضمون کلام تفسیری مجھ کو یاد نہیں رہا مگر ماحصل اس مضمون کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو یہ آیت تعلیم فرمائی ہے' اس سے مقصود الٰہی

یہ ہے کہ نمازہائے پنجگانہ کی ہر ایک رکعت میں ہم بصدق دل اس آیت کا اقرار بجناب باری ادا کرتے ہیں اور خارج نماز سے مدام اس اقرار پر ہمارا عمل درآمد بھی رہے۔ تب یہ عبادت مقبول ہو گی اور ہماری استعانت پر اللہ تعالیٰ کی اعانت بھی ہم کو پہنچے گی۔ اب یہ تو ظاہر ہے جو شخص مامور من اللہ ہو کر دنیا میں مبعوث ہوتا ہے اس کے لئے بعد نمازہائے پنجگانہ کے سب عبادات سے عظیم ترین عبادت تبلیغ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡہِ ہوتی ہے کما قال تعالیٰ بَلِّغۡ مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:٦٨)۔ اب اس چودہویں صدی میں ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ حسب وعدہ الٰہی مندرجہ قرآن مجید و بموجب حدیث صحیح کے کوئی مجدد اس سرصدی پر بھی پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ تو مانند شمس نصف النہار کے بڑی شہرت کے ساتھ اس دعویٰ اور مدعی کو موجود پاتے ہیں کہ ایک شخص معظم یعنی حضرت اقدس مرزا غلام احمد اس عبادت تبلیغ کو بعد نمازہائے پنجگانہ کے ایسی جان توڑ کوشش کے ساتھ ادا کر رہے ہیں کہ تمام اقطار ارض میں ان کی تبلیغ پہنچ گئی ہے اور ان کی تبلیغ سے نہ یورپ محروم اور نہ امریکہ' نہ روس اور نہ جاپان۔

پھر ہم نظر ثانی کرتے ہیں کہ ان کی استعانت پر جناب باری سے ایسی اعانت بھی پہنچ رہی ہے کہ اس کی نظیر بصیغہ قلمی اور دعا کے ذریعہ اس مدت اسلامی تیرہ سو سال میں ہم کو نہیں ملتی۔ پس جبکہ یہ عبادت تبلیغ اور اعانت الٰہی کی اس شخص میں ہم مشاہد پاتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ شخص بالضرور مامور من اللہ ہے اور جو اس کے دعاوی ہیں' یہ سب صادق اور مصدوق الٰہی ہیں' ورنہ پھر مضمون اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا صادق نہ رہے گا۔ ونعوذ باللہ منہ۔ کیونکہ اس آیت کا مضمون جو اس طرف صریح اشارہ کر رہا ہے کہ جو شخص مدعی ماموریت کا عبادت تبلیغ کی بجالا رہا ہے اور وہ جناب باری میں مقبول بھی ہو گئی ہے کیونکہ اس کی استعانت پر اعانت الٰہی برابر پہنچ رہی ہے تو وہ مدعی بالضرور صادق و مصدوق ہے خواہ اس دلیل کو دلیل لمی کے طور پر مانو یا بطور دلیل انی کے اس کو سمجھ لو۔ مدعا ہر حال میں ثابت ہے یعنی خواہ آفتاب کے وجود سے دن کا موجود ہونا سمجھ لو یا دن کے موجود ہونے سے آفتاب کا وجود تسلیم کر لو' مطلب بہرحال حاصل ہے۔ ھٰذَا مَآ اَلۡھَمَنِیۡ رَبِّیۡ وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَ مَا کُنَّا نَھۡتَدِیۡ لَوۡلَآ اَنۡ ھَدٰنَا اللّٰہُ۔

(الحکم جلد ۱۰ نمبر ۳۸ --- ۱۰ / نومبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳ تا ۵)

☆-☆-☆-☆

۱۵؍ نومبر ۱۹۰۶ء

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ

خطبہ نکاح

(جو حضرت مولوی نور الدین صاحب نے ۱۵؍ نومبر ۱۹۰۶ء کو بعد نماز عصر صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب کے نکاح کے موقع پر پڑھا)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَن يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوْا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء:۲)۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۔ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب:۷۱،۷۲)۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر:۱۹)۔

خطبہ نکاح میں ان آیات کا پڑھنا مسنون ہے اور ہمیشہ سے مسلمانوں کا اس پر عملدرآمد چلا آیا ہے۔ ان آیات میں تقویٰ کا حکم ہے۔ تقویٰ سے مراد اول عقائد کی اصلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے' نہ صفات میں کوئی شریک ہے اور نہ افعال میں کوئی شریک ہے۔ عبادت میں اس کا کوئی شریک بنانا ناجائز ہے۔ یہ عقائد میں مرتبہ اول ہے۔ دوم۔ ملائکہ پر ایمان لانا ہے۔ ملائکہ ہمارے دلوں پر نیکیوں کی تحریک کرتے ہیں۔ جو شخص اس تحریک کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اس کا تعلق ملائکہ کے ساتھ بڑھ جاتا ہے اور پھر ملائکہ زیادہ سے زیادہ نیک تحریکات کا سلسلہ اس کے دل کے ساتھ لگائے رکھتے ہیں۔ جو لوگ شیطان کی تحریک بد کو قبول کرتے ہیں ان کا تعلق شیطان کے ساتھ بڑھ جاتا ہے اور جو لوگ ملائکہ کی تحریک نیک پر عمل درآمد کرتے ہیں ان کا تعلق ملائکہ کے ساتھ بڑھ جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے بغیر کسی بیرونی محرک کے جو انسان کے دل میں ایک نیک کام کرنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اس طرف توجہ ہو جاتی ہے وہ فرشتے کی تحریک ہوتی ہے۔ اور جو بدخیال دل میں اچانک پیدا ہو جاتا ہے وہ شیطان کی تحریک ہوتی ہے۔ جس طرف انسان توجہ کرے اسی میں ترقی کر جاتا ہے۔ ملائکہ پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہے کہ جب کسی کے دل میں نیک تحریک پیدا ہو تو فوراً اس نیکی پر عملدرآمد کرے۔ برخلاف اس کے جب بدخیال دل میں آئے تو لاحول پڑھنا اور اعوذ پڑھنا اور بائیں طرف تھوکنا شیطان کی شرارت سے بچانا ہے۔ کیونکہ شیطان طرف راست سے نہیں آتا۔ وہ راستی کا دشمن ہے۔ بلکہ ہمیشہ طرف چپ سے آتا ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور ملائکہ کی نیک تحریکات سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی کتاب کو تدبر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور مرسلین کا نیک نمونہ اختیار کرتے ہیں ان کو خدا تعالیٰ صراط مستقیم پر قدم مارنے کی توفیق دیتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرتے ہوئے مکالمہ مخاطبہ الہیہ کی نعمت کے حصول تک پہنچ جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی توحید اور ملائکہ پر ایمان کے بعد تیسری بات ایمان بالآخرۃ ہے۔ جزاء و سزا کا عقیدہ انسان کے واسطے ترقی کا موجب ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ توفیق دے تو یہ ترقی بتدریج انسان حاصل کر سکتا ہے۔

اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ترقی کے واسطے بہت سے سامان باآسانی مہیا کر دیئے ہیں۔ دیکھو خدا تعالیٰ کا مامور ہمارے سامنے موجود ہے اور خود اس مجلس میں موجود ہے۔ ہم اس کے چہرے کو دیکھ سکتے ہیں۔

یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں ہزار ہم سے پہلے گزرے جن کی دلی خواہش تھی کہ وہ اس کے چہرہ کو دیکھ سکتے۔ پر انہیں یہ بات حاصل نہ ہوئی اور ہزاروں ہزار اس زمانہ کے بعد آئیں گے جو یہ خواہش کریں گے کہ کاش وہ مامور کا چہرہ دیکھتے' پر ان کے واسطے یہ وقت پھر نہ آئے گا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ عجیب در عجیب تحریکیں دنیا میں زور شور کے ساتھ ہو رہی ہیں اور ایک ہل چل مچ رہی ہے۔ عربی زبان دنیا میں خاص طور پر ترقی کر رہی ہے۔ کتابیں کثرت سے شائع ہو رہی ہیں۔ وہ عیسائیت کی عمارت جس کو ہاتھ لگانے سے خود ہمارے ابتدائی عمر کے زمانہ میں لوگ خوف کھاتے تھے آج خود عیسائی قومیں اس مذہب کے عقائد سے متنفر ہو کر اس کے برخلاف کوشش میں ایسی سرگرم ہیں کہ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَھُمْ بِاَیْدِیْھِمْ (الحشر:۳) کے مصداق بن رہے ہیں اور شرک کے ناپاک عقائد سے بھاگ کر ان پاک اصول کی طرف اپنا رخ کر رہے ہیں جن کے قائم کرنے کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ سب واقعات قرآن شریف کی اس پیشگوئی کی صداقت کو ظاہر کر رہے ہیں کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر:۱۰) تحقیق ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں جیسا کہ الفاظ کی حفاظت یاد کرنے والوں اور لکھنے والوں کے ذریعہ سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ یہ سب کچھ موجود ہے مگر خوش قسمت وہی ہے جو ان باتوں سے فائدہ اٹھائے۔ جذبات نفس پر قابو رکھ کر خدا تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے۔ مساکین اور یتامیٰ کو مال دیوے۔ قسم قسم کے طریقوں سے رضاء جوئی اللہ تعالیٰ کی کرے۔ ایک وقت کا عمل دوسرے وقت کے عمل سے بعض دفعہ اتنا فرق رکھتا ہے کہ اول مہاجرین نے جہاں ایک مٹھی جو کی دی تھی' بعد میں آنے والا کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا دیتا تھا تو اس کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ سائل کو دو' دکھی کو دو' ذوی القربیٰ کو دو۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ مسنون تسبیح اور کلام شریف اور دعاؤں کے بعد اپنی زبان میں بھی عرض معروض کرو تاکہ دلوں پر رقت طاری ہو۔ غریبی میں' امیری میں' مشکلات میں' مقدمات میں' ہر حالت میں مستقل رہو اور صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ تقویٰ کا ابتداء دعا' خیرات اور صدقہ سے ہے اور آخر ان لوگوں میں شامل ہونے سے ہے جن کی نسبت فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (حم السجدہ:۳۱) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر استقامت دکھلائی۔

تقویٰ کرنے کے متعلق حکم کے بعد یہ حکم ہے کہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ چاہئے کہ ہر ایک نفس دیکھ لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا تیاری کی ہے؟ انسان کے ساتھ ایک نفس لگا ہوا ہے جو ہر وقت متبدل ہے کیونکہ جسم انسانی ہر وقت تحلیل ہو رہا ہے۔ جب اس نفس کے واسطے جو ہر وقت

تحلیل ہو رہا ہے اور اس کے ذرات جدا ہوتے جاتے ہیں اس قدر تیاریاں کی جاتی ہیں اور اس کی حفاظت کے واسطے سامان مہیا کئے جاتے ہیں تو پھر کس قدر تیاری اس نفس کے واسطے ہونی چاہئے جس کے ذمہ موت کے بعد کی جوابدہی لازم ہے۔ اس آنی' فناوالے جسم کے واسطے جتنا فکر کیا جاتا ہے کاش کہ اتنا فکر اس کے نفس کے واسطے کیا جاوے جو کہ جواب دہی کرنے والا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔ اس آگاہی کا لحاظ کرنے سے آخر کسی نہ کسی وقت فطرت انسانی جاگ کر اسے ملامت کرتی ہے اور گناہوں میں گرنے سے بچاتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات بولو تو خدا تعالیٰ تمہاری کمزوریوں کو معاف کرے گا اور تمہاری غلطیوں کی سنوار اور اصلاح ہو جائے گی۔ انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اپنے اعمال کی اصلاح میں کوشش کرتا رہے۔ جب مرنے کا وقت قریب آتا ہے تو انسان کے حقیقی اعمال جو خدا تعالیٰ کے نزدیک پسند یا غیر پسند ہوں' پیش ہوتے ہیں نہ کہ وہ اعمال جو لوگوں کے سامنے وہ دکھاتا اور ظاہر کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے آدم کو پیدا کیا اور اس سے بہت مخلوق پھیلائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام والبرکات پر اس کا خاص فضل ہوا اور ابراہیم کو اس قدر اولاد دی گئی کہ اس کی قوم آج تک گنی نہیں جاتی۔ اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے امام کو آدم کہا ہے اور بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا کی آیت ظاہر کرتی ہے کہ اس آدم کی اولاد بھی دنیا میں اسی طرح پھیلنے والی ہے۔ میرا ایمان ہے کہ بڑے خوش قسمت وہ لوگ ہیں جن کے تعلقات اس آدم کے ساتھ پیدا ہوں۔ کیونکہ اس کی اولاد میں اس قسم کے رِجَال اور نساء پیدا ہونے والے ہیں جو خدا تعالیٰ کے حضور میں خاص طور پر منتخب ہو کر اس سے مکالمات سے مشرف ہوں گے۔ مبارک ہیں وہ لوگ۔ مگر یہ باتیں بھی پھر تقویٰ سے حاصل ہو سکتی ہیں اور تقویٰ ہی کے ذریعہ سے فائدہ پہنچا سکتی ہیں کیونکہ خدا کسی کا رشتہ دار نہیں ہے۔ مجھے سب سے بڑھ کر جوش اس بات کا ہے کہ میں مسیح موعود کے بیوی بچوں' متعلقین اور قادیان میں رہنے والوں کے واسطے دعائیں کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کو رِجَالًا كَثِيرًا اور تقویٰ اللہ والے کے مصداق بنائے۔

آج کی تقریب ایک خاص خوشی کا موقع ہے اور خاص خوشی خانصاحب نواب محمد علی خاں کے لئے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی قسمت میں یہ بات کر دی کہ وہ اس تعلق میں شمولیت حاصل کریں۔ آج یہ تقریب ہے کہ ہمارے امام آدم وقت کے اس شریف لڑکے کا نکاح نواب صاحب کی

اکلوتی بیٹی زینب کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اس کا مہر وہی ایک ہزار روپیہ مقرر کیا جاتا ہے جو کہ حضرت کے دوسرے لڑکوں کا مقرر ہوا ہے۔ کیا آپ کو (نواب صاحب کی طرف توجہ کر کے) منظور ہے۔ (نواب صاحب نے کہا منظور ہے۔ پھر صاحبزادہ شریف احمد سے پوچھا گیا انہوں نے بھی کہا منظور ہے)۔ اس کے بعد حضرت نے بمعہ جماعت دعا کی۔

(بدر جلد ۲ نمبر ۵۰...... ۱۳ر دسمبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۸، ۹)

☆-☆-☆-☆
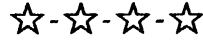
۱۴ر جنوری ۱۹۰۷ء

قادیان

خطبہ کسوف

۱۴ر جنوری ۱۹۰۷ء کو مدینۃ المسیح میں نماز کسوف پڑھی گئی۔ یہ وہ نماز ہے جس کی نسبت دیہات میں تو کسی کو بھی معلوم نہیں کہ پڑھنی سنت ہے یا نہیں بلکہ پڑھنے والے تو کہتے ہیں ہمارے دین سے نکل گیا۔ یہ بھی ہمارے بعض حنفی بھائیوں کی خاص مہربانیوں سے ہے جو وہ بعض سنن رسول مقبول کی نسبت کرتے رہتے ہیں۔ خیر' یہ سلسلہ احمدیہ تو جاری ہی اسی لئے ہوا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنتوں کو جاری کرے۔ اس لئے یہاں دارلامان میں کسوف شروع ہوتے ہی نماز کی تیاری شروع ہو گئی اور ساڑھے دس بجے کے قریب حکیم الامت سلمہ ربہ نے نماز باجماعت جہری قرات سے پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۃ السجدہ پڑھ کر رکوع کیا اور رکوع سے سر اٹھا کر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ کر سورۃ الاحقاف پڑھی اور پھر رکوع کیا۔ دوسری رکعت میں پہلے سورۃ محمد کو پڑھ کر رکوع کیا اور پھر رکوع سے سر اٹھا کر اِنَّا فَتَحْنَا (الفتح) پڑھی اور پھر رکوع کیا۔ غرض ہر

رکعت میں دو دو رکوع کئے۔ اسی طرح زیادہ بھی رکوع کرسکتے ہیں۔ یہ نماز ایک گھنٹہ میں ختم ہوئی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض صحابہؓ کو اس نماز میں طوالت قرات کے سبب غشی ہو جاتی تھی۔ نماز ختم ہونے کے بعد مولوی صاحب مکرم نے خطبہ پڑھا جو نہایت ہی لطیف تھا۔

آپ نے فرمایا کہ:۔

دو کارخانے ہیں جسمانی اور روحانی۔ پہلے اپنی حالت کو دیکھو کہ دل سے بات اٹھتی ہے تو ہاتھ اس پر عمل کرتے ہیں جس سے روح و جسم کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ غمی و خوشی ایک روحانی کیفیت کا نام ہے مگر اس کا اثر چہرہ پر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کسی سے محبت ہو تو حرکات و سکنات سے اس کا اثر معلوم ہو جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے بھی اس نکتہ کو کئی پیرایوں میں بیان کیا۔ مثلاً حدیبیہ کے مقام پر جب سہیل آیا تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سھل الامر (بخاری کتاب الشروط فی الجھاد و المصالحۃ) اب یہ معاملہ آسانی سے فیصل ہو جائے گا۔ دیکھو بات جسمانی تھی نتیجہ روحانی نکالا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی طرف خیال کرو کہ پاخانے جاتے وقت ایک دعا سکھائی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ (بخاری۔ کتاب الدعوات باب الدعاء عند الخلاء) یعنی جیسے پلیدی ظاہری نکالی اسی طرح باطنی نجاست کو بھی نکالنے کی توفیق دے۔ پھر جب مومن فارغ ہو جائے تو پڑھے غُفْرَانَکَ۔ اس میں بھی یہ اشارہ تھا کہ گناہ کی خباثت سے جب انسان بچتا ہے تو اسی طرح کا روحانی چین پاتا ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سب ارکان اسلام میں جسمانیت کے ساتھ ساتھ روحانیت کا خیال رکھا ہے اور نادان اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ مثلاً وضو ظاہری اعضاء کے دھونے کا نام ہے مگر ساتھ ہی دعا سکھلائی ہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (سنن ترمذی ابواب الطھارۃ) کہ جیسے میں نے ظاہری طہارت کی ہے مجھے باطنی طہارت بھی عطاء کر۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کرنے میں یہ تعلیم ہے کہ میں اللہ کے لئے سارے جہان کو پشت دیتا ہوں۔ یہی تعلیم رکوع و سجود میں ہے۔ وہ تعظیم جو دل میں اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جسمانی اعضا سے ظاہر کی جارہی ہے۔ زکوٰۃ روحانی بادشاہ کے حضور ایک نذر ہے اور جان و مال کو فدا کرنے کا ایک ثبوت ہے جیسا کہ ظاہری بادشاہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور حج کے افعال کو سمجھنے کے لئے اس مثال کو پیش نظر رکھئے کہ جیسے کوئی مجازی عاشق سن لیتا ہے کہ میرے محبوب کو فلاں مقام پر کسی نے دیکھا تو وہ مجنونانہ وار اپنے لباس وغیرہ سے بے خبر اٹھ کر دوڑتا ہے، ایسا ہی یہ اس محبوب

لم یزل کے حضور حاضر ہونے کی ایک تعلیم ہے۔ غرض جسمانی سلسلہ کے مقابل ایک روحانی سلسلہ بھی ضرور ہے اور اس کو نہ جاننے کے لئے بعض نادانوں نے اس سوال پر بڑی بحث کی ہے کہ مرکز قویٰ قلب ہے یا دماغ؟ اصل بات فیصلہ کن یہ ہے کہ جسمانی رنگ میں مرکز دماغ ہے۔ کیونکہ تمام حواس کا تعلق دماغ سے ہے اور روحانی رنگ میں مرکز قلب ہے۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ روحانیت کی طرف توجہ رکھتے ہیں اس لئے وہ ظاہری نظارہ سے روحانی نظارہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو اللہ تعالیٰ نے سِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب:۴۷) فرمایا ہے اور آپ سراج منیر کیوں نہ ہوتے جبکہ آپ نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْنِيْ نُوْرًا (بخاری کتاب الدعوات و ترمذی کتاب الدعوات) (یہ بڑی لمبی دعا ہے)۔ خیر' جب اس حقیقی سورج نے دیکھا کہ سورج کو گرہن لگ گیا یعنی کچھ ایسے اسباب پیش آگئے جن سے سورج کی روشنی سے اہل زمین مستفید نہیں ہو سکتے تو اس نظارہ سے آپ کا دل پھڑک اٹھا کہ کہیں میرا فیضان پہنچنے میں بھی کوئی ایسی ہی آسمانی روک نہ پیش آجائے۔ اس لئے آپ نے اس وقت تک صدقہ' دعا' استغفار' نماز کو نہ چھوڑا جب تک سورج کی روشنی باقاعدہ طور سے زمین پر پہنچنی شروع نہ ہو گئی۔

اب چونکہ ہر ایک مومن شخص بھی بقدر اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نور رکھتا ہے جیسے باپ بیٹے کا اثر۔ چنانچہ اسی لئے فرمایا مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:۴۱) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا جسمانی بیٹا نہیں تو روحانی بیٹے بے شمار ہیں۔ اس لئے ہر مومن بھی ایسے نظارہ پر گھبراتا ہے اور گھبرانا چاہئے کہ کہیں ایسے اسباب پیش نہ آجائیں جن سے ہمارا نور دوسروں تک پہنچنے میں روک ہو جائے۔ اس لئے وہ ان ذرائع سے کام لیتا ہے جو مصیبت کے انکشاف کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں یعنی صدقہ خیرات کرتا ہے' استغفار پڑھتا ہے اور نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کسی مشکل کے وقت نماز میں کھڑے ہو جاتے۔ آخر اللہ تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آتا ہے اور جیسے وہاں حرکت و دور سے وہ اسباب ہٹ جاتے ہیں جن سے سورج کی روشنی باقاعدہ زمین پر پہنچنی شروع ہو جاتی ہے اسی طرح دعا و استغفار سے مومن کے فیضان پہنچنے میں جو روکیں پیش آجاتی ہیں دور ہو جاتی ہیں۔ شیشے پر سیاہی لگا کر یا برہنہ آنکھ سے اپنی آنکھوں کو نقصان پہنچانے کے لئے تماشے کے طور پر اس نظارہ کو دیکھنا مومن کی شان سے بعید ہے۔ تم سراج منیر کے بیٹے ہو۔ پس اپنے انوار کو دوسروں تک پہنچانے میں تمام مناسب ذرائع استعمال کرو۔

چونکہ آپ نے ان آیات پر وعظ شروع کیا تھا جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم

کو سراج منیر کہا گیا ہے اس لئے اس ضمن میں بعض اور باتیں بھی بعض الفاظ کی تشریح میں آ گئی تھیں۔ ایک بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے جو سَبِّحُوْا (السجدة:١٦) کی تفسیر میں فرمائی کہ مشرک لوگوں نے ظاہری سلسلہ پر نظر کر کے کہ بادشاہ کے پاس سوائے وسیلہ کے نہیں جا سکتے' اللہ تعالیٰ تک اپنی عرض لے جانے کے لئے پیرپرستی شروع کر دی اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ گو مر چکے ہیں مگر ہماری عرضیں انہیں کی راہ سے اوپر پہنچتی ہیں۔ یہ خطرناک غلطی ہے۔ خدائے پاک کے حضور عرض کرنے کا وہی طریق ہے جو کتاب اللہ میں ہے۔ اسی پر کاربند رہو۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۔۔۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۶'۷)

۱۷؍ جون ۱۹۰۷ء

خطبہ نکاح

حضرت مولوی نور الدین صاحب نے مکرم مولوی غلام نبی صاحب کے نکاح کا اعلان فرمایا جو مولوی حبیب اللہ صاحب مدرس چینی گاڑہ کی بیٹی کے ساتھ ہوا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے فرمایا:۔

اس مسنونہ عجائبات و اغراض و منافع نکاح کا بیان ہے۔ الحمد للہ کہہ کر عسر یسر ہر حالت میں خدا تعالیٰ کی رضا پر سر تسلیم خم کرنے کا تہ دل سے اقرار ہے۔ پھر چونکہ انسان میں ضعف ہے اور ذمہ داری اس کی بھاری' چنانچہ یہی نکاح کا معاملہ ہے۔ کوئی ہزار کوشش کرے پھر بھی کئی مشکلات پیش آجاتی ہیں۔ اپنی طرف سے لڑکا یا لڑکی اچھی تلاش کر کے پیوند کیا جاتا ہے مگر نتیجہ خلاف امید نکلتا ہے۔ اس لئے اس مشکل کے حل کے لئے خدا سے مدد مانگی جاتی ہے۔ اسی کی توفیق سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مہر میں کئی شرائط کی تو جا سکتی ہیں مگر ان کا پورا کرنا بھی خدا کے فضل سے ممکن ہے۔ مثلاً یہی ہمارے مولوی صاحب کی شرط بھی (گویا بنظر حالات ظاہری کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو گا) اسی قبیل سے ہے جس کے لئے خاص ذمہ داری نہیں ہو سکتی۔ دیکھو جب نوح علیہ السلام کو کہا گیا کہ جس کا علم نہ ہو اس کی نسبت سوال مت

کرتو آپ نے عرض کیا رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ (ھود:۴۸)۔ یہ نہیں کہا کہ میں نہیں کروں گا۔ پھر میں یہ کہتا ہوں کہ وعدہ خلافی کا نتیجہ بطور عقوبت نفاق ہوتا ہے جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ (التوبہ:۷۷)۔ پس ہم ایسی شرطوں سے ڈرتے ہیں۔ پھر چونکہ ارادوں میں ناکامیاں اپنی ہی کمزوریوں اور بدعملیوں کی وجہ سے ہوتی ہیں اس لئے اس خطبہ میں ہے کہ نَسْتَغْفِرُهٗ۔ اور پھر اخیر میں نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ چونکہ تدبیر سے کام لے کر پھر اللہ پر توکل اور اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے اس لئے نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ فرمایا۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۲---- ۲۴؍ جون ۱۹۰۷ء صفحہ ۶)

۲۳؍ اگست ۱۹۰۷ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَاتَفَرَّقُوْا وَ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا وَ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِنْھَا کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ وَ لْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ وَ لَاتَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَ اخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ (اٰل عمران:۱۰۳تا۱۰۶)۔

اور پھر فرمایا:۔

تم نے سنا ہو گا جب کبھی میں کوئی خطبہ پڑھتا ہوں وہ خطبہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا‘ مضمون ہو یا لیکچر یا کوئی اور نصیحت ہو‘ تو میری عادت ہے کہ اس کے شروع میں میں اَشْھَدُاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ

لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھ لیتا ہوں۔ گو میری یہ عادت نہیں کہ اپنی ہر ایک حرکت اور بات کو بلند آواز سے ظاہر کروں مگر جب کوئی لمبی بات یا دردمند دل کی بات کرنی ہو تو میں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس کے اول ضرور پڑھتا ہوں اور میری غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگ جو میری نصیحت سنتے ہیں اس بات کے گواہ رہیں جو میں خدا کو واحد لاشریک اس کی ذات اور صفات میں مانتا ہوں اور میں حضور قلب سے' یقین سے' استقلال سے یہ بات کہتا ہوں کہ میں اس کی قدرتوں کو بیان کرتے ہوئے کبھی شرمندگی نہیں اٹھاتا۔ میں اسے اپنا محبوب مانتا ہوں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء کا سردار اور فخر رسل سمجھتا ہوں اور میں اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس کی امت سے مجھے بنایا۔ اس کے محبوں سے بنایا۔ اس کے دین کے محبوں سے بنایا۔

اس کے بعد میں یہ کہتا ہوں کہ تم نے دیکھا ہو گا کہ میں سخت بیمار ہو گیا تھا اور میں نے کئی دفعہ یقین کیا تھا کہ میں اب مرجاؤں گا۔ ایسی حالت میں بعض لوگوں نے میری بڑی بیمار پرسی کی۔ تمام رات جاگتے تھے۔ ان میں سے خاص کر ڈاکٹر ستار شاہ صاحب ہیں۔ بعضوں نے ساری ساری رات دبایا اور یہ سب خدا کی غفور رحیمیاں ہیں' ستاریاں ہیں جو ان لوگوں نے بہت محبت اور اخلاص سے ہمدردی کی۔ اور یاد رکھو کہ اگر میں مرجاتا تو اسی ایمان پر مرتا کہ اللہ واحد لاشریک ہے اپنی ذات اور صفات میں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول اور خاتم الانبیاء اور فخر رسل ہیں۔ اور یہ بھی میرا یقین ہے کہ حضرت مرزا صاحب مہدی ہیں' مسیح ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام ہیں۔ بڑے راستباز اور سچے ہیں۔ گو مجھ سے ایسی خدمت ادا نہیں ہوئی جیسی کہ چاہئے تھی اور ذرہ بھی ادا نہیں ہوئی' میں آج اپنی زندگی کا ایک نیا دن سمجھتا ہوں۔ گو تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے۔ مگر اب میں ایک نیا انسان ہوں اور ایک نئی مخلوق ہوں۔ میرے قویٰ پر' میرے عادات پر' میرے دماغ پر' میرے وجود پر' میرے اخلاق پر جو اس بیماری نے اثر کیا ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک نیا انسان ہوں۔

مجھے کسی کی پروا نہیں۔ میں ذرا کسی کی خوشامد نہیں کر سکتا۔ میں بالکل الگ تھلگ ہوں۔ میں صرف اللہ کو اپنا معبود سمجھتا ہوں۔ وہی میرا رب ہے۔ بعضوں نے مجھے پوچھا بھی ہے اور میری بیمار پرسی بھی کی ہے اور میرے ساتھ ہمدردی بھی کی ہے۔ مگر کتنے ہیں جنہوں نے پوچھا تک نہیں اور بہت ہیں جو کہتے ہیں کہ مرتا ہے تو مرجائے' ہمیں کیا؟ کیونکہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ آئندہ ہفتہ تک میری زندگی بھی ہے کہ نہیں۔ ایسا ایسا دکھ درد اور تکلیف مجھے پہنچی ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ اب دوسرا سانس آئے گا کہ

نہیں۔ اس لئے میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ خدا فرماتا ہے تقویٰ اختیار کرو اور اپنے باطن کو ایسا پاک صاف کر لو جیسا کہ چاہئے۔ خدا بڑا پاک' قدوس اور سب سے بڑھ کر مطہر ہے۔ اس کی جناب میں مقرب بھی وہی ہو سکتا ہے جو خود پاک ہے۔ گندا آدمی قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔

دیکھو ایک پاک صاف اور عمدہ لباس والا آدمی ایک پیشاب والی گندی جگہ پر نہیں بیٹھتا۔ اسی طرح ایک پاک اور قدوس خدا ایک گندے کو اپنا مقرب کس طرح بنا سکتا ہے؟ اسی واسطے اس نے سعیدوں کے واسطے بہشت اور شقیوں کے لئے دوزخ بنایا ہے۔ ایک ناپاک انسان تو بہشت کے قابل بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لائق کب ہو سکتا ہے۔

تنہائی میں بیٹھ کر اگر ایک شخص کے دل میں یہ خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ ایسا مکان ہو' ایسا لباس ہو' ایسا بستر ہو' ایسے ایسے عیش و عشرت کے سامان موجود ہوں' اس اس طرح کے خوشکن آواز میسر آ جاویں تو اس کی موت مسلمان کی موت نہیں ہو سکتی۔ مومن اور مسلمان انسان کی تو ایسی حالت ہو جانی چاہئے کہ مرتے وقت کوئی غم اور اندیشہ نہ ہو۔ اسی واسطے فرمایا لَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ (ال عمران:۱۰۳) یعنی فرمانبردار ہو کر مرو۔ کس کو خبر ہے کہ موت کے وقت اس کی ہوش بھی قائم ہو گی یا نہیں۔ کئی مرنے کے وقت خراٹے لیتے ہیں۔ ہی بلونے کی طرح آواز نکالتے ہیں اور طرح طرح کے سانس لیتے ہیں۔ کئی کتے کی طرح ہاہا کرتے ہیں۔ جب یہ حال ہے اور دوسری طرف خدا بھی کہتا ہے کہ مسلمان ہو کر مرو' ایسے ہی رسول نے بھی کہا۔ تو یہ کس کے اختیار میں ہے جو ایسی موت مرے جو مسلمان کی موت ہو' گھبراہٹ کی موت نہ ہو۔ اس کا ایک سر ہے کہ جب انسان سکھ میں اور عیش و عشرت اور ہر طرح کے آرام میں ہوتا ہے سب قویٰ اس میں موجود ہوتے ہیں۔ کوئی مصیبت نہیں ہوتی۔ اس وقت استطاعت اور مقدرت ہوتی ہے جو خدا کے حکم کی نافرمانی کر کے حظ نفس کو پورا کرے اور کچھ دیر کے لئے اپنے نفس کو آرام دے لے۔ پر اگر اس وقت خدا کے خوف سے بدی سے بچ جاوے اور اس کے احکام کو نگاہ رکھے تو اللہ ایسے شخص کو وہ موت دیتا ہے جو مسلمان کی موت ہوتی ہے۔ اگر وہ اس وقت مرے گا جب کہ مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ (القارعہ:۷) یعنی جب اس کی ترازو زور والی ہو گی تو وہ بامراد ہو گا اور مسلمان کی موت مرے گا۔ ورنہ ہم نے دیکھا ہے کہ مرتے وقت عورتیں پوچھتی ہی رہتی ہیں کہ میں کون ہوں؟ دوسری کہتی ہے دس خاں میں کون ہاں؟ تیسری پوچھتی ہے دسو خاں جی میں کون ہاں' اور اسی میں ان کی جان نکل جاتی ہے۔

اس کے بعد اللہ کریم فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا۔ ہر مدرسہ میں ایک رسہ ہوتا

ہے۔ کچھ لڑکے ایک طرف سے پکڑتے ہیں اور کچھ دوسری طرف سے اور آپس میں کھیلتے ہیں۔ کبھی وہ فتح پالیتے ہیں اور کبھی وہ اور کبھی رسہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر اللہ کریم فرماتا ہے ہم نے بھی ایک رسہ بھیجا ہے مگر سب مل کر ایک ہی طرف کھینچو۔ تفرقہ 'بغض اور عداوت کو بالکل چھوڑ دو۔ ایسی کوئی بات تم میں نہ پائی جاتی ہو جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ دیکھو تم طالب علموں میں سے کسی کا باپ اعلیٰ عہدہ پر ہے۔ کوئی خوبصورت ہے۔ کسی کے پاس مال و دولت بہت ہے۔ کوئی عقلمندی کا دعویٰ کرنے والا ہے۔ کوئی طاقت والا ہے مگر ان پر ناز مت کرو اور بھول میں مت پڑو۔ یاد رکھو اللہ ایک دن میں تباہ کر دیا کرتا ہے۔ بڑے بڑے امیروں اور دولتمندوں کے بچوں کو میں نے بھیک مانگتے اور بھیک مانگ کر مرتے دیکھا ہے اور بعضوں کو میں نے اپنے والدین کو گالی نکالتے دیکھا ہے کہ انہوں نے یہ پختہ حویلیاں اور در و دیوار بنائے ہیں اور ایسے محل بنا کر مر گئے ہیں کہ ہم آسانی سے بیچ بھی نہیں سکتے۔

خدا کے فضل اور رحمت کے امیدوار ہو۔ دیکھو ہم کس قدر بیٹھے ہیں۔ ایک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے چھوٹے سے کلمہ طیبہ نے ہم سب کو اکٹھے کر دیا ہے اور ایسے ملاپ کر دینے صرف اللہ کریم کا ہی کام ہے۔ انسانی کوشش سے یہ کام نہیں ہوا کرتے۔ خدا کے فضل سے ہی ہم اکٹھے ہو گئے ہیں اور اس طرح سے ہی بچ سکتے ہیں۔ کسی کی شکل پر' حرکات پر' غرض افعال اور اقوال پر کوئی چھیڑ چھاڑ کی بات نہ کرو اور یہ اچھی طرح سے یاد رکھو کہ جو چڑ بناتے ہیں اور تفرقہ ڈالتے ہیں وہ عذاب عظیم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ بدی کا انجام ہمیشہ بد ہوتا ہے اور سرخروئی اللہ کریم کی رحمت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو ہم نے تم کو پڑھ کر سنا دیں۔ اللہ ظلم نہیں چاہتا۔ اللہ کریم ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔

(اس پر حضرت حکیم الامت نے دوسرا مسنونہ خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ شروع کرنا ہی تھا کہ ایک دو شخص شاید وضو کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پھر انہیں کی دیکھا دیکھی بھیڑ چال کی طرح بیسیوں اور اٹھ کھڑے ہوئے۔)

اس پر حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ دوسرا خطبہ بھی نصیحت ہی ہوتی ہے۔ اس وقت اٹھ کھڑے ہونا درست نہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ جب دوسرا خطبہ ہو تو ہلنے جلنے لگ جاؤ۔ دیکھو میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الشعراء:۱۱۰) کوئی خوشامد نہیں۔ تمہارے سلام کی بھی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ تمہاری دعاؤں کی بھی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ کوئی نصیحت جو ہم کرتے ہیں تو محض اللہ کے لئے کرتے ہیں۔

میرے دل میں جوش تو بہت تھا اور چند نصائح بھی میں کہنی چاہتا تھا مگر اب موقع نہیں رہا۔ اتنا ہی یاد رکھو کہ دوسرے خطبہ میں بھی انتظار واجب ہوتا ہے اور تقویٰ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۱---۳۱ ؍ اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱۔۱۲)

☆-☆-☆-☆

۱۳؍ ستمبر ۱۹۰۷ء

خطبہ نکاح

سید عبد الرحیم سیالکوٹی کا نکاح منشی عبد الرحمٰن صاحب کپور تھلوی کی دختر نیک اختر امۃ اللہ نام سے یک صد روپیہ مہر پر پڑھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس نکاح کو مبارک کرے۔

تشہد و تعوذ اور آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اسلامیوں کی ہر ایک کتاب' ہر ایک سبق' ہر ایک تصنیف اور خطوط وغیرہ میں ہمیشہ یہ بات مدنظر رکھی گئی ہے کہ اللہ جل شانہ کی بزرگی' عظمت' بڑائی اور کبریائی کا بیان ہو۔ ہر ایک تحریر اور تقریر سے پہلے اسی کی صفات کا تذکرہ اور اسی کی حمد و ستائش کو مقدم رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ایک سبق سے پہلے بھی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھا جاتا ہے۔ غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ انسان کے اقوال ہوں یا افعال ہوں ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو مدنظر رکھنا چاہئے اور ہر ایک کام میں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں' خدا کی عظمت کا خیال رکھا جاوے۔ یہاں تک کہ پاخانہ جانے کے لئے بھی دعائیں سکھائی ہیں۔ الٰہی! جیسے ظاہری طور پر گندگی دور کرنے کا مجھے تقاضا ہوا ہے ویسے ہی روحانی طور پر بھی گندگی دور کرنے کا تقاضا ہو اور جیسے یہ گندگی دور ہو گئی ہے ویسے ہی میری روحانی گندگی اور میل

کچیل بھی دور ہو۔ ایسے ہی کھانا کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر کھانا شروع کرنا چاہئے اور ختم کرتے وقت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ جیسی دعا سکھائی ہے۔ ایسے ہی بیوی کے ساتھ محبت کرنے کے لئے بھی دعائیں سکھائی ہیں اور پھر فراغت کے لئے بھی دعائیں بتائی ہیں۔ یہاں تک کہ بازاروں میں جانے کی بھی دعائیں ہیں اور واپس آنے کی بھی دعائیں ہیں۔ مسجدوں کے اندر داخل ہونے کی بھی دعائیں ہیں اور مسجدوں سے باہر نکلنے کی بھی دعائیں ہیں۔ اور مطلب ان کا یہی ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت و رضامندی کا خیال ہر دم کرلیا جاوے۔ اس کے انعاموں کو یاد کرکے اور فضلوں کا امیدوار بن کے ہر ایک کام کو کرنا چاہئے۔

بڑے بڑے کاموں میں سے نکاح بھی ایک کام ہے۔ اکثر لوگوں کا یہی خیال ہوتا ہے کہ بڑی قوم کا انسان ہو۔ حسب نسب میں اعلیٰ ہو۔ مال اس کے پاس بہت ہو۔ حکومت اور جلال ہو۔ خوبصورت اور جوان ہو۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوشش کیا کرو کہ دیندار انسان مل جاوے۔ اور چونکہ حقیقی علم' اخلاق' عادات اور دینداری سے آگاہ ہونا مشکل کام ہے' جلدی سے پتہ نہیں لگ سکتا اس لئے فرمایا کہ استخارہ ضرور کرلیا کرو۔ اور صرف ناطہ کی رسم رکھی ہے اور نکاح کی نسبت اللہ کریم فرماتا ہے کہ اس سے غرض صرف مستی کا مٹانا ہی نہ ہو بلکہ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (المائدہ:٦) کو مدنظر رکھے اور ہر ایک بات میں اس خدا کے آگے جس کے ہاتھ میں مال' جان' اخلاق و عادات اور ہر ایک طرح کا آرام ہے بہت بہت استغفار کرے اور بے پرواہی سے کام نہ لے خواہ وہ انتخاب لڑکوں کا ہو یا لڑکیوں کا۔ کیونکہ بعد میں بڑے بڑے ابتلاؤں کا سامنا ہوا کرتا ہے اور ابتلا کئی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔

١۔ راستبازوں اور اولوالعزم نبیوں پر بھی ابتلا آتے ہیں جیسے وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ (البقرہ:١٢٥)۔

٢۔ بدذاتوں' بے ایمانوں' کافروں اور مشرکوں پر بھی ابتلا آتے ہیں نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (الاعراف:١٦٤)۔

٣۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اور گروہ بھی ہے ان پر بھی آتے ہیں جیسے فرمایا وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الاعراف:١٦٩)۔

٤۔ اور کبھی ابتلا ترقی مدارج کے لئے بھی آتے ہیں۔ جیسے فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَّ اُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُهْتَدُوْنَ۔ (البقرہ:۱۵۶تا۱۵۸)۔

انسان کا نکاح اصل میں ایک نیا رشتہ ہوتا ہے۔ ایک اجنبی عورت سے تعلقات شروع ہو جاتے ہیں۔ بعض ملکوں میں تو عورت کو مرد کا یا مرد کو عورت کا پتہ تک بھی نہیں ہوتا اور ان کا آپس میں نکاح شروع کر دیتے ہیں۔ عورتیں حقیقت میں فطرتاً ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہیں اور پھر بدقسمتی سے ہمارے ملک میں تو عورتیں کچھ پڑھی لکھی بھی کم ہوتی ہیں۔ لوگوں کی غفلت، سستی اور کاہلی کے سبب سے بہت ہی کم عورتیں تعلیم یافتہ ملیں گی۔ اور پھر بے پرواہی اور غفلت کے سبب سے عورتوں کی تعلیم میں بہت کم توجہ کی جاتی ہے اور ایسے ضروری کام میں بہت بے توجہی سے کام لیا جاتا ہے۔ مرد فطرتاً چاہتا ہے کہ میری بیوی میرے رنگ میں رنگین ہو جاوے اور ہر طرح سے میرے مذاق کے مطابق بن جاوے۔ اس لئے بعض وقت خفا ہو کر اور غصہ میں آکر طعن اور تشنیع دیتا ہے۔ اتنا نہیں سوچتا کہ مجھے تو دنیا کے سرد و گرم کی واقفیت بڑے بڑے تجربہ کاروں کی صحبت کے اثر اور عمدہ عمدہ مجلسوں کی اعلیٰ اعلیٰ باتوں کے باعث ہے اور اس بیچاری کو اتنی خبر ہی کہاں ہے اور ایسا موقع ہی کب میسر آ سکتا ہے۔ اور پھر عورت مرد کے تعلق کی آپس میں ایسی خطرناک ذمہ داری ہوتی ہے کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر حسن و جمال کا خیال بھی نہیں رہتا اور عورتیں کسی نہ کسی نہج میں ناپسند ہو جاتی ہیں اور ان کے کسی فعل سے کراہت پیدا ہوتے ہوتے کچھ اور کا اور ہی بن جاتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النساء:۲۰)۔

پس عزیزو! تم دیکھو اگر تم کو اپنی بیوی کی کوئی بات ناپسند ہو تو تم اس کے ساتھ پھر بھی عمدہ سلوک ہی کرو۔ اللہ فرماتا ہے ہم اس میں عمدگی اور خوبی ڈال دیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک بات حقیقت میں عمدہ ہو اور تم کو بری معلوم ہوتی ہو۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مجھ پر حملہ کرتا ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں کسی کی طرف اشارہ نہیں کرتا۔ بلکہ مجھے شروع سے ایک دردمند دل دیا گیا ہے۔ پس چاہئے کہ اپنے اقوال اور افعال کا بہت مطالعہ کرو۔

اب میں وہ آیات پڑھتا ہوں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات نکاحوں کے وقت پڑھا کرتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (ال عمران:۱۰۳) مومن کو چاہئے کہ تقویٰ کے لئے بیاہ

کرے۔ بیاہ سے غرض صرف تقویٰ ہو۔ ہر ایک چیز کو دیکھ لینا چاہئے کہ اس کا فائدہ کیا ہو گا؟ اخلاق پر اس کا کیا اثر ہو گا؟ خدا اس سے راضی ہو گا کہ نہیں ہو گا۔ مخلوق کو کوئی نفع پہنچے گا کہ نہیں پہنچے گا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (الاحزاب:۷۱،۷۲) نکاحوں کے معاملات میں بعض لوگ پہلے بڑے لمبے چوڑے وعدے دیا کرتے ہیں کہ ہم ایسا کریں گے اور تم کو اس طور پر خوش کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ کریں گے' وہ کریں گے مگر جب یہ نیا معاملہ پیش آجاتا ہے تو پھر بہت مشکلات پیش آجاتی ہیں اور بدعہدی کرنی پڑتی ہے۔ اسی واسطے اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ پہلے ہر ایک بات کو اچھی طرح سے سوچ لو اور بڑا سوچ سمجھ کر نکاح کا معاملہ کیا کرو اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں تبدیلی اور اصلاح کرے گا۔ اور جو شخص اللہ کی اطاعت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا کہا مانتا ہے اصل میں وہی اچھی طرح سے بامراد اور کامیاب ہوتا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (النساء:۲) نکاح کے اصل اغراض یہ ہیں کہ انسان کو ایک قسم کا آرام حاصل ہو اور بہت سی حاجات رفع ہوں اور صالح اولاد حاصل ہو۔ جیسے دعا سکھائی رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً (ال عمران:۳۹)۔ ایک دفعہ الحکم کے ایڈیٹر شیخ یعقوب علی نے اولاد کے حصول کے واسطے بڑے بڑے اشتہار مجھے دکھائے اور کہا کہ آپ کے اولاد نہیں ہوتی۔ دیکھو یہ کتنا بڑا دعویٰ کرتا ہے۔ آپ ضرور اس اشتہار پر عمل کریں۔ میں نے اسے یہی جواب دیا تھا کہ ایسی اولاد کی مجھے ضرورت ہی نہیں۔ نفس اولاد چیز کیا ہے؟ مجھے تو سعادت مند روح کی ضرورت ہے۔ اور رشد اور سعادت کا پتہ غالباً اٹھارہ برس کی عمر تک لگ ہی سکتا ہے۔ اگر اس طرح کی اولاد کا کوئی ٹھیکہ اٹھاوے تو ہم اس کے اشتہار پر عمل کر سکتے ہیں۔ تب اس نے جواب میں کہا کہ ایسا تو وہ نہیں کر سکتے۔ پھر میں نے جواب دیا کہ مجھے دس روپیہ والی اولاد کی ضرورت ہی نہیں۔ ایسی اولاد کا فائدہ ہی کیا ہے۔ نہ ہو تو بہتر ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے کہ بہت نکاح کرو تا کہ میری امت بڑھے۔ یہ تو نہیں کہا کہ انسان بہت سارے ہوں۔ یہی کہا ہے کہ میری امت بہت ہو۔ غرض مومن کو چاہئے کہ اپنی بیوی سے تعلقات میں اور اپنے اقوال اور افعال میں بھی تقویٰ کو مدنظر رکھے اور ہر فعل میں خدا کی رضامندی کا خواہاں رہے۔ خدا کرے کہ تمہارے تقویٰ میں ترقی ہو۔ آمین۔ (الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۴ ----- ۳۰؍ ستمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵-۶)

۱۸؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء

خطبہ جمعہ

تشہد اور تعوذ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی:-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَاتَجَسَّسُوْا وَ لَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا اَ یُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ (الحجرات:۱۳)

اور پھر فرمایا:-

بعض گناہ ہوتے ہیں کہ وہ اور بہت سے گناہوں کو بلانے والے ہوتے ہیں۔ اگر ان کو نہ چھوڑا جائے تو ان کی ایسی ہی مثال ہے کہ ایک شخص کے بتوں کو توتوڑا جائے مگر بت پرستی کو اس کے دل سے دور نہ کرایا جاوے۔ اگر ایک بت کو توڑ دیا تو اس کے عوض سینکڑوں اور تیار ہو سکتے ہیں۔ مثلاً صلیب ایک پیسہ کو آتی ہے۔ اگر کسی ایک کی صلیب کو توڑ ڈالیں تو لاکھوں اور بن سکتی ہیں۔ غرض جب تک

شرارتوں اور گناہوں کی ماں اور جڑ دور نہ ہو تب تک کسی نیکی کی امید نہیں ہو سکتی اور تاوقتیکہ اصلی جڑ اور اصلی محرک بدی کا دور نہ ہو فروعی بدیاں بکلی دور نہیں ہو سکتیں۔ جب تک بدیوں کی جڑ نہ کاٹی جاوے تب تک وہ اور بدیوں کو اپنی طرف کھینچے گی اور دوسری بدیاں اپنا پیوند اس سے رکھیں گی۔ مثلاً شہوت بد ایک گناہ ہے۔ بدنظری' زنا' لواطت' حسن پرستی' سب اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ حرص اور طمع جب آتا ہے تو چوری' جعلسازی' ڈاکہ زنی' ناجائز طور سے دوسروں کے مال حاصل کرنے اور طرح طرح کی دھوکہ بازیاں سب اسی کی وجہ سے کرنی پڑتی ہیں۔ غرض یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ بعض باتیں اصل ہوتی ہیں اور بعض ان کی فروعات ہوتی ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ کوئی حقیقی اور سچی نیکی ہرگز نہیں کر سکتے اور وہ کسی کامل خلق کا نمونہ نہیں دکھا سکتے کیونکہ وہ کسی صحیح نتیجہ کے قائل نہیں ہوتے۔ میں نے بڑے بڑے دہریوں کو مل کر پوچھا ہے کہ کیا تم کسی سچے اخلاق کو ظاہر کر سکتے ہو اور کوئی حقیقی نیکی عمل میں لا سکتے ہو تو وہ لاجواب سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارے زیر علاج بھی ایک دہریہ ہے۔ میں نے اس سے یہی سوال کیا تھا تو وہ ہنس کر خاموش ہو گیا تھا۔ ایسے ہی جو لوگ قیامت کے قائل نہیں ہوتے وہ بھی کسی حقیقی نیکی کو کامل طور پر عمل میں نہیں لا سکتے۔ نیکیوں کا آغاز جزا سزا کے مسئلہ سے ہی ہوتا ہے۔ جو شخص جزا سزا کا قائل نہیں ہوتا وہ نیکیوں کے کام بھی نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے لوگوں کے اس قسم کے الفاظ سے مجھے رنج پہنچتا ہے وہ کسی کی نسبت ویسے الفاظ کیوں استعمال کرنے لگا۔ یا جو شخص اپنی لڑکی سے بدنظری اور بدکاری کروانا نہیں چاہتا اور اسے ایک برا کام سمجھتا ہے وہ دوسروں کی لڑکیوں سے بدنظری کرنا کب جائز سمجھتا ہے۔ ایسے ہی جو اپنی ہتک کو برا خیال کرتا ہے وہ دوسروں کی ہتک کبھی نہیں کرتا۔

بہرحال یہاں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کا ایک گر بتایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ایماندارو! ظن سے بچنا چاہئے کیونکہ بہت سے گناہ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (بخاری کتاب الوصایا)۔ ایک شخص کسی کے آگے اپنی ضرورتوں کا اظہار کرتا ہے اور اپنے مطلب کو پیش کرتا ہے۔ لیکن اس کے گھر کی حالت اور اس کی حالت کو نہیں جانتا اور اس کی طاقت اور دولت سے بے خبر ہوتا ہے۔ اپنی حاجت براری ہوتے نہ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر شرارت کی اور میری دستگیری سے منہ موڑا۔ تب محض ظن کی بنا پر اس جگہ جہاں اس کی محبت بڑھنی چاہئے تھی' عداوت کا بیج بویا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ان گناہوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے جو عداوت کا پھل ہیں۔ کئی

لوگوں سے میں نے پوچھا ہے کہ جب تم نے میرا نام سنا تھا تو میری یہی تصویر اور موجودہ حالت کا ہی نقشہ آپ کے دل میں آیا تھا یا کچھ اور ہی سماں اپنے دل میں آپ نے باندھا ہوا تھا۔ تو انہوں نے یہی جواب دیا ہے کہ جو نقشہ ہمارے دل میں تھا اور جو کچھ ہم سمجھے بیٹھے تھے وہ نقشہ نہیں پایا۔ یاد رکھو بہت بدیوں کی اصل جڑ سوء ظن ہوتا ہے۔ میں نے اگر کبھی سوء ظن کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے میری تعلیم فرمادی کہ بات اس کے خلاف نکلی۔ میں اس میں تجربہ کار ہوں اس لئے نصیحت کے طور پر کہتا ہوں کہ اکثر سوء ظنیوں سے بچو۔ اس سے سخن چینی اور عیب جوئی کی عادت بڑھتی ہے۔ اسی واسطے اللہ کریم فرماتا ہے وَلَاتَجَسَّسُوْا تجسّس نہ کرو۔ تجسّس کی عادت بدظنی سے پیدا ہوتی ہے۔ جب انسان کسی کی نسبت سوء ظنی کی وجہ سے ایک خراب رائے قائم کرلیتا ہے تو پھر کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے کچھ عیب مل جاویں اور پھر عیب جوئی کی کوشش کرتا اور اسی جستجو میں مستغرق رہتا ہے اور یہ خیال کرکے کہ اس کی نسبت میں نے جو یہ خیال ظاہر کیا ہے اگر کوئی پوچھے تو پھر اس کا کیا جواب دوں گا' اپنی بدظنی کو پورا کرنے کے لئے تجسّس کرتا ہے۔

اور پھر تجسّس سے غیبت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا اللہ کریم نے وَلَایَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا۔ غرض خوب یاد رکھو کہ سوء ظن سے تجسّس اور تجسّس سے غیبت کی عادت شروع ہوتی ہے۔ اور چونکہ آجکل ماہ رمضان ہے اور تم لوگوں میں سے بہتوں کے روزے ہوں گے اس لئے یہ بات میں نے روزہ پر بیان کی ہے۔ اگر ایک شخص روزہ بھی رکھتا ہے اور غیبت بھی کرتا ہے اور تجسّس اور نکتہ چینیوں میں مشغول رہتا ہے تو وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے جیسے فرمایا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ۔ اب جو غیبت کرتا ہے وہ روزہ کیا رکھتا ہے وہ تو گوشت کے کباب کھاتا ہے اور کباب بھی اپنے مردہ بھائی کے گوشت کے۔ اور یہ بالکل سچی بات ہے کہ غیبت کرنے والا حقیقت میں ہی ایسا بد آدمی ہوتا ہے جو اپنے مردہ بھائی کے کباب کھاتا ہے۔ مگر یہ کباب ہر ایک آدمی نہیں دیکھ سکتا۔ ایک صوفی نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک شخص نے کسی کی غیبت کی۔ تب اس سے قے کرائی گئی تو اس کے اندر سے بوٹیاں نکلیں جن سے بو بھی آتی تھی۔

یاد رکھو یہ کہانیاں نہیں۔ یہ واقعات ہیں۔ جو لوگ بدظنیاں کرتے ہیں وہ نہیں مرتے جب تک اپنی نسبت بدظنیاں نہیں سن لیتے۔ اس لئے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور درد دل سے کہتا ہوں کہ غیبتوں کو چھوڑ دو۔ بغض اور کینہ سے اجتناب اور بدکلی پر ہیز کرو اور بالکل الگ تھلگ رہو۔ اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ میری نہ کوئی جاگیر مشترکہ ہے' نہ کوئی مکان مشترکہ ہے۔ میرا کوئی معاملہ دنیا کا کسی سے مشترکہ

نہیں۔ اسی طرح میں اوروں پر قیاس کرتا ہوں کہ وہ بھی یہاں آ کر الگ تھلگ ہوں گے اور اگر کچھ معمولی سی شراکت ہو گی بھی تو کوشش کرنے سے بالکل الگ رہ سکتے ہیں۔ انسان خود بخود اپنے آپ کو پھندوں میں پھنسا لیتا ہے ورنہ بات سہل ہے۔ جو لڑکے دوسروں کی نکتہ چینیاں اور غیبتیں کرتے ہیں اللہ کریم ان کو پسند نہیں کرتا۔ اگر کسی میں کوئی غلطی دیکھو تو خدا تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرو کہ وہ اس کی غلطی نکال دیوے اور اپنے فضل سے اس کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دیوے۔ یاد رکھو اللہ کریم تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ہے۔ وہ معاف کر دیتا ہے۔ جب تک انسان اپنا نقصان نہ اٹھائے اور اپنے اوپر تکلیف گوارا نہ کرے کسی دوسرے کو سکھ نہیں پہنچا سکتا۔ بد صحبتوں سے بکلی کنارہ کش ہو جاؤ۔ خوب یاد رکھو کہ ایک چوہڑی یا لوہار کی بھٹی یا کسی عطار کی دوکان کے پاس بیٹھنے سے ایک جیسی حالت نہیں رہا کرتی۔ ظن کے اگر قریب بھی جانے لگو تو اس سے بچ جاؤ کیونکہ اس سے پھر تجسّس پیدا ہو گا۔ اور اگر تجسّس تک پہنچ چکے ہو تو پھر بھی رک جاؤ کہ اس سے غیبت تک پہنچ جاؤ گے۔ اور یہ ایک بہت بری بداخلاقی ہے اور مردار کھانے کی مانند ہے۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات:۱۳) تقویٰ اختیار کرو اور پورے پورے پرہیزگار بن جاؤ۔ مگر یہ سب کچھ اللہ ہی توفیق دے تو حاصل ہوتا ہے۔ ہم تو انباروں کے انبار ہر روز معرفت کے پیش کرتے ہیں۔ گو فائدہ تو ہوتا ہے مگر ہم چاہتے ہیں کہ بہت فائدہ ہو اور بہتوں کو ہو۔ خدا تعالیٰ توفیق عنایت فرماوے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۳۹---۳۱ / اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۸۔۹)

☆-☆-☆-☆

یکم نومبر ۱۹۰۷ء

خطبہ جمعۃ الوداع

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِىْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِىْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

وَ تُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرۃ:۱۸۶تا۱۸۹)

اور پھر فرمایا:۔

رمضان کے دن بڑے بابرکت دن ہیں۔ اب یہ گذرنے کو ہیں۔ یہ دن پھر ہم کو اسی رمضان میں نہیں آئیں گے۔ نہیں معلوم آئندہ رمضان تک کس کی حیاتی ہے اور کس کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں خاص احکام دیئے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی خاص تاکید کی ہے۔ جو لوگ مسافر ہیں یا بیمار ہیں ان کو تو سفر کے بعد اور بیماری سے صحت یاب ہو کر روزے رکھنے کا حکم ہے مگر دوسرے لوگوں کو دن کے وقت کھانا پینا اور بیوی سے جماع کرنا منع ہے۔ کھانا پینا بقائے شخص کے لئے نہایت ضروری ہے اور جماع کرنا بقائے نوع کے لئے سخت ضروری ہے۔ اس مہینہ میں خدا تعالیٰ نے دن کے وقت ایسی ضروری چیزوں سے رکے رہنے کا حکم دیا تھا۔ ان چیزوں سے بڑھ کر اور کوئی چیزیں ضروری نہیں۔ بے شک سانس لینا ایک نہایت ضروری چیز ہے مگر انسان اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اس واسطے بنایا ہے کہ جب انسان گیارہ مہینے سب کام کرتا ہے اور کھانے پینے' بیوی سے جماع کرنے میں مصروف رہتا ہے تو پھر ایسی ضروری چیزوں کو صرف دن کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک ماہ کے لئے ترک کر دے۔ اور پھر دیکھو جہاں ایک طرف ان ضروری اشیاء سے منع کیا ہے دوسری طرف تدارس قرآن' قیام رمضان اور صدقہ وغیرہ کا حکم دیا ہے اور اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جب ضروری چیزیں چھوڑ کر غیر ضروری چیزوں کو خدا کے حکم سے اختیار کیا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے برخلاف غیر ضروری چیزوں کو حاصل کیا جاتا ہے۔ رمضان کے مہینہ میں دعاؤں کی کثرت' تدارس قرآن' قیام رمضان کا ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ حدیث شریف میں لکھا ہے مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (بخاری۔ کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان)

مگر افسوس کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رمضان میں خرچ بڑھ جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ لوگ روزہ کی حقیقت سے ناواقف ہوتے ہیں۔ سحرگی کے وقت اتنا پیٹ بھر کر کھاتے ہیں کہ دوپہر تک بدہضمی کے ڈکار ہی آتے رہتے ہیں اور مشکل سے جو کھانا ہضم ہونے کے قریب پہنچا بھی تو پھر افطار کے وقت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کے وہ اندھیر مارا اور ایسی شکم پری کی کہ وحشیوں کی طرح نیند پر نیند اور سستی پر سستی آنے لگی۔ اتنا خیال نہیں کرتے کہ روزہ تو نفس کے لئے ایک مجاہدہ تھا' نہ یہ کہ آگے سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر خرچ کیا جاوے اور خوب پیٹ پر کر کے کھایا جاوے۔

یاد رکھو اسی مہینہ میں ہی قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا اور قرآن مجید لوگوں کے لئے ہدایت اور نور ہے۔ اسی کی ہدایت کے بموجب عمل درآمد کرنا چاہئے۔ روزہ سے فارغ البالی پیدا ہوتی ہے اور دنیا کے کاموں میں سکھ حاصل کرنے کی راہیں حاصل ہوتی ہیں۔ آرام تو یا مر کر حاصل ہوتا ہے یا بدیوں سے بچ کر حاصل ہوتا ہے اس لئے روزہ سے بھی سکھ حاصل ہوتا ہے اور اس سے انسان قرب حاصل کر سکتا اور متقی بن سکتا ہے۔ اور اگر لوگ پوچھیں کہ روزہ سے کیسے قرب حاصل ہو سکتا ہے تو کہہ دے فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ یعنی میں قریب ہوں اور اس مہینہ میں دعائیں کرنے والوں کی دعائیں سنتا ہوں۔ چاہئے کہ پہلے وہ ان احکام پر عمل کریں جن کا میں نے حکم دیا اور ایمان حاصل کریں تا کہ وہ مراد کو پہنچ سکیں۔ اور اس طرح سے بہت ترقی ہو گی۔

بہت لوگ اس مہینہ میں اپنی بیویوں سے صحبت کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے مگر خدا تعالیٰ چونکہ جانتا تھا کہ قوی آدمی ایک مہینہ تک صبر نہیں کر سکتا اس لئے اس نے اجازت دے دی کہ رات کے وقت اپنی بیویوں سے تم لوگ صحبت کر سکتے ہو۔ بعض لوگ ایک مہینہ تک کب باز رہ سکتے ہیں اس لئے خدا نے صبح صادق تک بیوی سے جماع کرنے کی اجازت دے دی۔ بد نظری، شہوت پرستی، کینہ، بغض، غیبت اور دوسری بد باتوں سے خاص طور پر اس مہینہ میں بچے رہو۔

اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا کہ رمضان میں اس سنت کو بھی پورا کرو کہ رمضان کی بیسویں صبح سے لے کر دس دن اعتکاف کیا کرو۔ ان دنوں میں زیادہ توجہ الی اللہ چاہئے۔

اور پھر رمضان کے بعد بطور نتیجہ کے فرمایا وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یعنی ناحق کسی کا مال لینا ایسا ضروری نہیں جیسے کہ اپنی بیوی سے جماع کرنا یا کھانا پینا۔ اس لئے خدا تعالیٰ سکھاتا ہے کہ جب تم خدا کی خاطر کھانے پینے سے پرہیز کر لیا کرتے ہو تو پھر ناحق کا مال اکٹھا نہ کرو' بلکہ حلال اور طیب کما کر کھاؤ۔ اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ جب تک رشوت نہ لی جاوے اور دغا' فریب اور کئی طرح کی بددیانتیاں عمل میں نہ لائی جاویں روٹی نہیں ملتی۔ یہ ان کا سخت جھوٹ ہے۔ ہمیں بھی تو ضرورت ہے۔ کھانے پینے' پہننے سب اشیا کی خواہش رکھتے ہیں۔ ہماری بھی اولاد ہے۔ ان کی خواہشوں کو بھی ہمیں پورا کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر کتابوں کے خریدنے کی بھی ہمیں ایک دھت اور ایک فضولی ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ گو اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے اور دوسری کتابوں کا خرید کرنا اتنا ضروری نہیں مگر میرے نفس نے ان کا

خرید کرنا ضروری سمجھا ہے اور گو میں اپنے نفس کو اس میں پوری طرح سے کامیاب نہیں ہونے دیتا مگر پھر بھی بہت سے روپے کتابوں پر ہی خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ مگر دیکھو ہم بڈھے ہو کر' تجربہ کار ہو کر کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انسان کو اس کی ضرورت سے زیادہ دیتا ہے۔ بد سے بد پیشہ طبابت کا ہے جس میں سخت جھوٹ بولا جاسکتا ہے اور حد درجہ کا حرام مال بھی کمایا جاسکتا ہے۔ ایک راکھ کی پڑیا دیکر طبیب کہہ سکتا ہے کہ یہ سونے کا کشتہ ہے۔ فلانی چیز کے ساتھ اسے کھاؤ۔ اور ایسے ہی طرح طرح کے دھوکے دیئے جا سکتے ہیں۔ جس طبیب کو پوری فہم نہیں' پوری تشخیص نہیں اور دوائیں دے دے کر روپیہ کماتا ہے تو وہ بھی بطلان سے مال کماتا ہے۔ وہ مال طیب نہیں بلکہ حرام مال ہے۔ اسی طرح جتنے جعلساز' جھوٹے اور فریبی لوگ ہوتے ہیں اور دھوکوں سے اپنا گزارہ چلاتے ہیں وہ بھی بطلان سے مال کھاتے ہیں۔ ایسا ہی طبیبوں کے ساتھ پنساری بھی ہوتے ہیں جو جھوٹی چیزیں دے کر سچی چیزوں کی قیمت وصول کرتے ہیں اور بے خبر لوگوں کو طرح طرح کے دھوکے دیتے ہیں اور پھر پیچھے سے کہتے ہیں کہ فلاں تھا تو دانا مگر ہم نے کیسا الو بنا دیا۔ ایسے لوگوں کا مال حلال مال نہیں ہوتا بلکہ وہ حرام ہوتا ہے اور بطلان کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ مومن کو ایک مثال سے باقی مثالیں خود سمجھ لینی چاہئیں۔ میں نے زیادہ مثالیں اس واسطے نہیں دی ہیں کہ کہیں کوئی نہ سمجھ لے کہ ہم پر بدظنیاں کرتا ہے۔ اسی واسطے میں نے اپنے پیشہ کا ذکر کیا ہے۔ میں اسے کوئی بڑا علم نہیں سمجھتا۔ میں اسے ایک پیشہ سمجھتا ہوں۔ طبیبوں سے حکماء لوگ ڈرے ہیں اس لئے انہوں نے اس پیشہ کا نام صنعت رکھا ہے۔ یاد رکھو یہ بھی ایک کمینگی کا پیشہ ہے۔ اس میں حرامخوری کا بڑا موقع ملتا ہے۔ اور طب کے ساتھ پنساری کی دوکان بنانا اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے۔ نہ صحت کا اندازہ لوگوں کو ہوتا ہے' نہ مرض کی پوری تشخیص ہوتی ہے۔ اور پھر نہایت ہی معمولی سی جنگل کی سوکھی ہوئی بوٹی دے کر مال حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ بھی سخت درجہ کا بطلان کے ساتھ مال کھانا ہے۔ وہ جو میں نے اپنے جنون کا ذکر کیا ہے' چند روز ہوئے ایک عمدہ کتاب بڑی خوشنما' بڑی خوبصورت اور دل لبھانے والی اس کی جلد تھی جس پر رنگ لگا ہوا تھا اس کو جو کہیں رکھا تو اور چیزوں کو بھی اس سے رنگ چڑھ گیا جس سے ہمیں بہت دکھ پہنچا۔ پس جلد کرنے جلد کی جو قیمت لی ہے حقیقت میں وہ حلال مال نہیں بلکہ بطلان سے حاصل کیا ہوا ہے۔ اسی طرح اور بھی پیشے ہیں مگر ان کا ذکر میں اس واسطے نہیں کرتا کہ کسی کو رنج نہ پہنچے۔

اسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حکام تک مال نہ پہنچاؤ۔ بعض لوگ یونہی لوگوں کو وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور لوگوں کو ناجائز طور پر پھنسانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے بعض لوگ ان سے

ڈر جاتے ہیں اور نقصان اٹھا لیتے ہیں۔

غرض روزہ جو رکھا جاتا ہے تو اس لئے کہ انسان متقی بننا سیکھے۔ ہمارے امام فرمایا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بد قسمت ہے وہ انسان جس نے رمضان تو پایا مگر اپنے اندر کوئی تغیر نہ پایا۔ پانچ سات روزے باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں بہت کوشش کرو اور بڑی دعائیں مانگو۔ بہت توجہ الی اللہ کرو اور استغفار اور لاحول کثرت سے پڑھو۔ قرآن مجید سن لو، سمجھ لو، سمجھا لو۔ جتنا ہو سکے صدقہ اور خیرات دے لو اور اپنے بچوں کو بھی تحریک کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں توفیق دے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۱ --- ۱۷ / نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۵-۶)

۸/ نومبر ۱۹۰۷ء

خطبہ عید الفطر

عید کے خطبہ میں آپ نے بعد کلمہ تشہد اور استعاذہ قرآن شریف کی آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (البقرۃ:۱۹۰) پڑھ کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ قرآنِ شریف کے ذریعہ سے مسلمانوں کو تقویٰ میں ایک ریاضت کرائی جاتی ہے کہ جب مباح چیزیں انسان خدا کی خاطر چھوڑتا ہے تو پھر حرام کو کیوں ہاتھ لگانے لگا۔ پھر فرمایا کہ ایک وقت تو خدا تعالیٰ کی صفت رحم اور درگذر کی کام کرتی ہے مگر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب دنیا کے گناہ حد سے بڑھ جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ پھر بھی ایسے وقت میں ایک سمجھانے والا ضرور آتا ہے جیسا کہ آج ہمارے درمیان موجو ہے اور اس زمانہ میں بائیبل کی کثرت اشاعت جو ہوتی ہے باوجودیکہ عیسائی اپنے عقائد میں اس کو قابل عمل نہیں جانتے۔ پھر کروڑوں روپے اس پر خرچ کرتے ہیں۔ اس میں بھی یہی حکمت الٰہی ہے کہ توحید اور عبادت الٰہی اور اعمال صالح کا وعظ اس کے ذریعہ سے بھی تمام دنیا پر ہو رہا ہے۔ صحابہؓ نے اَهِلَّة کے متعلق جو سوال کیا وہ اس واسطے تھا کہ جب رمضان کی عبادت کے

برکات انہوں نے دیکھے تو ان کو خواہش ہوئی کہ ایسا ہی دوسرے مہینوں کی عبادت کا ثواب بھی حاصل کریں۔ اس واسطے انہوں نے یہ سوال پیش کیا۔ فرمایا دو بڑے نشان آسمان پر دکھائے گئے۔ سورج گہن اور چاند گہن۔ ماہ رمضان میں ایسا ہی دو نشان زمین پر ہیں۔ قحط اور طاعون۔

فرمایا۔ حج کے متعلق حضرت ابراہیم کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اَذِّنْ فِی النَّاسِ (الحج:۲۸) تب سے آج تک یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ جس طرح کبوترا اپنے کابک کو دوڑتے ہیں اس طرح لوگ حج کو جاتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت عرب میں رسم تھی کہ سفر کو جاتے ہوئے کوئی بات یاد آتی تو دروازے کے راہ سے گھر میں نہ آتے۔ اس سے خدا تعالیٰ نے منع فرمایا اور اس میں ایک اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ ہر ایک کام میں اس راہ سے جاؤ اور اس دروازے سے داخل ہو جو خدا نے مقرر کیا اور اس کے رسول نے دکھایا۔ ذر رسول ؐ کے خلفاء اور اس زمانہ کا امام بتلا رہا ہے۔ خدا چاہتا تو اپنے رسول ؐ کے واسطے اپنے خزانے کھول دیتا اور تمہیں کچھ خرچ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی مگر پھر تمہارے واسطے کوئی ثواب نہ ہوتا۔ جب خدا کسی قوم کو عزت دینا چاہتا ہے تو یہی سنت اللہ ہے کہ پہلے اس سے اللہ کی راہ میں مالی' جانی' بدنی خدمات لی جاتی ہیں۔ اس زمانہ میں غلام کے چھوڑانے کا ثواب مقروض کے قرضہ کے ادا کرنے سے ہو سکتا ہے اور دو خاص مقروضوں کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا جن کے واسطے چندہ کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کے واسطے بھی خرچ کرنا چاہئے جو دینی علوم کے حصول میں (طلباء) یا دینی خدمات میں مصروف ہونے کے سبب اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کے مصداق ہیں اور ایسے لوگوں کو بھی دینا چاہئے جو سوال کے عادی نہ ہونے کے سبب کسی ضابطہ کی پابندی میں نہیں آسکتے۔

خطبہ جمعہ:۔ جمعہ کے خطبہ میں آپ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ جب تک انسان محنت مشقت نہ اٹھائے' خدا کی راہ میں ابتلاؤں کی برداشت نہ کرے وہ انعام و اکرام نہیں پا سکتا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ صرف اتنا منہ سے کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے۔ نہیں۔ بلکہ ان پر وہ ابتلا ضرور آئیں گے جو پہلوں پر آئے۔ یہ وقت ہے کہ جناب الٰہی کو راضی کرلو۔

(بدر جلد ۶ نمبر ۴۶ ــــــ ۱۰/ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱)

۲۰؍ دسمبر ۱۹۰۷ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:۱۶)۔

اور پھر فرمایا:۔

قرآن میں بہت جگہ پر اس قسم کا ذکر پایا جاتا ہے کہ اکثر لوگ اس قسم کے بھی ہوا کرتے ہیں کہ زبان سے تو وہ بڑے بڑے دعوے کیا کرتے ہیں مگر عملی طور پر کوئی کارروائی نہیں دکھاتے۔ زبان سے وہ ایسی ایسی باتیں بھی کہہ لیتے ہیں جن کو ان کے دل نہیں مانتے۔ چنانچہ قرآن کریم کے شروع میں ہی لکھا ہے وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (البقرہ:۹) ایسے لوگ اللہ پر ایمان لانے اور آخرت پر ایمان لانے کے زبانی دعوے تو بہت کرتے ہیں مگر ان کے دل مومن نہیں ہوتے۔ اسی لئے باوجود اس کے کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ایسے

لوگوں کو مومنوں میں سے نہیں سمجھتا۔ وہ لوگ تو کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ کہ وہ اللہ کے نزدیک مومن نہیں۔

ایسے ہی ایک اور جگہ قرآن کریم میں لکھا ہے۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ (المنافقون:۲) کہ بہت سے آدمی اس قسم کے ہوتے ہیں کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو ہمارا رسول ہے لیکن ہم قسم کھاتے ہیں کہ یہ لوگ جو اس قسم کے دعوے کرتے ہیں تو یہ صریح جھوٹے ہیں اور منافق ہیں کیونکہ ان کا عمل درآمد ان کے دلی ایمان کے خلاف ہے۔ اور جو باتیں یہ زبان سے کہتے ہیں ان کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ کہ مومن وہی لوگ ہوتے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور ایمان لاتے ہیں اللہ کے رسول پر۔ اور اگر ان پر کچھ مشکلات آپڑیں تو کوئی شک و شبہ نہیں لاتے بلکہ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وہ اپنے مالوں اور جانوں سے خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرتے کہ کسی اور کی کمائی سے یا کسی اور کا مال حاصل کر کے خدا کی راہ میں خرچ کردیں کیونکہ وہ سوچتے ہیں کہ پھر ان کو کہاں سے دوں گا؟ اس لئے وہ خود کما کر اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

آج کل قحط کا زور ہوتا جاتا ہے۔ مومن کو چاہئے کہ اپنی روٹی کا ایک حصہ کسی ایسے شخص کو دے دیا کرے جس کے پاس روٹی نہیں۔ اگر اس میں سے نہیں دے سکتا تو کوئی پیسہ ہی سہی کہ وہ بیچارہ خرید کر کے ہی کھالے۔ مومن آدمی کو تو خدا کی راہ میں جان دینے سے بھی دریغ نہیں ہوتا۔ دیکھو آجکل سردی کا موسم ہے کسی مفلس کو اوڑھنے کے لئے کپڑا دینے سے تم کو دریغ نہیں کرنا چاہئے۔ مومن کو جوں جوں ضرورتیں پیدا ہوتی رہیں سب میں شرکت لازمی ہے۔ اسی واسطے میں نے یہ آیات پڑھی ہیں کہ مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ پر اور اللہ کے رسول پر ایمان ہوتا ہے اور وہ اپنے مال اور جانیں خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں کیونکہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا خرچ کرنا ضائع نہیں جائے گا۔ اور ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو خدا کے نزدیک بھی صادق اور سچے مومن ہوتے ہیں۔

اور پھر اس کے آگے فرمایا قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ (الحجرات:۱۷) کہ کیا تم لوگ زبانی دعوے

کرنے سے اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری جتلانی چاہتے ہو؟ اللہ کے نزدیک تو تب ہی صادق ٹھہر سکو گے جب عملی طور پر دکھوں' دردوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہو گے اور اپنے مالوں اور جانوں سے دوسروں کی غمخواری کرو گے اور محتاجوں اور غریبوں کی امداد کرو گے۔ یاد رکھو دوسروں کی غمخواری بہت ضروری ہے لیکن یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی ہی توفیق سے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

ایک اور ضروری بات جو اس زمانہ کے لئے نہایت ضروری ہے میں بیان کرنی چاہتا ہوں کہ حضرت صاحب نے ایک دفعہ بہت سے زمینداروں کو اکٹھا کر کے بتایا تھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ اس ملک پنجاب میں سیاہ رنگ کے پودے لگائے گئے اور پودے لگانے والوں نے مجھے بتایا ہے کہ یہ طاعون کے پودے ہیں۔ آخر وہ پودے لگے اور لوگوں نے اس کے پھل بھی کھائے۔ اب حضرت صاحب نے پھر فرمایا ہے اور پے در پے الہامات ہوئے ہیں کہ عنقریب طرح طرح کی نئی نئی بلائیں' وبائیں اور بیماریاں پھیل جائیں گی اور عالمگیر قحطوں اور زلزلوں سے دنیا پر سخت درجہ کی تباہی آئے گی اور شدت سے طاعون اور دوسری آفات دنیا کو گھیر لیں گی اور وہ وقت نہایت ہی قریب ہے جبکہ اس قسم کے خطرناک مصائب دنیا کو بدحواس اور دیوانہ سا بنا دیں گے۔ اب دیکھو چار بلاؤں کا مقابلہ دنیا کو کرنا پڑے گا۔ ایک تو خاص وبائیں۔ دوسرے شدت سے ایک نئی قسم کی طاعون۔ تیسرے سخت زلزلے۔ چوتھے قحط شدید۔ اوروں کو جانے دو ان میں سے ایک قحط کو ہی لو۔ گو بچے تو اس بات کو نہیں سمجھ سکتے مگر وہ لوگ جن کے کنبے ہیں خوب سمجھتے ہیں کہ کن کن تکلیفات کا سامنا ہو رہا ہے۔ آگے ربیع کا موسم آیا ہے اس میں اور بھی مشکلات نظر آتے ہیں۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی وبائیں ہیں' طاعون ہے' زلزلے ہیں۔

اس لئے چاہیے کہ استغفار اور لاحول اور الحمد اور درود شریف بہت پڑھو اور صدقہ اور خیرات بہت دو اور دعاؤں میں کثرت سے لگے رہو۔ مگر افسوس کہ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ "او! کیا ہے۔ مرنا تو ہے۔ کیا تم نے نہیں مرنا؟ آخر سب نے ہی مر جانا ہے۔ بات ہی کیا ہے۔" مگر خوب یاد رکھو کہ جس کے گھر پر مصیبت آتی ہے وہی جانتا ہے کہ اس قسم کی باتیں کس موقع پر انسان منہ سے نکالا کرتا ہے۔ افسوس کہ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مادہ بہت بڑھ گیا ہے۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ ان کی بدظنیوں سے کسی کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مگر ان کو نقصان پہنچ گیا۔ میرا کام کہنا ہے سو وہ تو میں کسی نہ کسی صورت میں کہہ ہی دوں گا۔ اکثر آدمی کہہ دیتے ہیں کہ "میاں! یہ سب باتیں کہنے کی ہوا کرتی ہیں۔ ان کو دیکھا ہوا ہے۔ ہمیشہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے مر کر دیکھا ہوا ہے۔ اس قسم کے وعظ کرنے کی تو ان کی

ایک عادت ہے"۔ مگران کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ قرآن کریم میں لکھا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۔ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام:۴۳ تا۴۶)

سو میں نہایت ہی درد بھرے دل سے کروڑوں دفعہ تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ استغفار اور لاحول کثرت سے پڑھو اور صدقہ اور خیرات بہت کرو اور رو رو کر خدا سے دعائیں مانگو کہ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (یونس:۸۶)۔ یہ نہایت ضروری باتیں ہیں جو میں تمہیں پہنچا دیتا ہوں۔ دیکھو چار بلائیں سامنے ہو رہی ہیں۔ قحط کو تو خود تم بھی محسوس کر رہے ہو۔ اگر انسان بڑی محنت بھی کرے گا تو کس قدر کما لے گا۔ عام لوگ تو آٹھ یا نو روپیہ ماہوار سے زیادہ نہیں کما سکتے۔ آجکل چھ سیر روپیہ کا آٹا بکتا ہے اور ہر ایک چیز گراں ہو گئی ہے۔ اس لئے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ بد صحبتوں سے کنارہ کش رہو۔ بعض صحبتوں میں بیٹھ کر انسان پھر انھیں کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے اور بعض طبیعتیں ہوتی ہیں کہ وہ دوسروں کا اثر جلدی قبول کر لیتی ہیں۔ کسی نے نظم سنائی تو' اور اگر کسی نے نثر سنائی تو' کسی نے نکتہ چینی کی تو' اور اگر کسی نے غیبت شروع کر دی تو' ایسی طبیعتوں کے لوگ سب کے شریک ہو جاتے ہیں۔ بقدر طاقت اور مقدرت کے انسان کو چاہئے کہ ایسی صحبتوں سے کنارہ کش رہے جن کا اس پر برا اثر پڑتا ہو۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا بہت لحاظ رکھو۔ میں یہ اللہ کے لئے نصیحت کرتا ہوں۔ نمازوں میں بہت دعائیں کرو۔ میں خود بھی مانگتا ہوں اس لئے تمہیں بھی کہتا ہوں کہ تم بھی مانگو۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۴۶ --- ۲۴ / دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱-۱۲)

☆-☆-☆-☆

۱۵؍ جنوری ۱۹۰۸ء

خطبہ عید الاضحیٰ

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَ لَا دِمَآؤُھَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (الحج:۳۸)۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تقویٰ بہت پسند ہے۔ اگر انسان اللہ کے ساتھ سچا معاملہ نہ کرے تو اس کے ظاہری اعمال کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ انسان فطرتاً چاہتا ہے کہ کوئی اس کا پیارا ہو جو ہر صفت سے موصوف ہو۔ سو اللہ سے بڑھ کر ایسا کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ پیارے تو آخر جدا ہوں گے۔ ان کا تعلق ایک دن قطع ہونے والا ہے مگر اللہ کا تعلق ابدالآباد تک رہنے والا ہے۔ دنیا کی فانی چیزیں محبت کے قابل نہیں کیونکہ یہ سب فنا پذیر ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے جو بقا رکھتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس اس کی رحمت اور اس کے فضل کا سہارا پکڑو اور اسی کو اپنا پیارا بناؤ کہ وہ باقی ہے۔ متقی کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (ال عمران:۷۷)۔ جب ایک ادنیٰ ساہوکار یا معمولی حاکم کسی سے محبت کرے تو انسان جامہ میں پھولا نہیں

سماتا۔ جب تقویٰ کے سبب اللہ جلشانہ محبت کرتا ہے تو تقویٰ کیسی عظیم الشان چیز ہے جو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔ یقیناً سمجھو کہ سب ذرات عالم اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ جس سے وہ پیار کرتا ہے تمام ذروں کو اس کے تابع کر دیتا ہے۔

جو معجزات کے منکر ہیں وہ مانتے ہیں کہ سب ذرے اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ پس سارے معجزوں کا دارومدار اللہ کی قدرت سے وابستہ ہے۔ جب وہ کسی سے پیار کرے تو ضرور ہے کہ اس کے لئے اپنی قدرت نمائیاں طرح طرح کے عجائبات کے رنگ میں کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا۔

انسان کو بہت ضرورت ہے اس بات کی کہ کھائے' پیئے اور پہنے۔ اللہ تعالیٰ متقی کے لئے فرماتا ہے وَمَن يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:۳،۴) انسان جب متقی بن جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی رزق کا طالب ہے تو اس پر واضح ہو کہ رزق کے حصول کا ذریعہ بھی تقویٰ ہے۔

۲۔ انسان جب مصیبت میں حوادث زمانہ سے پھنس جاتا ہے اور اس کی بے علمی اسے آگاہ نہیں ہونے دیتی کہ کس سبب سے تمسک کر کے نجات حاصل کرے تو وہ خبیر جو ذرہ ذرہ کا آگاہ ہے فرماتا ہے متقی کو ہم تنگی سے بچائیں گے۔

۳۔ یسر کو بھی انسان بہت پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَن يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق:۵)۔ گویا سکھ بھی متقی ہی کا حصہ ہے۔ تاریخ کے صفحوں کو الٹ جاؤ اور دیکھو کہ متقیوں کے مقابلہ میں بڑے بڑے بادشاہ' باریک در باریک تدبیریں کرنے والے' مال خرچ کرنے والے' جتھوں والے آئے مگر وہ بھی ان متقیوں کے سامنے ذلیل و خوار ہوئے۔ فرعون کی نسبت قرآن مجید میں مفصل ذکر ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بارہ میں کہا وَ هُوَ مَهِيْنٌ وَّ لَا يَكَادُ يُبِيْنُ (الزخرف:۵۳) ایک ذلیل (اور ہینا) آدمی ہے۔ میرے سامنے بات بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس کی قوم کو غلام بنا رکھا۔ مگر دیکھو آخر اس طاقتوں والے' شان و شوکت والے' جاہ و جلال والے فرعون کا کیا حال ہوا؟

اَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ:۵۱) تَنْظُرُوْنَ میں ایک خاص لذت ہے۔ دشمن کو ہلاک تو کیا مگر آنکھوں کے سامنے۔ دشمن تو مرا ہی کرتے ہیں۔ مگر آنکھوں کے سامنے کسی دشمن کا ہلاک ہونا ایک لذیذ نظارہ ہے جو آخر اس متقی کو نصیب ہوا۔

۴۔ اسی طرح متقی کو عجیب در عجیب حواس ملتے ہیں اور ذات پاک سے اس کے خاص تعلقات ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرہ:۶) بھی متقیوں کے لئے آیا ہے یعنی اگر

مظفر و منصور فتح مند ہونا ہو تو بھی متقی بنو۔

یہ دن بھی ایک عظیم الشان متقی کی یادگار ہیں۔ اس کا نام ابراہیمؑ تھا۔ اس کے پاس بہت سے مویشی تھے، بہت سے غلام تھے اور بڑھاپے کا ایک ہی بیٹا تھا فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (الصافات:۱۰۳)۔ سو برس کے قریب کا بڈھا، ایک ہی بیٹا، اپنی ساری عزت، ناموری، مال، جاہ و جلال اور امیدیں اسی کے ساتھ وابستہ۔ دیکھو متقی کا کیا کام ہے۔ اس اچھے چلتے پھرتے جوان لڑکے سے کہا۔ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کروں۔ بیٹا بھی کیسا فرمانبردار بیٹا ہے۔ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (الصافات:۱۰۳) اباجی! وہ کام ضرور کرو جس کا حکم جناب الٰہی سے ہوا۔ میں بفضلہ تعالیٰ صبر کے ساتھ اسے برداشت کروں گا۔ یہ ہے تقویٰ کی حقیقت۔ یہ ہے قربانی۔ قربانی بھی کیسی قربانی کہ اس ایک ہی قربانی میں سب ناموں، امیدوں، ناموریوں کی قربانی آگئی۔

جو اللہ کے لئے انشراح صدر سے ایسی قربانیاں کرتے ہیں اللہ بھی ان کے اجر کو ضایع نہیں کرتا۔ اس کے بدلے ابراہیم کو اتنی اولاد دی گئی کہ مردم شماریاں ہوتی ہیں مگر پھر بھی ابراہیم کی اولاد صحیح تعداد کی دریافت سے مستثنیٰ ہے۔ کیا کیا برکتیں اس مسلم پر ہوئیں۔ کیا کیا انعام الٰہی اس پر ہوئے کہ گننے میں نہیں آسکتے۔ ہماری سرکار خاتم الانبیاء سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بھی اسی ابراہیم کی اولاد سے ہوئے۔

پھر اس کے دین کی حفاظت کے لئے خلفاء کا وعدہ کیا کہ انہیں طاقتیں بخشے گا اور ان کو مشکلات اور خوفوں میں امن عطا کرے گا۔ یہ کہانی کے طور پر نہیں۔ یہ زمانہ موجود، یہ مکان موجود، تم موجود، قادیان کی بستی موجود، ملک کی حالت موجود ہے۔ کس چیز نے ایسی سردی میں تمہیں دور دور سے یہاں اس مسجد میں جمع کر دیا؟ سنو! اسی دست قدرت نے جو متقیوں کو اعزاز دینے والا ہاتھ ہے۔ اس سے پہلے پچیس برس پر نگاہ کرو۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ کون ایسی سخت سردیوں میں اس گاؤں کی طرف سفر کرنے کے لئے تیار تھا۔ پس تم میں سے ہر فرد بشر اس کی قدرت نمائی کا ایک نمونہ ہے۔ ایک ثبوت ہے کہ وہ متقی کے لئے وہ کچھ کرتا ہے جو کسی کے سان و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ یہ باتیں ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتیں۔ یہ قربانیوں پر موقوف ہیں۔ انسان عجیب عجیب خوابیں اور کشوف دیکھ لیتا ہے۔ الہام بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ نصرت حاصل نہیں کر سکتا۔ جس آدمی کی یہ حالت ہو وہ خوب غور کر کے دیکھے کہ اس کی عملی زندگی کس قسم کی تھی؟ آیا وہ ان انعامات کے قابل ہے یا نہیں؟ یہ مبارک وجود نمونہ ہے۔

اسے جو کچھ ملا ان قربانیوں کا نتیجہ ہے جو اس نے خداوند کے حضور گزاریں۔ جو شخص قربانی نہیں کرتا جیسی کہ ابراہیمؑ نے کی اور جو شخص اپنی خواہشوں کو خدا کی رضا کے لئے نہیں چھوڑتا تو خدا بھی اس کے لئے پسند نہیں کرتا جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے مقابلہ میں کیسے دشمن موجود تھے مگر وہ خدا جس نے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المومن:۵۲) فرمایا اس نے سب پر فتح دی۔ صلح حدیبیہ میں ایک شخص نے آکر کہا تم اپنے بھائیوں کا جتھا نہ چھوڑو۔ ایک ہی حملہ میں یہ سب تمہارے پاس بیٹھنے والے بھاگ جائیں گے۔ اس پر صحابہؓ سے ایک خطرناک آواز سنی اور وہ ہکابکا رہ گیا۔ یہ حضرت نبی کریمؐ کے اللہ کے حضور بار بار جان قربان کرنے کا نتیجہ تھا کہ ایسے جاں نثار مرید ملے۔ اور وہ جو باپ بنتے تھے' جو تجربہ کار تھے' ہر طرح کی تدبیریں جانتے تھے' ان سب کے منصوبے غلط ہو گئے۔ اور وہ خدا کے حضور قربانی کرنے والا متقی نہ صرف خود کامیاب ہوا بلکہ خلفاء راشدین کے لئے بھی وعدہ لے لیا۔ چنانچہ فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور:۵۶)۔

دنیا میں کئی نبی جن میں بعض کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور بعض کا نہیں' اپنے ساتھ خارق عادت نشان لے کے دنیا میں آئے' مگر ان محسنوں' ان ہادیوں کے لئے کوئی دعا نہیں کرتا بلکہ انہیں معبود سمجھ کر دعا کا محتاج ہی نہیں سمجھتے۔ یہ شرف صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے لئے ہے کہ رات دن کا کوئی وقت نہیں گزرتا جس میں مومنوں کی ایک جماعت دردِ دل سے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ نہ پڑھ رہی ہو۔ زمین گول ہے اس لئے مغرب و عشاءؔ' ظہر و عصر کا وقت یکے بعد دیگرے دن رات کے کسی نہ کسی حصہ میں کسی نہ کسی ملک پر ضرور رہتا ہے اور مسلمان سچے دل سے خاص رحمتوں کا نزول اپنے ہادی برحق کے لئے مانگتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اللہ آپ کے مدارج میں ہر آن ترقی دیتا ہے۔ آپ کو جو کتاب بخشی وہ کیسی محفوظ۔ پھر آپ کا دین کیسا محفوظ ہے کہ ہر صدی کے سر پر (یہ عام سنت جماعت کا مذہب ہے۔ بعض کے نزدیک ہر پچاس بلکہ پچیس برس کے بعد) اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو سچے راہوں کی طرف کھینچنے والے بھیجتا رہتا ہے تاکہ تم مخلص متقی بنو۔ اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا' اس بات کا مجھے کبھی خطرہ نہیں ہوا۔ کیونکہ اس دین کا بھیجنے والا "سلام" ہے۔ پھر مکہ دارالسلام۔ پھر مدینہ دارالسلام فتنہ دجال سے۔ نبی کریمؐ کے لئے بھی يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:۶۸) آچکا ہے۔ اس

دین کا نتیجہ بھی دار السلام۔ پس اسلام ہر طرح سلامت رہے گا۔ فکر ہے تو یہ کہ ہم لوگوں میں سے نکل کر اوروں میں نہ چلا جائے۔

اس کا طریق کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ:۱۱۹) ہے یعنی راستبازوں کے حضور میں رہنا' متقیوں کی جماعت میں شامل ہونا۔ پھر ہر سال میں دیکھنا کہ جیسے ہم ایک جانور پر جو ہماری ملک اور قبضہ میں ہے جزوی مالکیت کے دعوے سے چھری چلاتے ہیں اسی طرح ہمیں بھی اپنے مولیٰ کے حضور جو ہمارا سچا خالق ہے اور ہم پر پوری اور حقیقی ملکیت رکھتا ہے اپنی تمام نفسانی خواہشوں کو اس کے فرمانوں کے نیچے ذبح کر دینا چاہئے۔ قربانی کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اس کا گوشت اللہ تعالیٰ کو پہنچتا ہے بلکہ اس سے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی فرمانبرداری کا نظارہ مقصود ہے تا تم بھی قربانی کے وقت اس بات کو نظر رکھو کہ تمہیں بھی اپنی تمام ضرورتوں' اعزازوں' ناموریوں اور خواہشوں کو خدا کی فرمانبرداری کے نیچے قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جس طرح ان جانوروں کا خون کراتے ہو ایسا ہی تم بھی خدا کی فرمانبرداری میں اپنے خون تک سے دریغ نہ کرو۔ انسان جب ایسا کرے تو وہ کوئی نقصان نہیں اٹھاتا۔ دیکھو! ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا نام دنیا سے نہیں اٹھا۔ ان کی عزت و اکرام میں فرق نہیں آیا۔ پس تمہاری سچی قربانی کا نتیجہ بھی بد نہیں نکلے گا۔

وَلٰکِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی (الحج:۳۸) تقویٰ خدا کو لے لیتا ہے۔ جب خدا مل گیا تو پھر سب کچھ اسی کا ہو گیا۔ معجزوں کی حقیقت بھی یہی ہے۔ جب انسان خدا کا ہو جاتا ہے تو اس کو تمام ذرات عالم پر ایک تصرف ملتا ہے۔ اس کی صحبت میں ایک برکت رکھی جاتی ہے۔ اور یہ ایک فطرتی بات ہے کہ ایک انسان کے اخلاق کا اثر دوسرے کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ بعض طبائع ایسی بھی ہیں جو نیکوں کی صحبت میں نیک اور بدوں کی صحبت میں بد ہو جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں ایسی فطرتوں کا ذکر آیا ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ (المائدہ:۴۲)۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ہمارے پاس بیٹھ کر ہماری باتوں کو پسند کرتے ہیں۔ جب دوسروں کے پاس جا بیٹھتے ہیں تو پھر ان کی باتیں قبول کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ متقیوں کی صحبت میں رہیں اور وقت نہ ملے تو استغفار' لاحول اور دعا کریں۔ دعا کی حقیقت سے لوگ کیسے بے خبر ہیں۔

افسوس ہے میں تمہیں کیا سناؤں۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان ثریا پر چلا جائے گا۔ دو مولویوں کا ذکر سناتا ہوں۔ ایک مولوی میرے پاس بڑے اخلاص و محبت سے بہت دن رہا۔ آخر ایک دن مجھے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس کوئی تسخیر کا عمل ہے جو آسائش کی تمام راہیں

آپ کے لئے کھلی ہیں اور اتنی مخلوق خدا آپ کے پاس آتی ہے۔ میں نے کہا عمل تسخیر کیا ہوتا ہے؟ خدا نے تو فرما دیا کہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (لقمان:۲۱) سارا جہان تمہارے لئے مسخر ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تسخیر ہو سکتی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ دعا کرے۔ دعا کی عادت ڈالے۔ اس سے کامیابیوں کی تمام راہیں کھل جائیں گی۔ میری یہ بات سنکر وہ ہنس دیا اور کہا۔ یہ تو ہم پہلے ہی سے جانتے ہیں۔ کوئی عمل تسخیر بتلاؤ۔

ایک اور مولوی تھا۔ اس نے مجھ سے مباحثہ چاہا۔ میں نے اسے سمجھایا تم لوگوں کی تعلیم ابتدا ہی سے ایسی ہوتی ہے کہ ایک عبارت پڑھی اور پھر اس پر اعتراض۔ پھر اس اعتراض پر اعتراض۔ اسی طرح ایک لمبا سلسلہ چلا جاتا ہے۔ اس سے کچھ اس قسم کی عادت ہو جاتی ہے کہ کسی کے سمجھانے سے کچھ نہیں سمجھتے۔ میں تمہیں ایک راہ بتاتا ہوں۔ بڑے اضطراب سے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرو۔ اس نے بھی یہی کہا کہ یہ تو جانتے ہیں۔

غرض دعا سے لوگ غافل ہیں۔ حالانکہ دعا ہی تمام کامیابیوں کی جڑ ہے۔ دیکھو قرآن شریف کی دعا بھی دعا ہی سے ہوتی ہے۔ انسان بہت دعائیں کرنے سے منعم علیہ بن جاتا ہے۔ دکھی ہے تو شفا ہو جاتی ہے۔ غریب ہے تو دولتمند۔ مقدمات میں گرفتار ہے تو فتحیاب۔ بے اولاد ہے تو اولاد والا ہو جاتا ہے۔ نماز روزہ سے غافل ہو تو اسے ایسا دل دیا جاتا ہے کہ خدا کی محبت میں مستغرق رہے۔ اگر کسل ہے تو اسے وہ ہمت دی جاتی ہے جس سے بلند پروازی کر سکے۔ کاہلی سستی ہے تو اس سے یہ بھی دور ہو جاتی ہے۔ غرض ہر مرض کی دوا ہر مشکل کی مشکل کشا یہی دعا ہے۔ اسباب کو مہیا نہ کر سکنا یہ عجز ہے اور مہیا شدہ اسباب سے کام نہ لینا یہ کسل ہے۔ اس کے لئے دعا سکھلائی گئی اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ (بخاری کتاب الدعوات)۔ جب انسان منعم علیہ بن جائے اور اسے آسودگی ملے بلحاظ اپنے مال کے، اپنی قوت کے، اپنی اولاد کے، اپنی عزت و جبروت کے، اپنے علم و معرفت کے، تو پھر کبھی کبھی اعمال بد کا نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ غضب آجاتا ہے۔ وہ اپنی آسودگی کو اپنی تدابیر کا نتیجہ سمجھ کر انہی تدابیر کو معبود بنا لیتا ہے اور برے عملوں میں پڑ جاتا ہے۔ اس لئے دعا سکھائی گئی کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ:۷) میں منعم علیہ بن کر تیرا مغضوب نہ بنوں۔ مغضوب کی دو علامات ہیں۔ (۱) علم ہو عمل نہ کرے۔ (۲) کسی سے بے جا عداوت رکھے۔ ضالین وہ بھولا بھٹکا انسان جو کسی سے بے جا محبت کرے اور سچے علوم سے بے خبر ہو۔ پس انسان کو چاہئے کہ یہ دعا کرے کہ (اللہ اسے) اپنا منعم علیہ بنا لے مگر ان انعام کئے گیوں (میں) سے کہ جن پر نہ تیرا غضب کیا گیا ہو، نہ وہ بھولے بھٹکے ہوں۔

قرآن کی انتہا دعا پر ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (الناس:۲)۔ اول البشر آدمؑ نے بھی دعا کی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (الاعراف:۲۴) ہمارے نبی کا آخری کلام بھی دعا ہی ہے اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی (بخاری کتاب المراضی باب مرض النبی و وفاته)۔ جو لوگ دعا کے ہتھیار سے کام نہیں لیتے وہ بدقسمت ہیں۔ امام کی معرفت سے جو لوگ محروم ہیں وہ بھی دراصل دعاؤں سے بے خبر ہیں۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (النمل:۶۳) سے پتہ ملتا ہے کہ اگر یہ لوگ اضطراب سے' تڑپ سے' حق طلبی کی نیت سے' تقویٰ کے ساتھ دعائیں کرتے کہ الٰہی! اس زمانہ میں کون شخص تیرا مامور ہے تو میں یقین نہیں کر سکتا کہ انہیں خدا تعالیٰ ضائع کرتا۔ میں کبھی کسی مسئلہ اختلافی سے نہیں گھبرایا کہ میرے پاس دعا کا ہتھیار موجود ہے اور وہ دعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْ مَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ (الزمر:۴۷) اور حدیث اِهْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ترمذی کتاب الادب)۔ سچا تقویٰ حاصل کرنے کے لئے بھی دعا ہی ایک عمدہ راہ ہے۔ پھر قرآن کریم کا مطالعہ۔ اس میں متقیوں کی صفات اور راستبازوں کی صفات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔ فہم و فراست بخشے۔ یاد رکھو کہ پاک اخلاق ایک نعمت ہے۔ اس سے انسان کا اپنا دل خوش رہتا ہے۔ بی بی نیک ملے تو سارے گھر میں خوشی رہتی ہے۔ اولاد نیک ہو تو پیچھے بھی آرام رہتا ہے۔ یہ سب دعا سے ملتا ہے۔ قوم میں اخلاص و محبت سے پیش آؤ۔ حسن ظن سے کام لو۔ اٰمِرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَاهِیْ عَنِ الْمُنْكَرِ بنو۔ دعا کرو کہ خدا راستبازوں کے ساتھ زندہ رکھے۔ انہی کے ساتھ ہمارا حشر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو اپنا انعام کیا' مسیح موعودؑ' اس کی اتباع' فرمانبرداری' اس کی موجودگی نعمت سمجھو۔ بہت سی مخلوق آئے گی جو پچھتائے گی کہ ہم کیوں اس کے زمانے میں اس کے فرمانبردار نہ ہوئے۔ اخلاص و محبت سے زندگی بسر کرو اور دعا کرتے رہو۔ یہ دعا کا ہتھیار دنیا کی تمام قوموں سے چھین لیا گیا ہے۔ یہ ہتھیار تمہارے قبضے میں ہے' اس سے مسلح ہو جاؤ۔ دوسرے سب اس سے محروم ہیں۔ دنیا چند روزہ جگہ ہے۔ ہمیشہ ساتھ نہیں رہے گی۔ دنیا کی صحت' دنیا کی محبت' دنیا کی عزت' اس کے دشمن اور دوست سب یہیں رہ جائیں گے۔ صرف اللہ کی رضامندی اور عمل صالح تمہارے ساتھ جائیں گے۔

قربانی کے لئے نبی کریم کو وہ نر بکرے پسند تھے' جن کے منہ اور پاؤں میں سیاہی ہو۔ وَالاَّ خصی کا ذبح بھی شرعاً جائز ہے۔ جس کا پیدائشی سینگ نہ ہو وہ بھی جائز ہے۔ ہاں جس کا سینگ آدھے سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو یا کان چیرا ہوا ہو وہ ممنوع ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ دو برس سے کم کا بکرا اور ایک برس سے

کم کا دنبہ جائز ہے یا نہیں؟ اہل حدیث تو اسے جائز نہیں رکھتے مگر فقہا کہتے ہیں کہ دو برس سے کم ایک برس کا بکرا بھی جائز ہے اور دنبہ چھ ماہ کا بھی۔

مومن اس اختلاف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ضروری بات ہے تو یہ ہے کہ انسان ان سب باتوں میں تقویٰ کو مدنظر رکھے اور قربانی کی حقیقت سمجھے۔ دو چار روپے کا جانور ذبح کر دینا قربانی نہیں۔ قربانی تو یہ ہے کہ خود اپنے نفس کی اونٹنی کو خدا کی فرمانبرداری کے نیچے ذبح کر دے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳---- ۲۳ر جنوری ۱۹۰۸ء صفحہ ۸ تا ۱۰)

۱۷؍ فروری ۱۹۰۸ء

مسجد اقصیٰ

خطبہ نکاح

(حضرت حکیم الامت نے صاحبزادی مبارکہ بیگم صاحبہ کا نکاح ۱۷؍ فروری ۱۹۰۸ء کو ۵۶ ہزار (روپیہ) مہر پر نواب محمد علی خانصاحب رئیس مالیر کوٹلہ سے مسجد اقصیٰ میں پڑھا۔ (ایڈیٹر)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

مسنونہ آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

نکاح نام ہے اس تقریب کا جب کسی عورت یا لڑکی کا کسی مرد کے ساتھ رشتہ یا عقد کیا جاتا ہے۔ اس میں اولاً اللہ تعالیٰ کی رضامندی دیکھ لی جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے یا نہیں؟

پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضابطہ اور عملدر آمد کے موافق ہے یا نہیں؟ پھر لڑکیوں کے ولی کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر ولی رضامند نہ ہوں اور پھر کوئی نکاح ہو تو ایسے نکاح بدیوں میں مل جاتے ہیں اور ان کے نتائج خراب اور ناگوار ہوتے ہیں۔ ایسا ہی لڑکوں اور لڑکیوں کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ ان پانچ رضامندیوں کے بعد گویا نکاح ہوتا ہے اور اگر ان میں کسی ایک کی بھی نارضامندی اور مخالفت ہو تو پھر اس میں مشکلات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ پانچ رضامندیاں کیا ہیں؟ حق سبحانہ تعالیٰ کی اجازت۔ یعنی ان رشتوں میں (سے) نہ ہو جن کی ممانعت کی گئی ہے۔ مہبط وحی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدر آمد۔ ولیوں اور طرفین کی رضامندی کے بعد جب ایک فریق منظور کرتا ہے اور دوسرا اس کو قبول کرتا ہے تو یہ نکاح ہوتا ہے۔ قسم قسم کی بدیوں اور شرارتوں کو روکنے کے لئے اعلان اور خطبہ نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ اعلان نکاح میں دوست دشمن کو خبر ہو جاتی ہے اور اس سے جہاں ایک دوسرے کی غلطیوں سے آگاہی ہو جاتی ہے وہاں وراثتوں اور جائدادوں کے جھگڑوں میں کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی۔

اور خطبہ کے کئی اغراض ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ عربی زبان کی حفاظت۔ سو یہ زبان ایسی زبان ہے جس کے ساتھ دین، رسول اور قوم رسول کا تعلق ہے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب اسی زبان میں ہے۔ اس کتاب کی حفاظت کے مختلف سامان اور ذریعے ہیں۔ ان میں سے ایک اس زبان کی حفاظت بھی ہے۔ اس لئے اس کو مسلمانوں کے تمام عظیم الشان کاموں سے تعلق ہے۔ ان کے دینی عظیم الشان کام نماز، اقرار باللسان، حج، روزہ، زکوٰۃ ہیں۔ سوشل معاملات میں نکاح سب سے بڑا کام ہے۔ تمدنی امور میں تجارت، زراعت بھی اعلیٰ کام ہیں۔

ان سب امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، اولیاء امت، سلف صالحین اور حضرت امام الزمان نے کچھ نہ کچھ الفاظ عربی زبان کے لازمی قرار دیئے ہیں۔ مثلاً اقرار باللسان میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

امام صاحب جب بیعت لیتے ہیں تو بہت سے عربی الفاظ بیان فرماتے اور معاہدہ لیتے ہیں۔ عربی کے الفاظ کی سنت متوارثہ کو مجدد الوقت نے بیعت کے الفاظ اور معاہدات میں لازم رکھا ہے۔ عورتوں کی بیعت میں بھی میں نے سنا ہے ایسا ہی کرتے ہیں اور مردوں کی بیعت میں تو دیکھا ہے۔

اقرار باللسان کے بعد اعلیٰ شان کی چیز نماز ہے۔ اگر کسی نے ضائع کی تو اس نے اپنا دین ضائع کیا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کفر اور اسلام کا تفرقہ اسی میں واقع ہوا ہے۔ اس کا سارا ہی حصہ دیکھ لو۔ سوائے اس حصہ

کے جو انسانی ضرورتوں، حاجتوں اور مشکلات کے لئے دعاؤں کا ہے، اس کے لئے امام نے اجازت دی ہے کہ اپنی زبان میں دعائیں مانگ لو۔ اور اس سے پہلے امام ابو حنیفہؒ نے بھی اجازت دی ہے۔ مگر پھر بھی اگرچہ ضرورتاً اپنی زبان میں دعاؤں کی اجازت تو دی ہے لیکن مسنون دعاؤں کے ساتھ عربی کو ضائع نہیں کیا۔ یہ اجازت نہیں دی کہ نماز اپنی زبان میں پڑھو۔ ایسا ہی حج میں لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (بخاری کتاب الحج باب التلبیہ) وغیرہ کلمات عربی میں ہیں۔ جمعہ کے خطبے، عیدین کے خطبے تم نے سنے ہیں۔ ایک حصہ عربی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح روزہ کے متعلق جو دعائیں ہیں وہ عربی میں ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کام میں یہاں تک کہ بول و براز کے وقت کے لئے بھی ایک حصہ عربی کا رکھا ہے۔ ایسا ہی خطبہ نکاح جو جوانوں، بڈھوں کے لئے لازمی ہے، اس میں بھی عربی کا ایک حصہ رکھا ہے۔ بنوامیہ نے عربی زبان کی وسعت اور حفاظت میں بڑی کوشش کی کہ انہوں نے اپنی سلطنت میں اس کو مادری زبان بنا دیا یہاں تک کہ الجزائر، مراکش، فارس میں اس کو مادری زبان ہی بنا دیا۔ مشرق میں البتہ یہ دقت رہی کہ درباری زبان فارسی کو بڑھاتے بڑھاتے اصل زبان کا درس تدریس مشرق سے مفقود ہو گیا۔ میں نے بارہا کوشش کی ہے کہ اگر عام مسلمان اور خاص کر ہمارے امام کی جماعت روزمرہ کے کاموں کے عربی الفاظ کو یاد کر لے تو اسے قرآن شریف کا ایک حصہ یاد ہو جاوے۔ لیکن افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس طرف بہت کم توجہ ہے اور جو یہاں رہتے ہیں وہ بھی پوری توجہ نہیں کرتے۔ لغات القرآن جو یہاں چھپی ہے ایک مفید اور عمدہ کتاب ہے، جو بڑی محنت سے لکھی گئی ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ حضرت امامؑ نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔ لیکن اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اس کتاب سے فائدہ اٹھایا جاوے تو قرآن شریف کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

غرض قرآن مجید کی حفاظت کا ایک ذریعہ عربی زبان کی حفاظت بھی ہے اور اس کی طرف مسلمانوں کو توجہ کرنی چاہئے اور خصوصاً ہماری جماعت کو بہت متوجہ ہونا چاہئے۔

میں نے اس نکاح کی تقریب پر اسی سنت متوارثہ پر عمل کرنے کے لئے عربی زبان میں خطبہ پڑھا ہے۔ مگر طرفین ہی ایسے ہیں کہ نہ خطبہ سننے کی ضرورت، نہ کہنے کا موقع۔ ایک طرف حضرت امام علیہ الصلوۃ والسلام ہیں۔ ان کو ہم سنانے نہیں آئے بلکہ ان سے سننے آئے ہیں۔ پس اگر میں تصریح کروں تو میرا نفس مجھے ملامت کرتا ہے۔ ہاں جو کچھ میں عرض کروں گا یا کہا ہے یہ محض حضرت امامؑ کے حکم کی تعمیل ہے۔ عربی زبان کی تائید میں اس لئے کہا ہے کہ اس متوارث سنت کو تمہارے کانوں تک پہنچاؤں جس سے رسول کی زبان محفوظ رہے اور تم قرآن کریم کی ارفع، اطیب زبان میں ترقی کرو۔

اب اس کے بعد میں ان کلمات کا آسان ترجمہ سناتا ہوں جو ابھی میں نے پڑھے ہیں۔

اللہ جلشانہ چونکہ رب ہے اور بے مانگے اس نے نعمتیں دی ہیں اور پھر مقدرت' قوت اور استطاعت بھی اس نے دی ہے اور اس امکان سے جو لَیُمَکِّنَنَّ میں وعدہ دیا ہے اس قدرت سے جو پاک نتیجے مترتب ہوں اس کے فضل سے ہوتے ہیں۔ ہاں اسی کے فضل سے ہوتے ہیں۔ اس کی ربوبیت عامہ' رحم' فضل وسیع اور بلامبادلہ ہے اور وہ رحم جو بالمبادلہ ہے وہ مالکیت چاہتی ہے۔ ان سب نوازشوں اور مہربانیوں پر نگاہ کر کے بے اختیار دل سے نکلتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ مومن تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ اس کو پیدا کیا ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان انعام انسان پر ہے کیونکہ ساری خوشیاں اور خوشحالیاں اس کے بعد ملتی ہیں کہ پیدا ہو۔ پھر پیدا بھی اپنے رب کے ہاتھ سے ہوا جو بتدریج کمالات تک پہنچاتا ہے۔ چونکہ وہ فی الواقعہ حمد کا مستحق ہے اس لئے ہم بھی نَحْمَدُہٗ کہتے ہیں۔ یعنی ہم بھی ایسے رب کی حمد میں دلی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ بہت سی وجوہات ہیں جو ہم پر حمد الٰہی کو فرض ٹھہراتے ہیں۔ منجملہ جناب الٰہی کی حمدوں کے یہ ہے کہ انسان کا حوصلہ ایسا وسیع نہیں کہ وہ ساری دنیا سے تعلق رکھے اور محبت کر سکے۔ نبیوں اور رسولوں کو بھی جب تباہ کار' سیہ روزگار شریروں نے دکھ دیا تو آخر ان میں سے ایک بول اٹھا رَبِّ لَاتَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا (نوح:۲۷)۔ فی الحقیقت ان پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ شریر نفوس کی حیاتی بھی پسند نہیں کرتے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کا اتنا حوصلہ کہاں ہو سکتا ہے کہ سارے جہان سے اس کا مخلصانہ تعلق ہو۔ پس اس سلسلہ کو وسیع کرنے کے باوجود محدود کرنے کے لئے نکاح کا ایک طریق ہے جس سے ایک خاندان اور قوم میں ان تعلقات کی بناء پر رشتہ اخلاص اور محبت پیدا ہوتا ہے۔

نکاح میں جو تعلق خسر کو داماد سے ہوتا ہے یا فرزندانہ تعلقات داماد کو خسر سے ہوتے ہیں وہ دوسرے کو نہیں ہوتے۔ یہ سچی بات ہے کہ وہ تعلق جو صلبی اولاد اور داماد کے ساتھ ہو سکتا ہے اس میں سارا جہان کبھی شریک نہیں ہو سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے شعوب اور قبائل بنائے ہیں اور قوم در قوم بنا کر محبت کے تعلق اور سلسلہ کو وسیع کر دیا ہے۔ اسی لئے جو لوگ نکاح نہیں کرتے احادیث میں ان کو بطال کہا گیا ہے کیونکہ ان کے تعلقات نوع انسان کے ساتھ سچے تعلقات نہیں ہو سکتے۔ مگر جن کے تعلقات سچے اور اسلام پر مبنی ہیں وہ جانتے ہیں کہ رشتہ کے سبب سے مخفی در مخفی محبت کا تعلق بڑھتا جاتا ہے۔ اور پھر اولاد کی وجہ سے یہ تعلقات اور بھی بڑھتے ہیں اور اس طرح پر یہ دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ ایسا ہی رنج'

مصیبت میں یار، غمگسار اور ایسے احباب کی ضرورت ہے جو اس میں شریک ہو کر اسے کم کریں۔ ان صورتوں میں اس قسم کے تعلقات اور روابط مفید ہیں۔ ان ساری باتوں پر جب ہم غور کرتے ہیں تو پھر بے اختیار نَحْمَدُہٗ کہتے ہیں۔

اس حمد کے بھی مختلف رنگ ہیں۔ یہاں ہی دیکھو کہ کچھ لڑکے ہیں۔ وہ صرف اسی لئے جمع ہیں کہ کچھ چھوہارے ملیں گے۔ ان کا اَلْحَمْدُ اپنے ہی رنگ کا ہے۔ یہ بھی ایک مرتبہ ہے اور عوام اور بچوں کا یہیں تک علم ہے۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے اَلْحَمْدُ ہی سے نبوتوں کو ثابت کیا اور مذاہب باطلہ کا رد کیا ہے۔ تین مرتبہ میں نے حضرت صاحب کی تفسیر اَلْحَمْدُ پڑھی ہے۔ ایک براہین میں، پھر کرامات میں اور پھر اعجاز المسیح میں۔ اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اَلْحَمْدُ کا اعلیٰ مقام وہ ہے جہاں یہ پہنچے ہیں۔ یہ بھی اَلْحَمْدُ کے ایک معنے ہیں اور ایک متوسط لوگ ہیں۔ میں بھی ان میں ہی ہوں۔ یہ اپنے رنگ میں اَلْحَمْدُ کے معنے سمجھتے ہیں اور ان کی حمد اپنے رنگ کی ہے۔ یہاں ناطے رشتے ہوتے ہیں اور ان تقریبوں پر مجھے حضرت امامؑ کے حکم سے موقع ملتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروں۔ اس لئے میں اس فضل پر ہی حمد الٰہی کرتا ہوں۔ میں یوں تو عجیب عجیب رنگوں میں حمد کرتا ہوں مگر اس وقت کے حسب حال یہی وجہ ہے جو میں نے بیان کی ہے اور یہ معمولی فضل نہیں ہے مگر یہ توفیق اور فضل اللہ ہی کی مدد سے ملتا ہے۔ اس لئے نَسْتَعِیْنُہٗ ہم اسی کی مدد چاہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی مدد ہی شامل حال ہو تو بات بنتی ہے ورنہ واعظ میں ریاء، سمعت، دنیا طلبی پیدا ہو سکتی ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو اپنا معبود اور محبوب بنا لیتا ہے جب اس کے دل میں مخلوق سے اپنے کلام اور وعظ کی داد کی خواہش پیدا ہو۔ واعظ کے لئے یہ امر سخت مہلک ہے۔ پس میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اسی کے فضل سے حمد کرتا ہوں کہ اس نے محض اپنے فضل، ہاں اپنے فضل ہی سے مجھے مخلوق سے مستغنی کر دیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی مدد کب ملتی ہے؟ یہ مدد اس وقت ملتی ہے جب انسان میں بدی نہ ہو۔ بدکار ایک وقت نیکی بھی کر سکتا ہے مگر نیکی اور بدی کی میزان اور ہر ایک کی کثرت اور قلت اسے نیک یا بد ٹھہراتی ہے۔ نیکیاں بہت ہوں تو نیک اور بدیاں زیادہ ہوں تو بدکار کہلاتا ہے۔ بدی چونکہ بدی ہے اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اس لئے جب حمد الٰہی کی توفیق اور جوش پیدا نہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت نہ ملے تو ایسی حالت میں ڈرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ بدیاں بڑھ گئی ہیں۔ اس کا علاج کرنا چاہئے اور وہ علاج کیا ہے؟ اِسْتِغْفَار۔ اس لئے فرمایا نَسْتَغْفِرُہٗ۔ اللہ تعالیٰ کے وسیع

قانون اور زبردست حکم اس قسم کے ہیں کہ انسان بعض بدیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے بڑے بڑے فضلوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ جب انسان کوئی غلطی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کسی حکم اور قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ غلطی اور کمزوری اس کی راہ میں روک ہو جاتی ہے اور یہ عظیم الشان فضل اور انعام سے محروم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس محرومی سے بچانے کے لئے یہ تعلیم دی کہ استغفار کرو۔

استغفار انبیاء علیہم السلام کا اجماعی مسئلہ ہے۔ ہر نبی کی تعلیم کے ساتھ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ھود:۴) رکھا ہے۔ ہمارے امام کی تعلیمات میں جو ہم نے پڑھی ہیں استغفار کو اصل علاج رکھا ہے۔

استغفار کیا ہے؟ پچھلی کمزوریوں کو جو خواہ عمداً ہوں یا سہواً غرض مَاقَدَّمَ وَ مَااَخَّرَ جو نہ کرنے کا کام آگے کیا اور جو نیک کام کرنے سے رہ گیا ہے' اپنی تمام کمزوریوں اور اللہ تعالیٰ کی ساری نارضامندیوں کو مَااَعْلَمُ وَ مَالَااَعْلَمُ کے نیچے رکھ کر آئندہ کے لئے غلط کاریوں کے بدنتائج اور بداثر سے محفوظ رکھ اور آئندہ کے لئے ان بدیوں کے جوش سے محفوظ فرما۔ یہ ہیں مختصر معنی استغفار کے۔

پھر ایک اور بات بھی قابل غور ہے۔ حضرت امامؑ نے اس زمانہ کو امن کے لحاظ سے نوح کا زمانہ کہا ہے۔ حضرت نوحؑ نے جب اپنی قوم کو وعظ کیا اور خدا تعالیٰ کا پیغام اسے پہنچایا تو کیا کہا؟ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا۔ وَ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح:۱۱تا۱۳)۔

استغفار کے برکات اور نتائج ان آیات میں حضرت نوح علیہ السلام نے انسانی ضروریات کی جہت سے بیان فرمائے ہیں۔ غور کر کے دیکھ لو کیا انسان کو انہیں چیزوں کی ضرورت دنیا میں نہیں ہے؟ پھر ان کے حصول کا علاج استغفار ہے۔

امن کے زمانہ میں چیزوں میں گرانی ہوتی ہے اور یہ امن کے لئے لازمی امر ہے۔ نادان کہتا ہے ایک وقت روپیہ کا من بھر گیہوں ہوتا تھا اور پانچ سیر گھی۔ وہ نہیں سمجھتا کہ وہ امن کا زمانہ نہ تھا۔ اس لئے تبادلہ تجارت کے لئے لوگ گھر سے مال نکال نہ سکتے تھے۔ اور جب امن ہوتا ہے تو تبادلہ اشیاء کی وجہ سے اموال بڑھ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی فضولیاں بھی بڑھتی ہیں۔

غرض استغفار ایسی چیز ہے جو انسان کی تمام مشکلات کے حل کے لئے بطور کلید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کی استعانت کے لئے استغفار کرو۔ مگر استغفار بھی اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اس لئے فرمایا۔ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ اور ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ جمیع صفات کاملہ سے موصوف اور تمام بدیوں سے منزہ ہے۔ وہ اپنی ذات میں' اپنی صفات میں' اسماء اور محامد اور افعال

میں وحدہ لاشریک ہے۔ وہ اپنی ذات میں یکتا' صفات میں بے ہمتا اور افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲) اور بے نظیر ہے۔ اور اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی رضامندی اور نارضامندی کی راہوں کو ظاہر کرتا رہا ہے اور ملائکہ کے ذریعہ اپنا کلام پاک اپنے نبیوں اور رسولوں کو پہنچاتا رہا ہے۔ اور اس کی بھیجی ہوئی کتابوں میں آخری کتاب قرآن شریف ہے جس کا نام فضل' شفاء' رحمت اور نور ہے اور آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو خاتم النبیین ہیں اور اب کوئی نبی اور رسول آپؐ کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت بھی جو آیا وہ آپ کا خادم ہو کر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا یہ خلاصہ ہے۔

ایمان باللہ جب کامل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو' اس لئے یہ تعلیم دی وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ اور ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔ توکل سے یہ مطلب ہے کہ ہم میں یہ بات پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں جس مطلب اور غرض کے لئے بنائی ہیں وہ اپنے نتائج اور ثمرات اپنے ساتھ ضرور رکھتی ہیں۔ اس لئے اس پر ایمان ہونا چاہئے کہ لابد ایمان کے ثمرات اور نتائج ضرور حاصل ہوں گے اور کفر اپنے بد نتائج دیئے بغیر نہ رہے گا۔ انسان بڑی غلطی اور دھوکا کھاتا ہے جب وہ اس اصل کو بھول جاتا ہے۔ اعمال اور اس کے نتائج کو ہرگز ہرگز بھولنا نہیں چاہئے۔ سعی اور کوشش کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔

یہ سب کچھ بھی ہو مگر اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں پر پوری اطلاع نہیں رکھتا اور اندرونی بدیوں میں ایسا مبتلا ہو جاتا ہے جو حبط اعمال ہو جاتا ہے اور اصل مقصد سے دور جا پڑتا ہے۔ شیطان انسان کو عجیب عجیب راہوں سے گمراہ کرتا ہے اور نفس ایسے دھوکے دیتا ہے اس لئے یہ تعلیم دی نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا (مسلم۔ ترمذی کتاب النکاح باب خطبۃ النکاح) یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ بڑی پناہ اور معاذ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ ہے جو ساری قوتوں اور قدرتوں کا مالک ہے اور ہر نقص سے پاک اور ہر کامل صفت سے موصوف ہے۔ کس بات سے پناہ چاہتے ہیں؟ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا انسان کی اندرونی بدیاں اور شرارتیں اس کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ مثلاً شہوت کے مقابلہ میں زیر ہو جاتا ہے اور ترک عفت کرتا ہے۔ بد نظری اور بدکاری کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ رحم کو چھوڑتا ہے اور غضب کو اختیار کرتا ہے اور کبھی قناعت کو جو سچی خوش حالی کا ایک بڑا ذریعہ ہے' چھوڑ کر حرص و طمع کا پابند ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کا شر عجب قسم کا شر ہے۔ اس کے پنجہ میں گرفتار ہو کر انسان بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی بنا لیتا ہے اور ہر شخص کو اس کے حسب حال دھوکا دیتا ہے۔ مولویوں کو ان کے

رنگ میں اور میرے جیسے انسان کو اپنے رنگ میں۔ غرض عجیب عجیب امتحان ہوتے ہیں۔ تعوذ ایسا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو تعوذ پر ختم فرمایا ہے۔ اس لئے کبھی اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔

نفس کا شر اور اعمال کا شر اس کے بدنتائج ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں انسان نہ آ جاوے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور پھر کوئی اسے بامراد نہیں کر سکتا اور نہ بچا سکتا ہے۔ اسی طرح اخلاص اور نیکی کے ثمرات نیک ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کو جب وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ جاتا ہے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ اس لئے فرمایا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے۔ وَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ نَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

یہ خلاصہ اور اصل عظیم الشان اصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اپنا معبود' محبوب اور مطاع نہ بناؤ۔ اور زبان' آنکھ' کان' ہاتھ' پاؤں غرض کل جوارح اور اعضاء اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہوں۔ کوئی خوف اور امید مخلوق سے نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنیں اور اس کے حکم کے مقابل کسی اور حکم کی پروا نہ کریں۔ فرمانبرداری کا اثر اور امتحان مقابلہ کے وقت ہوتا ہے۔ ایک طرف قوم اور رسم و رواج بلاتا ہے' دوسری طرف خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ اگر قوم اور رسم و رواج کی پروا کرتا ہے تو پھر اس کا بندہ ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے اور کسی بات کی پروا نہیں کرتا تو پھر خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتا ہے اور اس کا فرمانبردار ہے اور یہی عبودیت ہے۔ قرآن مجید نے اسلام کی یہی تعریف کی ہے مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ (البقرہ:۱۱۳)۔ سچی فرمانبرداری یہی ہے کہ انسان کا اپنا کچھ نہ رہے۔ اس کی آرزوئیں اور امیدیں' اس کے خیالات اور افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور فرمانبرداری کے نیچے ہوں۔ میرا اپنا تو یہ ایمان ہے کہ اس کا کھانا پینا' چلنا پھرنا' سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہو تو مسلمان اور بندہ بنتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری اور رضامندی کی راہوں کو بتانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔ چونکہ ہر شخص کو مکالمہ الہیہ کے ذریعہ الٰہی رضامندیوں کی خبر نہیں ہوتی' اگر کسی کو ہو بھی تو اس کی وہ حفاظت اور شان نہیں ہوتی جو خدا تعالیٰ کے ماموروں اور مرسلوں کی وحی کی ہوتی ہے اور خصوصاً سرور انبیاء صلی اللہ علیہ و سلم کی کہ جس کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہزاروں ہزار ملائکہ حفاظت کے لئے ہوتے ہیں۔ اس لئے کامل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم ہی ہیں اور وہی مقتدا اور مطاع ہیں۔ پس

ہر ایک نیکی تب ہی ہو سکتی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نیچے ہو۔

اس کے بعد میں نے کچھ آیتیں پڑھی ہیں۔ ان میں عام لوگوں کو نصیحت ہے کہ نکاح کیوں ہوتے ہیں اور نکاح کرنے والوں کو کن امور کا لحاظ رکھنا چاہئے؟

مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے معدوم سے بنایا ہے اور یہ شان ربوبیت ہے۔ نکاح بھی ربوبیت کا ایک مظہر ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (النساء:۲)۔

یہ ایک سورۃ کا ابتداء ہے۔ اس سورۃ میں معاشرت کے اصولوں اور میاں بیوی کے حقوق کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ آیتیں نکاح کے خطبوں میں پڑھی جاتی ہیں اور غرض یہی ہوتی ہے کہ تا ان حقوق کو مدنظر رکھا جاوے۔ اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ نے یٰاَیُّھَا النَّاسُ سے شروع فرمایا ہے۔ اَلنَّاسُ جو انس سے تعلق رکھتا ہے تو میاں بیوی کا تعلق اور نکاح کا تعلق بھی ایک انس ہی کو چاہتا ہے تا کہ دو اجنبی وجود متحد فی الارادہ ہو جائیں۔ غرض فرمایا۔ لوگو! تقویٰ اختیار کرو۔ اپنے رب سے ڈرو۔ وہ رب جس نے تم کو ایک جیسے بنایا اور اسی جنس سے تمہاری بیوی بنائی اور پھر دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا سے یہ مراد ہے کہ اسی جنس کی بیوی بنائی۔

اس آیت میں اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی اصل غرض "تقویٰ" ہونی چاہئے اور قرآن مجید سے یہی بات ثابت ہے۔ نکاح تو اس لئے ہے کہ "احصان" اور "عفت" کی برکات کو حاصل کرے۔ مگر عام طور پر لوگ اس غرض کو مدنظر نہیں رکھتے بلکہ وہ دولتمندی، حسن و جمال اور جاہ و جلال کو دیکھتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عَلَیْکَ بِذَاتِ الدِّیْنِ (بخاری کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین)۔ بہت سے لوگ خدوخال میں محو ہوتے ہیں جن میں جلد تر تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کے قول کے موافق تو سات سال کے بعد وہ گوشت پوست ہی نہیں رہتا۔ مگر عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ عمر اور حوادث کے ماتحت خدوخال میں تغیر ہوتا رہتا ہے اس لئے یہ ایسی چیز نہیں جس میں انسان محو ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کی اصل غرض تقویٰ بیان فرمائی۔ دیندار ماں باپ کی اولاد ہو۔ دیندار ہو۔ پس تقویٰ کرو اور رحم کے فرائض کو پورا کرو۔ میں تمہارے لئے نصیحتیں کرتا ہوں۔ یہ تعلق بڑی ذمہ داری کا تعلق ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بہت سے نکاح جو اغراض حسب پر ہوتے ہیں ان سے جو اولاد ہوتی ہے وہ ایسی نہیں ہوتی جو اس کی روح اور زندگی کو بہشت کر کے

دکھائے۔ ان ساری خوشیوں کے حصول کی جڑ تقویٰ ہے اور تقویٰ کے حصول کے لئے یہ گر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے "رقیب" ہونے پر ایمان ہو۔ چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (النساء:۲) جب تم یہ یاد رکھو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے حال کا نگران ہے تو ہر قسم کی بے حیائی اور بدکاری کی راہ سے جو تقویٰ سے دور پھینک دیتی ہے بچو گے۔

19.

دوسری آیت یہ ہے۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا (الاحزاب:۷۱)۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ تقویٰ کی ہدایت فرماتا ہے اور ساتھ ہی حکم دیتا ہے کہ پکی باتیں کہو۔ انسان کی زبان بھی ایک عجیب چیز ہے جو گاہے مومن اور گاہے کافر بنا دیتی ہے۔ معتبر بھی بنا دیتی ہے اور بے اعتبار بھی کر دیتی ہے۔ اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اپنے قول کو مضبوطی سے نکالو خصوصاً نکاحوں کے معاملہ میں۔ اس معاملہ میں پوری سوچ بچار اور استخاروں سے کام لو اور پھر مضبوطی سے اسے عمل میں لاؤ۔ جب تم پوری کوشش کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (الاحزاب:۷۲) تمہارے سارے کام اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ تمہاری غلطی کو جناب الٰہی معاف کر دیں گے۔ کیونکہ جب تقویٰ ہو تو اعمال کی اصلاح کا ذمہ وار اللہ تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ اور اگر نافرمانی ہو تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ ان معاملات نکاح میں عجیب در عجیب کہانیاں سنائی جاتی ہیں اور دھوکا دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی کا فضل ہو تو کچھ آرام ملتا ہے۔ ورنہ چالاکی سے کام کیا ہو اور دنیا میں بہشت نہ ہو۔[ل] پھر فرمایا ہے۔ بہت لوگ پاس ہونے کے لئے تڑپتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ اصل بات تو یہ ہے کہ جو اللہ اور رسول کا مطیع ہوتا ہے وہ ہی حقیقی بامراد ہوتا اور یہی حقیقی پاس ہے۔

پھر اس معاملہ میں تیسری آیت یہ ہے۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۹)۔

اس تیسری آیت میں بھی تقویٰ کی تاکید ہے کہ تقویٰ اللہ اختیار کرو اور ہر ایک جی کو چاہئے کہ بڑی توجہ سے دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا کیا؟ جو کام ہم کرتے ہیں ان کے نتائج ہماری مقدرت سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جو کام اللہ کے لئے نہ ہو گا تو وہ سخت نقصان کا باعث ہو گا۔ لیکن جو اللہ کے لئے ہے تو وہ ہمہ قدرت اور غیب دان خدا جو ہر قسم کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے اس کو مفید اور مثمر ثمراتِ حسنہ بنا دیتا ہے۔ یہ سب باتیں تقویٰ سے حاصل ہوتی ہیں۔

ل نقل مطابق اصل

اس وقت جو مجمع ہے میں اس کی خوشی کا اظہار کروں تو بعض نادان بدظنی کریں گے مگر بدظنیاں تو ہوتی ہی ہیں مجھے ان کی پروا نہیں اور میں کسی رنگ میں مخلوق کی پروا کرنا اپنے ایمان کے خلاف یقین کرتا ہوں۔ یہ امر اخلاص اور اسلام کے خلاف ہے۔ پس میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ اس تقریب کی وجہ سے مجھے بہت ہی خوشی ہے اور کئی رنگوں میں خوشی ہے۔ نواب محمد علی خاں میرے دوست ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ اس وجہ سے دوست ہیں کہ وہ خانصاحب یا نواب صاحب یا رئیس ہیں۔ میں نے کسی دنیوی غرض کے لئے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفہ کے لئے کبھی ان سے دوستی نہیں کی۔ وہ خوب جانتے ہیں اور موجود ہیں۔ مجھے ان کے ساتھ جس قدر محبت ہے محض خدا کے لئے ہے۔ کبھی بھی نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر ان کی محبت میں کوئی غرض نہیں آئی۔ ایک زمانہ ہوا میں نے ان سے معاہدہ کیا تھا کہ آپ کے دکھ کو دکھ اور سکھ کو سکھ سمجھوں گا اور اب تک کوئی غرض اس معاہدہ کے متعلق میرے واہمہ میں نہیں گزری۔ ان کا یہ رشتہ کا تعلق حضرت امام علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ یہ سعادت اور فخر ان کی خوش قسمتی اور بیدار بختی کا موجب ہے۔ ان کے ایک بزرگ تھے شیخ صدر جہاں (علیہ الرحمۃ)' ایک دنیادار نے ان کو نیک سمجھ کر اپنی لڑکی دی تھی۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ ہے اور اس کی نکتہ نوازی ہے کہ آج محمد علی خاں کو سلطان دین نے اپنی لڑکی دی ہے۔ یہ اس بزرگ مورث سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔ یہ میرا علم' میرا دین اور ایمان بتاتا ہے کہ حضرت صدر جہاں سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔

میں نہیں جانتا کہ میری قوم کیا ہے؟ مگر میرا علم بتاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں۔ حضرت عمرؓ میرے جدامجد بڑے مہروں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک مرتبہ جب ایک عورت نے کہا۔ اَلْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ (ال عمران:۱۵) بھی مہر ہو۔ خدا نہیں روکتا تو عمرؓ کون روکنے والا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عمر سے تو مدینہ کی عورتیں بھی افقہ ہیں۔ پس ایک فاروقی کے منہ سے اس وقت ۵۶ ہزار کے مہر کو خفیف سمجھنا ضرور قابل غور ہے۔ کیا میرے جیسے آدمی کا مہر اتنا باندھا جا سکتا ہے جس نے آیا تو کھالیا' کپڑا مل گیا تو پہن لیا۔ اس کا مہر تو اسی حیثیت کا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ایک صحابی کو کہا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اچھا! لوہے کی انگوٹھی ہی لے آ۔ جب اس نے اس سے بھی انکار کیا اور کہا کہ صرف تہ بند ہے تو اس کا مہر بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (بخاری کتاب النکاح باب السلطان ولی) فرمایا۔ فقہاء نے اس پر اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تیری قرآن دانی کے بدلے اور بعض کہتے ہیں کہ قران کی

تعلیم دینے کے لئے۔ بہر حال مہروں کا اندازہ انسان کے حالات پر ہوتا ہے۔ چار سو درہم یا دو سو درہم یا پانچ سو ٹکا سلطانی یہ کوئی شرعی حدود یا قیود نہیں ہیں۔ پس جو لوگ کل کی بات کو غور سے سوچتے ہیں ان کو اور بھی مشکلات ہوتے ہیں۔ بہر حال حضرت صاحب نے تمام امور کو مد نظر رکھ کر ۵۶ ہزار تجویز فرمایا ہے اور میری اپنی سمجھ میں یہ مہر ان حالات کے ماتحت جو خوانین کے ہاں پیش آتے ہیں کچھ بھی نہیں اور بہت تھوڑی رقم ہے۔ تاہم حضرت صاحب نے بڑی رضامندی سے اس مہر پر مبارکہ بیگم کا نکاح کر دینا قبول فرمایا۔ اس سے یہ اجتہاد نہیں ہو سکتا کہ نور دین جیسے کا بھی یہی مہر ہو۔ مہر حالات کے لحاظ سے ہوتا ہے۔

اس کے بعد ایجاب و قبول ہوا اور حضرت اقدسؑ نے دعا فرمائی۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۵---۲۶ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ تا ۵)

(بدر جلد ۷ نمبر ۹---۵ مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ تا ۶)

☆-☆-☆-☆

۶/ مارچ ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور مسنون دعاؤں کے بعد فرمایا:۔

یہ اذان جو اس وقت تم نے سنی ہے یہی جناب الٰہی کی طرف سے ایک فرشتہ کے ذریعہ اسلام کو سکھائی گئی ہے اور یہ ایسے پاک کلمات ہیں کہ سارے اسلام کا نچوڑ ہیں۔ جس طرح سے عبادت الٰہی نماز، روزہ اور حج وغیرہ کے طریق ہمیں بڑی حفاظت اور تواتر سے پہنچائے گئے ہیں۔ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر تواتر سے ہمیں اذان کے الفاظ پہنچے ہیں۔ بڑے بڑے بلند مقامات پر مناروں پر چڑھ کر بلند آواز سے پورے زور اور طاقت سے پانچ وقت ان الفاظ سے اسلام کی منادی ہوتی چلی آئی ہے۔ جہاں تک میری سمجھ، علم اور طاقت پہنچ سکتی ہے میں جانتا ہوں کہ اس اذان میں بڑے اسرار ہیں۔ ایک انگریز جس کے ذریعہ سے میں نے عیسائیت کے متعلق اس قدر معلومات پیدا کیں، کیونکہ وہ عیسائیت کی بہت سی کتابیں مجھے بھیجا کرتا تھا اس نے ایک دفعہ مجھے کہا کہ بڑی ترقی کا زمانہ ہے۔ امریکہ اور یورپ بہت ترقی کے معراج پر پہنچ گئے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ یورپ اور امریکہ بے چارہ کیا دینی ترقی کرے گا

اور کیا ترقی اس نے کی ہے۔ ۱۹۰۰ برس گزر گئے۔ ہر اتوار کے دن گھنٹوں اور گھڑیالوں کی شور و پکار ہوتی ہے۔ نہیں معلوم کیوں اور کس غرض کے لئے یہ بجائے جاتے ہیں۔ کسی کو بلانے کے واسطے بجائے جاتے ہیں یا کہ شوقیہ۔ اگر بلانے کو بجائے جاتے ہیں تو کس مطلب ' کس غرض و غایت کے واسطے بلایا جاتا ہے؟ اس بلانے میں کوئی حقیقت نہیں۔ اس میں دنیا کو کوئی وعظ نہیں' تبلیغ نہیں۔ برخلاف اس کے اسلام کی منادی کو دیکھو کس طرح جرات اور دلیری سے اپنے پاک اصولوں کی پنج وقتہ تبلیغ کرتے ہیں۔ کس بلند آوازی سے اور کیسے بلند مقامات پر سے اور کیسی حقیقت ان الفاظ میں بھری ہے۔ اول اپنے مذہب کے اصل الاصول بیان کیے جاتے ہیں پھر بلانے کی غرض و غایت۔ اور پھر آنا بے فائدہ نہیں' کسی کھیل تماشے کے واسطے نہیں' کوئی لہو و لعب' کوئی خدا سے غافل کرنے والا یا بے حقیقت بچوں کا کھیل نہیں بلکہ اس کا نتیجہ فلاح ہے۔ بھلا اس طرز دعوت اور اپنے طرز دعوت کا مقابلہ تو کر کے دیکھو پھر کہنا کہ ترقی کس نے کی ہے۔

اسلامی اذان میں سارا اسلام کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ غور کرنے والا غور کرے اور سوچنے والا دل گہری سوچ کے بعد بتائے کہ بھلا اپنے مذہب کی تبلیغ اور خدا کے جلال اور اس کی عظمت اور جبروت کے اظہار کی اس سے بہتر بھی کوئی تجویز ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلی جوش' ان کے سچے ارادوں اور ولولوں کا ایک سچا فوٹو ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے الفاظ اذان میں بیان کیا اور ان الفاظ کی تہ میں گویا صحابہ کرام کے سارے اغراض و مقاصد کا سچا نقشہ جناب الٰہی سے فرشتہ کی معرفت بھیج کر بتایا گیا ہے۔

یہ قاعدہ کی بات ہے اور انسانی فطرت میں یہ امر مرکوز ہے کہ انسان اپنے سے بڑے کی بات کو مان لیتا ہے۔ آج کل کا کوئی نادان لڑکا اپنی بے ہودگی کی وجہ سے اپنے بڑے بزرگوں کی نہ مانے تو یہ اس کی بے ہودگی ہے۔ انسانی صحیح فطرت میں روز ازل سے یہی رکھا گیا ہے۔ بڑے علم والوں' تاجروں' فلاسفروں' تجربہ کاروں سے پوچھ کر دیکھ لو کہ سب اپنے سے بڑوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں اور یہی سلیم فطرت کا تقاضا ہے۔ اگر کسی کی فطرت مسخ ہو گئی ہے تو اس کا ہم ذکر نہیں کرتے۔

چنانچہ اذان میں بھی اول اللہ کے نام سے ابتدا کی ہے۔ سارے محامد سے متصف' ساری صفات کاملہ رکھنے والا اور سارے نقائص اور عیوب سے مبرا و منزہ ذات اس کا نام اللہ ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور پھر وہ اکبر ہے۔ جامع جمیع صفات کاملہ اور ہر قسم کے نقائص سے منزہ ہونے کے ساتھ وہ اکبر بھی ہے یعنی بہت بڑا۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ اب اپنے کاروبار' یاروں دوستوں غرض ہر ایک کو

چھوڑ کر اللہ کی طرف آجاؤ۔ اور چونکہ وہ سب سے ہر رنگ میں بڑا ہے' اب اس کا حکم آنے پر دوسروں کے احکام کی پرواہ مت کرو۔ ایک طرف خدا کا بلاوا آجاوے' دوسری طرف کوئی یار دوست آشنا بلاویں یا کوئی دنیا کا کام بلاوے تو اللہ کے مقابلہ میں ان کو ترک کر دو۔ کیونکہ اللہ اکبر اللہ سب سے بڑا ہے اور سب سے بڑے کی بات کو مان لینا تمہاری فطرت میں رکھا گیا۔

حتیٰ کہ ماں باپ جن کی اطاعت اور فرمانبرداری کی خدا نے سخت تاکید فرمائی ہے خدا کے مقابلہ میں اگر وہ کچھ کہیں تو ہرگز نہ مانو۔ فرمانبرداری کا پتہ مقابلے کے وقت لگتا ہے کہ آیا فرمانبردار اللہ کا ہے یا کہ مخلوق کا۔ ماں باپ کی فرمانبرداری کا خدا نے اعلیٰ مقام رکھا ہے اور بڑے بڑے تاکیدی الفاظ میں یہ حکم دیا ہے۔ ان کے کفر و اسلام اور فسق و فجور یا دشمن اسلام وغیرہ ہونے کی کوئی قید نہیں لگائی اور ہر حالت میں ان کی فرماں برداری کا تاکیدی حکم دیا ہے مگر ہر مقابلہ کے وقت ان کے متعلق یہی فرما دیا کہ اِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (العنکبوت:۹) اگر خدا کے مقابلہ میں آجاویں تو خدا کو مقدم کرو' ان کی ہرگز نہ مانو۔

اُوْلِي الْاَمْرِ حاکم وقت کی فرماں برداری کا بھی بہت تاکیدی حکم ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء:۶۰) کہہ کر بتا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے پیش کرو۔ پھر جیسا کہ حکم ہو کرو۔

غرض نفس ہو یا دوست ہوں' رسم ہو یا رواج ہو' قوم ہو یا ملک ہو' ماں باپ ہوں یا حاکم ہوں جب وہ خدا کے مقابلہ میں آجاویں یعنی خدا ایک طرف بلاتا ہے اور یہ سب ایک طرف' تو خدا کو مقدم رکھو۔

یہاں اس وقت ہمیں ایک اعتراض یاد آیا ہے۔ ایک ہمارے دوست نے ہم سے یہ اعتراض بیان کیا کہ چار شہادتوں کا مہیا ہونا صرف زنا کے بارہ میں ہی آیا ہے ورنہ اور کسی امر میں چار گواہیاں نہیں۔ اس وقت اذان کے الفاظ سے ہی یہ بھی حل ہوا ہے کہ اذان میں بھی اَللّٰهُ اَكْبَرُ کے بعد کلمات شہادت کے متعلق بھی چار بار بیان کرنے کی روایات ہیں جس کا نام اذان ترجیع رکھا ہے۔ غرض موذن بھی ہمیشہ چار ہی شہادت دیتا ہے۔ اور یہ حد کمال شہادت ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ کی شہادت اپنی کامل حد تک ادا کر چکنے کے بعد موذن لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت دیتا ہے یعنی کوئی بھی بجز اللہ تعالیٰ قابل عبادت اور واجب الاطاعت وجود نہیں ہے۔ پس خدا کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی فرمانبرداری کرنا' سجدہ کرنا' رکوع کرنا' دعا کرنا' کسی پر بھروسہ رکھنا اللہ کے سوا بالکل جائز نہیں ہے۔

بعض لوگ جو کم فرصتی کی شکایت کر کے اذان کی چنداں پرواہ نہیں کرتے وہ بھی اسی ذیل میں ہیں جو ایمان کی حقیقت اور اذان کے سچے معنوں سے ناواقف ہیں۔ پھر چونکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کے واسطے اس کے احکام اوامر و نواہی کا ہونا بھی ضروری ہے پس جس انسان کے ذریعہ سے وہ احکام اوامر و نواہی ہمیں پہنچے ہیں وہ ہمارے سید و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔ چونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ ہی وابستہ ہے اور بغیر رسول صلی اللہ علیہ و سلم کے بتانے کے ہمیں اللہ کے اوامر و نواہی کی اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر اتم ہیں اور آپ ہی کے ذریعہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا یقین ہوا ہے اور آپ کا وجود خدا نما وجود ہے اس واسطے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لازم ملزوم کر دیا۔

پھر چونکہ شکریہ کا کامل ذریعہ 'عبادت کا کامل ذریعہ' اپنے مطالب کے حصول کا کامل ذریعہ 'حق سبحانہ تعالیٰ کی تعظیم کا اعلیٰ مقام' انسانی ترقیات کا انتہائی نتیجہ جس کا نام معراج ہے 'گناہ اور گندوں سے پاک ہونے کی سچی راہ صرف صرف نماز ہی ہے اس واسطے بلانے کی وجہ بتائی کہ نماز کی طرف بلاوا ہے۔ پھر نماز میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کیسا پاک کلمہ ہے۔ نبی' شہید' صدیق اور صالحین جیسے عظیم الشان محسنوں کی راہ جن کے احسانات کی کوئی قیمت ہی نہیں بجز اس کے کہ کوئی جان ہی فدا کر دے ان کی راہ پر چلنے کی درخواست کرتا ہے اور ان کے رنگ میں رنگین ہونے کی خواہش کرتا ہے اور ان کے واسطے دعائیں کرتا ہے' سلام بھیجتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جو سردار انبیاء ہیں عجیب طرح سے گداز ہو کر درد دل سے ان کے واسطے کہتا ہے اور دل میں محبت کا ایسا جوش پیدا کرتا ہے کہ گویا ان کے احسانات کے باعث ان کو اپنے تصور میں سامنے لے آتا ہے اور کہتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

غرض اذان ایک اعلیٰ قسم کا کامل و اکمل طرز دعوت ہے جس میں خلاصہ اسلام بیان کر دیا ہے۔ دعوت کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے اور پھر نتیجہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔

فلاح کے معنے ہیں کامیاب ہو جانا۔ دشمنوں کے مقابلہ میں مظفر و منصور ہو جانا۔ اسی واسطے حکم ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ (العنکبوت:۴۶) نماز تمام بدیوں اور بدکاریوں سے بچا لیتی ہے اور پھر اس کا نتیجہ فلاح ہے۔

پھر بعد اذان کے جوش میں آ کر کہتا ہے اور دعوت کو ختم کرتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فرمایا کہ اذان کے

معنی سوچو اور ان پر غور کرو۔

خطبہ ثانیہ

فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ایسا پاک کلمہ ہے اور اس میں ایسے سمندر حکمت الٰہی کے بھرے ہوئے ہیں کہ جن کا خاتمہ ہی نہیں۔ میں بعض اوقات نماز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پڑھنے کے بعد ٹھہر جاتا ہوں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ میں ان کے معانی میں غور و خوض کرتا ہوا غرق ہو جاتا ہوں۔ دیکھو بعض وقت مجھے بھی سخت سے سخت مشکلات اور تکالیف پہنچی ہیں کہ ان سے جان جانے کا بھی اندیشہ ہوا ہے۔ مگر میں نے جب قرآن شریف کو شروع کیا ہے اور اس میں اول ہی اول اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے شروع ہوا ہے اور میں نے اس آیت پر غور کیا ہے تو دل میں بسا اوقات جوش آیا ہے کہ بتاؤ تو سہی اب اَلْحَمْدُ لِلّٰہُ کا کیا مقام ہے؟ ان مصائب اور دکھوں کے سمندر میں کس طرح سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہو گے۔ اور ممکن ہے کہ کسی دوسرے مومن کے دل میں بھی آیا ہو۔ کیونکہ میرے دل میں ایسا بارہا آیا ہے۔

تو اس کے واسطے میں نے غور سے دیکھا ہے کہ مصائب اور مشکلات میں واقعی اللہ تعالیٰ کی ذات سات طرح سے الحمد للہ کہے جانے کے لائق ذات ہے۔

ہر بلائیں قوم را حق دادہ است
زیر آں گنج کرم بنہادہ است

(۱)۔ اول تو اس لئے کہ مصائب اور شدائد کفارۂ گناہ ہوتے ہیں۔ سو یہ بھی اس کا فضل ہے۔ ورنہ قیامت میں خدا جانے ان کی سزا کیا ہے۔ اس دنیا ہی میں بھگت کر نپٹ لیا۔

(۲)۔ اس لئے کہ ہر مصیبت سے بڑھ کر مصیبت ممکن ہے۔ اس کا فضل ہے کہ اعلیٰ اور سخت مصیبت سے بچا لیا۔

(۳)۔ مصائب دو قسم کے ہوتے ہیں دینی اور دنیوی۔ ممکن ہے کہ گناہ کی سزا میں انسان کی اولاد مرتد ہو جاوے یا یہ خود ہی مرتد ہو جاوے۔ سو اس کا فضل ہے کہ اس نے دینی مصائب سے بچا لیا اور دنیوی مشکلات ہی پر اکتفا کر دیا۔

(۴)۔ مصائب شدائد پر صبر کرنے والوں کو اجر ملتے ہیں چنانچہ حدیث شریف میں آیا کہ ہر مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر یہ دعا مانگو۔ اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اَخْلِفْنِیْ خَیْرًا مِّنْھَا

(مسلم وابن ماجه کتاب الجنائز)۔

اور قرآن شریف میں مشکلات اور مصائب پر صبر کرنے والوں کے واسطے تین طرح کے اجر کا وعدہ ہے۔ وَ بَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ۔ الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ أُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَّ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرہ:۱۵۶تا۱۵۸) یعنی مصائب پر صبر کرنے والوں اور اِنَّا لِلّٰہِ کہنے والوں کو تین طرح کے انعامات ملتے ہیں۔

(۵)۔ صلوات ہوتے ہیں ان پر اللہ کے۔

(۶)۔ رحمت ہوتی ہے ان پر اللہ کی۔

(۷)۔ اور آخر کار ہدایت یافتہ ہو کر ان کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔

اب غور کرو جن مصائب کے وقت صبر کرنے والے انسانوں کو ان انعامات کا تصور آجاوے جو اس کو اللہ کی طرف سے عطا ہونے کا وعدہ ہے تو بھلا پھر وہ مصیبت مصیبت رہ سکتی ہے اور غم غم رہتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس کیسا پاک کلمہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور کیسی پاک تعلیم ہے وہ جو مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے۔ یہ نہایت ہی لطیف نکتہ معرفت ہے اور دل کو موہ لینے والی بات۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف اسی آیت سے شروع ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطبات کا ابتدا بھی اسی سے ہوا ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۱۸ --- ۱۰ر مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۔۲)

☆ - ☆ - ☆ - ☆

۱۳؍ مارچ ۱۹۰۸ء

مسجد اقصیٰ

خطبہ جمعہ

تشہد اور تعوذ کے بعد آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ پڑھا اور پھر فرمایا:۔

یہ وہ فقرات ہیں جو ہر مسلمان ہر دو رکعت کے بعد پڑھتا ہے۔ جو شخص دن رات میں چالیس رکعت نماز ادا کرتا ہے وہ ان فقرات کو بیس مرتبہ پڑھتا ہے۔ تین رکعت والی نماز میں بھی یہ کلمات دو مرتبہ پڑھے جاتے ہیں۔ فرائض، سنن اور نوافل سب میں ان کا پڑھا جانا ضروری ہے۔

قرآن شریف میں اور احادیث میں بھی نماز کو سنوار کر اور سمجھ کر پڑھنے کی سخت تاکید کی گئی ہے حتیٰ کہ سوچ سمجھ کر نہ پڑھنے والوں کی نماز، نماز ہی نہیں کہلاتی اور نہ اس کو قبولیت کا درجہ عطا کیا جاتا ہے۔

طوطے کی طرح الفاظ کا رٹتے رہنا اور حقیقت سے بے خبر ہونا مفید نہیں ہے اور نہ ہی یہ خدا اور اس کے رسول کا منشاء ہے۔ متوالوں کو جو حالت نشہ میں ہوں مسجد میں آنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ غرض قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و قول میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے واسطے نماز کے مطالب خوب اچھی طرح سے ذہن نشین ہونے لازمی رکھے گئے ہیں۔ پس ہر انسان کو لازمی ہے کہ نماز کے مطالب اور معانی کے سمجھنے کی کوشش کرے۔

تحیہ۔ عربی میں کسی کی تعریف، مدح، ستائش، بڑائی اور اس کی مہربانیوں اور انعامات کے بیان کرنے میں اور اس کی شکر گزاری کے واسطے اس کے حسن و احسان کو یاد کر کے اس کے گرویدہ ہونے کے بیان کرنے کو کہتے ہیں اور بعض نے قولی عبادت بھی اس کا ترجمہ کیا ہے۔ عبادت فرمانبرداری اور تعظیم کا نام ہے۔ اس واسطے زبان سے جو کچھ عبادت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا جاتا ہے اس کا نام تحیہ ہے۔

چونکہ کل انعامات اور فیوض کا سچا اور حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اور بجز اس کے خاص فضل کے ہم دنیا و مافیہا کے کل سامان آرام و آسائش سے متمتع نہیں ہو سکتے اس لئے صرف اسی کی حمد و ستائش کے گیت گانے اور اس کی فرمانبرداری کو سب پر مقدم کرنا چاہئے۔ دیکھو! اگر کوئی ہمارا محسن ہمیں ایک اعلیٰ درجہ کی عمدہ اور نفیس گرم پوشاک دے مگر اللہ کا فضل شامل حال نہ ہو اور ہمیں سخت محرقہ تپ ہو تو وہ لباس ہمارے کس کام آ سکتا ہے اور اگر ہمارے سامنے اعلیٰ سے اعلیٰ مرغن کھانے قسم قسم رکھے جاویں مگر ہم کو قے کا مرض لاحق حال ہو تو ہم ان کھانوں کی لذت کیسے اٹھا سکتے ہیں؟

غرض غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آسائش و آرام کے کل سامانوں کے مادے پیدا کرنا بھی جس طرح اللہ ہی کا کام ہے اسی طرح سے ان سے متمتع اور بارور ہونا بھی محض اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ صحت عطا کرنا، قوت ذائقہ بخشنا، قوت ہاضمہ کا بحال رکھنا سب اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ اس لئے حکم ہے کہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ:۱۲)۔ تحدیث نعمت کرنا اور خدا کے انعامات کا شکر ادا کرنا ازدیاد انعامات کا باعث ہوتا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم:۸)۔ پس اس طرح سے تحدیث نعماء اور عطایا الٰہی اور شکر کا اظہار زبان سے کرنے کا نام ہے تحیہ۔

صَلوٰة اس تعظیم اور عبادت کا نام ہے جو زبان، دل اور اعضاء کے اتفاق سے ادا کی جاوے۔ کیونکہ ایک منافق کی نماز جو کہ ریا اور دکھلاوے کی غرض سے ادا کی گئی ہو نماز نہیں ہے۔ نماز بھی ایک تعظیم ہے جس کا تعلق بدن سے ہے۔ بدن کا بڑا حصہ دل اور دماغ ہیں۔ چونکہ زبان نماز کے الفاظ ادا کرنے میں اور دل و دماغ اس کے مطالب و معانی میں غور کر کے توجہ الی اللہ کرنے میں اور ظاہری اعضاء ہاتھ

پاؤں وغیرہ ظاہری حرکات تعظیم کے ادا کرنے میں شریک ہوتے ہیں اور ان سب کے مجموعہ کا نام بدن یا جسم ہے اس لئے بدنی عبادت کا نام صلوٰۃ ہے۔

دل و دماغ خدا کی بزرگی اور حق سبحانہ کی عظمت کا جوش پیدا کرتے ہیں بذریعہ اس کے انعامات اور حسن و احسان میں غور کرنے کے۔ اور پھر اس جوش کا اثر زبان پر یوں ظاہر ہوتا ہے کہ زبان کلمات تعریف و ستائش کہنے شروع کر دیتی ہے اور پھر اس کا اثر اعضا اور ظاہری جوارح پر پڑتا ہے اور ادب و تعظیم کے لئے کمربستہ ہونا' رکوع کرنا' سجود کرنا وغیرہ ظاہری حرکات تعظیم بجالاتے ہیں۔ پھر یہ اثر اسی جگہ محدود نہیں رہتا بلکہ انسان کے مال پر بھی پڑتا ہے اور اس طرح سے انسان اپنے عزیز اور طیب مالوں کو خدا کی رضاجوئی اور خوشنودی کے واسطے بے دریغ خرچ کرتا ہے اور اپنے مال کو بھی اپنے دل و دماغ' زبان اور ظاہری اعضا کے ساتھ شامل و متفق کر کے عبادت الٰہی میں لگا دیتا ہے تو اس کا نام ہے اَلطَّیِّبَات جس کو بالفاظ دیگر یوں بیان کیا گیا ہے۔ مالی عبادات اور یہ بھی صرف اللہ جل شانہ ہی کا حق ہے۔

غرض اَلتَّحِیَّات ۔ اَلصَّلَوَات ۔ اَلطَّیِّبَات ۔ تینوں طرح کی عبادت فقط اللہ جل شانہ ہی کا حق ہے۔ کسی قسم کی عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بات سے غنی ہے کہ کوئی اس کا شریک اور ساجھی ہو۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ قاعدہ کی بات ہے کہ ہر محسن اور مربی کی محبت کا جوش انسان کے دل میں فطرتاً پیدا ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر کیسے کیسے احسان ہیں۔ وہی ہیں جن کے ذریعے ہم نے خدا کو جانا' مانا اور پہچانا۔ وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہمیں خدا کے اوامر و نواہی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی راہیں بذریعہ قرآن شریف معلوم ہوئیں۔ وہی ہیں جن کے ذریعہ سے خدا کی عبادت کا اعلیٰ سے اعلیٰ طریقہ اذان اور نماز ہمیں میسر ہوا اور وہی ہیں جن کے ذریعہ سے ہم اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج تک ترقی کر سکتے ہیں حتیٰ کہ خدا سے مکالمہ و مخاطبہ ہو سکتا ہے۔ وہی ہیں جن کے ذریعہ سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی پوری حقیقت ہم پر منکشف ہوئی اور وہی ہیں جو خدا نمائی کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پر اتنے احسانات اور انعامات ہیں کہ ممکن تھا کہ جس طرح سے اور قومیں اپنے محسنوں اور نبیوں کو بوجہ ان کے انعامات کثیرہ کے غلطی سے بجائے اس کے کہ ان کو خدا نمائی اور خدا شناسی کا ایک آلہ سمجھتے انہی کو خدا بنا لیا اور توحید سکھانے والے لوگوں کو واحد و یگانہ مان لیا اور ان کی تعلیمات کو جو کہ نہایت خاکساری اور عبودیت سے بھری

ہوئی تھیں بھول کر ترک کر دیا اور ان ہی کو معبود یقین کر لیا۔ ہم مسلمان بھی، ممکن تھا کہ ایسا کر بیٹھتے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اور اس امت مرحومہ پر رحم کرنے اور ایسے خطرناک ابتلا سے بچانے کی غرض سے مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ کا فقرہ ہمیشہ کے واسطے توحید الٰہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا جزو بنا کر مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے شرک سے بچالیا۔

بلکہ اسی باریک حکمت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر بھی مدینہ منورہ میں بنوائی، مکہ معظمہ میں نہیں رکھی۔ کیونکہ اگر مکہ معظمہ میں آپ کی قبر ہوتی تو ممکن تھا کہ کسی کے دل میں خیال پرستش آجاتا یا کم از کم دشمن اور مخالف ہی اس بات کا اعتراض کرتے۔ مگر اب مدینہ میں قبر ہونے سے جو لوگ مکہ معظمہ میں جانب شمال سے جانب جنوب منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں تو ان کی پیٹھ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر مبارک کی طرف ہوتی ہے۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے یہ ایک راہ آپ کی قبر کے نہ پوجا جانے اور مسلمانوں کے شرک میں مبتلا نہ ہونے کے واسطے بنا دی۔ غرض اسی طرح سے جن باتوں میں اس بات کا وہم و گمان بھی ہو سکتا تھا کہ کوئی انسان آپ کو خدا بنا لے گا یا آپ کے شریک فی الذات یا صفات ہونے کا گمان بھی جن باتوں سے ممکن تھا ان کا خود اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سچی اور پاک تعلیم میں ایسا بند و بست کر دیا کہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مسلمان اس امر کا مرتکب ہو۔

مگر چونکہ محسن سے محبت کرنا اور گرویدہ احسان ہونا انسانی فطرت کا تقاضا تھا اس واسطے ایک راہ کھول دی کہ ہم آپؐ کے لئے دعا کیا کریں اور اس طرح سے آنحضرتؐ کے مدارج میں ترقی ہوا کرے۔ چنانچہ ہر مسلمان نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے واسطے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ کا پاک تحیہ پیش کرتا ہے اور درد دل سے گداز ہو ہو کر گویا کہ آپ کے احسانات اور مہربانیوں کے خیال سے آپؐ کی ایسی محبت پیدا کر لیتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اس کے سامنے موجود ہیں۔ آپؐ کے حسن و احسانات کے نقش اور مہربانیوں سے آپؐ کا وجود حاضر کی طرح سامنے لا کر مخاطب کے رنگ میں دعا کرتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ۔

بِرکَہ عربی میں تالاب کو کہتے ہیں۔ اس نشیب کا نام ہے جہاں ادھر ادھر کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ مبارك بھی اسی سے نکلا ہے اور برکت بھی اسی میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ آنحضرت کی امت میں ہمیشہ کچھ ایسے پاک لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو آنحضرتؐ کے اصلی اور حقیقی مذہب اور تعلیم توحید کو قائم کرتے اور شرک و بدعات کا جو کبھی امتداد زمانہ کی وجہ سے اسلام میں راہ پا جاویں ان کا قلع قمع کرتے رہیں

گے۔ اور یہ ضروری ہے کہ آپ کی سچی تعلیم و تربیت کا نمونہ ہمیشہ بعض ایسے لوگوں کے ذریعہ ظاہر ہوتا رہے جو امت مرحومہ میں ہر زمانہ میں موجود ہوا کریں۔ چنانچہ قران شریف میں بھی بڑی صراحت سے اس بات کو الفاظ ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِی لَایُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ (النور:۵۶)۔ اسی طرح سے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ کہنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے دین کے سچے خادموں جو صحابہ' اولیاء' اصفیاء' اتقیاء اور ابدال کے رنگ میں آئے اور قیامت تک آتے رہیں گے ان کے واسطے بھی بوجہ ان کے حسن خدمات کے جن کی وجہ سے انہوں نے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر بہت بڑے بھاری احسانات اور انعامات کئے ان کے واسطے بھی دعا کرے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کوئی اس گروہ پاک کی مخالفت کرے گا اور اس کو نظر عزت سے نہ دیکھے گا اور ان کے احکام اور فیصلوں کی پرواہ نہ کرے گا تو وہ فاسق ہو گا۔ بلکہ وہاں تک جہاں تک تعظیم الٰہی اور تعظیم کتاب اللہ اور تعظیم رسول اللہ اجازت دیتی ہو اس گروہ کا ادب و عزت کرنی اور اس خیل پاک کے حق میں دعائیں کرنے کا حکم قرآن شریف سے ثابت ہے۔ چنانچہ آیت ذیل میں اس مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (الحشر:۱۱)۔ غرض اپنے پہلے بزرگوں اور خادمان اسلام و شریعت محمدیہ کے واسطے دعائیں کرنا اور ان کی طرف سے کوئی بغض و کینہ' غل و غش دل میں نہ رکھنا' یہ بھی ایمان [illegible] ایمان کی سلامتی کا ایک نشان ہے۔ پس انسان کو مرنج و مرنجان ہونا چاہئے اور خدا کی باریک در باریک حکمتوں اور قدرتوں پر ایمان لانا چاہئے اور کسی سے بھی بغض و کینہ دل میں نہ رکھنا چاہئے۔ خدا کی شان ستاری سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جن کو تمہاری نظریں برا اور بدخیال کرتی ہیں اسے توبہ کی توفیق مل جاوے۔ اَللّٰہُ اَفْرَحُ بِتَوْبَۃِ الْعَبْدِ خدا اپنے بندوں کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے اس سے بھی بڑھ کر جس کا کسی ویران اور بھیانک وسیع جنگل میں سامان خور و نوش ختم ہو جاوے اور اس لئے اسے ہلاکت کا اندیشہ ہو مگر پھر اسے سامان میسر آجاوے۔ جس طرح وہ شخص خوش ہو گا اس سے بھی کہیں بڑھ کر خدا اپنے بندوں کی توبہ سے خوش ہوتا ہے۔ پس کسی کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ خدا نکتہ نواز بھی ہے اور نکتہ گیر بھی۔ ممکن ہے کہ جسے تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو اسے

توبہ کی توفیق مل جاوے اور دوسرا اپنے کبر کی وجہ سے راندۂ درگاہ اور ہلاک ہو جاوے۔ بعض بدیاں حبطِ اعمال کا موجب ہو جاتی ہیں او بعض اعمال جہنم میں لے جاتے ہیں۔ تمام صالحین کے واسطے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔ ان کے احسانات اسلام اور مسلمانوں پر بہت کثرت سے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ دین اور یہ کتاب' یہ سنت' یہ نماز و روزہ ہم تک پہنچانے کے واسطے کس طرح اپنی جانیں خرچ کر دیں۔ خون پانی کی طرح بہا دیئے۔ اپنے نفسوں پر آرام اور نیند حرام کر لی۔ کتنے بڑے بڑے سفر پاپیادہ اس مشکلات کے زمانہ میں کئے۔ ایک ایک حدیث کی تحقیقات اور اس کے راوی کے منہ سے سننے کے واسطے سینکڑوں کوسوں کے ناقابل گزر اور دشوار گزار سفر انہوں نے کئے۔ پس ان کے احسانات' ان کی مساعی جمیلہ' کوششوں' محنتوں اور جانفشانیوں کو نظر کے سامنے رکھ کر ان کے واسطے دردمند دل سے تڑپ تڑپ کر دعائیں کرو۔ اگر ان کی ایسی محنتیں اور کوششیں نہ ہوتیں اور وہ بھی ہماری طرح سست اور کاہل ہوتے تو غور کرو کہ کیا اسلام موجودہ حالت میں ہو سکتا تھا اور ہم مسلمان کہلانے کے مستحق ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ پس ان کے واسطے دعائیں کرنا اور نماز میں ان کے حقوق ادا کرنے کا جزو ہونا بھی لازمی اور ضروری تھا بلکہ از بس ضروری تھا۔ کیونکہ مَن لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ (ابوداؤد۔ کتاب الادب)۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی عبادت کرنے والا اور اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی پرواہ نہ کرنے والا ہونا اور پھر نبوت اور کتب پر ایمان لانے والا بننا چاہئے۔

خطبہ ثانیہ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

یہ الفاظ جو ہم نماز میں پڑھتے ہیں ان کا نام ہے درود۔ واقع میں اگر ہم اللہ کے پورے بندے اور عابد اور تعظیم کرنے والے ہیں اور مخلوق پر شفقت اور رحم کرنے والے علوم اور عقائد سے خوشحال ہوں تو یہ سب فیضان اور احسان حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ آپؐ کے دل کے درد اور جوش نہ ہوتے تو قرآن کریم جیسی پاک کتاب کا نزول کیسے ہوتا۔ آپ کی مہربانیاں اور توجہات اور محنتیں اور تکالیف شاقہ نہ ہوتے تو یہ پاک دین ہم تک کیسے پہنچ سکتا۔ آپؐ نے یہ دین ہم تک پہنچانے کی غرض سے خون کی ندیاں بہا دیں اور ہمدردی خلق کے لئے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالا۔ تو پھر غور کا مقام ہے

کہ جب ادنیٰ ادنیٰ محسنوں سے ہمیں محبت پیدا ہو جانا ہماری فطرت سلیم کا تقاضا ہے تو پھر آنحضرت کی محبت کا جوش کیوں مسلمان کے دل میں موجزن نہ ہو گا۔

درود بھی درد سے ہی نکلا ہوا ہے یعنی خاص درد' سوز و گداز اور رقت سے خدا کے حضور التجا کرنی کہ اے مولا! تو ہی ہماری طرف سے خاص خاص انعامات اور مدارج آنحضرت کو عطا کر۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں اور کس طرح سے آپ کے احسانات کا بدلہ دے سکتے ہیں بجز اس کے کہ تیرے ہی حضور میں التجا کریں کہ تو ہی آپ کو ان سچی محنتوں اور جانفشانیوں کا سچا بدلہ جو تو نے آپ کے واسطے مقرر فرما رکھا ہے اور وعدہ کر رکھا ہے' وہ آپ کو عطا فرما۔ انسان جب اس خاص رقت اور حضور قلب اور تڑپ سے گداز ہو ہو کر آپ ؐ کے واسطے دعائیں کرتا ہے تو آنحضرت کے مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور خاص رحمت کا نزول ہوتا ہے اور پھر اس دعاگو درود خواں کے واسطے بھی اوپر سے رحمت کا نزول ہوتا ہے اور ایک درود کے بدلے دس گنا اجر اسے دیا جاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت کی روح اس درود خواں اور آپ کی ترقی مدارج کے خواہاں سے خوش ہوتی ہے اور اس خوشی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کو دس گنا اجر عطا کیا جاتا ہے۔ انبیاء کسی کا احسان اپنے ذمے نہیں رکھتے۔ فقط۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۴---۲ر اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۳-۴)

2

۲۰ مارچ ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَ لَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَاتَفَرَّقُوْا وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (ال عمران:۱۰۳-۱۰۴)۔

اور پھر فرمایا:۔

قرآن کریم کی ان آیات میں اصل الاصول اس آخری فیضان کا جو آخری حد اور کمال پر پہنچا ہوا ہو بیان کیا گیا ہے۔ نیکی کا نتیجہ خدا کا فیضان ہوتا ہے۔ سو ان آیات میں نیکی اور پھر اس کے فیضان کے اصل الاصول کا بیان ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان کے بابرکت بنانے کے واسطے انسان کو یوں خطاب کرتا ہے کہ تقویٰ کرو اور تقویٰ بھی

ایسا کہ جو حق تقویٰ ہو اور مومن متقی بن جاؤ۔

ایمان اور تقویٰ کی سچی بنا اور اصلی جڑ عقائد صحیحہ ہیں۔ سو انسان کا فرض ہے کہ تکمیل ایمان اور تقویٰ کے لئے ان عقائد صحیحہ کی تلاش اور جستجو کرے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ نے قران شریف کی ایک آیت میں بیان فرما دیئے ہیں جہاں فرمایا ہے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ (البقرہ:۱۷۸) تقویٰ کی جڑ اور بنیاد سچے عقائد ہیں۔ اور ان کی جڑ کی بھی جڑ کیا ہے اٰمَنَ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کہ وہ ہر بدی سے منزہ اور کل صفات کاملہ کا مالک اور حقیقتاً وہی معبود، مقصود اور مطلوب ہے۔ اس کے اسماء، افعال، اور صفات پر کامل ایمان لانا۔ اور کہ وہ نیکی سے خوش اور بدی سے ناراض ہو کر نیکی کے عوض انعامات اور بدیوں پر سزا دینے والا اور قادر مقتدر ہستی ہے۔ وہ رب ہے، رحمٰن ہے، رحیم ہے، مالک یوم الدین ہے۔ غرض انسان اس طرح سے جب حقیقی طور سے اللہ کی صفات سے آگاہی حاصل کر کے ان پر کامل ایمان لاتا ہے تو پھر ہر بدی سے بچنے کے واسطے اس کو جناب الٰہی سے ایک راہ عطا کی جاتی ہے جس سے بدیوں سے بچ جاتا ہے۔ فطرت انسانی میں یہ امر روز ازل سے ودیعت کر دیا گیا ہے کہ انسان جس چیز کو اپنے واسطے یقیناً مضر جانتا ہے اس کے نزدیک تک نہیں جاتا۔ بھلا کبھی کسی نے کسی سلیم الفطرت انسان کو کبھی جان بوجھ کر آگ میں ہاتھ ڈالتے یا آگ کے انگارے کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ یا کوئی شخص اس حالت میں کہ اس کو اس امر کا وہم ہی ہو کہ اس کے کھانے میں زہر کی آمیزش ہے، اس کھانے کو کھاتے دیکھا ہے؟ یا کبھی کسی نے ایک کالے سانپ کو حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس کے دانت نہیں توڑے گئے اور اس میں زہر اور کاٹنے کی طاقت موجود ہے، کسی کو ہاتھ میں بے خوف پکڑنے کی جرات کرتے دیکھا ہے؟ یاد رکھو کہ اس کا جواب نفی میں ہی دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ امر فطرت انسانی میں مرکوز ہے کہ جس چیز کو یہ ضرر رساں یقین کرتا ہے اس کے نزدیک نہیں جاتا اور حتی الوسع اس سے بچتا رہتا ہے۔ تو پھر غور کا مقام ہے کہ جب انسان خدا پر کامل یقین رکھتا ہو اور اس کی صفات سے خوب آگاہ ہو اور یہ بھی یقین رکھتا ہو کہ خدا نیکی سے خوش اور بدی سے ناراض ہوتا ہے اور سخت سے سخت سزا دینے پر قادر ہے اور سزا دیتا ہے اور یہ کہ گناہ حقیقت میں ایک زہر ہے اور خدا کی نافرمانی ایک بھسم کر دینے والی آگ ہے اور اس کو آگ کے جلانے پر اور زہر کے ہلاک کر دینے پر اور سانپ کے کاٹنے سے مرجانے پر جیسا ایمان ہے اگر ایسا ہی ایمان خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنے پر خطرناک عذاب اور ہلاکت و عذاب کا یقین ہو تو کیونکر گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور کیونکر خدا کی نافرمانی کے انگارے کھائے جا سکتے ہیں۔ دیکھو انسان اپنے مربی، دوست، یار، آشنا اور کسی طاقتور با

اختیار حاکم کے سامنے کسی بدی اور گناہ کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور گناہ کرتا ہے تو چھپ کر کرتا ہے' کسی کے سامنے نہیں کرتا۔ تو پھر اگر اس کو خدا پر اتنا ایمان ہو کہ وہ غیب در غیب اور پوشیدہ در پوشیدہ انسانی اندرونہ اور وسوسوں کو بھی جانتا ہے اور یہ کہ کوئی بدی خواہ کسی اندھیری سے اندھیری کوٹھڑی میں جا کر کی جاوے اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہ کہ وہ انسان کا بڑا مربی' رب' محسن' اور احکم الحاکمین ہے تو پھر انسان کیوں گناہ کی جگرسوز آگ میں پڑ سکتا ہے۔

پس ان باتوں میں غور کرنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ انسان کو خدا اور اس کی صفات اور افعال اور علیم و خبیر اور ہر بات سے واقف ہونے اور قادر مقتدر اور منتقم' شدید البطش ہونے پر ایمان نہیں۔ ہر بدی خدا کی صفات سے غافل ہونے کی وجہ سے آتی ہے۔

صفات الٰہی پر ایمان لانے کی کوشش کرو۔ انسان اگر خدا کے علیم' خبیر اور احکم الحاکمین ہونے پر ہی ایمان لاوے اور یقین جانے کہ میں اس کی نظر سے کسی وقت اور کسی جگہ بھی غائب نہیں ہو سکتا تو پھر بدی کہاں اور کیسے ممکن ہے کہ سرزد ہو۔ غفلت کو چھوڑ دو کیونکہ غفلت گناہوں کی جڑ ہے۔ ورنہ اگر غفلت اور خدا کی صفات سے بے علمی اور بے ایمانی نہیں تو کیا وجہ ہے کہ خدا کو قادر مقتدر اور احکم الحاکمین' علیم و خبیر اور اخذ شدید والا مان کر اور اور یقین کر کے بھی اس سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ حالانکہ اپنے معمولی دوستوں' آشناؤں' حاکموں اور شرفا کے سامنے' جن کا نہ علم ایسا وسیع اور نہ ان کی طاقت اور حکومت خدا کے برابر' ان کے سامنے بدی کا ارتکاب کرتے ہوئے رکتا ہے اور خدا سے لاپرواہ ہے اور اس کے سامنے گناہ کئے جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ صرف ایمان کی کمی اور صفات الٰہی سے غفلت اور لاعلمی ہے۔

پس یقین جانو کہ اللہ اور اس کے اسماء اور صفات پر ایمان لانے سے بہت بدیاں دور ہو جاتی ہیں۔ پھر انسان کی فطرت میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ انسان اپنی ہتک اور بے عزتی سے ڈرتا ہے اور جن باتوں میں اسے اپنی بے عزتی کا اندیشہ ہوتا ہے ان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ پس غور کرنا چاہئے کہ دنیا میں اس کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اپنے گھر میں یا محلے میں یا گاؤں یا شہر میں یا اگر بہت ہی مشہور اور بہت بڑا آدمی ہے تو ملک میں بدنام ہو سکتا ہے۔ مگر قیامت کے دن جہاں اولین و آخرین' خدا کے کل انبیاء' اولیا' صحابہ اور تابعین اور کل صالح اور متقی مسلمان بزرگ' باپ دادا و پڑدادا وغیرہ اور ماں' بہن' بیوی' بچے غرض کل اقرباء اور پھر خود ہمارے سرکار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم موجود ہوں تو ذرا اس نظارے کو آنکھوں کے سامنے رکھ کر اس ہتک اور بے عزتی کا خیال تو کرو اور اس نظارے کو

ہمیشہ آنکھ کے سامنے رکھو اور پھر دیکھو تو سہی کیا گناہ ہونا ممکن ہے؟ جب انسان ذرا سی بے عزتی اور معدودے چند آدمیوں میں ہتک کے باعث ہونے والے کاموں سے پرہیز کرتا ہے اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں میری، ہتک نہ ہو جاوے تو پھر جس کو اس نظارے کا ایمان اور یقین ہو جس کا نام یوم الآخرۃ ہے تو بھلا اس سے بدی کہاں سرزد ہو سکتی ہے؟ پس یوم الآخرۃ پر ایمان لانا بھی بدیوں سے بچاتا ہے۔

تیسرا بڑا ذریعہ نیکی کے حصول و توفیق اور بدی سے بچنے کا ایمان بالملائکہ ہے۔ ہر نیکی کی تحریک ایک ملك کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس تحریک کو مان لینے سے اس ملك کو اس ماننے والے سے انس اور محبت پیدا ہو جاتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تعلق گہرا ہو جاتا ہے اور اس طرح سے ملائکہ کے نزول تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ پس چاہئے کہ انسان کے دل میں جب کوئی نیکی کی تحریک پیدا ہو تو فوراً اس کو مان لے اور اس کے مطابق عمل درآمد کرے اور اس پر اچھی طرح سے کاربند ہو جاوے۔ ورنہ اگر اس موقع کو ہاتھ سے دے دے گا تو پچھتانا بے سود ہو گا۔ بعض لوگ پچھتاتے ہیں کہ فلاں وقت اور موقع کیسا اچھا تھا۔ یہ کام ہم نے کیوں اس وقت نہ کر لیا۔ پس نیکی کی تحریک کا موقع فرصت اور وقت مناسب اور نیک فال سمجھ کر فوراً مان لینا چاہئے۔ اس طرح سے نیکی کی توفیق بڑھتی جاتی ہے اور انسان بدیوں سے دور ہوتا جاتا ہے۔

پھر اس بات کا اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل رضامندی اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ صرف کتب الٰہی اور انبیاء ہیں۔ خدا کے مقدس رسولوں کی پاک تعلیم اور کتب الٰہیہ کی سچی پیروی کے سوا خدا کی رضامندی ممکن ہی نہیں۔ خدا کی پہچان اور اس کی ذات' صفات اور اسماء کا پتہ خدا کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے بغیر لگ ہی نہیں سکتا۔ خدا کے اوامر و نواہی اور عبادت و فرمانبرداری کے احکام معلوم کرنے کا ذریعہ کتب الٰہیہ ہی ہیں جو خدا کے پاک رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہیں۔

غرض انسان کے عقائد درست ہوں تو فروعات خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ انسان کو لازم ہے کہ اصل الاصول پر توجہ کرے۔ فروعات تو ضمنی امور ہیں۔ اور اصول کے ماتحت غور کر کے دیکھو کہ جس انجمن' جس کمیٹی اور سوسائٹی نے صرف فروعات میں کوشش کی ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوئی۔ دیکھو اگر جڑ ہی خشک ہو تو پتوں کو پانی میں تر کرنے سے کیا فائدہ۔ جڑ سیراب ہونی چاہئے' درخت مع اپنے تمام شاخوں اور پتوں کے خود بخود سرسبز و شادات ہو جاوے گا اور ہرا بھرا نظر آنے لگے گا۔ ورنہ اگر جڑ ہی قائم نہیں تو پتوں اور شاخوں کو خواہ پانی میں ہی کیوں نہ رکھو وہ ہرگز ہرگز ہری بھری نہ ہوں گی بلکہ دن بدن خشک ہوتی جاویں گی۔

پس تم عقائد کی طرف توجہ کرو۔ دیکھو امام صاحب کے دل میں جماعت کی خیر خواہی اور بہتری کے ہزاروں ہزار خیالات بھرے ہیں۔ ساٹھ یا ستر کے قریب کتب موجود ہیں مگر سامنے جو بات پیش کی ہے وہ صرف ایک مختصر اور پر معانی چھوٹی سی بات ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ حضرت امام علیہ السلام نے بھی اسی قرآنی اصول کو ہاتھ میں رکھ کر یہ مختصر سا فقرہ تمہارے سامنے رکھا ہے۔ اگر اصل قوی ہاتھ میں آجاوے تو فروعات خود سنور جاتے ہیں اور انسان ہر قسم کی نادانی' جہالت' گناہ اور بدکاری سے مضائقہ کرنے لگ جاتا ہے۔ ہر کام میں سوچے گا کہ آیا میں دین کو مقدم کر رہا ہوں یا دنیا کو۔ حکام کے سامنے مقدمات میں بڑے بڑے گھبرا دینے والے مصائب ہیں' شادی میں' غم میں' رسم میں' رواج میں' خویش و اقارب میں' دوستی میں' دشمنی میں' لین میں' دین میں غرض اپنے کل کاموں میں دیکھنا پڑے گا کہ آیا میں دنیا کو دین پر تو مقدم نہیں کر رہا؟ تو اس طرح سے ہر بدی دور ہو جاوے گی اور دین مقدم ہو جاوے گا جو سراسر رشد اور سرتاپا نور ہے۔

دیکھو اگر کسی کے چہرے پر ذرا سا نشان پھلبہری کا نمودار ہو جائے تو اس کے والدین' خویش' اقارب یا دوستوں کو کیسے کیسے فکر لگ جاتے ہیں۔ علاج کے واسطے کہاں سے کہاں تک پہنچتے ہیں۔ کتنا روپیہ خرچ کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ خرچ برداشت کرتے ہیں۔ وقت صرف کرتے ہیں۔ مشکل سے مشکل تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ مگر کیوں؟ صرف اس لئے کہ تا اس چند روزہ دنیوی زندگی میں تکلیف نہ ہو۔ لیکن اگر فکر نہیں اور بے فکری اور لاپرواہی ہے تو کس بات کی؟ صرف دین کی۔ نہیں خرچ کرتے تو کس کے لئے؟ دین کے لئے۔ مرتد ہو جاوے' نماز نہ پڑھے' خدا سے غافل نہ ہو' منکر ہو اس کی پرواہ نہیں۔ چند روزہ زندگی کے واسطے تو اتنی فکر ہے۔ فکر نہیں تو کس کا؟ لازوال اور ابدالآباد زندگی کا۔

پس یہ زمانہ بلحاظ اپنی پرفتن حالت کے اسی امر کا متقاضی تھا کہ کوئی مرد خدا ایسا آتا جو دین کو مقدم کرنے کا عہد لیتا۔ اس مرض کی یہ دوا تھی اور اس وقت کے مناسب حال یہی تعلیم۔

میں نے ایک شخص کو نصیحت کی کہ تم قرآن شریف بھی پڑھا کرو آخر وہ بھی خدا کی ایک چٹھی ہے۔ تو جواب میں بلا تامل یوں کہا کہ پھر کوئی نہایت اعلیٰ قسم کی عمدہ اور میری شان کے شایان حمائل عطا کر دیجئے۔ جائے غور ہے کہ آخر اپنی دیگر ضروریات دنیوی کے واسطے بھی تو ہزاروں روپے خرچ کرتا تھا اگر ایک یا دو روپے خرچ نہیں کر سکتا تھا تو کس کے لئے؟ دین کے لئے۔

غرض دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا ایک اصل ہے جو حضرت امامؑ نے ہمارے ہاتھ میں دیا ہے۔ کام میں' کاج میں' سونے میں' جاگنے میں' کھانے میں' پینے میں' لباس میں' پوشاک میں' گھر میں' باہر میں'

عادات میں، رسم و رواج میں، شغل میں اور بے کاری میں، شادی میں، غم میں، لین دین میں غرض اپنے کل کاروبار میں اسی اصل کو نصب العین رکھو اور جانچتے رہو کہ دنیا مقدم ہے یا کہ دین۔ پھر ولایت کا کونسا درجہ ہے جس کو تم حاصل نہیں کر سکتے۔

دیکھو تم جو اس وقت اس جگہ موجود ہو عمروں میں مختلف ہو۔ بلحاظ قوم کے آپس میں بڑے بڑے اختلاف ہیں۔ رسوم و رواج، عادات، تعلیم و تربیت، خیالات، امنگیں بالکل مختلف ہیں۔ عزت اور مرتبوں کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ پھر باوجود ان اختلافات کے گرمی ہے اور پھر قحط کی مصیبت ہے۔ ان سب مشکلات کے ہوتے ہوئے پھر ایک بگل بجنے سے تم کیسے یکدم جمع ہو گئے ہو۔ ذرا اس میں غور تو کرو۔ اسی طرح سے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے واسطے بھی اس طرح یکجا کوشش کرو۔ دعا کرو کہ باوجود ہر قسم کے اختلاف کے وحدت کی روح پھونکی جاوے اور بغض، کینے، عداوتیں سب دور ہو کر باہمی محبت اور ملاپ پیدا ہو جاوے۔ تکلیف میں صبر اور استقلال نصیب ہو جاوے۔ سوء ظنی آپس میں اور خدا کی ذات پر دور ہو جاوے۔ مصائب اور شدائد میں خدا کے ساتھ صلح ہو جاوے۔ غرض دعاؤں سے کام لو اور وحدت مانگو تا وحدت کے فیوض سے بھی مستفید ہو سکو۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ دیکھو قادیان کی زبان، یہاں کا لباس، یہاں کا کوئی منظر یا کوئی فضا اس نواح کے لوگوں کے اخلاق وعادات یا رسم و رواج کچھ بھی ایسا دلچسپ ہے جس سے لوگ اس طرح اس کے گرویدہ ہو کر اور دور سے اس طرح سمٹ آتے جیسے پروانے شمع پر؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ میرے خیال میں تو یہ بھی ایک وادی غیر ذی زرع ہے۔ اس وادی غیر ذی زرع میں زبان کا کمال تو تھا مگر یہاں تو وہ بھی نہیں۔ وہاں جتھا تھا جو ایک خوبی ہے، یہاں یہ بھی تو نہیں۔ صرف ایک آواز ہے جو خدا کے ایک برگزیدہ انسان نے خدا سے نصرت اور تائید کے الہام پا کر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کی دلکش دلآویز اور سریلی راگنی گائی اور تم نے اس کو سن کر قبول کیا۔ پس اسی طرح اپنی آخرت کے واسطے بھی زاد راہ تیار کرنے میں سر توڑ کوششیں کرو۔ اور اس کے واسطے دعاؤں اور ہاں دردمندانہ دعاؤں سے سامان مہیا ہوں گے اور توفیق عطا کی جاوے گی۔

دیکھو قاعدہ کی بات ہے کہ انسان جب کسی امام سے یا پیرو مرشد سے تعلق کرتا ہے تو سوچتا ہے کہ مجھے اس سے کیا فائدہ ہوا؟ اور اس کو مجھ سے کیا نفع ہوا؟ سو اگر ان لوگوں کے ساتھ جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں اگر اول ہی اول بڑے بڑے لوگ شامل ہو جاویں تو وہ جب غور کریں کہ اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچا تو معاً ان کے دلوں میں یہ خیال آجاتا ہے کہ ہمیں تو جو فائدہ ہوا سو ہوا مگر اس پر

ہمارے بڑے بڑے احسان ہیں۔ ہماری وجہ سے اس کو عزت ملی' ہمارے مالوں سے اس کے سارے کام نکلے' ہماری وجہ سے اس کو شہرت نصیب ہوئی۔

غرض اس طرح سے وہ سلسلہ پر اپنا احسان رکھتے ہیں۔ اس واسطے خدا جو کہ قادر مقتدر ہستی اور رب العالمین ہے اس نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ مامورین اور مرسلوں کے ساتھ ابتداء میں معمولی اور غریب لوگ ہی شامل ہوا کرتے ہیں اور جتنے اکابر اور بڑے بڑے مدبر کہلانے والے ہوتے ہیں وہ ان کے مقابل میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں تا کہ وہ اپنی سفلی کوششیں ان کے نابود کر دینے میں صرف کر لیں اور اپنے سارے زوروں سے ان مرسلوں کی بیخ کنی کے منصوبے کر لیں۔ پھر ان کو ذلیل اور پست کر دیا جاتا ہے اور خدا کے بندوں کی فتح اور نصرت ہوتی ہے اور وہی آخر کار کامیاب اور مظفر و منصور ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی خدائی سلسلہ پر احسان نہ رکھے۔ بلکہ خدا کی قدرت نمائی اور ذرہ نوازی کا ایک بین ثبوت ہو کر ان مومن ضعفاء کے دلوں میں ایمانی ترقی ہو اور ان کے دلوں میں خدا کے عطایا' اس کی قدرتوں اور کرموں کے گن گانے کے جوش پیدا ہوں۔

پس تم اس خیال کو کبھی بھی دل میں جگہ نہ دو کہ اکابر اور بڑے بڑے مالدار اور رؤساء عظام تمہارے ساتھ نہیں ہیں۔ اگر تم ذلیل ہو تو تم سے پہلے بھی کئی گروہ تمہاری طرح کے ذلیل گزرے ہیں مگر آخر کار کامیابی کا تمغہ ایسے پاک اور مومن ذلیلوں ہی کو عطا کیا جایا کرتا ہے۔

دیکھو موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون کیسا زبردست اور جبروت والا بادشاہ تھا مگر خدا نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (القصص:٦) کس طرح سے ان ضعیف اور کمزور لوگوں کو اپنے احسان سے امام اور بادشاہ بنا دیا۔ دیکھو یہ باتیں صرف کہنے ہی کی نہیں بلکہ عمل کرنے کی ہیں۔ عمل کے اصول کے واسطے کہنے والے پر حسن ظن ہونا ضروری اور لازمی امر ہے۔ اگر دل میں ہو کہ کہنے والا مرتد' فاسق و فاجر ہے' منافق ہے تو پھر نصیحت سے فائدہ اٹھانا معلوم اور عمل کرنا ظاہر۔ بعض اوقات شیطان اس طرح سے بھی حملہ کرتا ہے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیتا ہے کہ دل میں نصیحت کرنے والے کے متعلق بدظنی پیدا کر دیتا ہے۔ پس اس سے بچنے کے واسطے بھی وہی ہتھیار ہے جس کا نام دعا' دردمند دل کی اور سچی تڑپ سے نکلی ہوئی دعا ہے۔

عقائد صحیحہ کے ساتھ مال کا انفاق بھی ضروری ہے۔ خیرات کرنا' قریبیوں' رشتہ داروں پر۔ یتیم بچوں کو دینا۔ مسکینوں اور مسافروں کو دینا۔ سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں خرچ کرنا۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے

لئے مال عزیز خرچ کرنا۔ نمازیں باقاعدہ اخلاص اور ثواب کے ماتحت ادا کرنی اور ایک مقررہ حصہ اپنے مال میں سے الگ کرنا جس کا نام زکوٰۃ ہے۔ رنج میں' مصائب میں' شدائد میں' مقدمات میں' غربت میں' صبر اور استقلال سے قدم رکھنے والے یہی خدا کو پیارے ہیں۔ انہی کا نام خدا نے صادق رکھا ہے۔ اور یہی متقی ہیں۔

ایک ہو جاؤ اور وحدت کا رنگ چڑھ جاوے۔ یہاں آنیوالوں کے واسطے نہایت ضروری ہے کہ ایک دوسرے سے میل ملاپ کریں۔ پتہ مقام دریافت کریں۔ نام ونشان پوچھیں اور آپس میں تعارف حاصل کریں۔ یہ بھی ایک راہ ہے وحدت کے پیدا ہونے کی۔

اور اگر کوئی کہے چلو جی! ہمیں کیا ہم تو ہیں پنجاب کے اور یہ ہیں ہندوستان کے اس سرے کے' ہم تو آپس میں ملیں بیٹھیں' اوروں سے کیا غرض وغایت؟ تو وہ نادان نہیں سمجھتا کہ یہ امر وحدت کے متضاد ہے۔ بلکہ چاہئے کہ ہر ایک یہاں کے آنیوالے کے نام ونشان سے بخوبی واقفیت اور آگاہی ہو۔ اور ایک دوسرے کے حالات پوچھے جاویں۔ اسی طرح سے تعلق ہو جاتے ہیں۔ خدا کی طرف سے آنیوالے وحدت چاہتے ہیں۔ اخوان کے معنے اور مفہوم بھی یہی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو جاننے پہچاننے والے ہوں۔ تعارف کو بڑھانا چاہئے۔

خدا تمہاری محنتوں' محبتوں' جانفشانیوں کو رحم سے دیکھے اور قبول کرے اور آخر تک استحکام اور استقلال بخشے۔ یہاں تک کہ کوچ کا وقت آجاوے اور تم اپنے اقرار کے پورے پکے رہنے والے ہو اور اللہ کی رضا کے حاصل کرنے والے اور مقدم کرنے والے بنو۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ

بات کا موقع تو کم ہے۔ آپ لوگوں کے آج یہاں پر آجانے کا تو ہمیں وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اللہ ہی نے یہ ایک موقع نکال دیا ہے اور یہ اس کی خاص حکمت ہے۔ میں فروعات کے جھگڑوں کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے ایک بات آپ سے کہنی ہے اور وہ یہ ہے کہ سننے والے اس وقت میرے سامنے کچھ بچے ہیں' کچھ جوان' کچھ ادھیڑ ہیں اور کچھ بوڑھے ہیں۔ سب کو یہ بات سناتا ہوں کہ میرا بھی تجربہ ہے اور محبت اور بھلائی کی خاطر اور بہتری کی امید سے میں نے مناسب سمجھا کہ سنادوں۔

یاد رکھو کہ ابتدا کی عادات لڑکپن اور جوانی کی بدعادتیں ایسی طبیعت ثانی بن جاتی ہیں کہ آخر ان کا نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ پس ابتداء میں دعا کی عادت ڈالو اور اس ہتھیار سے کام لو کہ کوئی بدعادت بچپن

میں نہ پڑ جاوے۔ بڑے بڈھے اپنی اولاد کے واسطے دعائیں کریں اور لڑکے اور جوان اپنے واسطے آپ کریں کہ ابتدا میں عادات نیک ان کو نصیب ہوں۔ بعض وقت دیکھا ہے کہ بڑے بڑے عباد' زہاد اور صلحاء کے ساتھ ساتھ وہ بچپن کی عادات چلی جاتی ہیں۔

دیکھو! جھوٹ بولنا' چوری کرنا' بدنظری کرنا' بے جا ہنسی مذاق اور ٹھٹھا کرنا غرض کل بدعادتیں ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے اور دعا سے کام لینا چاہئے۔ جوں جوں عمر پختہ ہوتی جاتی ہے توں توں بدعادات بھی راسخ ہوتی جاتی ہیں۔ بعض اوقات دل میں ایک شیطانی وسوسہ آجاتا ہے کہ چلو جی جہاں اور اتنی نیکیاں ہیں ایک بدی بھی سہی۔ خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ اس کے فریب میں مت آنا اور ابتدا ہی سے ان بدیوں کے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش اور سرتوڑ سعی کرتے رہنا چاہئے اور ان باتوں کے واسطے عمدہ علاج دعا' استغفار' لاحول اور الحمد شریف کا پڑھنا اور صحبت صالحین ہے۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲---۲۶ر مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ تا ۷)

☆-☆-☆-☆

۲۵ر مارچ ۱۹۰۸ء

مسجد اقصیٰ قادیان

خطبہ نکاح

خطبہ مسنونہ کی آیات پڑھنے کے بعد فرمایا:

یہ چند آیتیں اس غرض کے لئے پڑھی گئی ہیں کہ ان کا پڑھا جانا خطبہ نکاح کے موقع پر ایک سنت متوارثہ ہے۔ میں نے بارہا اس امر کا ذکر بوضاحت کیا ہے کہ ہر مسلمان کا عربی زبان کے ساتھ کسی قدر تعلق نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کتاب تمام دنیا کی ہدایت کے واسطے لائے وہ بھی عربی میں ہے۔ یعنی خدائی احکام اور ہمارے مولا کی چٹھی جس میں اس نے ہمارے کل دینی اور دنیوی امور کا مفصل ذکر فرما دیا ہے اور اپنی خوشنودی اور رضا کی راہیں بھی اس میں درج فرمائی ہیں وہ بھی عربی میں ہے۔ پھر وہ آواز جس کے ذریعہ سے ہمیں نماز کی طرف بلایا جاتا ہے یعنی اذان وہ بھی عربی میں ہے۔ نماز جو کہ عبادت الٰہی کا ایک مکمل اور بے نظیر طریقہ ہے اور جس میں شفقت علیٰ خلق اللہ کا پورا سبق موجود ہے اور گویا کہ وہ معراج المومنین ہے اس کا بھی بڑا حصہ عربی زبان میں ہی ہے۔ اگرچہ ماثورہ دعاؤں کے بعد اور دعاؤں کے واسطے ہر زبان میں اجازت ہے۔ الحمد شریف کا پڑھا جانا ہر نماز میں نہایت ضروری اور لازمی لکھا گیا ہے اور وہ بھی عربی زبان میں ہے۔ خطبہ نکاح میں بھی چند

آیات اور فقرے عربی زبان کے لازمی طور سے رکھے گئے ہیں۔ تو ان باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ کے دل میں جہاں وحدت کی روح پھونکنے کے واسطے اور ذرائع کا استعمال کرنا تھا وہاں منجملہ ان ذرائع کے تعلیم عربی بھی تھی۔ بہت سے اختلاف صرف عربی زبان کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ غرض وحدت قومی کے پیدا کرنے کا ایک بڑا بھاری ذریعہ زبان عربی سے واقفیت حاصل کرنا بھی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اگر انسان صرف اتنے حصہ زبان کے الفاظ کو ہی اچھی طرح سمجھ لے جو مسلمانوں میں روزمرہ کے بول چال مین مروج ہیں تو بھی ایک حصہ قرآن شریف کا جو ذکر کے متعلق ہے اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ مگر خدا جانے کیا وجہ ہے کہ کیوں لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے؟ انگریزی جیسی دور دراز ملک کی زبان اور پشتو جیسی جوشیلی زبان' پنجابی جیسی مشکل اور کشمیری جیسی نرم زبان سے کہہ لیتے ہیں مگر نہیں سیکھنے کی کوشش کرتے اور نہیں دلچسپی پیدا کرتے تو کس زبان سے؟ قرآن اور رسول پاک کی پیاری اور دلربا زبان سے۔

اب چونکہ نماز ظہر کا وقت ہے اور نیز بارہا ایسے مضامین سننے کا آپ لوگوں کو موقع ملتا رہا ہے اس واسطے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نکاح کی اجازت بابو غلام حسن صاحب نے جو کہ لڑکی کے والد اور ولی ہیں مجھے بذریعہ ایک خط کے دی ہے جس میں انہوں نے لڑکی کی طرف سے بھی قبولیت بذریعہ تحریر بھیجی ہے۔ اس طرح کی تحریر سے ان کے اس شوق کا اظہار ہوتا ہے جو ان کو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے واسطے ہے۔ چوہدری حاکم علی صاحب بھی اور بابو غلام حسن صاحب بھی' جہاں تک میرا علم ہے' دونوں حضرت اقدس کے بہت بڑے مخلص اور خادم ہیں۔ مبارک ہیں وہ نکاح جو حضرت مسیح کے حضور پڑھے جاویں اور جن کی بہتری اور بابرکت ہونے کے واسطے مسیح موعود کے ہاتھ خدا کے حضور میں التجا کے واسطے پھیلیں۔ ایجاب و قبول اور دعا کی گئی۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۳----۳۰, مارچ ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۳؍ اپریل ۱۹۰۸ء

مسجد اقصیٰ قادیان

خطبہ جمعہ

اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسْلِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ (ترمذی کتاب الدعوات)۔

متواتر کئی جمعوں سے میں یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ انسان کو نماز کس طرح سے سنوار کر پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ آج بھی نماز کے آخر میں جو دعا ہے اس کا ذکر کرتا ہوں۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ درود شریف کے بعد یہ دعا بھی نماز میں پڑھی جایا کرے۔ نماز کے پہلے مراتب اذان سے لے کر اس دعا سے پہلے تک پیشتر کے جمعوں میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ بعض ائمہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ جنہوں نے اس دعا کا پڑھا جانا مستحب یا مسنون کے درجہ سے بڑھ کر واجب قرار دیا ہے اور اسی پر

ان کا عمل ہے۔

انسان بہت بڑے بڑے ارادے کرتا ہے۔ بچپنے سے نکل کر جب جوانی کے دن آتے ہیں اور جوں جوں اس کے اعضا نشو و نما پا کر پھیلتے ہیں اور قویٰ مضبوط ہوتے ہیں اس کے ارادے بھی وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ ایک بچہ رونے اور ضد کرنے کے وقت ماں کی گود میں چلے جانے یا دودھ پی لینے سے یا تھوڑی سی شیرینی یا کسی تماشے کھیل سے خوش ہو سکتا ہے اور اس کے بہلانے کے واسطے بہت تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے یا یوں کہو کہ ایک بچے کی خوشی اور خواہشات کا منزل مقصود بہت محدود ہوتا ہے۔ مگر جوں جوں وہ ترقی کرتا اور اس کے قویٰ مضبوط ہوتے جاتے ہیں توں توں اس کے ارادوں اور خواہشات کا میدان بھی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ قرآن شریف کی اس آیت اَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّايَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيۡرُ (فاطر:۳۸) کا مصداق بن جاتا ہے۔ اس دور کا پہلا درجہ اٹھارہ سال کی عمر ہوتی ہے۔ اس وقت انسان میں عجیب عجیب قسم کی امنگیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ انسان کے قویٰ بھی مضبوطی اور استویٰ کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور اس کے ارادے بھی بہت وسیع ہو جاتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے ہر نمازی کو جن میں یہ لڑکا بھی داخل ہے طول امل اور ہموم و غموم سے پناہ مانگنے کے واسطے حکم دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک چار کونہ شکل بنائی اور اس کے وسط میں ایک نقطہ بنا کر فرمایا کہ یہ نقطہ انسان ہے اور دائرہ سے مراد اجل ہے یعنی انسان کو اجل احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور پھر انسانی امانی اور آرزوئیں اس سے بھی باہر ہیں۔ یہ سچی بات ہے کہ انسان بڑے بڑے لمبے ارادے کرتا ہے جو سینکڑوں برسوں میں بھی پورے نہیں ہو سکتے مگر اس کی اجل اسے ان ارادوں تک پہنچنے سے پہلے ہی دبا لیتی ہے۔

غرض انسان چونکہ بہت لمبے ارادے کر لیتا ہے اور پھر ان میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس ناکامی کی وجہ سے انسان میں "ہم" یعنی غم پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو لمبے ارادے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الۡهَمِّ کے یہی معنے ہیں کہ اے خدا! میں ان موجبات سے ہی تیری پناہ مانگتا ہوں جو "ہم" کا باعث ہوتے ہیں۔

پھر بعض اوقات انسان ناکامی کے وجوہات تلاش کرتے کرتے گزشتہ امور میں غور کرنے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں آج سے دو سال پہلے یا چار سال پیشتر اس طرح سے عمل در آمد کرتا تو آج مجھے اس ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کامیاب ہو جاتا۔ اس طرح کے غم کا نام جو گزشتہ غلطیوں اور

کوتاہیوں کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے شریعت نے حزن رکھا ہے اور اس سے پناہ مانگنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے بِئْسَ الْمَطِيَّةُ لَوْ۔ لَوْ (اگر ایسا ہوتا تو ایسا ہو جاتا اور یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا) بہت بری چیز اور نقصان رساں لفظ ہے۔ اس طرح اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ کے یہ معنی ہوئے کہ یا الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ان بواعث اور موجبات سے جن کا نتیجہ "ہم" اور حزن ہوتا ہے۔ یعنی نہ تو مجھ میں بے جا اور لمبے لمبے ارادے پیدا ہوں اور نہ میں "کاش" اور "لو" کا استعمال کروں۔ مطلب یہ کہ نہ مجھے موجودہ ناکامی کی وجہ سے کوئی غم ہو اور نہ گذشتہ کسی تکلیف کا خیال مجھے رنجیدہ اور ستانے کا باعث ہو سکے۔

اس دعا کے سکھانے سے غرض اور انسان کے واسطے سبق یہ مدنظر ہے کہ انسان بہت طول امل سے پرہیز کرتا رہے اور گزشتہ مصائب کو یاد کر کے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالے۔ کیونکہ جب انسان ہم اور حزن میں ڈوب جاتا ہے تو آئندہ ترقیوں کی راہیں بھی اس کے واسطے بند و مسدود ہو جاتی ہیں۔ ہم اور حزن سے فرصت ملے، نہ یہ حصول خیر اور دفع شر کے لئے کوئی تجویز سوچے۔

پس اسی لئے انسان کو پھر یہ دعا سکھائی گئی کہ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ۔ عجز کہتے ہیں اسباب کا مہیا نہ کرنا۔ جو سامان اللہ تعالیٰ نے کسی حصول مطلب اور دفع شر کے واسطے بنائے ہیں ان کا مہیا نہ کرنا اور ہاتھ پاؤں توڑ کر رہ جانے کو عجز کہتے ہیں۔ بقدر طاقت، بقدر امکان، بقدر فہم اور علم کوشش ہی نہ کرنا اور تدبیر ہی نہ کرنا یہی عجز ہے۔ توکل اسے نہیں کہتے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم جو کہ اَعْلَمُ النَّاسِ، اَخْشٰی لِلّٰهِ اور اَتْقَی النَّاسِ تھے، ان سے بڑھ کر بھی بھلا کوئی انسان ہو سکتا ہے۔ تو ان کو بھی یہ حکم ہوتا ہے کہ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (ال عمران:۱۶۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی پاک اور بے لوث زندگی جو ہمارے واسطے قرآن شریف اور اس کے کل احکام کا ایک عملی اور زندہ نمونہ موجود ہے۔ اس میں غور کرنے سے ہرگز ہرگز ایسا کبھی ثابت نہیں ہوگا کہ آپ نے بھی کبھی توکل کے یہ معنے کئے ہوں جو آج کل بدقسمتی سے سمجھے گئے ہیں۔ توکل کے غلط معنوں کی وجہ سے ہی تو مسلمانوں میں سستی اور کاہلی گھر کر گئی۔ اور ان میں سے بعض ہاتھ پاؤں توڑ کر لوگوں کا محنت اور جانفشانی سے کمایا ہوا مال کھانے کی تدابیر سوچنے لگے۔

ہندوستان میں بارہ ریاستیں ہمارے دیکھتے دیکھتے تباہ ہو گئی ہیں۔ کئی معزز گھرانے مرتد اور بے دین ہو گئے ہیں۔ اسلام پر اعتراضات کا آرا چلتا ہے مگر کسی کو گھبرا نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ لوگ اپنے اپنے نفسانی ہم و حزن میں مبتلا ہیں اور سچے اسباب اور ذرائع ترقی کی تلاش سے محروم و بے نصیب ہیں۔

پس دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ عجز سے بچاوے اور بقدر فہم و فراست تکیہ اسباب کرنا ضروری ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ مشورہ کرنا چاہئے۔ قرآن شریف کا حکم ہے کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:۳۹)۔ مشورہ کرنا ایسا پاک اصول ہے کہ اس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے نصرت اور برکت عطا ہوتی ہے اور انسان کو ندامت نہیں ہوتی۔ مگر خود پسندی اور کبر ایسی امراض ہیں کہ انہوں نے شیطان اور انسان دونوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ دیکھو ہر انسان ایسی پختہ عقل اور فہم رسا کہاں رکھتا ہے کہ خود بخود اپنی عقل سے ہی ساری تدابیر کر لے اور کامیاب ہو جاوے۔ یہ ہر ایک انسان کا کام نہیں۔ اسی واسطے مشورہ کرنا ضروری رکھا گیا۔ ناتجربہ کار تو ناتجربہ کار ہی ہے مگر اکثر اوقات بڑے بڑے تجربہ کار بھی مشورہ نہ کرنے کی وجہ سے سخت سے سخت ناکامیوں میں مبتلا ہو کر بڑی بڑی ندامتیں برداشت کرتے ہیں۔

پس خود کو موجودہ ناکامیوں کے بہت فکروں میں ہلاک نہ ہونے دو اور نہ گذشتہ کاہلیوں اور فروگذاشتوں کے خیال سے اپنے آپ کو عذاب میں ڈالو بلکہ سچے اسباب کی تلاش کرو اور مشوروں سے کام لو۔

الکسل۔ کسل عربی میں کہتے ہیں کہ اسباب موجود ہوں مگر ان سے کام نہ لیا جاوے۔ سامان مہیا ہیں مگر ان سے فائدہ نہ اٹھایا جاوے۔ مثلاً کتاب موجود ہے۔ مدرس اور مولوی پڑھانے کے لئے موجود ہیں مگر علم کا حاصل نہ کرنا کسل ہے۔ یا مثلاً اگر علم ہو پر عمل نہ کیا جاوے۔ آنکھ خدا نے دی ہے مگر حق کی بینا نہیں، نہ اس سے کتاب اللہ کو پڑھے اور نہ نظر عبرت سے عبرت خیز نظاروں کو دیکھے۔ کان دیئے ہیں مگر وہ حق کے شنوا نہیں۔ زبان خدا نے دی ہے مگر وہ حق کی گویا نہیں۔

غرض عجز تو کہتے ہیں اسباب کا مہیا ہی نہ کرنا۔ اور کسل کے معنے ہیں کہ مہیا شدہ اسباب سے کام نہ لینا۔ اور یہ دونوں قسم کے اخلاق رذیلہ اور کمزوریاں نتیجہ ہوتی ہیں ہم اور حزن کا۔ کیونکہ جب انسان ہم و حزن میں ڈوب جاتا ہے تو اسے پھر نہ تو آئندہ کسی ترقی اور خوشی کے حصول کے اسباب مہیا کرنے اور شر سے بچنے کی کوشش کرنے کی توفیق اور وقت و فرصت ملتی ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کے خوشی و راحت کے اسباب سے کام لے کر نتیجہ اور پھل کا وارث بن سکتا ہے۔

اسی واسطے شریعت اسلام جو کہ عین فطرت انسانی کے مطابق خالق فطرت خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے اس میں اس دعا کے ذریعہ سے ان رذائل سے بچنے کی کوشش کرنے اور پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے اور سکھایا گیا ہے کہ کسی ایک ناکامی سے ایسا متاثر ہونا اور اسی کے ہم و حزن میں مبتلا اور قید ہو کر ایسا رہ جانا کہ آئندہ کوئی ترقی ہی نہ کر سکے نہ اسلام کا منشاء ہے اور نہ مسلمانوں کی راہ۔ بلکہ مسلمان ایسی

بودی روکوں اور کچی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کر کے اَلْخَیْرُ فِیْ مَاوَقَعَ کے پاک مقولہ کی یاد سے شاد ہوتا ہوا آئندہ ترقیوں کی تدابیر میں بڑی بلند پروازی اور اطمینان سے کوشاں ہو جاتا ہے۔ اور مومن ایسا ہوشیار ہوتا ہے کہ کامیابی کے کل وسائل اور پاک اصول کو وہ خود مہیا کرتا اور پھر ان سے کام لینے کا کوئی بھی دقیقہ اور کسر باقی نہیں رہنے دیتا۔

غرض اس دعا کی تہ میں ایک باریک قسم کی تعلیم ہے جو مسلمانوں کو حد درجہ کا ہوشیار' چالاک اور شجاع بناتی اور سستی اور کاہلی سے نفرت دلاتی ہے۔

میں ان لوگوں کو جو حضرت اقدس علیہ السلام کی اتباع میں ہمارے ساتھ شامل ہیں خصوصیت سے تاکید کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنا ملک چھوڑا' وطن چھوڑے' خویش و اقارب' یار دوست چھوڑے' قوم سے الگ ہوئے اور ان کے سخت سے سخت فتووں کے نیچے آئے' بے دین' کافر' مرتد' ضال' مضل کہلائے ہو۔ اگر تم بھی علم میں اور پھر عمل میں' دین میں اور ایمان میں اپنا اعلیٰ نمونہ نہ دکھاؤ اور بین ثبوت نہ دو کہ واقعی تم نے خدا کی طرف قدم اٹھائے ہیں' بے نظیر ترقی کی ہے اور تمہارے افعال' تمہارے اقوال' تمہارے ظاہر' تمہارے باطن' تمہاری زندگی کی موجودہ روش' لباس' پوشاک' خوراک اس امر کی پکار کر گواہی نہ دے اٹھیں کہ واقعی تم نے دین کو دنیا پر مقدم کیا ہے اور تمہارے اعمال کی حالت پاکیزگی تمہارے ایمان کے نہایت مضبوط اور غیر متزلزل ہونے اور تمہارے معتقدات کے صحیح ہونے پر شاہد ناطق نہ ہو اور تم میں اور تمہارے غیروں میں ایک نور اور مابہ الامتیاز پیدا نہ ہو جاوے تو بڑے ہی افسوس اور شرم کا مقام ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اعلم الناس تھے ان کو حکم ہوتا ہے کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۵) کی دعا کیا کرو۔ تو پھر کون امتی ایسا ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھے علم کی' عمل کی' مشورہ کی' سیکھنے کی سننے کی اور صحبت پاک کی ضرورت نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ یہ غلط راہ ہے اور بالکل غلط طریق ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ الْجُبْنِ۔ ظاہر ہے کہ جب انسان اپنی مصیبتوں کے رونے روتا رہے اور نہ کام کرے نہ کاج' نہ کوشش کرے' نہ سامان مہیا کرے اور نہ ان سے کام لے بلکہ ہاتھ پاؤں توڑ لنگڑے لولوں کی طرح بے دست و پا نکھٹوں' سست اور کاہلوں کی زندگی بسر کرنے کا عادی ہو جاوے تو آسودگی' خوشحالی اور مال و دولت جو کہ کمانے سے' محنت اور کوشش کرنے سے انسان کو ملتی ہیں اس کے پاس کہاں سے آجاوے گی۔ اور یہ صاف بات ہے کہ جو آگ کھاوے گا انگار ہگے گا۔ جیسا کرے گا ویسا

پاوے گا۔ جو بوئے گا سو کاٹے گا۔ ایسا انسان جو کچھ کرتا ہی نہیں' روپیہ کمانے اور روپیہ آنے اور امیر بننے کی جو راہیں خدا نے بنائی ہیں ان کا علم ہی حاصل نہیں کرتا اور ان کی پرواہ ہی نہیں کرتا تو اس کے پاس روپیہ اور مال و دولت کہاں سے آوے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ مفلس اور محتاج ہو گا اور افلاس اور احتیاج کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑے گا جو کہ لازماً بخل اور جبن ہوتا ہے۔

21

یاد رکھو کہ ہم اور حزن کا نتیجہ عجز اور کسل ہوتا ہے۔ اور عجز اور کسل کا نتیجہ افلاس اور احتیاج کی معرفت بخل اور جبن ہوا کرتا ہے۔

پس کیسی عجیب راہ مسلمانوں کو بتائی گئی ہے کہ اللہ کے حضور دعا کیا کریں اور قبولیت دعا اور جذب فیضان کے واسطے چونکہ انسان کو خود بھی حتی المقدور کوشش اور سعی کرنا اور خدا کی بتائی ہوئی راہوں پر کاربند ہونا لازمی ہے لہٰذا خود بھی ان رذائل سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کرے اور پھر نتیجہ کے واسطے خدا کے حضور التجا کرے۔

بخل سے مراد مالی بخل' خیالات پاکیزہ کے اظہار کا بخل' علم و عمل کا بخل' غرض کسی کو نفع نہ پہنچانا خواہ وہ کسی ہی رنگ میں ہو بخل کہلاتا ہے۔

جبن - بزدلی جو کہ انسان میں فطرتاً کسی نہ کسی قسم کی کمزوری یا نقص ہونے کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔

آج اس زمانہ میں علاوہ مالی بخل اور جبن کے اظہار خیالات کے مادہ اور طاقت کا نہ ہونا' علم جو کہ ایک طاقت اور جرأت کا بڑا بھاری باعث اور موجب ہوتا ہے اس کا نہ ہونا' مؤثر پیرایوں میں اپنے عندیہ کو مدلل اور مبرہن نہ کر سکنا' قوت بیانی کا نہ ہونا' ان سب کا نام ہے بخل۔ اور پھر ان کے عدم کی وجہ سے انسانی حالت جو کہ فطرتاً اس کمی اور کمزوری کی وجہ سے اپنے اندر ہی اندر ایک قسم کا ضعف محسوس کرتی ہے اور مخالف خیالات کے لوگوں سے مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتی ہے' اس حالت کا نام جبن یعنی بزدلی ہے۔

ورنہ اب کوئی تیر و تلوار کی لڑائی تو ہے نہیں۔ اور ان جنگوں کے واسطے بھی جس جرأت اور بہادری اور دلیری کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی انہی صفات کے ماتحت ہوتی ہے۔ وہاں بھی علم کی ضرورت ہے جو کہ ایک طاقت ہے۔

غرض ہم نے تو بارہا اس نقص کے رفع کرنے کے واسطے کوششیں کی ہیں۔ بلکہ انجمن تشحیذ الاذہان میں اس قسم کے طلباء کے واسطے انعامات بھی مقرر کیے ہیں تاکہ ہمارے نوجوانوں کو بولنے کی عادت ہو

اور ان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاوے جس سے وہ آزادی اور صفائی سے اپنا عندیہ اور خیالات کا اظہار دوسروں پر کر سکیں اور ان کو حق کے پہنچانے اور تبلیغ دین کے لئے مؤثر پیرایوں سے طاقت بیانیہ حاصل ہو جاوے اور خاص مضمون پر لیکچر دینے اور اسی کے حدود کے اندر تقریر کرنے کی طاقت ہو جاوے مگر بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔

یاد رکھو کہ یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس وقت تیر و تفنگ اور بندوق توپ اور قواعد جنگ و فنون حرب سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس زمانہ کے مناسب حال ہتھیار یہی ہے کہ کامل اور صحیح علم کی زبردست طاقت اور تقریر اور قوت بیان اور عجیب در عجیب پیرایوں سے اپنے خیالات کو مدلل اور مبرہن کر کے اپنے دشمنوں پر حجت پوری کرنے کے زبردست اور تیز ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ فَتَدَبَّرُوْا۔

وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ۔ صاف بات ہے کہ جب انسان میں افلاس ہو گا' ضرورتیں مجبور کریں گی۔ قحط' گرانی اشیا' کپڑا' غلہ' دال' گوشت' دودھ' تعلیم' سب چیزیں گراں ہوں گی تو انسان جس کا گزارہ ان کے سوا ہو نہیں سکتا مجبور ہو گا کہ کسی سے قرض لے اور طرح طرح کی تدابیر حصول قرض کے واسطے اسے عمل میں لانی پڑیں گی اور اس طرح سے وہ قرض کی مصیبت میں مبتلا ہو جاوے گا۔ پھر چونکہ آمدنی کے ذرائع تو محدود ہیں اور آمد خرچ سے کم ہے قرض کے ادا کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آوے گی۔ قرض خواہ لوگ تنگ کریں گے۔ سختی کریں گے۔ مقدمات کریں گے۔ ڈگریاں کرائیں گے۔ قرقیاں ہوں گی۔ لوگ گلے میں کپڑا ڈالیں گے۔ غرض اس طرح سے حالت بہت خطرناک اور نازک ہو جاوے گی۔ اس واسطے دعا کرنی چاہئے کہ خدا ان سب باتوں سے بچاوے اور ہم و حزن سے محفوظ رکھے۔ سچے اسباب مہیا کرنے اور پھر ان سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ بخل اور جبن اور پھر ان کے بدنتائج قرض اور قہرالرجال سے حفاظت میں رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن متقی کی مثال اس پرند کی ہے کہ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَ تَرُوْحُ بِطَانًا اپنے گھونسلے میں دانہ جمع نہیں رکھتا۔ مگر وہ بیکار اور بے دست و پا ہو کر بھی اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھ رہتا۔ باہر جاتا ہے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آشیاں میں آتا ہے۔ پس مومن کے واسطے بھی اس میں ایک سبق رکھا ہے اور توکل کے معنے بتائے گئے ہیں۔ جس طرح سے پرندہ کے گھر میں دانہ جمع نہیں ہے مگر وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ بھی نہیں رہتا بلکہ گھونسلے سے باہر جاتا ہے' محنت مشقت کرتا ہے اسی طرح انسان کو بھی محنت کرنی چاہئے تاکہ اس کی ضرورتیں اس کے واسطے بھی مہیا کی جاویں۔

وہ کاہل اور سست انسان جو کہ توکل کے جھوٹے معنے گھڑ کر توکل کی آڑ میں ایسا کرتے ہیں سوچیں اور غور کریں۔

پس ایسے انسان جبکہ ان کی ضرورتیں ان کو مجبور کرتی ہیں' مکان' لباس' خوراک اور بیوی بچوں کی ضروریات ان کو مجبور کرتی ہیں تو وہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ کوئی الو مل جاوے اور ان کا کام ہو جاوے۔ کسی کی کمائی ان کو مفت میں مل جاوے۔ غرض اس طرح سے ناجائز طریق سے کوشش کر کے قرض لیتے اور پھر جب ادا ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو کتی کے کان کاٹ کر بلی کے اور بلی کے کاٹ کر کتی کے لگاتے پھرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے اور ایک سے لے کر دوسرے کو اور دوسرے سے لے کر تیسرے کو دیتے ہیں۔ ایسی ایسی چالاکیاں ان کو کرنی پڑتی ہیں۔

غرض یہ بہت خطرناک حالت ہے۔ پس تم کوشش کرو۔ حق پہنچاؤ اور ضرور پہنچاؤ۔ ہم و حزن سے کچھ نہیں ہوتا۔ کوشش سے کچھ ہوتا ہے' کوشش کرو اور خدا سے دعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے اور فضل کرے۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ

اللہ تعالیٰ کو جتنا جتنا تم یاد کرو گے وہ بھی تمہیں یاد کرے گا اور تمہاری عزت اور بزرگی بڑھائے گا۔ اگر تم اعلاء کلمۃ اللہ میں دل و جان سے کوشش کرو گے' خدا کی باتیں لوگوں کو پہنچاؤ گے تو یہ قاعدہ کی بات ہے کہ حق گو اور حق کے پہنچانے والوں کے لوگ دشمن ہو جایا کرتے ہیں۔ قسما قسم کی تہمتیں اور الزام لگائے جاتے ہیں۔ اصل میں یہ سب اس واسطے ہوتا ہے کہ شیطان کو فکر پڑ جاتی ہے کہ اس طرح میرا کام بگڑ جائے گا۔ لہٰذا وہ سرتوڑ کوشش کرتا ہے اور حق گو کے مقابلے کے واسطے اپنے پورے ہتھیاروں سے آموجود ہوتا ہے تاکہ حق ظاہر نہ ہو۔ مگر آخرکار حق غالب آجاتا ہے اور سچائی کی فتح ہوتی ہے اور شیطان ہلاک اور ذلیل ہو جاتا ہے۔ پس تم بھی کوشش کرو کہ حق کے پہنچانے والے بنو اور پھر ان مشکلات پر صبر کرنیوالے ہو جاؤ جو حق کے پہنچانے میں لازمی ہوتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ مالی مشکلات کے وقت انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور انسان پروا نہیں کرتا کہ آیا میں جائز ذریعہ سے پیٹ بھر رہا ہوں کہ ناجائز طریق سے۔ غرض فقر و فاقہ ایک ایسی مصیبت ہوتی ہے کہ انسان کو

حلال و حرام میں فرق بھی نہیں کرنے دیتی۔ حدیث میں آیا ہے کہ حرام کھانے والے کی دعا کبھی قبول نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان پر اگر ایک بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے ذریعہ سے اس کے ادا کرنے کے سامان مہیا کر دیتا ہے اور اس طرح سے انسان قرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔

پس اگر انسان سے خطا پر خطا اور چوک پر چوک ہی ہوتی گئی ہے اور یہ ابتدائی مشکلات سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکا اور ہم و حزن کے نتائج کا خمیازہ اٹھا کر عجز و کسل میں اور عجز و کسل کے نتائج بد بھگتنے کے لئے بخل اور جبن اور آخر کار قرض کی مصیبت میں مبتلا ہو ہی گیا ہے تو بھی اس کے واسطے ایک ذریعہ بچاؤ کا اور ہے اور وہ دعا ہے۔ اگر انسان کو دعا اپنے تمام لوازم اور شرائط کے ساتھ نصیب ہو جاوے تو انسان کی خوش قسمتی ہے اور مصائب سے نجات پا جانے کی ایک یقینی راہ ہے۔

نیز موجودہ زمانے میں دنیا طلبی اور دنیا کمانے کی کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ جس کو دیکھو اسی دھن میں لگا ہے اور جسے ٹٹولو اسی فکر میں حیران و سرگردان ہے۔ کوئی محکمہ' کوئی سوسائٹی ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک' ماتحت سے افسر تک' حاکم سے بادشاہ تک جسے دیکھو دنیا کی فکر میں لگا ہے۔ ضروریات کے وقت جائز و ناجائز کی بھی پروا نہیں کی جاتی بلکہ بلا امتیاز حلال و حرام اکٹھا کرنے کی کوشش اور فکر کی جا رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں ہمارے حضرت امام علیہ الصلوٰۃ و السلام نے بھی اس امر کو محسوس کر کے اس زمانہ کے مناسب حال اقرار لیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔

پس آخر کار ان مشکلات کے واسطے اس دعا میں ہی یہ راہ بتائی کہ دعا کرے اور بات بھی یہی حق ہے کہ دعا ہی سے بیڑا پار ہوتا ہے۔

قرآن شریف سنو اور عمل کی غرض سے سنو۔ نفس کا دخل مت دو اور خدا سے دعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے اعمال صالحات کی اور شر اور گناہ سے بچنے کی۔ آمین۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۶---۱۰/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ تا ۸)

☆-☆-☆-☆

۱۰؍ اپریل ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

تشہد‘ تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ۔ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ۔ (الکافرون:۲تا۷)

اور پھر فرمایا:۔

نماز کے اختتام پر سلام پھیر کر معاً ہی حکم ہے کہ انسان کم از کم تین بار استغفار پڑھے۔ اور حدیث میں تو یوں بھی آیا ہے کہ نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ‘ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھے۔ یہ بھی نماز کے بعد کے وظائف میں سے ایک ضروری وظیفہ ہے۔ مگر اس کا ہم انشاء اللہ توفیق ہوئی تو آئندہ کبھی اس کے موقع پر بیان کریں گے۔ سلام پھیرتے ہی معاً تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ (ترمذی کتاب الدعوات) کہنے کا جو حکم ہے اس میں بھید کیا ہے؟ اور اس کی وجہ کیا؟ اصل بات یہ ہے کہ انسان بڑا کمزور‘ ناتواں اور سست ہے۔ علم حقیقی سے بہت دور ہے۔ آہستگی سے ترقی کر

سکتا ہے۔ ہم تم تو چیز ہی کیا ہیں؟ اس عظیم الشان انسان' علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام' کی بھی یہ دعا تھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۵)۔ تو جب خاتم الانبیاء افضل البشر کو بھی علمی ترقی کی ضرورت ہے جو اَتْقَی النَّاسِ۔ اَخْشَی النَّاسِ۔ اَعْلَمُ النَّاسِ ہیں اور ان کے متعلق اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمٰن:۲،۳) وارد ہو جانے کے باوجود بھی ان کو ترقی علم کی ضرورت ہے تو ماوشما حقیقت ہی کیا رکھتے ہیں کہ ہم علمی ترقی نہ کریں۔ اگر میں کہہ دوں کہ مجھے کتابوں کا بہت شوق ہے اور میرے پاس اللہ کے فضل سے کتابوں کا ذخیرہ بھی تم سب سے بڑھ کر موجود ہے اور پھر یہ بھی اللہ کا خاص فضل ہے کہ میں نے ان سب کو پڑھا ہے اور خوب پڑھا ہے اور مجھے ایک طرح کا حق بھی حاصل ہے کہ ایسا کہہ سکوں۔ مگر بایں (وجہ) میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے علم کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے بھی ترقی علم کی ضرورت ہے اور سخت ضرورت ہے۔ علم سے میری مراد کوئی دنیوی علم اور ایل۔ ایل۔ بی یا ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگریوں کا حصول نہیں ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ بلکہ ایسا تو کبھی میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا اور نہ ہی ایسی میری کبھی اپنی ذات یا اپنی اولاد کے واسطے خواہش ہوئی ہے۔ عام طور پر لوگوں کے دلوں میں آج کل علم سے بھی ظاہری علم مراد لیا گیا ہے اور ہزارہا انسان ایسے موجود ہیں کہ جن کو دن رات یہی تڑپ اور لگن لگی ہوئی ہے کہ کسی طرح وہ بی۔ اے یا ایم۔ اے یا ایل۔ ایل۔ بی کی ڈگریاں حاصل کر لیں۔ ان لوگوں نے اصل میں ان علوم کی دھن ہی چھوڑ دی ہے جن پر سچے طور پر علم کا لفظ صادق آ سکتا ہے۔ پس ہماری مراد ترقی علوم سے خدا کی رضامندی کے علوم اور اخلاق فاضلہ سیکھنے کے علوم' وہ علوم جن سے خدا کی عظمت اور جبروت اور قدرت کا علم ہو اور اس کے صفات' اس کے حسن و احسان کا علم آ جاوے۔ غرض وہ کل علوم جن سے تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ کا علم آ جاوے' مراد ہیں۔

انسان چونکہ کمزور ہوتا ہے اور اس کا علم اپنے کمال تک نہیں پہنچا ہوتا اور بعض اوقات اپنی کمزوریوں اور سستیوں کی وجہ سے نماز کو کبھی وقت سے بے وقت' کبھی بے توجہی سے پڑھتا ہے اور کبھی نمازوں میں اس کا خیال کہیں کا کہیں چلا جاتا اور پورا حضور قلب اور خضوع جو نماز کے ضروری ارکان ہیں ان کے ادا کرنے میں سستی ہو جاتی ہے یا نماز تدبر سے نہیں پڑھی جاتی یا کبھی اصلی لذت اور سرور سے محروم رہ جاتا ہے اور باریک در باریک وجوہ کے باعث نماز میں کوئی نہ کوئی کمی یا نقص رہ جاتا ہے۔ اس واسطے حکم ہے کہ نماز کا سلام پھیرنے کے ساتھ ہی معاً استغفار پڑھ کر اپنی کمزوریوں اور نماز میں اگر کوئی نقص رہ گیا ہے تو اس کی تلافی خدا سے چاہے اور عرض کرے کہ یاالٰہی! اگر میری نماز کسی باریک در باریک کمی یا نقص کی وجہ سے قابل قبول نہیں تو میری کمزوریوں پر پردہ ڈال کر بخشش فرما اور

میری عبادت کو قبول فرمالے۔ ہم تیرے عاجز بندے ہیں۔ ہم تیری اس کبریائی' عظمت اور جلال کو جو تیری ذات پاک کے شایاں اور مناسب حال ہے کہاں جان سکتے ہیں۔ اس واسطے ان کمیوں پر چشم پوشی فرما اور عفو کر۔ گزشتہ غلطیوں کو معاف فرما اور آئندہ کے واسطے توفیق عطا فرما کہ ہم تیری عبادت بطریق احسن اور ابلغ کرنے کے لائق ہوں۔

نماز کی کمی اور نقائص کی تلافی کے واسطے ماثورہ اوراد کے علاوہ ایک ایک مقررہ تعداد رکعات سنن کی بھی ضروری ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ فرائض کی تکمیل کے واسطے سنن کا پڑھنا نہایت ہی ضروری ہے۔ جو لوگ سنتوں کے ادا کرنے میں سستی یا کاہلی کرتے ہیں ان کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔

میں ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہتا ہوں کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عمل سے کہ آپ نماز فرائض کے بعد فوراً اندر تشریف لے جاتے ہیں کوئی ٹھوکر کھائے اور خود بھی فرائض کے بعد فوراً مسجد سے باہر بھاگنے کی کوشش کرے اور ادعیہ ماثورہ اور سنن کی پرواہ نہ کرے۔ یاد رکھو کہ حضرت اقدس ان سب باتوں کے پورے پابند ہیں اور اکثر گھر میں نوافل میں بھی لگے رہتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات آپ سنن مسجد میں بھی ادا کر لیتے ہیں۔ غالباً یہی خیال آجاتا ہو گا کہ کوئی ٹھوکر نہ کھائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز سے گھر بابرکت ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ میرا خود بھی اسی پر عمل ہے۔ اکثر سنن اور نوافل گھر میں ادا کرتا ہوں مگر اسی خیال سے کہ کسی بیمار دل کو ٹھوکر نہ لگے بعض اوقات مسجد میں بھی ادا کر لیتا ہوں اور خدا سے یہ دعا عرض کر دیتا ہوں کہ گھر میں تو ہی برکت دے دیجیو۔ رسول اکرم کا عمل بھی اسی طرح پر ہے۔ شام کے نوافل کے متعلق آنحضرت کا مسجد میں ادا کرنے کا بھی ایک اثر موجود ہے۔ غرض یہ ہے کہ سنن کی پابندی نہایت ضروری ہے خواہ گھر میں ہوں اور خواہ مسجد میں۔

قرآن شریف کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتیں جن میں چاروں قل بھی ہیں نماز میں بھی اور نماز کے بعد کے اوراد ماثورہ میں بھی داخل ہیں۔ لہٰذا ان کے متعلق بھی کسی قدر بیان کر دینا ضروری ہے۔ مسلمان انسان میں غیرت اور حمیت ہونی چاہئے اور ہر حالت میں لازمی ہے کہ ایماندار انسان بے غیرت ہونے کی حد تک ذلیل نہ ہو جاوے۔ دیکھو حضرت نبی کریمؐ کی ابتدائی تیرہ سالہ مکہ کی زندگی کیسی مشکلات اور مصائب کی زندگی ہے مگر بایں کہ آپؐ بالکل تنہا اور کمزور ہیں خدا تعالیٰ آپ کی زبان سے اہل مکہ کے بڑے بڑے اکابر قریش اور سرداران قوم کو جو اپنے برابر کسی کو دنیا میں سمجھتے ہی نہ تھے' یوں خطاب کراتا

ہے قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کمزوری کی حالت میں بھی خدائی تائید اور نصرت کی وجہ سے جو آپ کے شامل حال تھی اور اس کامل اور سچے علم کی وجہ سے جو آپ کو خدا کے وعدوں پر تھا' آپؐ میں ایسی قوت اور غیرت و حمیت موجود تھی کہ آپ تبلیغ احکام الٰہی میں ان کے سامنے ہرگز ہرگز ذلیل نہ تھے بلکہ آپ کے ساتھ خدا کی خاص نصرت اور حق کا رعب اور جلال ہوا کرتا تھا۔ پس اس سے مسلمانوں کو یہ سبق لینا چاہئے کہ حق کے پہنچانے میں ہرگز ہرگز کمزوری نہ دکھائیں اور دینی معاملات میں ایک خاص غیرت اور جوش اور صداقت کے پہنچانے میں سچی حمیت رکھیں۔

کافر کا لفظ عرب کے محاورے میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ ہمارے ملک میں کسی کو کافر کہنا گویا آگ لگا دینا ہے۔ وہ لوگ چونکہ اہل زبان تھے خوب جانتے تھے کہ کسی کی بات کا نہ ماننے والا اس کا کافر ہوتا ہے اور ہم چونکہ آپ کی بات نہیں مانتے اس واسطے آپ ہمیں اس رنگ میں خطاب کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں خود مسلمانوں کی صفت بھی کفر بیان ہوئی ہے جہاں فرمایا ہے يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (البقرہ:۲۵۷)۔ معلوم ہوا کہ کفر مسلمان کی بھی ایک صفت ہے مگر آج کل ہمارے ملک میں غلط سے غلط بلکہ خطرناک سے خطرناک استعمال میں آیا ہے۔ کسی نے کسی کو کافر کہا اور وہ دست و گریبان ہوا۔

اصل میں کافر کا لفظ دل دکھانے کے واسطے نہیں تھا بلکہ یہ تو ایک واقعہ کا اظہار و بیان تھا۔ وہ لوگ تو اس لفظ اور خطاب کو خوشی سے قبول کرتے تھے۔

قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ کے معنی ہوئے کہ وے اے کافرو! ہوشیار ہو کر اور توجہ سے میری بات کو سن لو۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ میں ان بتوں کی' ان خیالات کی' ان رسوم و رواج کی اور ان ظنوں کی فرمانبرداری نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو۔

ان لوگوں میں اکثر لوگ تو ایسے ہی تھے جو رسم و رواج' عادات اور بتوں کی اور ظنوں اور وہموں کی پوجا میں غرق تھے۔ ہاں بعض ایسے بھی تھے کہ جو دہریہ تھے مگر زیادہ حصہ ان میں سے اول الذکر لوگوں میں سے تھے۔ خدا کو بڑا خدا جانتے تھے اور خدا سے انکار نہ کرتے تھے۔ بعض ایسے بھی کافر تھے جو خدا کو بھی مانتے تھے اور بتوں سے بھی الگ تھے۔ رسم و رواج میں بھی نہ پڑے تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس آنے کو اور آپؐ کی فرمانبرداری کرنے میں اپنی سرداری کی ہتک جانتے تھے اور ان کے واسطے ان کا کبر اور بڑائی ہی حجاب اور باعث کفر ہو رہی تھی۔

وَلَآ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ اور نہ ہی تم میرے معبود کی عبادت کرتے نظر آتے ہو۔ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ اور نہ ہی میں کبھی تمہاری طرز عبادت میں آؤں گا۔

وَ لَآ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ اور نہ ہی تم اپنے رسم و رواج' جتھے اور خیالات' اپنے بتوں اور مہنتوں کو چھوڑتے نظر آتے ہو۔ تو اچھا پھر ہمارا تمہارا یوں فیصلہ ہو گا کہ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَ لِیَ دِیۡنِ میرے اعمال اور عقائد کا نتیجہ میں پاؤں گا اور تمہارے بد کردار اور عقائد فاسدہ کی سزا تم کو ملے گی۔ پھر اس وقت پتہ لگ جاوے گا کہ کون صادق اور کون کاذب ہے؟ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ دنیا جانتی ہے۔ ہر ایک نے سن لیا ہو گا کہ آنحضرتؐ دنیا سے کس حالت میں اٹھائے گئے اور آپؐ کے اتباع کو دنیا میں کیا کچھ اعزاز اور کامیابی نصیب ہوئی اور آپؐ کے وہ دشمن کہاں گئے اور ان کا کیا حشر ہوا؟ کسی کو ان کے ناموں سے بھی واقفیت نہیں۔ پس یہی نمونہ اور مابہ الامتیاز ہمیشہ کے واسطے صادق اور کاذب میں خدا کی طرف سے مقرر ہے۔ فقط۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۸ --- ۱۸/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۴-۱۵)

۱۷ر اپریل ۱۹۰۸ء

مسجد اقصیٰ قادیان

خطبہ جمعہ

تشہد ، تعوذ اور تسمیہ کی تلاوت کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ۔ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (الاخلاص:۲-۵)

تمام تر نماز کے بعد جو وظائف مقرر ہیں ان میں سے چاروں قل ، آیت الکرسی ، اور تسبیح ، تحمید اور تکبیر کے اذکار بھی ہیں۔ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (الکافرون:۲) کے متعلق پچھلے جمعہ کے خطبہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ آج اس مختصر سورۃ کے معانی سنائے جاتے ہیں۔ اس سورۃ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ثواب میں قرآن شریف کے تیسرے حصہ کے برابر ہے۔ یہ بات بالکل سچی اور بہت ہی سچی ہے۔ اس واسطے کہ قرآن شریف مشتمل ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مضامین ، دنیوی امور یعنی اخلاقی ، معاشرتی ، تمدنی اور پھر بعد الموت یعنی قیامت کے متعلقہ مضامین پر۔ اس سورۃ میں چونکہ اللہ تعالیٰ کے صفات اور اس کی ذات کے متعلق ہی ذکر ہے اس

طرح سے بلحاظ تقسیم مضامین یہ سورۃ قرآن شریف کے ایک تہائی کے برابر ہے۔ یعنی قرآن کریم کے تین اہم اور ضروری مضامین میں سے ایک مضمون کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سورۃ فاتحہ سے جو کہ قرآن شریف کی کلید اور اُمُّ الْكِتَابِ ہے شروع ہوئی ہے اور یہ اُمُّ الْكِتَابِ، ضَآلِّيْنَ پر ختم ہوئی ہے۔ ضال کہتے ہیں کسی سے محبت بے جا کرنے کو یا جہالت سے کام لینے اور سچے علوم سے نفرت اور لاپرواہی کرنے کو۔ صرف دو شخص ہی ضال کہلاتے ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی سے بیجا محبت کرے۔ دوسرا وہ جو سچے علوم کے حصول سے مضائقہ کرے۔

انسان ہر روز علم کا محتاج ہے۔ سچائی انسان کے قلب پر علم کے ذریعہ سے ہی اثر کرتی ہے۔ پس جو علم نہیں سیکھتا اس پر جہالت آتی ہے اور دل سیاہ ہو جاتا ہے جس سے انسان اچھے اور برے، مفید اور مضر، نیک اور بد، حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ضال نصاریٰ ہیں۔ دیکھ لو انہوں نے اپنی آسمانی کتاب کو کس طرح اپنے تصرف میں لا کر ترجمہ در ترجمہ۔ ترجمہ در ترجمہ کیا ہے کہ اب اصل زبان کا پتہ ہی نہیں لگتا۔ صاف بات ہے کہ ترجمہ تو خیال ہے مترجم کا۔ غرض علوم الٰہی اور کتب سماوی میں انہوں نے ایسا تصرف کیا اور جہالت کا کام کیا ہے کہ وہ اصل الفاظ اب ملنے ہی محال ہیں۔

دوسری طرف حضرت مسیح کی محبت میں اتنا غلو کیا ہے کہ ان کو خدا ہی بنا لیا۔ اور اس سورۃ میں اس قوم نصاریٰ کا ذکر ہے اور یہ سورۃ قرآن شریف کے آخر میں ہے۔ اور یہ ضال کی تفسیر ہے اور ضال کا لفظ ام الکتاب کے آخر میں ہے۔ پس اس طرح سے ام الکتاب کے آخر کو قرآن کے آخر سے بھی ایک طرح کی مناسبت ہے۔

ایک صحابیؓ جو کہ میرا اپنا خیال ہے کہ غالباً وہ عیسائیوں کے پڑوس میں رہتا ہوگا وہ اس سورت کا ہر نماز میں التزام کیا کرتا تھا۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ آپؐ صبح کی سنتوں میں غالباً زیادہ تر قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہی پڑھا کرتے تھے۔ مغرب کی نماز (جو کہ جہری نماز ہے) میں بھی اول رکعت میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اکثر پڑھا کرتے تھے۔ وتروں میں بھی آنحضرتؐ کا یہی طریق تھا۔ چنانچہ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى، دوسری میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ بہت پڑھا کرتے تھے۔ غرض نماز کے اندر اور نماز کے علاوہ اوراد میں اس سورۃ شریفہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تو کہہ دے (وہ جو اس کا کہنے والا ہے) اللہ ہے اور وہ احد ہے۔ ساری ہی صفات کاملہ سے موصوف اور ساری بدیوں سے منزہ ذات بابرکات ہے۔

یہ پاک نام اور اس کے رکھنے کا فخر صرف صرف عربوں ہی کو ہے۔ اللہ کا لفظ انہوں نے خالص کر کے صرف صرف خدا کے واسطے خاص رکھا ہے۔ اور ان کے کسی معبود' بت' دیوی' دیوتا پر انہوں نے یہ نام کبھی بھی استعمال نہیں کیا۔ مشرک عربوں نے بھی اور شاعر عربوں نے بھی بجز خدا کی ذات کے اس لفظ کا استعمال کسی دوسرے کے حق میں نہیں کیا خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور واجب التعظیم ان کا کیوں نہ ہو۔ یہ فخر بجز عرب کے اور کسی ملک اور قوم کو میسر نہیں۔

زبان انگریزی سے میں خود تو واقف ہوں نہیں مگر لوگوں سے سنا ہے کہ اس زبان میں بھی کوئی مفرد لفظ خاص کر کے خَالِصًا لِلّٰهِ نہیں ہے۔ ہر لفظ جو وہ خدا کے واسطے بولتے ہیں وہ ان کی زبان کے محاورے میں اوروں پر بھی بولا جاتا ہے۔

سنسکرت میں تو میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اول ہی اول جو ان کی کتابوں میں خدا کا نام رکھا گیا ہے وہ اگنی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگنی آگ پر بھی بولا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور اور جو نام بھی ویدوں میں پرمیشر پر بولے ہیں وہ سارے کے سارے ایسے ہی ہیں کہ جن کی خصوصیت خدا کے واسطے نہیں بلکہ وہ سب کے سب اور دیوی دیوتاؤں وغیرہ پر بھی بولے جاتے ہیں۔ یہ فخر صرف اسلام ہی کو ہے کہ خدا کا ایسا نام رکھا گیا ہے کہ جو کسی معبود وغیرہ کے واسطے نہیں بولا جاتا۔

اَحَدٌ وہ اللہ ایک ہے۔ نہ کوئی اس کے سوا معبود اور نہ اس کے سوا کوئی تمہارے نفع و ضرر کا حقیقی مالک ہے۔ کاملہ صفات سے موصوف اور ہر بدی سے منزہ اور ممتاز و پاک ذات ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ اللہ صمد ہے۔ صمد کہتے ہیں جس کی طرف ان کی احتیاج ہو اور خود نہ محتاج ہو۔ صمد سردار کو کہتے ہیں۔ صمد اس کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر سے نہ کچھ نکلے اور نہ اس میں کچھ گھسے۔ یہ ایسا پاک نام ہے کہ انسان کو اگر اللہ تعالیٰ کے اس نام پر کامل ایمان ہو تو اس کی ساری حاجتوں کے لئے کام کافی اور سارے دکھوں سے نجات کے سامان ہو جاتے ہیں۔ میں خود تجربتاً کہتا ہوں اور اس امر کی عملی شہادت دیتا ہوں کہ جب صرف اللہ ہی کو محتاج الیہ بنالیا جاتا ہے تو بہت سے ناجائز ذرائع اور اعمال مثلاً کھانے' پینے' مکان' مہمانداری' بیوی بچوں کی تمام ضروری حاجات سے انسان بچ جاتا ہے اور انسان ایسی تنگی سے بچ جاتا ہے جو اس کو ناجائز وسائل سے ان مشکلات کا علاج کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ جوں جوں دنیا خدا سے دور ہو کر آمدنی کے وسائل سوچتی ہے اور دنیوی آمد میں ترقی کرتی جاتی ہے توں توں

قدرت اور منشاء الٰہی ان آمدنیوں کو ایک خرچ کا کیڑا بھی لگا دیتا ہے۔ گھر کی مستورات سے ہی لو اور پھر غور کرو کہ اس قوم نے کس طرح محنت کرنا اور کاروبار خانگی سے دست برداری اختیار کی ہے۔ چرخہ کاتنا یا چکی پیس کر گھر کی ضرورت کو پورا کرنا تو گویا اس زمانہ میں گناہ بلکہ کفر کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ کام کاج (جو کہ دراصل ایک مفید ورزش تھی جس سے مستورات کی صحت قائم رہتی اور دودھ صاف ہو کر اولاد کی پرورش اور عمدہ صحت کا باعث ہوتا تھا) تو یوں چھوٹا۔ اخراجات میں ایسی ترقی ہو گئی کہ آجکل کے لباس کو دیکھ کر مجھے تو بارہا تعجب آتا ہے۔ ایسا نکما لباس ہے کہ دس پندرہ دن کے بعد وہ نکما محض ہو کر خادمہ یا چوہڑی کے کام کا ہو جاتا ہے اور خدا کی قدرت کہ پھر وہ چوہڑی بھی اس سے بہت عرصہ تک مستفید نہیں ہو سکتی۔ وہ کپڑے کیا ہوتے ہیں؟ وہ تو ایک قسم کا مکڑی کا جالا ہوتا ہے جس میں بیٹھ کر وہ شکار کرتی ہے۔

پھر اس کے ساتھ ساتھ ایک اور خطرناک گھن لگا ہوا ہے۔ وہ یہ کہ اشیاء خوردنی کا نرخ بھی گراں ہو رہا ہے۔ ہر چیز میں گرانی ہے۔ اگر آمدنی کی ترقی ہوئی تو کیا فائدہ ہوا؟ دوسری طرف خرچ کا بڑھاؤ ہو گیا۔ بات تو وہیں رہی۔

ہمارے شہر کا ذکر ہے کہ ایک قوم دو آنے روز کے حساب سے ایک زمانہ میں مزدوری کیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ انہوں نے مل کر یہ منصوبہ کیا کہ بجائے ۸ دن کے ۵ دن میں روپیہ لیا کریں اور جو شخص ہم میں سے اس کی خلاف ورزی کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی عورت کو طلاق۔ مگر خدا کی قدرت وہ کام نہ چل سکا اور آخر مجبوراً ان کو فتویٰ لینا پڑا کہ اب کیا کریں۔ ملاں کے پاس گئے تو اس نے کہہ دیا کہ ہماری مسجد میں چند روز مفت کام کرو۔ جواز کی راہ نکال دیں گے۔ غرض ایک تو وہ وقت تھا اور ایک اب ہے کہ وہ روپیہ روز یا بعض سوا روپیہ روزانہ کماتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ کام بھی اس وقت کے برابر عمدہ اور مضبوط نہیں اور مقدار میں بھی اس وقت سے کم ہے۔ اس وقت وہی لوگ اسی مزدوری میں انجینئرنگ اور نقشہ کشی کرتے تھے اور وہی عمارت کا کام کرتے تھے مگر اب ان کاموں کے واسطے الگ ایک معقول تنخواہ کا ملازم درکار ہے۔

میرے والد صاحب ایک قسم کی لنگی (کھیس) پہنا کرتے تھے اور وہ کپڑا گھر کا بنایا ہوا ہوتا تھا۔ اس میں تلا ضرور ہوتا تھا۔ ہماری بہنوں کو فخر ہوا کرتا تھا کہ ہم اپنے والد صاحب کے پہننے کی لنگی اپنے ہاتھوں سے تیار کرتی ہیں۔

غرض ایک وہ وقت تھا کہ آمدنیاں اگرچہ کم تھیں مگر بوجہ کسب حلال ہونے کے بابرکت تھیں۔ اور

ایک یہ زمانہ ہے کہ دراصل اگر غور کیا جاوے تو آمدنیاں کم مگر خرچ زیادہ ہیں۔ آمدنی بڑھی تو خرچ بھی ساتھ ہی ترقی کر گئے۔ کیونکہ بوجہ زیادتی اخراجات کے لوگ اکثر ادھر ادھر سے آمدنی کے بڑھانے کے واسطے بہت قسم کے ناجائز وسائل اختیار کرتے ہیں۔ اکثر یہی کوشش دیکھی گئی ہے کہ روپیہ آجاوے۔ اس بات کی پروا نہیں کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے برکت ہوتا ہے۔

تعلیم کا حال دیکھ لو کیسی گراں ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ جو ترقی تعلیم کی ازبس مشتاق اور حریص تھی اسے مشکلات آ گئے کہ اب وہ لڑکوں کے پاس کرنے میں مضائقہ کرتی ہے اور اس فکر میں ہے کہ کسی طرح یہ سلسلہ کمی پر آجاوے۔ اور وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو گی اور ضرور ہو گی۔ کیونکہ خدا کو جب تک ان کی سلطنت منظور ہے تب تک ان کی نصرت بھی کرے گا۔

غرض یہ کہ اگر اپنی چالاکی اور ناجائز تدابیر اور ناجائز ذرائع سے مالوں کو بڑھانے کی کوشش کرو گے تو دوسری طرف خدا اس کو خاک میں ملاتا جاوے گا۔ اس وقت ایک واقعہ مجھے یاد آگیا ہے کہ ایک شخص نہایت خوبصورت صندوق جس میں مختلف قسم کے رنگارنگ کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی زرد قسم کے ٹکڑے کانچ کے تھے ایک رئیس کے پاس لایا اور پیش کیا کہ آپ اس کو خرید لیں۔ مگر وہ رئیس بڑا عقل مند تھا۔ اگرچہ مشرک تھا اور مشرک عقل مند نہیں ہوتا مگر ایک قسم کی جزوی عقل تھی۔ وہ بات کو سمجھ گیا اور کہا کہ یہ شخص شریر تو نہیں ہے اس کو دھوکہ لگا ہے۔ اگر شریر ہوتا تو اس کو میرے پاس آنے کی اس طرح جرأت نہ ہوتی۔ یہ سوچ کر اس سے کہا کہ میں ان کو خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ البتہ یہ ایک ہزار روپیہ تم کو دیا جاتا ہے اس بات کے بدلے کہ تم نے ایسی نایاب چیز ہمیں دکھائی۔ وہ شخص بہت خوش ہو گیا۔ رئیس نے اس سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم چند روز یہیں ٹھہر جاؤ۔ پھر ایک دو دن بعد بلوا کر پوچھا کہ تم نے یہ صندوق کہاں سے لیا۔ اس نے سارا ماجرا کہہ دیا کہ جب دلی کے غدر کے موقع پر افراتفری پڑی تو میں نے سنا ہوا تھا کہ بادشاہ اپنے پاس اس قسم کا ایک مختصر صندوقچہ رکھا کرتے ہیں کہ وقت ضرورت کام آوے۔ تو میں سب سے پہلے قلعہ میں کودا اور یہ صندوقچہ لے بھاگا۔ رئیس کو یقین آ گیا کہ واقعی یہی بات ہے۔ مگر اس شخص کے ساتھ کہیں دھوکا کیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا تو پھر سارا ماجرا بیان کرو کہ یہاں آنے تک اور کیا کیا باتیں پیش آئیں۔ تو اس پر اس شخص نے بیان کیا کہ رستے میں ایک اور شخص بھی میرا ہم سفر ہوا اور اس کے پاس بھی ایک صندوق تھا اور وہ یہی تھا۔ اثنائے راہ میں وہ گاہ گاہ مجھے کھول کر اپنا صندوقچہ دکھایا بھی کرتا تھا اور ذکر کرتا تھا کہ میں نے بھی دلی کی افراتفری میں حاصل کیا ہے۔ مگر چونکہ اس کا صندوقچہ میرے سے عمدہ تھا اور اس کا مال بھی میرے مال سے اچھا تھا اور

پھر وہ گاہ گاہ میرے حوالہ کر کے چلا بھی جاتا تھا اور میرا اعتبار کرتا تھا' میں اس کا اعتبار نہ کرتا اور نہ ہی صندوقچہ اسے کھول کر بتاتا۔ آخر ہوتے ہوتے مجھے اس کا صندوقچہ پسند آیا۔ میں نے موقع پا کر اپنا توڑا رہنے دیا اور اس کا صندوقچہ لے بھاگا جو میرے خیال میں میرے والے بکس سے عمدہ اور عمدہ مال والا تھا۔ اور یہ وہی صندوقچہ ہے جو میں نے اس شخص کا حاصل کیا اور اپنا اس کے واسطے چھوڑا۔ یہ سارا واقعہ سننے کے بعد اس رئیس نے اس سے کہا کہ اب وہ ہزار روپیہ تو ہم تمہیں دے چکے اور وہ تمہاری محنت کا پھل تھا جو تمہیں مل گیا۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ معمولی جھاڑ فانوس کے ٹکڑے ہیں چاہو ان کو رکھو اور چاہو پھینک دو' یہ کسی کام کے نہیں ہیں۔ اور روشنی کے داروغہ کو بلوا کر اسے ویسے ہزاروں ٹکڑے بتا دیئے۔ یہ دیکھ کر اس بے چارے کی آنکھیں کھلیں اور اپنے کئے پر پچھتایا۔ رئیس نے کہا کہ خدا رحیم کریم ہے۔ اس نے تمہاری محنت بالکل ضائع بھی نہ کی اور سزا بھی دے دی کہ تم نے چالاکی سے عمدہ مال حاصل کرنا چاہا تھا۔ الٹا اس حرص سے ایک گناہ بھی کیا اور اصل مال بھی برباد کیا۔ اس کا جو حال ہوا ہو گا اس کا ہمیں علم نہیں۔

غرض انسان چاہتا ہے کہ میں چالاکی اور دھوکہ سے کامیاب ہو جاؤں مگر خدا اس کو عین اسی رنگ میں سزا دیتا ہے اور ناکام کرتا ہے جس رنگ میں خدا کو ناراض کر کے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یہ قصہ کہانی نہیں بلکہ ایک واقعہ کا بیان کیا گیا اور عقل منداس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ میں نے یہ ایک بات کہی ہے۔ تم اس سے اصل حقیقت کی طرف چلے جاؤ۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ حقیقت میں وہی محتاج الیہ ہے۔

لَمْ یَلِدْ اس کا کوئی بچہ نہیں کیونکہ وہ صمد ہے اور بچہ لینے کے واسطے بیوی کی حاجت ہوتی ہے۔ پس وہ لَمْ یَلِدْ ہے کیونکہ وہ صمد ہے۔ خدا کا ولد ماننے میں نہ تو خدا کی صفت صمد ہی رہتی ہے اور نہ صفت احد ہی قائم رہ سکتی ہے۔ کیونکہ بچے کے واسطے بیوی کی حاجت لازمی ہے اور پھر بیوی اسی جنس اور کفو کی چاہئے تو احد بھی نہ رہا۔ غرض یہ بالکل سچ ہے کہ لَمْ یَلِدْ ہے وہ ذات پاک۔

وَلَمْ یُوْلَدْ اور وہ خود بھی کسی کا بیٹا نہیں۔ کیونکہ اس میں بھی والدین کی احتیاج لازمی اور کفو ضروری ہے۔ پس وہ احد ہے۔ صمد ہے۔ لَمْ یَلِدْ ہے اور لَمْ یُوْلَدْ اور لَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ذات ہے۔

دیکھو میں پھر کہتا ہوں اور درد دل سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ صمد ہے۔ اسی کو اپنا محتاج الیہ بنائے رکھو۔ کھانے' پینے' پہننے' عزت' اکرام' صحت' عمر' علم' بیوی' بچے اور ان کی تمام ضروریات کے واسطے

اسی کی طرف جھکو۔ میں اللہ کے نام کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب انسان خدا کو اپنا محتاج الیہ یقین کر لیتا ہے اور اس کا کامل ایمان ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی انسان کو کسی انسان کا محتاج نہیں کرتا۔ میں اپنا ہر روزہ تجربہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ صمد ہے۔ اسی پر ناز کرو۔ خدا کو چھوڑ کر اگر مخلوق پر بھروسہ کرو گے تو بجز ہلاکت کچھ حاصل نہ ہو گا۔ میں نصیحت کے طور پر تم کو یہ باتیں درد دل سے اور سچی تڑپ سے کہتا ہوں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور ہر ایک ذرہ اس کے اختیار اور تصرف میں ہے۔

لَمْ یَکُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کوئی رسول ہو خواہ نبی ولی ہو یا کوئی غوث و قطب، کوئی بھی اس کے لگے کا نہیں۔ کوئی بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ سب اسی کے محتاج ہیں اور اسی کے نور سے روشنی حاصل کرنے والے ہیں اور اسی سے فیض پا کر دنیا کو پہنچاتے رہتے ہیں۔ وہی ان سب کے کمال و فضل اور حسن و احسان کے انوار کا منبع اصلی ہے۔ پس جب ایسا خدا موجود ہے تو پھر ایک مومن انسان کو کیا غم ہے اور کونسی خوشی اس کی باقی رہ گئی ہے؟

حضرت اقدس فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کو اپنے مال پر خوشی ہوتی ہے، کسی کو یار دوستوں پر، مگر مجھے یہ خوشی کافی ہے کہ میرا خدا قادر خدا ہے۔ مگر یہ باتیں ایمان، یقین، فکر اور تدبر کو چاہتی ہیں اور اس بات کو چاہتی ہیں کہ انسان ہمیشہ رہنے کے واسطے نہیں بنایا گیا۔ کسی کو کیا علم ہے کہ میں کل رہوں گا یا نہیں۔ اس واسطے میں جب کبھی وعظ کرنے کھڑا ہوتا ہوں تو ہمیشہ آخری وعظ سمجھ کر کرتا ہوں۔ خدا جانے پھر کہنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے عمل کی۔ آمین۔

خطبہ ثانیہ

ایک دوست نے کل پوچھا تھا کہ صلوٰۃ اور برکات تو سمجھے مگر یہ جو قرآن شریف میں آیا ہے کہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب:۵۷) سلام اور تسلیم کیا ہوا؟

اس کے واسطے یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرتؐ ایک دین لائے تھے جس کا نام اسلام ہے اور وہ حقیقی خوشی، راحت اور خوشحالی کی جڑ اور سرچشمہ ہے۔ اس کی تعلیم پر چلنے سے انسان ہر دکھ سے نجات پاتا اور ہر سکھ اسے میسر ہوتا ہے۔ دیکھو میں بہت بڑی عمر پا چکا ہوں اور اب بڈھا ہو گیا ہوں اس لئے میری شہادت اس امر میں کافی ہے۔

قاعدہ ہے کہ ہر انسان کو ضرورتیں ہوتی ہیں اور کچھ اس کے ارادے اور خواہشات ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی انسان کو ان کے پورا کرنے کی کوششوں میں غلط کارروائی کی وجہ سے تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں اور

بجائے نفع کے نقصان بھگتنا پڑتا ہے۔ جتنی جتنی کوئی چیز نازک اور عظیم الشان ہوتی ہے اتنا ہی اسے نقصان کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔ دیکھو اسلام بڑا نازک اور عظیم الشان مذہب ہے اس لئے اسے نقصان کا اندیشہ بھی زیادہ ہے۔ خود قوم کی حالت اور نمونے کا اس پر اثر ہوتا ہے۔ افراد کی حالت سے قیاس کر لیا جاتا ہے۔ مسلمان کیسے ذلیل' مفلس اور محتاج ہیں۔ پھر ایں کیسے کیسے منصوبے کرتے ہیں۔ ان میں حد درجے کی کمزوریاں اور سستیاں اور کاہلی موجود ہے۔ فاسق فاجر اور بدمعاش اچکے ان میں بھرے پڑے ہیں۔ جیل ان سے بھرے ہوئے ہیں۔ پھر بھی جھوٹا فخر' تکبر' بڑائی اور شیخی ایسی کی جاتی ہے کہ گویا تمیں مار خان یہی ہیں۔ ذرا سی بات میں وحشی بن جاتے ہیں اور جھوٹے فخر کرتے ہیں کہ تمام دنیا نے جو کچھ سیکھا ہے اسلام سے سیکھا ہے۔ اچھا اگر دنیا نے اسلام سے سیکھ لیا تو تم نے کیوں نہ سیکھا؟

غرض ان بداخلاقیوں اور افراد کے رذائل اور ردی حالت سے خود اسلام پر اعتراض اور دھبہ آتا ہے اور دشمنوں کے حملے ہوتے ہیں اور اور قوموں کو ایسے برے نمونے سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اسی واسطے مسلمان کو حکم ہے کہ آپ کے واسطے تسلیم مانگے کہ آپ کا دین' آپ کے ارادے اور آپ کی تمام آرزوئیں ہر طرح سے محفوظ و مصئون رہیں اور کبھی کسی میں کوئی نقص یا کمزوری اور دھبہ نہ آوے۔ آمین۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۹--- ۲۲/ اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۵ تا ۷)

☆-☆-☆-☆

۲۴/ اپریل ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ۔ وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ (الفلق:۲تا۶)۔

اور پھر فرمایا:-

چار قل جو نماز میں اور نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان میں سے یہ تیسرا قل ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ قرآن شریف میں فلق کا لفظ تین طرح پر استعمال ہوا ہے۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ (الانعام:۹۷) فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی (الانعام:۹۶)۔ پس خدا فَالِقُ الْاِصْبَاحِ، فَالِقُ الْحَبِّ اور فَالِقُ النَّوٰی ہے۔ دیکھو رات کے وقت خلقت کیسی ظلمت اور غفلت میں ہوتی ہے۔ بجز موذی جانوروں کے عام طور سے چرند پرند بھی اس وقت آرام اور ایک طرح کی غفلت میں ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے

نہایت تاکیدی حکم دیا ہے کہ رات کے وقت گھروں کے دروازے بند کرلیا کرو۔ کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانک کر رکھا کرو خصوصاً جب اندھیرے کا ابتدا ہو۔ اور بچوں کو ایسے اوقات میں باہر نہ جانے دو کیونکہ وہ وقت شیاطین کے زور کا ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق جو کہ آج سے تیرہ سو برس پیشتر ایک امی بیابان عرب کے ریگستانوں کے رہنے والے کے منہ سے نکلا تھا آج اس روشنی اور علمی ترقی کے زمانہ میں بھی نہایت باریک در باریک محنتوں اور کوششوں کی تحقیقات کے بعد بھی ہو رہی ہے۔ جو کچھ آپؐ نے آج سے تیرہ سو برس پیشتر فرمایا تھا آج بڑی سرزنی اور ہزار کوشش کے بعد بھی کوئی سچا علم یا سائنس اسے جھوٹا نہیں کر سکا۔ اس نئی تحقیقات سے جو کچھ ثابت ہوا ہے وہ بھی یہی ہے کہ کل موذی اجرام اندھیرے میں اور خصوصاً ابتداء اندھیرے میں جوش مارتے ہیں مگر لوگ بباعث غفلت ان امور کی قدر نہیں کرتے۔

رات کی ظلمت میں عاشق اور معشوق' قیدی اور قید کنندہ' بادشاہ اور فقیر' ظالم اور مظلوم سب ایک رنگ میں ہوتے ہیں اور سب پر غفلت طاری ہوتی ہے۔ ادھر صبح ہوئی اور جانور بھی پھڑپھڑانے لگے۔ مرغ بھی آوازیں دینے لگے۔ بعض خوش الحان آنے والی صبح کی خوشی میں اپنی پیاری راگنیاں گانے لگے۔ غرض انسان' حیوان' چرند' پرند' سب پر خود بخود ایک قسم کا اثر ہو جاتا ہے اور جوں جوں روشنی زور پکڑتی جاتی ہے توں توں سب ہوش میں آتے جاتے ہیں۔ گلی کوچے' بازار' دوکانیں' جنگل' ویرانے' سب جو کہ رات کو بھیانک اور سنسان پڑے تھے ان میں چہل پہل اور رونق شروع ہو جاتی ہے۔ گویا یہ بھی ایک قسم کا قیامت اور حشر کا نظارہ ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ میں ہوں۔

حب۔ گیہوں' جو' چاول وغیرہ اناج کے دانوں کو کہتے ہیں۔ دیکھو کسان لوگ بھی کس طرح سے اپنے گھروں میں سے نکال کر باہر جنگلوں میں اور زمین میں پھینک آتے ہیں۔ وہاں ان کو اندھیرے اور گرمی میں ایک کیڑا لگ جاتا ہے اور دانے کو مٹی کر دیتا ہے۔ پھر وہ نشو و نما پاتا' پھیلتا پھولتا ہے اور کس طرح ایک ایک دانہ کا ہزار در ہزار بن جاتا ہے۔

اسی طرح ایک گٹک (گٹھلی) کیسی ردی اور ناکارہ چیز جانی گئی ہے۔ لوگ آم کا رس چوس لیتے ہیں' گٹھلی پھینک دیتے ہیں۔ عام طور سے غور کر کے دیکھ لو کہ گٹھلی کو ایک ردی اور بے فائدہ چیز جانا گیا ہے۔ مختلف پھلوں میں جو چیز کھانے کے قابل ہوتی ہے وہ کھائی جاتی ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی (الانعام:۹۶) ہوں۔ اس چیز کو جسے تم لوگ ایک ردی سمجھ کر پھینک دیتے ہو اس سے کیسے کیسے درخت پیدا کرتا ہوں کہ انسان' حیوان' چرند' پرند سب اس

سے مستفید ہوتے ہیں۔ ان کے سائے میں آرام پاتے ہیں۔ ان کے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میوے، شربت، غذائیں، دوائیں اور مقوی اشیاء خوردنی ان سے مہیا ہوتی ہیں۔ ان کے پتوں اور ان کی لکڑی سے بھی فائدہ اٹھاتے ہو۔ گٹھلی کیسی ایک حقیر اور ذلیل چیز ہوتی ہے مگر جب وہ خدائی تصرف میں آکر خدا کی ربوبیت کے نیچے آجاتی ہے تو اس سے کیا کا کیا بن جاتا ہے۔

غرض اس چھوٹی سی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ فلق کے نیچے باریک در باریک حکمتیں رکھی ہیں اور انسان کو ترقی کی راہ بتائی ہے کہ دیکھو جب کوئی چیز میرے قبضۂ قدرت اور ربوبیت کے ماتحت آجاتی ہے تو پھر وہ کس طرح ادنیٰ اور ارذل حالت سے اعلیٰ بن جاتی ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو مدنظر رکھ کر اور اس کی کامل قدرت کا یقین کر کے اور اس کے اسماء اور صفات کاملہ کو پیش نظر رکھ کر اس سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے بڑھاتا اور ترقی دیتا ہے۔

مجھے ایک دفعہ ایک نہایت مشکل امر کے واسطے اس دعا سے کام لینے سے کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں لاہور گیا۔ میرے آشنا نے مجھے ایک جگہ لے جانے کے واسطے کہا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ مگر نہیں معلوم کہ کہاں لے جاتا ہے اور کیا کام ہے؟ اس طرح کی بے علمی میں وہ مجھے ایک مسجد میں لے گیا جہاں بہت لوگ جمع تھے۔ قرائن سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ کسی مباحثہ کی تیاری ہے۔ میری چونکہ نماز عشا باقی تھی میں نے ان سے کہا کہ مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ یہ مجھے ایک موقع مل گیا کہ میں دعا کر لوں۔ خدا کی قدرت! اس وقت میں نے اس سورۃ کو بطور دعا پڑھا اور باریک در باریک رنگ میں اس دعا کو وسیع کر دیا اور دعا کی کہ اے خدائے قادر و توانا! تیرا نام فَالِقُ الْاِصْبَاحِ، فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰی ہے۔ میں ظلمات میں ہوں، میری تمام ظلمتیں دور کر دے اور مجھے ایک نور عطا کر جس سے میں ہر ایک ظلمت کے شر سے تیری پناہ میں آجاؤں۔ تو مجھے ہر امر میں ایک حجت نیرہ اور برہان قاطعہ اور فرقان عطا فرما۔ میں اگر اندھیروں میں ہوں اور کوئی علم مجھ میں نہیں ہے تو تُو ان ظلمات کو مجھ سے دور کر کے وہ علوم مجھے عطا فرما اور اگر میں ایک دانے یا گٹھلی کی طرح کمزور اور ردی چیز ہوں تو تو مجھے اپنے قبضۂ قدرت اور ربوبیت میں لے کر اپنی قدرت کا کرشمہ دکھا۔ غرض اس وقت میں نے اس رنگ میں دعا کی اور اس کو وسیع کیا جتنا کہ کر سکتا تھا۔ بعدہ میں نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔ خدا کی قدرت کہ اس وقت جو مولوی میرے ساتھ مباحثہ کرنے کے واسطے تیار کیا گیا تھا وہ بخاری لے کر میرے سامنے بڑے ادب سے شاگردوں کی طرح بیٹھ گیا اور کہا یہ مجھے آپ پڑھاویں۔ وہ صلح حدیبیہ کی ایک حدیث تھی۔ حضرت مرزا صاحب کے متعلق اس میں کوئی ذکر نہ تھا۔

لوگ حیران تھے اور میں خدا تعالیٰ کے تصرف اور قدرتِ کاملہ پر خدا کے جلال کا خیال کرتا تھا۔ آخر لوگوں نے اس سے کہا کہ یہاں تو مباحثہ کے واسطے ہم لائے تھے، تم ان سے پڑھنے بیٹھ گئے ہو۔ اگر پڑھنا ہی مقصود ہے تو ہم مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کر دیتے۔ ان کے ساتھ جموں چلے جاؤ اور روٹی بھی مل جایا کرے گی۔

وہی شخص ایک بار پھر مجھے ملا اور کہا کہ میں اپنی خطا معاف کرانے آیا ہوں کہ میں نے کیوں آپ کی بے ادبی کی؟ میں حیران تھا کہ اس نے میری کیا بے ادبی کی؟ حالانکہ اس وقت بھی اس نے میری کوئی بے ادبی نہ کی تھی۔

غرض یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا قادر خدا ہے اور اس کے تصرفات بہت یقینی ہیں۔ اس وقت تم لوگوں کے سامنے ایک زندہ نمونہ رَبُّ الْفَلَقِ کے ثبوت میں کھڑا ہے۔ اپنے ایمان تازہ کرو اور یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ سچی تڑپ اور دردِ دل کی دعا کو ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرتا۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ مخلوق الٰہی میں بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ بعض اوقات انسان کے واسطے مضر ہو جاتی ہیں۔ ان سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے کیونکہ وہ بھی خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور اندھیرے کے شر سے جب وہ بہت اندھیرا کر دیوے۔ ہر اندھیرا ایک تمیز کو اٹھاتا ہے۔ جتنے بھی موذی جانور ہیں مثلاً مچھر، پسو، کھٹمل، جوں، ادنیٰ سے اعلیٰ اقسام تک کل موذی جانوروں کا قاعدہ ہے کہ وہ اندھیرے میں جوش مارتے ہیں اور اندھیرے کے وقت ان کا ایک خاص زور ہوتا ہے۔

ظلمت بھی بہت قسم کی ہے۔ ایک ظلمت فطرت ہوتی ہے۔ جب انسان میں ظلمتِ فطرت ہوتی ہے تو اس کو ہزار دلائل سے سمجھاؤ اور لاکھ نشان اس کے سامنے پیش کرو وہ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ سکتے۔ ایک ظلمت جہالت ہوتی ہے۔ ایک ظلمت عادت، ظلمت رسم، ظلمت صحبت، ظلمت معاصی، غرض یہ سب اندھیرے ہیں۔ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے محفوظ رکھے۔

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ اس قسم کے شریر لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے لوگوں کی بہت تحقیقات کی ہے اور اس میں مشغول رہا ہوں اور طب کی وجہ سے ایسے لوگوں سے مجھے واسطہ بھی بہت پڑا ہے کیونکہ اس علم کی وجہ سے ایسے لوگوں کو بھی میرے پاس آنے کی ضرورت پڑی ہے اور میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا ہے۔ ان لوگوں کو خطرناک قسما قسم کے زہر یاد ہوتے ہیں جن کے ذریعہ سے بعض امراض انسان کے لاحقِ حال ہو جاتی ہیں۔ وہ زہریہ لوگ باریک در باریک تدابیر

سے خادماؤں یا چوہڑیوں کے ذریعہ سے لوگوں کے گھروں میں دفن کرادیتے ہیں۔ آخرکار ان کے اثر سے لوگ بیمار ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے چھوڑے ہوئے لوگ مرد اور عورتیں ان بیماروں کو کہتی ہیں کہ کسی نے تم پر جادو کیا ہے' کسی نے تم پر سحر کیا ہے۔ لہٰذا اس کا علاج فلاں شخص کے پاس ہے۔ آخر مرتا کیا نہ کرتا۔ لوگ ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنی مستورات کے ذریعہ سے' چونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ وہ زہر کہاں مدفون ہے اور ان کے پاس ایک باقاعدہ فہرست ہوتی ہے' وہ زہر مدفون نکال کر ان کو بتاتے ہیں اور اس طرح سے ان بیماروں کا اعتقاد اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو چونکہ ان زہروں کے تریاق بھی یاد ہوتے ہیں ان کے استعمال سے بعض اوقات تعویذ کے رنگ میں لکھ کر پلوانے سے یا کسی اور ترکیب سے ان کا استعمال کراتے ہیں اور ان سے ہزاروں روپیہ حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح سے بعض کو کامیاب اور بعض کو ہلاک کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جو لوگوں کو اپنے فائدے کی غرض سے قسما قسم کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ شریر لوگ ہیں جو مومنوں کے کاروبار میں اپنی بد تدابیر سے روک اور حرج پیدا کرتے ہیں اور اس طرح سے پھر مومنوں کی کامیابی میں مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر آخرکار وہ ناکام رہ جاتے ہیں اور مومنین کا گروہ مظفر و منصور اور بامراد ہو جاتا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ کسی کی عزت' بھلائی' بڑائی' بہتری' اکرام اور جاہ و جلال کو دیکھ کر جلنے والے لوگ بھی بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی انسانی ارادوں میں بوجہ اپنے حسد کے روک پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ غرض یہ سورۃ مشتمل ہے ایک جامع دعا پر۔ رسول اکرمؐ نے اس سورۃ کے نزول کے بعد بہت سی تعوذ کی دعائیں ترک کر دی تھیں اور اسی کا ورد کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سورۃ کو آپ کے دست مبارک پر پڑھ پڑھ کر آپ کے منہ اور بدن پر ملتی تھیں۔ مگر افسوس کہ مسلمانوں نے عام طور سے اب ان عجیب پر تاثیر اوراد کو قریباً ترک ہی کر دیا ہے۔

انسان جب ایک گناہ کرتا ہے تو اسے دوسرے کے واسطے بھی تیار رہنا چاہئے۔ کیونکہ ایک گناہ دوسرے کو بلاتا ہے۔ اور اسی طرح ایک نیکی دوسری نیکی کو بلاتی ہے۔ دیکھو بد نظری ایک گناہ ہے۔ جب انسان اس کا ارتکاب کرتا ہے تو دوسرے گناہ کا بھی اسے ارتکاب کرنا پڑتا ہے اور زبان کو بھی اس طرح شامل کرتا ہے کہ کسی سے دریافت کرتا ہے کہ یہ عورت کون ہے' کس جگہ رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب زبان بھی ملوث ہوئی اور ایک دوسرا شخص بھی اور جواب سننے کی وجہ سے کان بھی شریک گناہ ہو

گئے۔ اس کے بعد اس کے مال اور روپیہ پر اثر پڑتا ہے اور اس گناہ کے حصول کے واسطے روپیہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ غرض ایک گناہ دوسرے کا باعث ہوتا ہے۔ پس مسلمان انسان کو چاہئے کہ ایسے ارادوں کے ارتکاب سے بھی بچتا رہے اور خیالات فاسدہ کو دل میں ہی جگہ نہ پکڑنے دے اور ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہے۔ انسان اپنی حالت کا خود اندازہ لگا سکتا ہے۔ اپنے دوستوں اور ہم نشینوں کو دیکھتا رہے کہ کیسے لوگوں سے قطع تعلق کیا ہے اور کیسے لوگوں کی صحبت اختیار کی ہے۔ اگر اس کے یار آشنا اچھے ہیں اور جن کو اس نے چھوڑا ہے ان سے بہتر اسے مل گئے ہیں جب تو خوشی کا مقام ہے ورنہ بصورت دیگر خسارہ میں۔ دیکھنا چاہئے کہ جو کام چھوڑا ہے اور جو اختیار کیا ہے ان میں سے اچھا کون سا ہے۔ اگر برا چھوڑ کر اچھا کام اختیار کیا ہے تو مبارک ورنہ خوف کا مقام ہے۔ کیونکہ ہر نیکی دوسری نیکی کو اور ہر بدی دوسری بدی کو بلاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو توفیق دے کہ تم اپنے نفع اور نقصان کو سمجھ سکو اور نیکی کے قبول کرنے اور بدی کے چھوڑنے کی توفیق عطا ہو۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۷---۶ / جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۳-۴)

☆-☆-☆-☆

بعد از خلافت
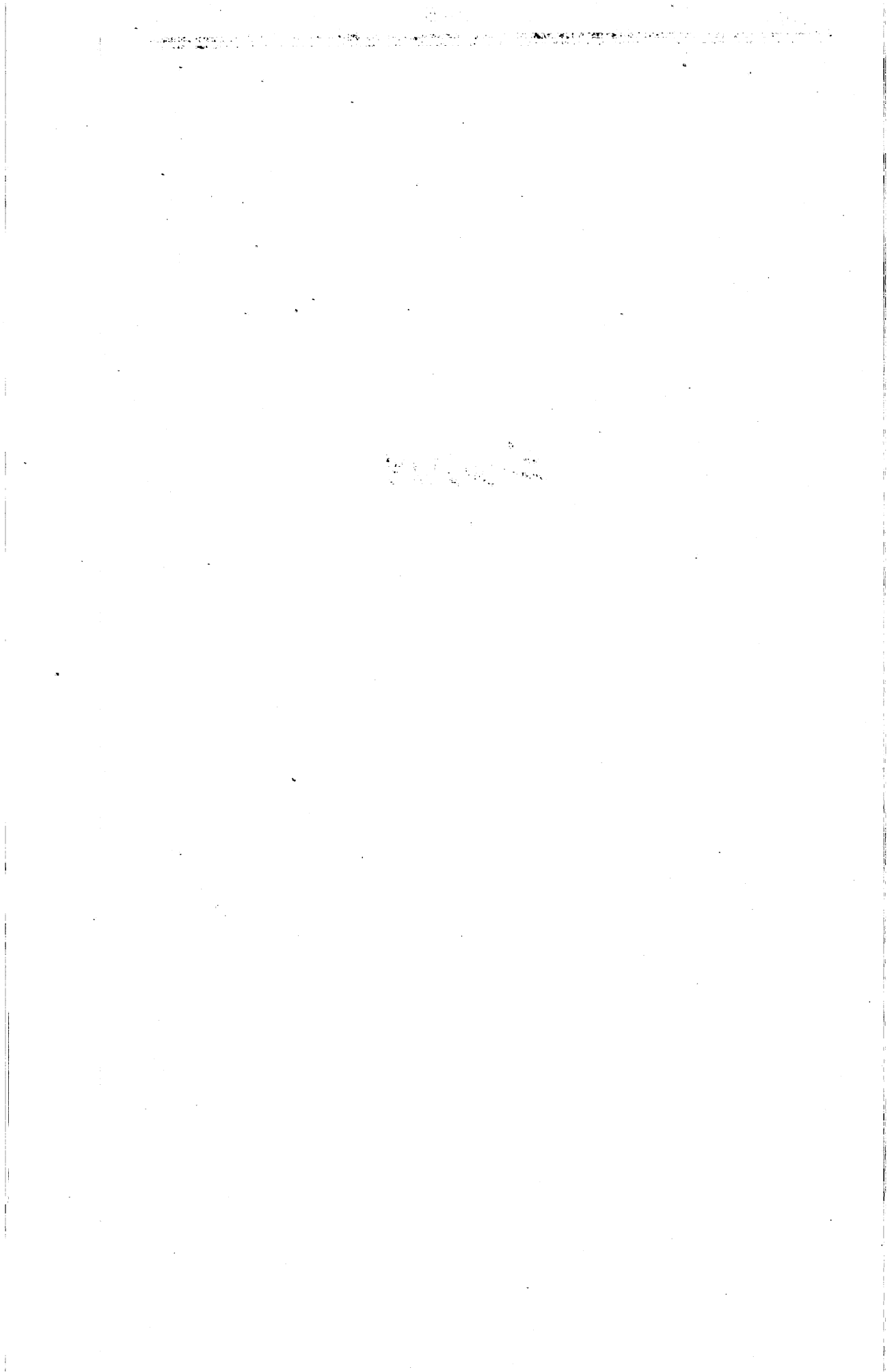
۵ جون ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل ایات کی تلاوت فرمائی:۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ- وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ- وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ- الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ- اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرۃ:۱۵۴تا۱۵۸)۔

اور پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے یہ کلمات جو میں نے تم کو اس وقت سنائے ہیں معمولی وعظ نہیں ہے اور نہ ہی ان کے متعلق کچھ بیان کرنا آج میرا مقصد تھا۔ یہ ایک علم ہے اور الٰہی علم ہے جو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کلام خدا کا ہے، انسان کا کلام نہیں۔ خدا کی پاک اور مجید کتاب کی سچی تعلیم ہے، وہی کتاب جس

کے واسطے اب اور پہلے بھی تم سب نے امام صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ کامل کتاب ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ (العنکبوت:۵۲)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت قلم دوات منگائی اور چاہا کہ میں تم کو ایسی بات لکھ دوں کہ لَنْ تَضِلُّوْا (بخاری کتاب المرضی) کہ تم میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو۔ جن لوگوں کی عقل باریک اور سمجھ مضبوط اور علم کامل تھا وہ سمجھ گئے کہ انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی طرف متوجہ کیا۔ اور جس کی زبان پر حق چلتا تھا اس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ آپ جو بات بھی لکھنا چاہتے تھے وہ یہی پاک کتاب تھی۔ چنانچہ اس نے صاف کہا کہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ۔ یہ ایک نکتہ معرفت ہے جو ایک زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولا تھا۔ آنحضرتؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہیں کہ میں ایسی بات لکھ دوں کہ لَنْ تَضِلُّوْا۔ پس تطابق سے صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن ایک کافی کتاب ہے۔

آج یہ جو دو آیات میں نے تمہارے سامنے پڑھی ہیں یہ میرے کسی خاص ارادے، غور و فکر کا نتیجہ نہیں اور نہ میں نے کوئی تیاری قبل از وقت اس مضمون اور ان آیات کے متعلق آج خطبہ جمعہ میں سنانے کی کی تھی۔ وعظ کا بیشک میں عادی ہوں مگر یہ آیتیں محض اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے دل میں ڈالی گئیں۔

اس کا مطلب سمجھنے کے واسطے میں پہلے تمہیں تاکید کرتا ہوں۔ توجہ سے سنو اور یاد رکھو۔ جب تمہیں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو پہلے دائیں طرف تھوک دو، پھر لاحول پڑھو اور ان باتوں کو کثرت سے استعمال کرو۔ دعا کرو۔ پھر تاکید سے کہتا ہوں کہ اب تمہارا کام یہ ہے کہ ہتھیار بند ہو جاؤ۔ کمریں کس لو اور مضبوط ہو جاؤ۔ وہ ہتھیار کیا ہیں؟ یہی کہ دعائیں کرو۔ استغفار، لاحول، درود اور الحمد شریف کا ورد کثرت سے کرو۔ ان ہتھیاروں کو اپنے قبضہ میں لو اور ان کو کثرت سے استعمال کرو۔ میں ایک تجربہ کار انسان کی حیثیت سے اور پھر اس حیثیت سے کہ تم نے مجھ سے معاہدہ کیا ہے اور میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے تم کو بڑے زور سے اور تاکیدی حکم سے کہتا ہوں کہ سر سے پاؤں تک ہتھیاروں میں محفوظ ہو جاؤ اور ایسے بن جاؤ کہ کوئی موقع دشمن کے وار کے واسطے باقی نہ رہنے دو۔ بائیں طرف تھوکنا، لاحول کا پڑھنا، استغفار، درود اور الحمد شریف کا کثرت سے وظیفہ کرنا ان ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان آیات کا مضمون سن لو۔

تم نے سنا ہو گا اور مخالفوں نے بھی محض اللہ کے فضل سے اس بات کی گواہی دی ہے اور تم میں سے

بعض نے اپنی آنکھ سے بھی دیکھا ہو گا کہ حدیث شریف میں آیا۔ اَلْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ (بخاری کتاب الجهاد) وہ جو دستوں کی مرض سے وفات پاوے وہ شہید ہوتا ہے۔ مبطون کہتے ہیں جس کا پیٹ چلتا ہو یعنی دست جاری ہو جاویں۔ اب جائے غور ہے کہ آپ کی وفات اسی مرض دستوں سے ہی واقع ہوئی ہے۔ اب خواہ اسی پرانے مرض کی وجہ سے جو مدت سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور ایک نشان کے آپ کے شامل حال تھا یا بقول دشمن وہ دست ہیضہ کے تھے' بہر حال جو کچھ بھی ہو یہ امر قطعی اور یقینی ہے کہ آپ کی وفات بصورت مبطون ہونے کے واقع ہوئی ہے۔ پس آپ بموجب حدیث صحیح کہ مبطون جو مرض دست سے' خواہ کسی بھی رنگ میں کہو' وفات پانے والا شہید ہوتا ہے۔ پس اس طرح سے خود دشمنوں کے منہ سے بھی آپ کی شہادت کا اقرار خدا نے کرا دیا۔

يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد لڑائی اور جنگ ہوتی ہے۔ لڑائی اور جنگ ہی میں صلح ہوتی ہے۔ خدا نے آپ کو پیغام صلح دینے کے بعد اٹھایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جنگ کا خاتمہ ہونے کو ہے کیونکہ اب صلح کا پیغام ڈالا گیا ہے۔ مگر خدا کی حکمت اس میں یہی تھی کہ آپ کو حالت جنگ ہی میں بلا لے تا آپ کا اجر جہاد فی سبیل اللہ کا جاری اور آپ کو رتبہ شہادت عطا کیا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ عملی طور پر اس صلح کی کارروائی کے انجام پذیر ہونے سے پہلے جبکہ ابھی زمانہ' زمانہ جنگ ہی کہلاتا تھا اٹھا لیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے اس سے کئی سال پہلے ایک دفعہ کل شہر کو بلا کر شیخ میراں بخش کی کوٹھی میں جو کہ عین شہر کے وسط میں واقع ہے ایک فیصلہ سنایا اور اس کا نام آپ نے فیصلہ آسمانی رکھا۔ عزیز عبد الکریم مرحوم کو کچھ تو اس خیال سے کہ ان کی آواز اونچی اور دلربا بھی تھی' شاید ان کو خود ان کی اپنی آواز پر بھی کچھ خیال ہو گا اور کچھ اس جوش سے جو عموماً ایسے موقعوں پر ہوا کرتا تھا اس امر کی درخواست کی کہ میں یہ مضمون سناؤں۔ مگر آپ نے بڑے جوش اور غضب سے کہا کہ اس مضمون کا سنانا بھی میرا ہی فرض ہے۔ غرض ہزاروں ہزار مخلوق کے مجمع میں ایک مضمون آپ نے بیان کیا اور آپ نے دعاوی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ پھر اس کے بعد دوسرے موقع جلسہ اعظم مذاہب میں آپ کے بے نظیر اور پر حقائق لیکچر کے سنائے جانے سے دنیا پر حجت قائم ہو گئی۔ پھر آپ نے میلہ رام کے مکان پر ایک پر زور لیکچر تحریری اور تقریری دیا۔

پھر اس کے بعد آپ نے ہم لوگوں کو حکم دیا کہ آریہ قوم پر بھی حجت قائم کر دی جاوے اور اس غرض کے پورا کرنے کے واسطے آپ نے ایک مضمون دیا جو کہ شہادت کے طور پر سنایا گیا اور جس میں آپ کا حقیقی مذہب اور سچا اعتقاد' دلی آرزو' سچی تڑپ اور خواہش تھی۔ وہ دے کر ہمیں بھیجا اور ہمارے آنے

جانے کے کثیر اخراجات کو برداشت کیا۔ غرض اس طرح سے بھی آپ نے لاہور جیسے دارالحکومت میں لوگوں پر اپنی حجت ملزمہ قائم کر دی۔ پھر اس کے بعد آخری سفر میں بھی تمام امراء کو دعوت دیکر ان کو اپنے دعاوی، دلائل، اعتقاد اور مذہب پہنچا دیا۔

آپ نے اپنے پیغام رسالت کو جس شان اور دھوم سے دارالسلطنت میں بار بار پہنچایا، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اب بھی کوئی یہ کہہ دے کہ آپ جس کام کے واسطے آئے تھے وہ ابھی پورا نہیں ہوا یا ناتمام رہ گیا۔ اب آخر کار اس گرمی کے موسم میں حالت سفر میں اور جنگ میں آپ نے پیغام صلح دیا۔ مگر قبل اس کے کہ وہ صلح اپنا عملی رنگ پکڑے خدا نے آپ کو اٹھا لیا تا آپ حالت جنگ میں وفات پانے کا غیر منقطع اجر پاویں۔

اب اللہ تعالیٰ کہتا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ وَ لَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّاتَشْعُرُوْنَ ہم سناتے ہیں۔ ذرا غور سے، توجہ سے اور خبردار ہو کر سن لو۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا کہتے ہیں؟ یہی کہ تم ان لوگوں کے حق میں یہ کبھی بھی مت کہیو۔ جو خدا کی راہ میں جان خرچ کر گئے ہیں اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے ہیں کیا مت کہیو؟ یہ مت کہیو کہ وہ مر گئے ہیں۔ وہ مرے نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ آپ نے خدا کی راہ میں تبلیغ احکام الٰہیہ میں، خدا کی راہ میں حالت سفر میں وفات پائی ہے۔ پس یہ خدا کا حکم ہے اور کوئی بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ آپ کو مردہ کہے۔ آپ مردہ نہیں، آپ ہلاک شدہ نہیں، بَلْ اَحْیَآءٌ بلکہ زندہ ہیں۔ یاد رکھو کہ یہ نہی الٰہی ہے۔ ہم وجوہات نہیں جانتے کہ ایسا کیوں حکم دیا گیا بلکہ اس جگہ ایک اور نکتہ بھی قابل یاد ہے اور وہ یہ ہے کہ اور جگہ جہاں شہداء کا ذکر کیا ہے وہاں اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ کا لفظ بھی بولا ہے مگر اس مقام پر عِنْدَ رَبِّھِمْ کا لفظ چھوڑ دیا ہے۔ دیکھو انسان جب مرتا ہے تو اس کے اجزا متفرق ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ خدا کا خاص فضل ہے کہ اس نے حضرت مرزا صاحب کی جماعت کو جو بمنزلہ آپ کے اعضاء کے اور اجزا کے تھی اس تفرقہ سے بچا لیا اور اتفاق اور اتحاد اور وحدت کے اعلیٰ مقام پر کھڑا کر کے آپ کی زندگی اور حیات ابدی کا پہلا زندہ ثبوت دنیا میں ظاہر کر دیا۔ صرف تخم ریزی ہی نہیں کی بلکہ دشمن کے منہ پر خاک ڈال کر وحدت کو قائم کر دیا۔

دیکھو! یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اَلْمَبْطُوْنُ شَھِیْدٌ۔ اور دوسری طرف قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں جھنجوڑ کر کہا ہے کہ مردہ مت کہو بلکہ یہ کہو کہ اَحْیَآءٌ ۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم نے خود دم نکلتے دیکھا۔ غسل دیا، کفن دیا اور اپنے ہاتھوں سے گاڑ دیا اور خدا کے سپرد کیا۔

پھر یہ کیسے ہو کہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ مگر دیکھو اللہ فرماتا ہے کہ تمہارا شعور غلطی کرتا ہے۔ میں یہ مسئلہ اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ وہ اپنے اندر غیرت پیدا کریں اور سچے جوش جو حق اور راستی کے قبول کرنے سے ان میں موجود ہو گئے ہیں ان کا اظہار کریں اور ہمیں دکھادیں کہ واقعی ان میں ایک غیرت اور حمیت ہے اور ان مخالفوں سے پوچھیں کہ دشمن جو کہتا ہے کہ ہیضہ سے مرے ہیں۔ اچھا مان لیا کہ دشمن سچ کہتا ہے۔ پھر ہیضہ سے مرنا شہادت نہیں ہے؟ پیغام صلح جنگ کو ثابت کرتا ہے اور دشمن بھی اس بات کو تسلیم کرے گا کہ واقعی آپ کی وفات عین جہاد فی سبیل اللہ میں واقع ہوئی ہے۔ دشمن نے خود بھی ہر طرح سے مورچہ بندی کی ہوئی تھی اور اپنے پورے ہتھیاروں سے اپنی حفاظت کے سامان کرنے کی فکر میں لگ رہا تھا۔ اراکین اور امراء کو دعوت دیکر آپ نے اپنے تمام دعاوی پیش کئے تھے یا کہ نہیں؟ پس ان سب لوازم کے ہوتے ہوئے بھی اگر دشمن آپ کے احیاء کے قائل نہیں تو جانور ہیں۔

مانا کہ یہ رنگ ہمارے واسطے ایک ابتلائی رنگ ہے۔ صاحبزادہ میاں مبارک احمد کی وفات اور پھر خود حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوچ کرنا واقعی اپنے اندر ضرور ابتلاء کا رنگ رکھتے ہیں مگر اس سے خدا ہم کو انعام دینا چاہتا ہے۔ انعام الٰہی پانے کے واسطے ضروری ہوتا ہے کہ کچھ خوف بھی ہو۔ خوف کس کا؟ خوف اللہ کا، خوف دشمن کا، خوف بعض نادان ضعیف الایمان لوگوں کے ارتداد کا، مگر وہ بہت تھوڑا ہو گا۔ یہ ایک پیشگوئی ہے اور اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرَاتِ۔ خدا فرماتا ہے کہ میری راہ میں کچھ خوف آوے گا، کچھ جوع ہو گی۔ جوع یا تو روزہ رکھنے سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ روزے رکھو اور یا اس رنگ میں جوع اپنے اوپر اختیار کرو کہ صدقہ خیرات اس قدر نکالو کہ بعض اوقات خود تم کو فاقہ تک نوبت پہنچ جاوے۔ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں اتنا خرچ کرو کہ وہ کم ہو جاویں۔ اور جانوں کو بھی اسی کی راہ میں خرچ کرو۔ علیٰ ہذا پھلوں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اور ایسے لوگوں کو جو مصائب اور شدائد کے وقت ثابت قدم رہتے ہیں اور نیکی پر ثبات رکھتے ہیں خدا کو نہیں چھوڑتے اور کہتے ہیں کہ ہم سب الٰہی رضا کے واسطے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ جس طرح وہ راضی ہو اس راہ سے ہم اس کے حضور اس کو خوش کرنے کے واسطے حاضر و تیار اور کمربستہ ہیں۔ ہم نے اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ پس جس کے حضور انسان نے ایک نہ ایک دن حاضر ہونا ہے وہ اگر اس سے خوش نہیں تو پھر اس ملاقات کے دن سرخروئی کیسے ہو

گی؟ پس تم خود ہی پیشتر اس کے کہ خدا کی طرف سے تم پر خوف' جوع اور نقص اموال اور ثمرات کا ابتلا آوے خود اپنے اوپر ان باتوں کو اپنی طرف سے خدا کی خوشنودی کے حصول کے واسطے وارد کر لو تا کہ دوہرا اجر پاؤ اور یہ قدم خدا کے لئے اٹھاؤ تا کہ اس کا بہتر بدلہ خدا سے پاؤ اور یہ مصائب دینی نہیں بلکہ صرف معمولی اور دنیوی ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ دشمن برا بھلا کہہ لے گا۔ کوئی گندہ گالیوں کا بھرا اشتہار دیدیگا۔ یا خفگی اور ناراضگی کے لہجہ میں کوئی بودا سا اعتراض کر دے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى (ال عمران:۱۱۲) یہ تکلیف ایک معمولی سی ہو گی' کوئی بڑی بھاری تکلیف نہ ہو گی۔ دیکھو خدا نے ہم کو بڑی مصیبت سے بچالیا کہ تفرقہ سے بچالیا۔ اگر تم میں تفرقہ ہو جاتا اور موجودہ رنگ میں تم وحدت کی رسی میں پروئے نہ جاتے اور تم تتر بتر ہو جاتے تو واقعی بڑی بھاری مصیبت تھی اور خطرناک ابتلا۔ مگر یہ خدا کا خاص فضل ہے۔ اگر کچھ تھوڑی سی تکلیف ہم کو ہو گی بھی تو یہیں ہو گی۔ اس کا مابعد الموت سے کوئی واسطہ یا تعلق نہیں بلکہ مابعد الموت کو باعثِ اجر اور رحمتِ الٰہی ہو گی۔ اور اس تھوڑی سی مشکل پر صبر کرنے اور مستقل رہنے اور سچے دل سے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہنے کا بہتر سے بہتر بدلہ دینے کی قدرت اور طاقت رکھنے والا تمہارا خدا موجود ہے۔ وہ خاص رحمتیں جو کہ ورثہ انبیاء اور شہداء ہوتی ہیں وہ بھی تمہیں عطا کرے گا اور عام رحمتیں تمہارے شاملِ حال کرے گا اور آئندہ ہدایت کی راہیں اور ہر مشکل سے نجات پانے کی' ہر دکھ سے نکلنے' ہر سکھ اور کامیابی کے حصول کی راہیں تم پر کھول دے گا۔ دیکھو میں یہ اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ بلکہ بلوح خدا ہمیں است۔ خدا کے اپنے وعدہ سے ہیں اور خدا اپنے وعدے کا سچا ہے۔

آج کا مضمون اور اس کی تحریک محض خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے دل میں ڈالی گئی ہے ورنہ میں نے نہ اس کا ارادہ کیا تھا اور نہ اس کے واسطے کوئی تیاری کی تھی۔ پس یہ خدا کی بات ہے میں تم کو پہنچاتا ہوں اور تاکید کرتا ہوں کہ ایسے اوقات میں تم کثرت دعا' استغفار' درود' لاحول' الحمد شریف کا ورد کیا کرو۔ میں بھی دعا کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (الانفال:۶۴)۔ دیکھو دو کو ایک کرنا سخت سے سخت مشکل کام ہے۔ تو پھر ہزاروں کا ایک راہ پر جمع کرنا اور ان میں وحدت اور الفت کا پیدا کر دینا خدا کے فضل کے سوا کہاں ممکن ہے؟ دیکھو تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے ہو۔ اس نعمت کی قدر کرو اور اس کی حقیقت کو پہچانو اور اخلاص اور ثبات کو اپنا شیوہ بناؤ۔

خطبہ ثانیہ میں فرمایا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ ایک تو خدا کی حمد کیا کرو۔ وہ اشارہ الحمد شریف کی طرف ہے' اس کا کثرت سے ورد کرو۔ استعانت بھی اسی سے چاہو۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الفاتحہ:۵) کی طرف اشارہ ہے۔ استغفار کی الگ باربار تم کو تاکید کر دی گئی ہے۔ ایمان اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ کے سچے مفہوم اور حقیقت پر کاربند ہونے کا نام ہے۔ اسی پر توکل کرو اور ہمیشہ پچھلے گناہوں کے بد نتائج سے بچنے کے واسطے دعاؤں میں مصروف رہو۔ جمعہ کے دن کثرت درود اور درد دل سے درود پڑھنا اللہ کی جناب میں اکسیر کا کام کرتا ہے۔ اللہ کو یاد کرو۔ جتنا جتنا تم خدا کو یاد کرو گے اتنا ہی وہ بھی تم کو یاد کرے گا اور تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ فقط۔

(الحکم جلد ۱۲ نمبر ۳۸ ----- ۱۴؍ جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۷۔۸)

☆-☆-☆-☆

۴ ستمبر ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

(خلاصہ)

حضرت خلیفۃ المہدی والمسیح نے خطبہ کے شروع میں مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (البقرۃ:۲۹،۳۰)

اور پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ ان آیات میں اپنے احسانات یاد دلاتا ہے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ اپنے احسان کرنے والے کا شکرگزار ہوتا ہے اور اس کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کو خوش رکھنا اپنا فرض جانتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ انسان کو کہتا ہے کہ تم خدا کے ناشکرے کس طرح بنتے ہو۔ اپنا حال تو دیکھو۔ تم مردہ تھے۔ بے جان ذرات تھے۔ تمہارا نام و نشان نہ تھا۔ خدا نے تمہیں زندہ جاندار بنایا۔ پھر تم مرجاؤ گے۔ پھر زندہ

کئے جاؤ گے اور خدا کی طرف پھیرے جاؤ گے۔ پھر احسان الٰہی کو یاد کرو کہ اس نے زمین کی تمام اشیاء تمہارے فائدہ کے واسطے بنائیں۔ پھر تم زمین سے لے کر آسمان تک بلکہ عرش تک نگاہ ڈالو۔ ہر امر میں خدا تعالیٰ کے تمام کاموں کو حق و حکمت سے پر پاؤ گے۔ کوئی بات ایسی نہیں ہے جس میں کوئی کمزوری یا خرابی نگاہ میں آسکے۔ اور خدا سب باتوں کا علیم ہے۔ وہ تمہارے افعال کو دیکھ رہا ہے اور ان سے باخبر ہے۔

اس خطبہ میں حضرت موصوف نے بالخصوص طلباء مدرسہ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ خدا نے ان کو نیکی کے حاصل کرنے میں اور تقویٰ کی راہوں پر اپنے آپ کو مستقل کرنے کے لئے عمدہ موقع عطا کیا ہے۔ آگے چل کر کالجوں میں ان کے واسطے بہت مشکلات ہوں گے کیونکہ وہاں ایسی نیک صحبت اور دیندار استادوں کا ملنا مشکل ہو گا۔ جس نے ایسے وقت میں اصلاح نہ کر لی وہ آگے کیا کرے گا۔

فرمایا۔ استادوں کو بھی چاہئے کہ ان بچوں کے واسطے دردمند دل کے ساتھ دعائیں مانگیں کہ خدا تعالیٰ ان کی اصلاح کرے۔ اگر ایک آدمی بھی تمہارے ذریعہ سے ہدایت پا جائے تو تمہارے واسطے ایک بڑی نعمت ہے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳۵ ---- ۱۷ ستمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۱/ ستمبر ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ پر خطبہ پڑھا۔ پہلے آپ نے پچھلے رکوعوں سے ربط کے سلسلہ میں فرمایا۔

سورۃ الحمد میں دو گروہوں کا ذکر ہے۔ منعم علیہم، مغضوب علیہم۔ منعم علیہم کو متقین فرمایا اور بتایا کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز پڑھتے' اپنے مال و جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے اور یقین رکھتے ہیں کہ وحی کا سلسلہ ابتدائے خلق آدم سے تاقیامت جاری ہے۔ یہ لوگ ہدایت کے گھوڑوں پر سوار ہیں اور مظفر و منصور ہوں گے۔ دوم' وہ لوگ ہیں جن کے لئے سنانا نہ سنانا برابر ہے اور جو شرارت سے انکار کرتے ہیں' مغضوب علیہم ہیں' ایسے ہی منافق۔ سوم' وہ جو غلطی سے گمراہ ہیں یا بد عہدیوں کی وجہ سے' یہ ضال ہیں۔

اب ایک منعم علیہ کی مثال دے کر سمجھاتا ہے۔ اللہ نے فرشتوں سے مشورہ نہیں کیا بلکہ انہیں اطلاع دی (یہ اطلاع دینا خدا کا خاص فضل ہے جو بعض خواص پر ہوتا ہے) کہ میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ خلیفہ کہتے ہیں گذشتہ قوم کے جانشین کو یا جو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑے۔ بادشاہ کو۔ (گویا یہ لفظ)

ظاہری وباطنی سلطنت کو شامل ہے۔

یہ ملائکہ وہ تھے جن کے متعلق عناصر کی زمینی خدمات ہوتی ہیں اور یہ ثابت ہے اس آیت سے اِسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (ص:۷۶) جس سے معلوم ہوا کہ عالین اس حکم کے مکلف نہیں تھے۔ صوفیوں نے لکھا ہے تمام عناصر کا مجموعہ انسان ہے۔ ہر عنصر پر ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی اپنی متعلقہ شے کی ماہیت کو جانتے تھے۔ وہ سمجھے کہ یہ تمام عناصر جب ملیں گے ضرور ان میں اختلاف ہو گا مگر انہیں معلوم نہ تھا۔ خدا انسان کو مجموعہ کمالات بنانا چاہتا ہے۔ واقعی ہماری غذا بھی عجیب ہے۔ کچھ اس میں پتھر (نمک) ہے، کچھ نباتات، کچھ حیوانات۔ پس وہ بول اٹھے کہ وہ فساد کرے گا اور خونریزی، مگر ہم تیری تسبیح وتقدیس کرتے ہیں۔ تیری ذات کو اس بات سے منزہ سمجھتے ہیں کہ تیرا کوئی کام حکمت اور نیک نتیجہ سے خالی ہو۔ فرشتے جو اعتراض کر رہے تھے دراصل وہی ان پر وارد ہوتا تھا کہ وہ بنی آدم کی پیدائش اور اس کی نسل کی نسبت چاہتے تھے کہ نہ ہو۔ گویا سفک دماء کرتے تھے اور یہ بھی فساد تھا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے مجھے کہا۔ بہت علماء تمہارے مرزا صاحب کو خلیفۃ اللہ نہیں مانتے۔ میں نے کہا یہ تعجب نہیں۔ خلفاء پر فرشتوں نے اعتراض کئے ہیں۔ یہ علماء فرشتوں سے بڑھ کر نہیں مگر فرشتوں اور دوسرے لوگوں کے اعتراض میں فرق تھا۔ فرشتوں نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ اور سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا کہہ کر اپنے اعتراض واپس لے لئے۔ حضرت صاحب کی خدمت میں کسی نے خط لکھا کہ اب تو خدا بھی آئے تو میں یہ بات نہ مانوں۔ فرمایا دیکھو یہ کیسے متکبر اور بے پرواہ لوگ ہیں۔ شعیب نبی کو جب لوگوں نے کہا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (الاعراف:۸۹) تو انہوں نے جواب دیا۔ وَ مَا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا (الاعراف:۹۰) یعنی ہم تو کبھی تمہارے مذہب میں نہ آئیں گے۔ پھر فرمایا ہاں اگر خدا چاہے تو، کیونکہ اس کا ارادہ زبردست ہے۔ یہ پاس ادب ہے جو آج کل کے گستاخوں سے جا چکا ہے۔ دیکھو ایک ناممکن بات پر پیغمبر نے خدا کی عظمت اور جبروت وجلال کا ادب کیا ہے تو افسوس اس انسان پر جو بلا سوچے سمجھے کہتا ہے کہ یہ کام یوں ہو جائے گا اور میں یوں نہ کروں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جب کوئی بادل آتا تو مضطربانہ اندر باہر پھرنے لگتے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی۔ عرب کا ملک تو ابر دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ کیا معلوم کہ اس بادل میں کوئی خدا کا عذاب ہو۔ بدر کی جنگ میں باوجود وعدہ نصرت الٰہی کے آپ نے ایک جھونپڑی ڈال لی اور اس قدر عاجزی سے دعا کی کہ آپ کی چادر گر گئی۔ اس پر ابو بکر بول اٹھے کہ بس کیجئے۔ خدا کا وعدہ ہے کہ میں فتح دوں گا۔ اس پر صوفیوں نے لکھا ہے کہ ابو بکر کو خدا کی نسبت اتنا علم نہ تھا جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو تھا۔ وہ خدا کی غناء ذاتی کو جانتے تھے۔

فرشتوں کے سوال سے انسان کو عبرت پکڑنی چاہئے' جسے نہ تو خدا کی صفات کا علم ہے نہ صفات سے پیدا شدہ فعل کا۔ بلکہ فعل کا اثر کچھ دیکھا ہے۔ پس وہ کس بات پر بڑھ بڑھ کر اعتراض کرتا ہے۔ مامور من اللہ کی نسبت کہتا ہے یہ نہیں چاہئے تھا وہ چاہئے تھا۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳۶۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۸ ستمبر ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے آیت قرآنی وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ:۳۲) پر خطبہ ارشاد فرمایا جو درج ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:۱۲) ہے۔ اس کی ذات وصفات کی ماہیت کی دریافت انسان نہیں کر سکتا۔ صفات سے جو افعال پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی حقیقی علم نہیں۔ ہاں افعال کا نتیجہ ہم نے دیکھا۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الکهف:۵۲)۔ اس صورت میں اشیاء کے ذوات کا علم بھی بغیر تعلیم الٰہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مختلف کاموں کے لئے بنایا ہے اور ہر ایک کو ایک خدمت سپرد کی ہے۔ بس اسی کی نسبت اس کو علم ہے۔ چنانچہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کو جب آگ میں ڈالا گیا تو فرشتے نے کہا کہ میں امداد کروں؟ فرمایا اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا یہ توحید کا اعلیٰ درجہ ہے۔ ایسا ہی جب ہماری سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف گئے تو وہاں کے بدمعاشوں نے مخالفت کی اور شرارت سے پتھر پھینکے جن سے آپ کے جسم مبارک کو لہولہان کر دیا۔ بارہ میل آپ دوڑتے آئے۔ انگور کا ایک باغیچہ تھا' وہاں ٹھہر گئے۔ مالک نے نوکر کے ہاتھ چند انگور بھیج دیئے اور اسے کہا دیکھو! تم

اس کی باتیں نہ سننا۔ آپ نے انگور کھانے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی۔ وہ متعجب ہوا کہ بت پرستوں کے شہر کا رہنے والا توحید کے اس درجہ پر ہو۔ ملک الجبال آپ کے پاس آیا۔ عرض کیا کہ اگر آپ فرمادیں تو پہاڑ ان پر گرادوں۔ فرمایا۔ نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ ان کی مدد سے صالح پیدا کرے گا۔ غرض ہر کام کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے۔ چنانچہ جہنم کے لئے الگ فرشتے ہیں عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (المدثر:۳۱)، جنت کے لئے رضوان۔ ایک ہاروت ماروت جو بابل کے نبیوں پر کلام لائے۔ ان تمام عناصر کا مجموعہ انسان ہے۔ گویا انسان ان تمام علوم کا جامع ہے اور اسی حقیقت کو اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب آدم کو پہلے تعلیم دی گئی تو پھر فرشتوں پر فوقیت کیا ہوئی۔ نادانوں نے یہ نہیں سمجھا کہ ثابت صرف یہ کرنا تھا کہ اللہ جسے علم دیتا ہے اس کو آتا ہے۔ چنانچہ اس نے آدم کو پڑھادیا۔ اسے جامع علوم (ذوات الاشیاء) بنادیا اور فرشتوں کو اس ڈھب کا نہ بنایا۔

دوسرے خطبہ کی نسبت فرمایا عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ اُذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ وَ ادْعُوْهُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ یہ عمر بن عبدالعزیز نے ذاتی معلومات کی بجائے بڑھایا جس کی مقبولیت ہو گئی۔ مجھے بھی پسند ہے۔ ایک تو اللہ کا کلام ہے۔ دوم صالح آدمی نے قائم کیا۔ اچھے لوگ ہمیشہ بدی کو دور کرنے کے لئے ایسی پاک تدبیریں کیا کرتے ہیں۔ جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳۷ یکم اکتوبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۲۵ ستمبر ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے سورۃ البقرہ کی آیات ۳۶ تا ۴۰ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

خدا تعالیٰ آدم علیہ السلام کا ذکر کر کے ان کی اولاد کو سناتا ہے کہ اے آدم! تو اور تیری عورت اس جگہ رہو اور اس درخت سے کچھ نہ کھانا۔ درخت کے معنوں میں بڑا اختلاف کیا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ نے اس کا نام نہیں لیا اس واسطے میں اس کی تشریح غیر ضروری خیال کرتا ہوں۔ صرف حکم ہے کہ اس کا پھل نہ کھاؤ۔ میں طبیب ہوں۔ بعض لوگوں کو آم کھانے سے روکتا ہوں، بعض کو امرود سے، بعض کو دوسرے پھلوں سے۔ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی آدم کو منع کیا کہ اس پھل کو نہ کھاؤ۔ یہ دکھ دینے والی چیز ہے۔ کیونکہ وہ علیم و حکیم خدا اس کے مضرات کو جانتا ہے۔

خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا اپنے آپ کو تکلیف اور دکھ میں ڈالنا ہے۔ تکالیف کے اسباب میں سے گناہ بھی ایک سبب ہے، تم اس سے بچو۔ گو خدا تعالیٰ نے وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (المائدۃ:۱۶) کہا ہے۔ مگر نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (الاعراف:۱۶۴) اور بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ (الاعراف:۱۶۹) اور ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں لکھا ہے اِذِ ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ

فَاَتَمَّهُنَّ (البقرۃ:۱۲۵)۔ ابراہیم علیہ السلام نے نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ ہم کو بھی حکم ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (ال عمران:۱۱۱)۔ آدم علیہ السلام کو بتایا یہ احکام ہیں اور یہ نواہی۔ اوامر کو بجالاؤ اور نواہی سے باز آؤ۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا شیطان نے ان کو پھسلانے کی کوشش کی۔ اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بعض لوگ آپس میں لڑا دینے کے لئے مختلف راہیں اختیار کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ تو آپ ہی تھے جو ایسی باتیں سنتے رہے' ہم سے تو برداشت نہیں ہو سکتی۔ کہتے ہیں کہ آپ نے اتنی باتیں سن کر ہم کو بے عزت کر دیا کیونکہ آپ کے دوست تھے۔ فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ خدا تعالیٰ نے آدم کو کچھ کلمات' دعائیں سکھلائیں۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى جو لوگ ہدایت پانے کی کوشش کرتے ہیں خدا ان کا معاون ہوتا ہے۔

ہمارے آدم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض درختوں سے منع کیا۔ مثلاً شراب' عرب میں مشرکوں کا مذہب' یہود' مجوس' نصاریٰ کا مذہب۔ یہ مذہب خطرہ میں ہیں سوائے صحابہ کے مذہب کے۔ مسلمان چار طرح کے نظر آتے ہیں۔ (۱) دنیا کی عزت آبرو کے لئے ہی زندہ رہنا چاہتے ہیں جیسا کہ رومی تھے۔ (۲) بعض مجوس کی طرح کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں۔ (۳) بعض رسومات کی طرح مذہب کو مان لیتے ہیں۔ (۴) بعض مذہب سے ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں۔ خدا تمہارے اندر وحدت کی روح پھونک دے۔ میرا دل دردمند بنایا گیا ہے۔ میں تمہاری بہتری اپنی اس آخری عمر میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ورنہ مجھ کو تم سے کوئی ظاہری دنیاوی امید نہیں۔ میرا قادر مالک خدا ہے جو ہر طرح سے میری مدد کرتا ہے اور میں خدا کے فضل سے تم میں سے کسی کا محتاج نہیں۔ قوم میں وحدت پیدا ہونا سوائے خدا کے فضل کے ہو نہیں سکتا۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (الانفال:۶۴) خدا فضل کرنے کے لئے تیار ہے۔ تم اس کا فضل لینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے اس بات کا فکر نہیں کہ اسلام دنیا سے اٹھ جائے گا۔ اگر ہے تو یہ کہ بعض گھروں سے۔

(بدر جلد ۷ نمبر ۳۸ --- ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

یکم اکتوبر ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

حضور نے آیت قرآنی یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیْٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ (البقرۃ:۴۱) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

قرآن سنانے والوں کو یہودیوں عیسائیوں میں قرآن سنانے کا کم موقع ملتا ہے۔ پس جہاں یہ ذکر ہے وہاں مسلمانوں کو متنبہ کرنا مقصود ہے۔ پس مسلمان کو چاہئے کہ جن ناپسند کاموں کی وجہ سے یہودی عیسائی عذاب پانیوالے ہوئے ان سے بچے اور جن پسندیدہ کاموں کے سبب انعام پائے وہ کرے۔
اس قوم کے مورث اعلیٰ کا نام نہیں لیا بلکہ لقب بیان کیا ہے۔ اس سے ان کو شرم اور جوش دلانا مقصود تھا۔ عربی زبان میں اسرائیل کے معنے ہیں خدا کا بہادر سپاہی۔ اس نام سے یہ غیرت دلائی کہ تم بھی اللہ کے بہادر بنو۔ ہماری سرکار سید الابرار سے بڑھ کر اور کون اللہ کا پہلوان ہے۔ پس اتنے بڑے انسان کی امت اور اولاد ہو کر ہم نفس و شیطان کے مقابلہ میں بزدلی دکھائیں تو ہم پر افسوس ہے۔ مگر افسوس کہ بعض مسلمانوں کی بہادری اسی پر رہ گئی ہے کہ جب کسی عورت سے زنا کر لیا تو پھر اپنے ہم جولیوں

میں لگے شیخیاں بگھارنے کہ دیکھو! ہم نے فلاں قلعہ مار لیا ہے۔ لعنت ہے ایسی شجاعت پر۔

نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وہ نعمت کیا تھی؟ دوسری جگہ فرمایا کہ تم میں سے انبیاء وملوک بنائے اور وہ کچھ دیا جو دوسروں کو نہ دیا گیا۔

اب اے مسلمانو! تم اپنی حالت پر غور کرو کہ تم پر بھی یہ انعام ہو چکے ہیں۔

اس کتاب پر ایمان لاؤ کیونکہ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ تمام نصائح کی جامع ہے۔ اگر کسی اگلی کتاب میں تحریف ہو چکی ہے تو یہ اسے صاف کرتی ہے۔

اول نمبر کے کافر نہ بنو یا پہلا برا نمونہ تم نہ بنو کہ دوسرے اس سے متاثر ہوں گے اور سب کا گناہ تمہارے ذمہ ہو گا۔ کلام الٰہی کی بے ادبی نہ کرو۔ جس شخص نے بہار دانش لکھی ہے اس سے کسی نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا۔ اِنَّ کَیۡدَکُنَّ عَظِیۡمٌ (یوسف:۲۹) کی تفسیر کر رہا ہوں۔ راگ والی کتاب کسی نے بنائی اور اوپر لکھ دیا یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ (الزمر:۱۹)۔ یہ سب لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا (البقرۃ:۴۲) کی خلاف ورزی ہے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۳---۲۶ر نومبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۳)

☆-☆-☆-☆

۸ / اکتوبر ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

حضور نے آیت قرآنی وَ لَاتَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَکْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرة:۴۳) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دنیا میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے کہ راستبازی ان کی فطرت میں داخل ہوتی ہے۔ ایک فرقہ وہ ہے جو حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتا ہے اور پھر اپنے تئیں سچا ثابت کرنے کے لئے حق کو چھپا دیتا ہے۔ بچے کا حال بیج کی مانند ہے کہ تخم اچھا ہو' پر زمین اچھی نہ ہو۔ زمین اچھی ہو تو آبپاشی نہ ہو۔ آبپاشی ہو تو حفاظت نہ ہو۔ پس خوش قسمت انسان کو نیک ماں باپ' نیک ہم نشین' عمدہ تربیت و نگرانی حاصل ہوتی ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (البقرة:۴۴) نماز کو قائم کرو۔ بعض کام روز مرہ کی عادت بن جاتے ہیں پھر اس کا لطف نہیں رہتا۔ دیکھا گیا ہے کہ زبان سے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ہو رہا ہے مگر قلب کی توجہ کام کی طرف ہے۔ پس نماز کو سنوار کر پڑھو اور جو معاہدہ نماز میں کرتے ہو عملی زندگی میں اس کا اثر دیکھو۔ زبان سے

کہتے ہو اِیَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحہ:۵) ہم تیرے فرمانبردار ہیں مگر کیا فرمانبرداری پر ثابت قدم ہو؟ پھر واعظوں کو ڈانٹا ہے کہ تم دوسروں کو نیکی کی نسبت کہتے ہو اور اپنے تئیں بھلاتے ہو۔ پس تم دونوں سنانے والے اور سننے والے ثابت قدمی سے کام لو اور دعا کرو۔ نماز پڑھو کہ یہ دونوں کام خَاشِعِیْنَ پر گراں نہیں۔ جب مذکر و مؤنث دونوں جمع ہوں تو عربی قواعد کے لحاظ سے ضمیر مؤنث کی طرف جاتی ہے۔ انگریزی میں بھی مرد و عورت میں سے عورت کو پہلے مخاطب کرتے ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا یقین ہو وہی حقیقی خشوع کرسکتے ہیں۔

(بدر جلد ۸ نمبر۵---۱۰؍ دسمبر۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۲۵؍ دسمبر ۱۹۰۸ء

خطبہ جمعہ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ۔ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرة:۸۷،۸۸)۔

فرمایا:۔ یہ آیات اس سلسلہ درس قرآن سے ہیں جو میں ہر جمعہ یہاں سنایا کرتا ہوں۔ پس میں اس وقت کوئی ایسا وعظ نہیں کروں گا جو اس اجتماع[1] کی خصوصیت سے وابستہ ہے۔ اس کے لئے خدا کے فضل و توفیق سے کل کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں نصیحت کرتا ہے بایں طور کہ جو اگلی قوموں کی برائیاں اور خوبیاں ہیں ان کا بیان کرتا ہے تا کہ مسلمان ان برائیوں سے بچیں۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ وہ ان عذابوں سے محفوظ رہیں

[1] اجتماع سے مراد جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ ہے جو ۲۶ دسمبر سے شروع ہوتا ہے۔

گے جو ان برائیوں کی وجہ سے ان پر نازل ہوئے اور ان خوبیوں کو اختیار کریں جن کی برکت سے ان پر طرح طرح کے انعام ہوئے۔

ان آیات میں یہودیوں کے متعلق فرمایا کہ بہت سے لوگ ورلی زندگی کو پسند کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ موجودہ حالت اچھی رہے۔ پس وہ اس آواز کی طرف رغبت کرتے ہیں جو چند منٹ کے لئے لطف دے اور وہ نظارہ ان کے مرغوب خاطر ہوتا ہے جو عارضی ہو۔ لیکن اس سچے سرور کی پروا نہیں کرتے جو دائمی ہے اور جس پر کبھی فنا نہیں ہوتی۔

ایسے لوگوں کے لئے بھی دنیا کو دین پر مقدم کرنا ایک عذاب ہو جاتا ہے اور وہ ہر لحظہ' ہر گھڑی ان کو دکھ دیتا رہتا ہے اور کسی وقت بھی کم نہیں ہوتا۔ چونکہ عاقبت انہوں نے پسند نہیں کی وہ خدا سے بعد میں ہوتے ہیں جو عذاب ہے۔ وہ اس سے معذب ہوتے ہیں۔ لیکن اس قسم کے عذابوں کے وعدے ہر مذہب میں نہیں۔ یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ جس عذاب کا وعدہ دیا جاتا ہے اس کا نمونہ دنیا میں بھی دکھادیا جاتا ہے تاکہ یہ عذاب اس آنے والے عذاب کے لئے ایک ثبوت ہو۔

دیکھو! وہ قوم جس میں آج اچھے لڑکے نہیں ان پر کبھی وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ ان میں اچھے لڑکے پیدا ہوں۔ وہ قوم جن میں زور آور نہیں ایک وقت ان پر آتا ہے کہ ان میں زور آور پیدا ہوں۔ اگر ان کے پاس آج سلطنت نہیں تو اس زمانہ کی امید کی جاسکتی ہے جب ان میں بھی امارت آجائے۔ ہندوؤں کی حالت گزشتہ و موجودہ پر غور کرو۔ جب ہم بچے تھے تو یہ ہندو اتنے تعلیم یافتہ نہ تھے کہ معلم بن سکیں اسی لئے اکثر مسلمان معلمین نظر آتے تھے۔ پھر ہمارے دیکھتے دیکھتے یہ تعلیم میں اس قدر ترقی کر گئے ہیں کہ اب معلم ہیں تو ان میں سے' افسر ہیں تو ان میں سے۔ وہ اپنی طاقت پر اب یہاں تک بھروسہ رکھتے ہیں کہ ہم کو اس ملک سے نکال دینے یا گورنمنٹ پر دباؤ ڈال دینے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اس بات کا ذکر میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ قوموں میں جہالت کے بعد علم آجاتا ہے۔ زوال کے بعد ترقی ہو سکتی ہے اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے ایک قوم ہے (یہود) جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا تھا۔ ہم نے ان کو یہ سزا دی کہ اور قوموں میں تو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی اور ان کا کوئی ناصر و مددگار نہ ہو گا۔ چنانچہ یہودیوں کی کوئی مقتدرانہ سلطنت روئے زمین پر نہیں۔ چپہ بھر زمین پر بھی ان کا تسلط نہیں۔ اگر ان کو تکلیف دی جاوے تو کوئی نہیں جو ان کی حامی بھرے۔ تیرہ سو برس سے خدا کا یہ کلام سچا ثابت ہو رہا ہے۔

پس ہمیں اس سے یہ سبق لینا چاہئے کہ خدا کے خلاف جنگ نہ کریں اور ہرگز ہرگز ورلی زندگی کو

مقدم نہ کرلیں ورنہ لَا يُنْصَرُوْنَ کی سزا موجود ہے۔

29. میرا حال اب دیکھتے ہو۔ صحت ٹھیک نہیں، عمر کے انتہائی درجے کو پہنچ چکا ہوں۔ پس میں جو کچھ کہتا ہوں خلوص دل سے کہتا ہوں اور یہ کسی قیاس سے نہیں بلکہ اس کلام الٰہی کی بنا پر جس کی تہ تک پہنچ کر میں نے یقین کرلیا کہ دنیا کی زندگی اختیار کرنا اپنے پر عذاب وارد کرنا ہے۔ یہ مضمون بہت لمبا ہے اور بعض ضروری امور خطبہ کو مختصر کرنے کے متقاضی ہیں۔

آگے فرمایا وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ ہم نے تو ان لوگوں کی بہتری کے لئے موسیٰ کو کتاب دی پھر اور رسول بھیجے۔ اخیر میں عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات کے ساتھ مبعوث کیا اور اسے اپنے کلام پاک سے مؤید کیا۔ پھر بھی اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ جب کوئی رسول آیا اور اس نے ان کی خواہشوں کے خلاف کہا تو یہ اکڑ بیٹھے۔ پھر بعض کی تکذیب کی اور بعض کے قتل کے منصوبے کرنے لگے۔ مگر اس کا انجام ان کے حق میں اچھا نہیں ہوا۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو فہم عطا کرے۔ عاقبت اندیشی دے۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ سب یار و آشنا الگ ہونے والے ہیں۔ ہاں کچھ دوست ایسے ہیں جو دنیا و آخرت میں ساتھ ہیں۔ ان کی نسبت فرمایا اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (الزخرف:۶۸)۔ پس تمہارے دوست ہوں مگر وہ جن کو اللہ نے متقی فرمایا۔ اگر وہ تم سے پہلے مرگئے تو تمہارے شفیع ہوں گے اور اگر ہم ان سے پہلے وفات پاگئے تو ان کی دعائیں تمہارے کام آئیں گی۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۷، ۸، ۹ ---- ۲۴۔ ۳۱/ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

یکم جنوری ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (البقرۃ:۸۹ - ۹۰)۔

فرمایا:۔

بہت سے لوگ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (المومن:۸۴) پر نازاں ہوتے ہیں اور نئی ہدایت کے ماننے سے پس و پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں قُلُوْبُنَا غُلْفٌ یعنی ہمارے دل نامختون ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ بات نہیں بلکہ کفر کے سبب ان پر لعنت پڑ گئی ہے۔

انبیاء کے ماننے میں پچھلوں کے لئے تو بہت آسانی ہے کیونکہ ان کے پاس نمونہ موجود ہے مگر پہلوں کے لئے بہت مشکل تھی۔ دیکھو! جس قدر مشکل حضرت آدم و نوح علیہما السلام کے وقت میں تھی وہ

نبی کریمؐ کے وقت میں ہرگز نہ تھی کیونکہ یہود دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے انبیاء جو لائے ہیں' نبی کریمؐ ان کے خلاف کچھ نہیں فرماتے۔ تعظیم لامراللہ۔ شفقت علی خلق اللہ۔ یہی تمام انبیاء کے دین کا خلاصہ ہے۔ پھر ہمارے لئے مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے میں تو بہت ہی آسانیاں ہیں۔ اولیاء میں جو کچھ بطور امر مشترک موجود تھا وہ ہمارے امام میں بھی تھا۔ آپ جو تعلیم لائے اس میں بھی کوئی نئی بات نہیں۔

کلمۂ شہادت ہے۔ اب اس کے ماننے میں کسے عذر ہو سکتا ہے؟ پھر یہ اقرار کس شرع اسلام کے خلاف ہے کہ میں تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اور امر معروف میں بقدر امکان کوشش کروں گا؟ آپ کے کل وظیفے کسی کو معلوم نہیں مگر سبحان اللہ' سبحان اللہ تو ان کی زبان سے سننے والے ہم میں بھی موجود ہیں۔ پھر مسیح کی وفات ہے' یہ بھی کوئی نیا مسئلہ نہیں۔ جتنے رسول آئے سب ہی فوت ہوئے۔ کسی نے اپنے سے پہلے نبی کی حیات کا دعویٰ نہیں کیا۔ نبی کریم کی وفات پر یہ مسئلہ پیش آیا تو وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (ال عمران:۱۴۵) سے ابوبکرؓ کی مشکل آسان ہو گئی۔ باوجود اس صاف اور سیدھی تعلیم کے پھر بھی کوئی نہ مانے اور کہے کہ ہم نے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ لیا تو یہ لعنت کا نشان ہے۔ سب سے پہلے آدم کے زمانہ میں مسئلہ خلافت پر بحث ہوئی۔ پھر داؤد کو خلیفہ بنایا گیا۔ پھر نبی کریمؐ کے زمانہ میں یہی مسئلہ پیش آیا۔ مگر ہمیشہ خدا کا انتخاب غالب رہتا ہے۔

یہ عیب چینی کی راہ بہت ہی خطرناک راہ ہے۔ عیسائیوں نے اس راہ پر قدم مارا' نقصان اٹھایا۔ ایک نبی کی معصومیت کے ثبوت کے لئے سب کو گنہگار قرار دیا۔ پھر آریہ نے یہی طریق اختیار کیا۔ وہ بھی دوسرے مذاہب کو گالیاں دینا جانتے ہیں۔ پھر شیعہ ہیں وہ بھی خلفائے راشدین پر تبرا بھیجنے کے گناہ میں پڑ گئے۔

ایک دفعہ امرتسر میں میں نے ایک شخص کو قرآن کی بہت ہی باتیں سنائیں۔ میرا ازار بند اتفاق سے ڈھیلا ہو گیا۔ آخر اس نے مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ تمہارا پاجامہ ٹخنوں سے کیوں نیچا ہے؟ میں نے کہا۔ اتنے عرصہ سے جو تم میرے ساتھ ہو تمہیں کوئی بھلائی مجھ میں نظر نہیں آئی سوائے اس عیب کے اور یہ عیب جو تم نے نکالا یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ حدیث میں جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ (بخاری کتاب فضائل الصحابہ) آیا ہے اور یہاں اس بات کا وہم تک نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (البقرة:۱۱۴) گویا اس طرح کہنا "لایعلم" لوگوں کا دستور ہے۔ عیب شماری کی طرف ہر وقت متوجہ رہنا ٹھیک نہیں۔ کچھ اپنی اصلاح

بھی چاہئے۔ ہمیشہ کسی دوسرے کی عیب چینی سے پہلے اپنی گذشتہ عمر پر نگاہ ڈالو کہ ہم نے اتباع رسول پر کہاں تک قدم مارا اور اپنی زندگی میں کتنی تبدیلی کی ہے۔ ایک عیب کی وجہ سے ہم کسی شخص کو برا کہہ رہے ہیں۔ کیا ہم میں بھی کوئی عیب ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کی بجائے ہم میں یہ عیب ہوتا اور ہماری کوئی اس طرح پر غیبت کرتا تو ہمیں برا معلوم ہوتا یا نہیں؟

حضرت صاحب کے زمانہ میں کسی نے ایک شخص کو جھوٹا کہہ دیا۔ اس پر وہ بہت جھنجھلایا کہ اوہ! ہم جھوٹے ہیں؟ فرمایا کیا اس شخص نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو اتنا ناراض ہو رہا ہے۔ اسے چاہئے تھا کہ اپنی پچھلی عمر کا مطالعہ کرتا اور دیکھتا کہ آخر کبھی تو میں نے جھوٹ بولا اور خدا نے ہمیشہ ستاری کی ہے۔ پس اب کسی کے کہنے پر میں کیوں اتنا ناراض ہو رہا ہوں۔

لوگ من گھڑت اصول بنا لیتے ہیں اور پھر ان پر کسی کی صداقت کو پرکھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ہم فلاں شخص کی پیٹھ کے پیچھے ہو کر درود پڑھیں گے۔ اگر ولی ہوا تو ضرور اپنی پیٹھ پھیر بیٹھے گا۔ حالانکہ یہ ان کی صریح غلطی ہے۔ اس طرح تو کوئی ولی امام صلوٰۃ نہیں بن سکتا بلکہ صف اول میں کھڑا نہیں ہو سکتا کیونکہ لوگ اس کی پیٹھ کے پیچھے درود پڑھیں گے۔

میں نے ریل میں کسی کو نکتہ معرفت سنایا مگر اس نے توجہ نہ کی بلکہ کہا کہ آپ کو قرآن شریف نہیں آتا۔ مطلب یہ تھا کہ علم تجوید و قرات کے مطابق آیت کو نہیں پڑھا۔

پس میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ معائب کی طرف خیال نہ کرو بلکہ خوبیوں کو دیکھو۔ ہمارے بیانوں کا قرآن مہیمن ہے۔ اس کے اخیر میں قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ (الفلق:۲) ہے کہ ایسا نہ ہو کسی طرح ابتلاء آجائے اور کوئی بات ہمیں بے ایمان کر دے۔ فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ (النحل:۹۹) سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید کے ختم کے بعد معوذتین پڑھ لینی چاہئے اور بعض کہتے ہیں ابتداء میں پڑھنی چاہئے۔ بہرحال مقصد حاصل ہے جو یہ ہے کہ قرآن کے پڑھتے وقت اگر ہم نے کوئی غلطی کی یا بے سمجھی‘ تو اس سے یا ایسی لغزش کے آئندہ واقع ہونے سے ہمیں بچالے اور کلمۃ الحکمت سے مستفید کر۔

(۲) اللہ کو بہت یاد کرو۔ ہر وقت دعا میں لگے رہو اور اپنی حالت میں تبدیلی کرنے کی کوشش کرو۔ تم اس وقت دوسری قوموں کے لئے نمونہ ہو۔ پس اپنے تئیں نیک نمونہ بناؤ۔ امام ابو حنیفہؒ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے۔ ایک لڑکے کو دیکھا جو کیچڑ میں دوڑا جا رہا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا کہ دیکھو میاں لڑکے کہیں پھسلتے ہو۔ لڑکے نے کہا آپ اپنا خیال رکھیے۔ کیونکہ میں پھسل گیا تو خیر‘ صرف مجھے تکلیف پہنچے

گی مگر آپ کے پھسلنے سے ایک جہان پھسلے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں اس سے بہتر کسی کی نصیحت نے مجھ پر اثر نہیں کیا۔ اور یہ ہے بھی سچ اِذَا فَسَدَ الْعَالِمُ فَسَدَ الْعَالَمُ۔ اسی طرح تمہاری لغزش کا اثر صرف تمہیں تک محدود نہیں بلکہ دور تک جاتا ہے۔ پس سوچ سوچ کر قدم اٹھاؤ۔

حضرت صاحب کے زمانہ میں آپ کے سامنے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی میں یہ یہ عیب ہے۔ فرمایا کیا تو نے اس کے لئے چالیس روز رو رو کر دعا کرلی ہے جو مجھ سے شکائت کرتا ہے۔ میرا دوست اگر ملے اور اس نے شراب بھی پی ہو تو میں اسے خود اٹھا کر کسی محفوظ مکان میں لے جاؤں پھر آہستہ آہستہ اس کی اصلاح کروں۔

عیب شماری سے کوئی نیک نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ کسی کا عیب بیان کیا اور اس نے سن لیا' وہ بغض و کینہ میں اور بھی بڑھ گیا۔ پس کیا فائدہ ہوا؟ بعض لوگ بہت نیک ہوتے ہیں اور نیکی کے جوش میں سخت گیر ہو جاتے ہیں اور امر بالمعروف ایسی طرز میں کرتے ہیں کہ گناہ کرنے والا پہلے تو گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا تھا پھر جھنجلا کر کہہ دیتا ہے کہ جاؤ ہم یونہی کریں گے۔

امر بالمعروف کرتے ہوئے کسی نے ایک بادشاہ کا مقابلہ کیا۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس پر ایک بزرگ نے کہا کہ امر بالمعروف کا مقابلہ گناہ تھا مگر ایک مومن کا قتل اس سے بھی بڑھ کر سخت گناہ ہے۔

واعظ کو چاہئے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل:۱۲۶) پر عمل کرے اور ایسی طرز میں کلمہ حکمت گوش گذار کرے کہ کسی کو برا معلوم نہ ہو۔

تم لوگ جو یہاں باہر سے آئے ہو اگر کوئی نیک بات یہاں والوں میں دیکھتے ہو یا یہاں سے سنتے ہو تو اس کی باہر اشاعت کرو اور اگر کوئی بری بات دیکھی ہے تو اس کے لئے درد دل سے دعائیں کرو کہ الٰہی! اب لکھوکھا روپے خرچ ہو کر یہ ایک قوم بن چکی ہے اور یہ قوم کے امام بھی بن گئے ہیں' پس تو ان میں اصلاح پیدا کردے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۱۴---۲۸ / جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۹-۱۰)

☆-☆-☆-☆

۳؍ جنوری ۱۹۰۹ء

خطبہ عید اضحیٰ

تکبیرات اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ اور کلمہ شہادت کے بعد آپ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرۃ:۱۳۱۔۱۳۲)

اور پھر فرمایا:۔

آج کا دن عید کا دن ہے۔ یہ قربانیوں کا دن ہے۔ قربانیوں کی لمبی تاریخیں ہیں۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم کے وقت سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ذکر ہے وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (المائدہ:۲۸) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد آدم (یہاں اس امر سے بحث نہیں کہ کتنے آدم گزرے ہیں بہرحال ایک آدم کی اولاد) نے قربانی کی۔

"قربانی" کہتے ہیں اللہ کے قرب کے حصول اور اس میں کوشش کرنے کو۔ میرا ایک دوست تھا۔ اسے کبوتروں کا بہت شوق تھا۔ شاہجہانپور سے تین سو روپے کا جوڑا منگوایا۔ اسے اڑا کر تماشا کر رہا تھا کہ ایک بحری نے اس پر حملہ کیا اور اسے کاٹ دیا۔ میں نے کہا کہ دیکھو یہ بھی قربانی ہے۔ باز ایک جانور ہے' اس کی زندگی بہت سی قربانیوں پر موقوف ہے۔ اسی طرح شیر ہے' اس کی زندگی کا انحصار کئی دوسرے جانوروں پر ہے۔ بلی ہے' اس پر چوہے قربان ہوتے ہیں۔ پھر پانی میں ہم دیکھتے ہیں کہ مچھلیوں میں بھی یہ طریق قربانی جاری ہے۔ ویل مچھلی پر ہزاروں مچھلیوں کو قربان ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح اژدہا ہے کہ جس پر مرغا قربان ہوتا ہے۔ غرض اعلیٰ ہستی کے لئے ادنیٰ ہستی قربان ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح انسان کی خدمت میں کس قدر جانور لگے ہوئے ہیں۔ کوئی ہل کے لئے' کوئی بگھیوں کے لئے' کوئی لذیذ غذا بننے کے لئے۔ پھر اس سے اوپر بھی ایک سلسلہ چلتا ہے' وہ یہ کہ ایک آدمی دوسروں کے لئے اپنے مال یا اپنے وقت یا اپنی جان کو قربان کرتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لڑائیوں میں ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتے ہیں۔ سپاہی قربان ہوتے جائیں مگر افسر بچ رہے۔ پھر افسر قربان ہوتے جائیں مگر کمانڈر انچیف کی جان سلامت رہے۔ پھر کئی کمانڈر انچیف بھی ہلاک ہو جاویں مگر بادشاہ بچ رہے۔ غرض قربانی کا سلسلہ دور تک چلتا ہے۔ اس پر بعض ہندو جو ذبح اور قربانی پر معترض ہیں ان سے ہم نے خود دیکھا کہ جب کسی کے ناک میں کیڑے پڑ جاویں تو پھر ان کو جان سے مارنا کچھ عیب نہیں سمجھتے بلکہ ان کیڑوں کے مارنے والے کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ شکریہ کے علاوہ مالی خدمت بھی کرتے ہیں۔ پھر اس سلسلہ کائنات سے آگے اگلے جہان کے لئے بھی قربانیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اگلے زمانہ میں دستور تھا کہ جب کوئی بادشاہ مرتا تو اس کے ساتھ بہت سے معززین کو قتل کر دیا جاتا تا اگلے جہان میں اس کی خدمت کر سکیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس ملک میں تھے شام اس کا نام تھا۔ وہاں آدمی کی قربانی کا بہت رواج تھا۔ اللہ نے انہیں ہادی کر کے بھیجا اور اللہ نے ان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے رویاء میں دیکھا جبکہ ان کی ننانوے سال عمر تھی کہ میں بچہ کو قربان کروں۔ ایک ہی بیٹا تھا۔ دوسری طرف اللہ کا وعدہ تھا کہ کبھی مردم شماری کے نیچے تیری قوم نہ آئے گی۔ ادھر عمر کا یہ حال ہے اور بچہ چلنے کے قابل ایک ہی ہے' اسے حکم ہوتا ہے کہ ذبح کر دو۔ رؤیاء کا عام مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھے تو اس کی بجائے کوئی بکرا وغیرہ ذبح کر دے۔ اسی طرح یہاں لوگوں کو کہا کہ میں بیٹے کو

ذبح کرتا ہوں مگر وحی الٰہی سے حقیقت معلوم ہوئی کہ دنبہ ذبح کرنا چاہئے۔ پس لوگوں کو سمجھایا کہ اے لوگو! تمہارے بزرگوں نے جو کچھ دیکھ کر یہ قربانی انسانی شروع کی اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی کی قربانی چھوڑ کر جانور کی قربانی کی طرف توجہ کرو۔ اس کی برکت یہ ہوئی کہ ہزاروں بچے ہلاک ہونے سے بچ گئے۔ کیونکہ انہیں ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کرنے کا سبق پڑھا دیا گیا۔ یہ قربانی کا سلسلہ پرندوں' چرندوں' درندوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ پھر دنیوی سلطنتوں میں بھی' پھر دینی سلطنتوں میں بھی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے امن کا وعظ شروع کیا۔ رَبَّكَ فَكَبِّرْ (المدثر:۴) اور رَبُّكَ الْاَكْرَمُ (العلق:۴) سے اس کی ابتدا ہوئی۔ پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهٗ کی تعلیم بھی وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر:۶) سے مشتق ہے۔ یہ سیدھی اور صاف تعلیم تھی اور ساتھ ساتھ کہا جاتا تھا۔ يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ (محمد:۳۷) یعنی ہمیں تمہارے مال نہیں چاہئیں بلکہ ہم خود بدلہ دیں گے۔ اسی واسطے نبی کریمؐ نے بھی فرمایا لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (الشوریٰ:۲۴)۔ ہاں کیا مانگتا ہوں؟ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ:۲۴) یعنی نیکیوں میں یا باہم جو رشتے ہیں ان میں محبت قائم کرو۔ ابتدائی تعلیم میں بھی مالوں کا کہیں ذکر نہیں۔ پھر اس تعلیم میں جب ترقی ہوئی تو فرمایا۔ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات:۸) لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (الانفال:۶۴) وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ (الحجرات:۸)۔ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سبق دیا۔ پھر یہ رحم کیا کہ صحابہ کرامؓ میں الفت کا بیج بو دیا۔ اور یہ باہمی محبت حاصل نہ ہو سکتی تھی خواہ تمام زمین کے خزانے اس پر خرچ کر دیتے۔ اس آیت کی رو سے مجھے یقین ہے کہ کم از کم اس آیت کے نزول تک جس قدر صحابہ تھے وہ آپس میں بھائی بھائی تھے۔ اور یہ شیعہ کے خلاف نص صریح ہے۔ پھر ان کی تعلیم جب یہاں تک پہنچ گئی تو پھر ان سے مال کی قربانی طلب ہوئی۔ پھر مال سے ترقی کر کے جانوں کی قربانی شروع ہوئی اور یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر قوم میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ (الحج:۶۸)۔

میرا ایک دوست ہے۔ اسے مجھ سے بہت محبت ہے۔ محبت کے دنوں میں وہ مجھے دیکھتا کہ میں اکثر وقت اپنا حدیث کے پڑھانے میں خرچ کرتا ہوں۔ وہ چونکہ مجھے زیادہ خوشحال دیکھنا چاہتا تھا اس لئے اس نے مجھے کہا کہ جتنا وقت آپ حدیث پڑھاتے ہیں اگر طب میں اس کا اکثر حصہ لگاؤ تو آرام پاؤ۔ اس وقت میں نے سوچا کہ دو محبوبوں کا مقابلہ ہے۔ ایک جس کا کلام حدیث میں پڑھاتا ہوں اور ایک یہ جو حدیث سے منع کرتا ہے۔ میں نے اسے کہا تم سمجھتے ہو گے میں مان جاؤں گا۔ دیکھو! ہم قربانی کا مسئلہ

پڑھے ہوئے ہیں اس لئے تمہاری محبت کو اس محبوب کی محبت پر قربان کرتے ہیں۔

ادنیٰ محبوبوں کو اعلیٰ محبوبوں پر قربان کرنے کا نظارہ ہر سال دیکھتا ہوں اس لئے ادنیٰ محبت کو اعلیٰ محبت پر قربان کرتا ہوں۔ مثلاً سڑک ہے جہاں درخت بڑھنے کا منشاء ہوتا ہے وہاں نیچے کی شاخوں کو کاٹ دیتے ہیں۔ پھر درخت پر پھول آتا ہے اور وہ درخت متحمل نہیں ہو سکتا تو عمدہ حصے کے لئے ادنیٰ کو کاٹ دیتے ہیں۔

میرے پاس ایک شخص سردہ لایا اور ساتھ ہی شکایت کی کہ اس کا پھل خراب نکلا۔ میں نے کہا کہ قربانی نہیں ہوئی۔ چنانچہ دوسرے سال جب اس نے زیادہ پھولوں اور خراب پودوں کو کاٹ دیا تو اچھا پھل آیا۔

لوگ جسمانی چیزوں کے لئے تو اس قانون پر چلتے ہیں مگر روحانی عالم میں اس کا لحاظ نہیں کرتے اور اصل غرض کو نہیں دیکھتے۔

علم کی اصل غرض کیا ہے؟ خشیت اللہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۹)۔ علم پڑھو اس غرض کے لئے کہ لوگوں کو خشیت اللہ سکھاؤ۔ مگر علم کی اصل غرض خشیت' تہذیب النفس تو مفقود ہو گئی۔ ادھر کتابوں کے حواشی پڑھنے میں سارا وقت خرچ کیا جا رہا ہے مگر ان کتابوں کے مضمون کا نفس پر اثر ہو' اس کی ضرورت نہیں۔

میں رام پور میں پڑھتا تھا۔ وہاں دیکھا کہ لوگ مسجد کے ایک کونے میں صبح کی نماز پڑھ لیتے اور مسجد کے ملاں کو نہ جگاتے کہ رات بھر مطالعہ کرتے رہے ہیں' انہیں جگانے سے تکلیف ہو گی۔ علم تہذیب نفس کے لئے تھا مگر لوگوں نے اسے تخریب نفس' کاہلی اور سستی میں لگا دیا۔ دوسروں کی اصلاح کے دعویدار ہیں مگر خود اپنی اصلاح سے بے خبر۔ بات کرتے جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہیں مگر ساتھ ہی جھوٹوں پر لعنت بھی بھیجتے جاتے ہیں۔ ایک اشتہار دیتے ہیں کہ دیکھو اشتہار والوں نے لوٹ لیا۔ پر ہم جو کچھ کہتے ہیں یہ سب سچ ہے اور پھر اس پیرایہ میں لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

پھر واعظوں کا بھی یہی حال ہے۔ میں اپنے اندر بھی ایک مصیبت دیکھتا ہوں۔ میرے لئے بھی دعا کرو۔ اپنے لئے بھی اگر کسی بھائی کا کوئی عیب دیکھتے ہو تو تھوڑی سی قربانی کرو۔ چالیس دن دعاؤں میں لگاؤ پھر کسی سے شکایت کرو۔ خدا تعالیٰ نے صریحاً فرما دیا لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا (الحج:۳۸) قربانی کے سلسلہ میں خدا گوشت کا بھوکا نہیں بلکہ خدا کو پانے کے لئے تقویٰ ہے۔ وہ ہمیں اپنے تک پہنچنے کا ایک طریق سکھاتا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کر دو۔ تقویٰ جبھی حاصل ہوتا ہے کہ مدح و ثناء میں غلو کو چھوڑ

دو۔ علم کو حاصل کرو مگر عمل کو مقدم رکھو۔ میں صرف طالب علموں کو نہیں کہتا بلکہ یہاں جتنے آئے ہیں وہ سب طالبعلم ہیں۔ یہ خطبہ ہی ایک تعلیم ہے۔ دیکھو خدا نے ابراہیم کو بطور نمونہ پیش کیا ہے اور فرماتا ہے کہ ابراہیمؑ کے دین کو کوئی نہیں چھوڑ سکتا مگر وہی جو سفیہ ہو۔ ابراہیم کو خدا نے برگزیدہ کیا۔ یہ سنوار والے لوگوں میں سے تھا۔ تمام محبتوں' عداوتوں اور تمام افعال میں ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کرنے کا لحاظ رکھو پھر تمہیں ابراہیمؑ سا انعام دیں گے۔ فرمانبرداروں کی راہ اختیار کرو۔ میں تو حضرت صاحب کی مجلس میں بھی قربانی ہی سیکھتا رہتا تھا۔ جب وہ کچھ فرماتے تو میں یہ دیکھتا تھا کہ آیا یہ عیب مجھ میں تو نہیں۔

جناب الٰہی میں محبوب بننے کے لئے اتباع رسول کی سخت ضرورت ہے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲)۔ ساری دنیا کو قربان کر دو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر دیکھو۔ حضرت ابراہیمؑ نے کیسی قربانی کی اور آخر اسی قربانی کے وسیلے سے وہ اس وجاہت پر پہنچا کہ خدا کے محبوبوں میں ایک ممتاز محبوب نظر آیا۔

جو قربانی کرتا ہے اللہ اس پر خاص فضل کرتا ہے۔ اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے۔ پھر اسے محبت کا مظہر بناتا ہے۔ پھر اللہ انہیں عبودیت بخشتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں لامحدود ترقیاں ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کو بھی کہا گیا۔ اَسْلِمْ' تو انہوں نے فوراً کہا اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ (البقرة:۱۳۲)۔ خیر' جب یہ عبودیت کا تعلق مستحکم ہو جاتا ہے تو پھر اس میں عصمت پیدا ہوتی ہے اور خدا اسے تبلیغ کا موقع دیتا ہے پھر اس کو ایک قسم کی دھت ہو جاتی ہے۔ خواہ کوئی مانے یا نہ مانے اس میں ایک ہمدردی پیدا ہوتی ہے اور وہ قول موجہ سے لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہے۔ پھر وقت آتا ہے جب حکم ہوتا ہے کہ لوگوں سے یوں کہو۔ جوں جوں ترقی کرتا جاتا ہے خدا کا فضل اور درجات بڑھتے جاتے ہیں۔

قربانی کا نظارہ عقلمند انسان کے لئے بہت مفید ہے۔ اپنے اعمال کا مطالعہ کرو۔ اپنے فعلوں میں' باتوں میں' خوشیوں میں' ملنساریوں میں' اخلاق میں غور کرو کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لئے ترک کرتے ہو یا نہیں؟ اگر کرتے ہو تو مبارک ہے تمہارا وجود۔ عیب دار قربانیاں چھوڑ دو۔ تمہاری قربانیوں میں کوئی عیب نہ ہو' نہ سینگ کٹے ہوئے' نہ کان کٹے ہوئے۔ قربانی کے لئے تین راہیں ہیں۔ (۱) استغفار (۲) دعا (۳) صحبت صلحاء۔ انسان کو صحبت سے بڑے بڑے فوائد پہنچتے ہیں۔ صحبت صالحین حاصل کرو۔ قربانی کے لئے تین دن ہیں۔ پر روحانی قربانی والے جانتے ہیں کہ سب ان کے لئے یکساں ہیں۔

میں تمہیں وعظ تو ہر روز سناتا ہوں' خدا عمل کی توفیق دیوے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۱۳---۲۱ر جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۷-۸)

۱۵ر جنوری ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِيْنَ۔ وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَّ مَا يَكْفُرُ بِهَا اِلَّا الْفَاسِقُوْنَ۔ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ وَ مَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا

يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ (البقرة:۹۸تا۱۰۳)

اور پھر فرمایا:۔

میں نے بارہا سنایا کہ ملائکہ پر ایمان لانے کا منشاء کیا ہے؟ صرف وجود کا ماننا تو غیر ضروری ہے۔ اس طرح تو پھر ستاروں' آسمانوں' شیطانوں کا ماننا بھی ضروری ہو گا۔ پس ملائکہ پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ بیٹھے بیٹھے جو کبھی نیکی کا خیال پیدا ہوتا ہے اس کا محرک فرشتہ سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ جب وہ تحریک ہوتی ہے تو وہ موقع ہوتا ہے نیکی کرنے کا۔ اگر انسان اس وقت نیکی نہ کرے تو مَلَكْ اس شخص سے محبت کم کر دیتا ہے پھر نیکی کی تحریک بہت کم کرتا ہے اور جوں جوں انسان بے پرواہ ہوتا جائے وہ اپنی تحریکات کو کم کرتا جاتا ہے اور اگر وہ اس تحریک پر عمل کرے تو پھر مَلَكْ اور بھی زیادہ تحریکیں کرتا ہے اور آہستہ آہستہ اس شخص سے تعلقات محبت قائم ہوتے جاتے ہیں بلکہ اور فرشتوں سے بھی یہی تعلق پیدا ہو کر تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (حٰم السجدة:۳۱) کا وقت آجاتا ہے۔

یہاں خدا تعالیٰ نے خصوصیت سے دو فرشتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک کا نام جبرائیل ہے۔ دوسرے مقام پر اس کے بارے میں فرمایا ہے۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ۔ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (التکویر:۲۰تا۲۲) یعنی وہ رسول ہے اعلیٰ درجہ کی عزت والا' طاقتوں والا' رتبے والا اور ملائکہ اس کے ماتحت چلتے ہیں۔ اللہ کی رحمتوں کے خزانہ کا امین ہے۔ پس جب یہ امر مسلم ہے کہ تمام دنیا میں ملائکہ کی تحریک سے کوئی نیکی ہو سکتی ہے اور ملائکہ کی فرمانبرداری مومن کا فرض ہے تو پھر ملائکہ کے اس سردار کی تحریک اور بات تو ضرور مان لینی چاہئے۔ چونکہ یہ تمام محکموں کا افسر ہے اس کی باتیں بھی جامع ہیں۔ پس ہر ایک ہدایت کی جڑ یہی جبرائیل ہے جس کی شان میں ہے فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ یعنی اس کی تمام تحریکوں کا بڑا مرکز حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب ہے۔

پس ہمہ تن اس کے احکام کے تابع ہو جاؤ کیونکہ یہ جامع تحریکات جمیع ملائکہ ہے اور اسی لحاظ سے قرآن شریف جامع کتاب ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ:۴)۔ تو گویا جو جبرائیل کا منکر ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ پھر اللہ کے کلام کا کافر ہے پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہے۔

پھر ایک اور مَلَكْ کا ذکر فرمایا ہے۔ جہاں تک میں نے سوچا ہے حضرت ابراہیم کی دعا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة:۲۰۲) سے یہ مسئلہ حل ہوتا ہے کہ انسان

کو دو ضرورتیں ہیں۔ ایک جسمانی جیسے عزت' اولاد' ان کے اخراجات' کھانے کے لئے چیزیں۔ ایک روحانی۔ جبرائیل کے بعد ایسی تحریکوں کا مرکز میکائیل ہے۔ اللہ نے دین بنایا' دنیا بھی بنائی۔ یہ جہان بھی بنایا' وہ جہان بھی۔ دونوں تحریکوں کا مرکز ہمارے نبی کریمؐ کا قلب مبارک تھا۔ اسی لئے فرمایا اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ (بخاری کتاب التعبیر۔ مسلم کتاب المساجد)۔ قرآن شریف میں دنیا و دین دونوں کے متعلق ہدایتیں ہیں۔

بہت سے لوگ ہیں کہ جب فرشتوں کی تحریک ہوتی ہے تو وہ اس تحریک کو پیچھے ڈال دیتے ہیں اور اللہ کی پاک آیات کو واہیات بتاتے ہیں۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ جب قبض وغیرہ ہو تو انسان میکائیلی تحریکوں کے ماننے کو تیار ہو جاتا ہے مگر جب روحانی قبض ہو تو پھر کہتے ہیں کہ خیر' اللہ غفور رحیم ہے۔ اس کی جڑ یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو مقدم کرلیتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے عہد میں جب لوگوں کو امن حاصل ہوا اور مال ثروت کی فراوانی ہوئی تو ان میں نئی نئی تحریکیں ہونے لگیں۔ آسمانی کتب کا جو مجموعہ ان کے پاس تھا اس سے طبیعت اکتا گئی تو کسی اور تعلیم کی خواہش ہوئی مگر وہ تعلیم ایسی تھی جو خدا سے دور پھینکنے والی تھی۔ نقش سلیمانی وغیرہ اسی تعلیم کی یادگار بعض مسلمانوں میں مروج ہے۔ بنی اسرائیل نے جب خدا کی کتاب سے دل اٹھایا تو ان لغو باتوں میں پڑ گئے جو بعض شیطانی اثروں کے لحاظ سے دلربا باتیں بن گئیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ سب اس زمانہ کے شریروں کی کارروائی ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے ان کو یہ تعلیم نہیں دی بلکہ از خود یہ باتیں انہوں نے گھڑلیں اور ایسی دلربا باتوں کی اشاعت کی۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۱۵-- ۴ر فروری ۱۹۰۹ء صفحہ)

☆-☆-☆-☆
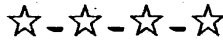
۲۲؍ جنوری ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:۔

وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ وَ مَا يُعَلِّمَانِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(البقرۃ:۱۰۳)۔

اور پھر فرمایا:۔

انسان میں عجیب در عجیب خواہشیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ جب وہ بچہ ہوتا ہے‘ پھر جب ہوش سنبھالتا ہے‘ پھر جب جوان ہوتا ہے‘ پھر جب بری صحبتوں میں پھنستا ہے‘ جب اچھی صحبتوں میں آتا ہے‘ جب

کامیاب زندگی بسر کرتا ہے' جب ناکام ہوتا ہے تو اس کے حالات میں تغیر پیش آتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک خطرناک ڈاکو سے پوچھا کہ کبھی تمہارے دل نے ملامت کی ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ تنہائی میں تو ضرور ضمیر ملامت کرتا ہے مگر جب ہماری چاریاری اکٹھی ہوتی ہے تو پھر کچھ یاد نہیں رہتا اور نہ یہ افعال برے لگتے ہیں۔ یہ سب صحبت بد کا اثر ہے۔ قرآن کریم میں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰادِقِیْنَ (التوبہ:۱۱۹) کا اسی واسطے حکم آیا ہے تا کہ انسان کی قوتیں نیکی کی طرف متوجہ رہیں اور نیک حالات میں نشوونما پاتی رہیں۔

غرض انسان کے دکھوں میں اور خیالات ہوتے ہیں' سکھوں میں اور۔ کامیاب ہو تو اور طریق ہوتا ہے' ناکام ہو تو اور طرز۔ طرح طرح کے منصوبے دل میں اٹھتے ہیں اور پھر ان کو پورا کرنے کے لئے وہ کسی کو محرم راز بناتے ہیں اور جب بہت سے ایسے محرم راز ہوتے ہیں تو پھر انجمنیں بن جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا تو نہیں مگر یہ حکم ضرور دیا۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ۔ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰانِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّھِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (المجادلہ:۱۰تا۱۱)۔

ایمان والو! ہم جانتے ہیں کہ تم کوئی منصوبہ کرتے ہو' انجمنیں بناتے ہو۔ مگر یاد رہے کہ جب کوئی انجمن بناؤ تو گناہ' سرکشی اور رسول کی نافرمانبرداری کے بارے میں نہ ہو بلکہ نیکی اور تقویٰ کا مشورہ ہو۔

بنی اسرائیل جب مصر کی طرف گئے تو پہلے پہل ان کو یوسف علیہ السلام کی وجہ سے آرام ملا۔ پھر جب شرارت پر کمر باندھی تو فراعنہ کی نظر میں بہت ذلیل ہوئے مگر آخر خدا نے رحم کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے ان کو نجات ملی یہاں تک کہ وہ فاتح ہو گئے اور وہ اپنے تئیں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ (المائدۃ:۱۹) سمجھنے لگے۔ لیکن جب پھر ان کی حالت تبدیل ہو گئی' ان میں بہت ہی حرامکاری' شرک اور بدذاتیاں پھیل گئیں تو ایک زبردست قوم کو اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلط کیا۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰھُمَا بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَ کَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (بنی اسرائیل:۶)۔ ستر برس وہ اس بلاء میں مبتلا رہے۔ آخر جب بابل میں دکھوں کا زمانہ بہت ہو گیا اور ان میں سے بہت صلحاء ہو گئے حتیٰ کہ دانیال'، عزرا'، حزقیل'، ارمیا' ایسے برگزیدہ بندگان خدا پیدا ہوئے اور انہوں نے جناب الٰہی میں ہی خشوع خضوع سے دعائیں مانگیں تو ان کو الہام ہوا کہ وہ نسل جس نے گناہ کیا تھا وہ تو ہلاک ہو چکی اب ہم ان کی خبر گیری کرتے ہیں۔

اللہ کے کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو ایسے کہ ان میں انسان کو مطلق دخل نہیں۔ مثلاً اب سردی ہے اور آفتاب ہم سے دور چلا گیا ہے۔ پھر گرمی ہو جائے گی اور آفتاب قریب آ جائے گا۔ یہ کام اپنے ہی بندوں کی معرفت کرایا اور ان لوگوں کو سمجھایا کہ یہ بادشاہ اب ہلاک ہونے والا ہے۔ پس تم میدوفارس کے بادشاہوں سے تعلق پیدا کرو کیونکہ عنقریب یہ دکھ دینے والی قوم اور ان کی سلطنت ہلاک ہو جائے گی۔ پس اللہ نے دو فرشتے ہاروت ماروت نازل کئے۔ ہرت کہتے ہیں زمین کو مصفا کرنے کو اور مرت زمین کو بالکل چٹیل میدان بنا دینا۔ گویا یہ امران فرشتوں کے فرض میں داخل تھا کہ یہ لوگ برباد ہو جائیں اور بنی اسرائیل نجات پا کے اپنے ملک میں جائیں۔

پس وہ ہاروت ماروت نبیوں کی معرفت ایسی باتیں سکھاتے تھے اور ساتھ ہی یہ ہدایت کرتے تھے کہ ان تجاویز کو یہاں تک مخفی رکھو کہ اپنی بیبیوں کو بھی نہ بتاؤ کیونکہ عورتیں کمزور مزاج کی ہوتی ہیں اور ممکن بلکہ اغلب ہے کہ وہ کسی دوسرے سے کہہ دیں۔ پس اس تعلیم کو پوشیدہ رکھنے کے لحاظ سے میاں بی بی میں بھی افتراق ہو جاتا تھا یعنی میاں اپنی بی بی کو اس راز سے مطلع نہ کرتا تھا۔ اور پھر یہ بات جب پختہ ہو گئی تو میدوفارس کے ذریعہ بابل تباہ ہو گیا اور خدا نے بنی اسرائیل کو بچا لیا مگر جتنا ضرر دشمنوں کو پہنچایا گیا چونکہ اللہ کے اذن سے تھا' اسی واسطے وہ اس میں کامیاب ہو گئے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم جب مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو مکہ والوں کو بڑا غیظ و غضب پیدا ہوا۔ پس انہوں نے یہودیوں سے دوستی گانٹھی اور یہودی وہی پرانا نسخہ استعمال کرنے لگے کہ آؤ کسی بادشاہ سے ملکر اس محمدی سلطنت کا استیصال کریں۔ اسی واسطے ایرانیوں سے توسل پیدا کیا۔ یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ ایرانیوں کے گورنر عرب کے بعض مضافات میں بھی تھے۔ انہوں نے اپنے بعض آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو گرفتار کرنے کے لئے بھی بھجوائے مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آگے تو تم اے یہودیو! خدا کے حکم سے ایسے منصوبوں میں کامیاب ہوئے تھے۔ اب تم چونکہ یہ نسخہ اللہ کے رسول کے مقابلہ میں استعمال کرتے ہو اس لئے ہرگز کامیاب نہ ہو گے۔ چنانچہ چند آدمی شاہ فارس کی طرف سے گرفتار کرنے آئے۔ آپؐ نے ان کو فرمایا میں کل جواب دوں گا۔ صبح آپؐ نے فرمایا کہ جس نے تمہیں میری طرف بھیجا ہے اس کے بیٹے نے اسے قتل کر دیا ہے۔ وہ یہ بات سن کر بہت حیران ہوئے (بات میں بات آ گئی ہے۔ ہرچند کہ وہ ایسی عظیم الشان نہیں ہے۔ وہ یہ کہ جب وہ ایلچی نبی کریمؐ کے حضور آئے تو صبح صبح داڑھیاں منڈوا کر آئے۔ آپ نے فرمایا یہ تم کیا کرتے ہو۔ ہم اس امر کو کراہت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ جہاں اوپر کا قصہ لکھا ہے وہاں یہ بات بھی ہے۔

خیر)اور خائب و خاسر واپس پھرے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب یہ یہودی ایسی باتیں سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دیتی ہیں۔ ان کے حق میں بالکل مفید نہیں ہیں۔ جو اب یہ کرتے ہیں آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں۔ ہاروت ماروت نے جو سکھایا تھا وہ چونکہ نبیوں کے حکموں کے ماتحت تھا اس لئے کامیابی کا موجب ہوا۔ لیکن اب چونکہ نبی کی نافرمانی میں وہ ہتھیار چلتا ہے اس لئے کچھ کام نہ دے گا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ ایسی بری شے کے بدلے میں اپنی جانوں کو نہ بیچتے بلکہ اب تو یہ ان کے لئے بہتر ہے کہ ایمان لائیں۔ متقی بن جاویں تو اللہ کے ہاں بہت اجر پائیں۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۱۵ ۴ فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۳-۴)

☆-☆-☆-☆

۲۹؍ جنوری ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ۔ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (البقرۃ:۱۰۵تا۱۱۱)

اللہ جل شانہ نے ان آیات میں چند باتیں بطور نصیحت فرمائی ہیں۔

پہلی بات:۔ بہت سے لوگ جن کے دلوں میں کینہ اور عداوت ہوتی ہے تو اپنے حریف کو ایسے الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں جن میں ایک پہلو بدی کا بھی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ڈرپوک ہوتے ہیں۔ کھل کر کسی کو برا نہیں کہہ سکتے۔

رَاعِنَا۔ ایک لفظ ہے۔ اس کے کئی معنے ہیں۔ یہ رعونت' بڑائی' خودپسندی' حماقت کے معنوں میں بھی آتا ہے اور اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ آپ ہماری رعایت کریں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ سکھایا ہے کہ ایسا لفظ اپنے کلام میں اختیار نہ کرو جو ذو معنی ہو بلکہ ایسے موقعہ پر اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ اس میں بدی کا پہلو نہیں ہے۔

ایک شخص نے مجھ سے اصلاح کا ثبوت قرآن مجید سے پوچھا۔ میں نے یہی آیت پڑھ دی۔ اللہ تعالیٰ یہ نصیحت فرما کر متنبہ کرتا ہے کہ جو لوگ انکار پر کمر باندھے ہیں اور حق کا مقابلہ کرتے ہیں وہ دکھ درد میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس سے آگے عام کافروں کا رویہ بتایا ہے کہ یہ اہل کتاب اور مشرکین تمہارے کسی سکھ کو محض از روئے حسد دیکھ نہیں سکتے۔ اس حسد سے ان کو کچھ فائدہ سوا اس کے کہ جل جل کر کباب ہوتے رہیں نہیں پہنچ سکتا۔

یہ حسد بڑا خطرناک مرض ہے' اس سے بچو۔ اللہ تعالیٰ کے علیم و حکیم ہونے پر ایمان ہو تو یہ مرض جاتا رہتا ہے۔ دیکھو ململ کا کپڑا ہے۔ کوئی اسے سر پر باندھتا ہے۔ کوئی اس کا قمیص بناتا ہے۔ کوئی زخموں کے لئے پٹی۔ سب جگہ وہ کام دیتا ہے اور سبھی جگہ واقعہ میں اس کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر انسان سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کے عجائبات قدرت سے جو کام ہو رہے ہیں وہ بلا ضرورت و حکمت کے نہیں تو معترض کیوں ہو؟ اگر خدا تعالیٰ نے ایک قوم کو اپنی رحمت خاصہ کے لئے چن لیا ہے تو یہ کیوں جلتے ہیں۔ یہ تو عام قانون قدرت ہے کہ آج ایک درخت بغیر پھول اور پھل پتوں کے بالکل سوختنی ہیئت میں کھڑا ہے۔ اب بہار کا موسم آیا تو اس میں پتے لگنے شروع ہوئے۔ پھر پھول پھر پھل۔ اسی طرح قوموں کا نشوونما ہے۔ ایک وقت ایک قوم برگزیدہ ہوتی ہے لیکن جب وہ انعامات کے قابل نہیں رہتی تو خدا تعالیٰ دوسری قوم کو چن لیتا ہے اور وہ پہلی قوم ایسی مٹ جاتی ہے کہ بالکل بھلا دی جاتی ہے یا اس کی حالت تبدیل ہو جاتی ہے۔ غرض اس جہان میں اس طرح بہت تغیر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شریعت دی جاتی ہے پھر اس کی بجائے دوسری۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کوئی نشان قدرت نہیں بدلتے اور نہ اسے ترک کرتے ہیں مگر کہ اس کی مثل یا اس سے اچھا لاتے ہیں۔ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز

پر قادر ہے۔ اسی کا راج آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ وہ حق و حکمت سے ایسی تبدیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اس پر کسی کا بس نہیں چلتا۔ اس کے سوا کسی کو مددگار اور کارساز نہ پاؤ گے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۱۶--- ۱۱ / فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۲ / فروری ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَ سَعٰی فِیْ خَرَابِھَا اُولٰئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ- وَ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ- وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ- بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (البقرۃ:۱۱۵تا۱۱۸)-

اور پھر فرمایا:-

اس سے پہلے رکوع میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کسی دوسرے کو حقارت سے نہ دیکھو بلکہ مناسب یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ نے علم، طاقت اور آبرو دی ہے تو اس کے شکریہ میں اس کی جو اس نعمت سے متمتع نہیں، مدد کرے نہ یہ کہ اس پر تمسخر اڑائے، یہ منع ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ (الحجرات:۱۲)- مگر افسوس کہ لوگ اگر ذرا بھی آسودگی پاتے ہیں تو

مخلوق الٰہی کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ اس کا انجام خطرناک ہے۔ ان لوگوں میں تحقیر کا مادہ یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اگر کسی کی طاقت مسجد کے متعلق ہے تو وہ ان لوگوں کو جو اس کے ہم خیال نہیں مسجد سے روک دیتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ آخر وہ بھی خدا ہی کا نام لیتا ہے۔ ایسا کر کے وہ اس مسجد کو آباد نہیں بلکہ ویران کرنا چاہتا ہے۔ بارہویں صدی تک اسلام کی مسجدیں الگ نہ تھیں بلکہ اس کے بعد سنی اور شیعہ کی مساجد الگ ہوئیں۔ پھر وہابیوں اور غیر وہابیوں کی اور اب تو کوئی حساب ہی نہیں۔ ان لوگوں کو یہ شرم نہ آئی کہ مکہ کی مسجد تو ایک ہی ہے اور مدینہ کی بھی ایک ہی۔ قرآن بھی ایک، نبی بھی ایک، اللہ بھی ایک، پھر ہم کیوں ایسا تفرقہ ڈالتے ہیں؟ ان کو چاہئے کہ مسجدوں میں خوف الٰہی سے بھرے داخل ہوتے۔

صرف اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسجد میں آئے اور جماعت ہو رہی ہو تو وقار اور سکینت سے آئے اور ادب کرے جیسا کہ کسی شہنشاہ کے دربار میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن وہ اگر خوف الٰہی سے کام نہیں لیتے اور مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں ان کے لئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ یاد رکھو کسی کو مسجد سے روکنا بڑا بھاری ظلم ہے۔ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کو دیکھو کہ نصرانیوں کو اپنی مسجد مبارک میں گرجہ کرنے کی اجازت دے دی۔

(اللہ تعالیٰ) صحابہ کرام کو تسلی دیتا ہے کہ اگر (کوئی) تمہیں مسجد میں داخل ہونے سے روکتا ہے تو کچھ غم نہ کرو، میں تمہارا حامی ہوں۔ جس طرف تم گھوڑوں کی باگیں اٹھاؤ گے اور منہ کرو گے اسی طرف میری بھی توجہ ہے۔ چنانچہ جدھر صحابہ نے رخ کیا فتح وظفر استقبال کو آئی۔ یہ بڑا اعلیٰ نسخہ ہے کہ کسی کو عبادت گاہ سے نہ روکو اور کسی مخلوق کی تحقیر نہ کرو۔ مگر اس سے یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں امر بالمعروف نہ کرو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ صرف حسن سلوک اور سلامت روی سے پیش آؤ۔ جو کسی کی غلطی ہو اس کی فوراً تردید کرو۔ مثلاً عیسائی ہیں۔ جب وہ کہیں کہ خدا کا بیٹا ہے تو ان کو کہو خدا تعالیٰ اس قسم کی احتیاج سے پاک ہے۔ جب آسمان و زمین میں سب کچھ اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں تو اس کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے؟ (بدر جلد ۸ نمبر ۱۷---۱۸ / فروری ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۵ ؍ مارچ ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِیمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرة:۱۳۱) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

رشک (غبطہ) تمام انسانی ترقیات کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر رشک کرنا ہے تو ابراہیمؑ سے کرو۔ دیکھو! اس نے اپنے اخلاص و وفا کے ذریعے کیسے کیسے اعلیٰ مدارج پائے۔

ابراہیم کی ملت سے کون بے رغبت ہو سکتا ہے مگر وہی جس کی دینی ' دنیوی عقل کم ہو۔ اس کی ملت کیا تھی؟ بس حنیف ہونا۔ حنیف کہتے ہیں ہر امر میں وسطی راہ اختیار کرنے والے کو۔ عربی زبان میں جس کی ٹانگیں ٹیڑھی ہوں اسے احنف کہتے ہیں۔ اس واسطے حنیف کے معنے میں بعض لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے۔ حالانکہ ایسے شخص کو احنف بطور دعا و فال نیک کہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں "ہرچہ گیرد علتی شود" کے مریض سیدھے کے معنے بھی الٹے ہی لیتے ہیں۔ جس آدمی کو سیدھا کہا جاوے گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ تم بڑے بیوقوف ہو۔

ابراہیم کی راہ یہ ہے کہ افراط تفریط سے بچے رہنا۔ کسی کی طرف بالکل ہی نہ جھکنا بلکہ دین و دنیا دونوں کو اپنے اپنے درجے کے مطابق رکھنا۔ چنانچہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة:۲۰۲) ایک ہی دعا ہے۔

رابعہ بصری ایک عورت گذری ہے۔ ایک دن کسی شخص نے ان کے سامنے دنیا کی بہت ہی مذمت کی۔ آپ نے توجہ نہ فرمائی لیکن جب دوسرے دن، پھر تیسرے دن بھی یونہی کہا تو آپ نے فرمایا۔ اس کو ہماری مجلس سے نکال دو کیونکہ یہ مجھے کوئی بڑا دنیا پرست معلوم ہوتا ہے جبھی تو اس کا بار بار ذکر کرتا ہے۔

پس ایک وسطی راہ اختیار کرنا جس میں افراط و تفریط نہ ہو ابراہیمی ملت ہے۔ مومن کو یہی راہ اختیار کرنی چاہئے اور میں خدا کی قسم کھا کر شہادت دیتا ہوں کہ ابراہیم کی چال اختیار کرنے سے نہ تو غریب الوطنی ستاتی ہے، نہ کوئی اور حاجت۔ نہ انسان دنیا میں ذلیل ہوتا ہے، نہ آخرت میں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ (البقرة:۱۳۱) وہ دنیا میں بھی برگزیدہ لوگوں سے تھا اور آخرت میں بھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا میں خواہ کیسی ذلت ہو، آخرت میں عزت ہو۔ اور بعض آخرت میں کسی عزت کے طالب نہیں یا تھوڑی چیز پر اپنا خوش ہو جانا بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ کوئی بزرگ لکھتے ہیں کہ ہمیں تو بہشت میں پھونس کا مکان کافی ہے اور دنیا کے متعلق لکھا ہے کہ یہاں کفار کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے کچے مکانوں میں رہنا اسلامیوں کی ہتک ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ جب اس دنیا میں وہ اپنی ہتک پسند نہیں کرتا تو اس عالم میں اپنا ذلیل حالت میں رہنا اسے کس طرح پسند ہے؟ یہ خیال ابراہیمی چال کے خلاف ہے۔

ابراہیمؑ نے جن باتوں سے یہ انعام پایا کہ دنیا و آخرت میں برگزیدہ اور اعلیٰ درجہ کا معزز انسان ہوا، وہ بہت لمبی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک ہی لفظ میں سب کو بیان فرما دیا کہ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرة:۱۳۲)۔ پھر انسان کو اپنی بہتری کے ساتھ اپنی اولاد کا بھی فکر ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں کئی قسم کے لوگ گزرے ہیں۔ بعض کو اپنی اولاد کا اتنا فکر ہوتا ہے کہ دن رات ان کے فکر میں مرتے ہیں اور بعض ایسے کہ اولاد کے متعلق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

قاری کے متعلق یہ قصہ مشہور ہے کہ آپ پڑھا رہے تھے۔ گھر سے غلام نے آکر کہا کہ آپ کا بیٹا مر گیا۔ آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ (البقرة:۱۵۷)۔ اچھا فلاں کو کہہ دو کہ قبر نکلوا کر اسے دفن

کرادے۔ اس کے بعد آپ پڑھانے میں مشغول ہو گئے۔

خیر ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کی بہتری چاہی تو اس کے لئے ایک وصیت کی يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرة:۱۳۳) اے میرے بچو! اللہ نے تمہارے لئے ایک دین پسند فرمایا۔ پس تم فرمانبرداری کی حالت میں مرو۔ کئی لوگ ایسے ہیں جو گناہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پھر توبہ کرلیں گے۔ مگر یہ غلطی ہے کیونکہ عمر کا کچھ بھروسہ نہیں۔

خطبہ ثانیہ

وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ میں تمہیں ایک عام شر کی طرف توجہ دلاتا ہوں' وہ بد ظنی ہے۔ جن لوگوں نے اس مرض کے علاج بتائے ہیں ان میں ایک امام حسنؒ بصری بھی ہیں۔ آپ حضرت عمرؓ کی خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے اجداد عیسائی تھے۔ یہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں دجلہ کے کنارے پر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان بیٹھا ہے اور اس کے ساتھ ایک عورت ہے بڑی حسین۔ ان کے درمیان شراب کا مشکیزہ پڑا ہے۔ وہ اسے پی رہے ہیں اور بعض وقت عورت اس نوجوان کو چوم بھی لیتی ہے۔ میں نے اس وقت کہا کہ یہ لوگ کیسے بدکار ہیں۔ باہر سر میدان بدذاتی کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک حادثہ ہو گیا۔ ایک کشتی آرہی تھی وہ ڈوب گئی۔ عورت نے اشارہ کیا تو وہ نوجوان کودا اور چھ آدمیوں کو باہر نکال لایا۔ پھر آواز دی کہ او حسن! ادھر آ۔ تو بھی ایک کو تو نکال۔ نادان! یہ تو میری ماں ہے اور مشکیزہ میں دریا کا مصفی پانی ہے۔ ہم بھی تیری آزمائش کو یہاں بیٹھے تھے کہ دیکھیں تم میں سوء ظنی کا مرض گیا ہے یا نہیں؟ امام حسنؒ بصری فرماتے ہیں اس دن سے میں ایسا شرمندہ ہوا کہ کبھی سوء ظن نہیں کیا۔ سو تم بھی اس سے بچو۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۲۴۔ ۲۵---۸۔ ۱۵/ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۴/ مئی ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ۔ (البقرۃ:۱۷۸) **کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔**

لوگوں کی عجیب عادت ہے کہ وہ بڑی باتوں کا ذکر نہیں کرتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے لئے لڑائی کرتے ہیں۔ یہ ایک مرض ہے۔ میں نے اس مرض کا تماشا دو جگہ دیکھا۔ ایک بڑا عہدیدار ہمارے ڈیرے پر آگیا۔ اس نے جو شلوار پہنی ہوئی تھی وہ ٹخنوں سے نیچی تھی۔ میں وہاں موجود نہیں تھا۔ ایک میرے داماد تھے۔ انہوں نے چھوٹی سی چھڑی جو ان کے ہاتھ میں تھی اس رئیس کے ٹخنے پر لگا کر کہا مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فِى النَّارِ (بخاری۔ کتاب اللباس) **یہ بہت بری بات ہے۔ وہ اس سلوک سے آگ ہی تو ہو گیا۔ اس نے کہا نالائق انسان! تجھے تو یہ بھی خبر نہیں کہ مذہب اسلام کو بھی مانتا ہوں یا نہیں۔ میرا**

طریق کیا ہے۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے یا نہیں۔ اگر میں تمہارا مقابلہ کروں تو تجھے ایسا ذلیل کروں کہ پھر کبھی ایسا کرنے کا نام نہ لے۔

اسی طرح میں ایک دفعہ امرتسر تھا۔ صبح کی نماز میں ایک صاحب آ گئے اور وہ میرے ساتھ دس بجے تک پھرتے رہے۔ میں نے قرآن شریف کی بہت سی باتیں سنائیں۔ اتفاق سے میرا پاجامہ نیچا ہو گیا تو اس نے جھٹ اعتراض کر دیا۔ میں نے کہا بدبخت! تجھے میری خوبی تو کوئی نظر نہ آئی۔ کہا میں تو عیب چینی کی نیت سے ہی ساتھ شامل ہوا تھا۔

اسی طرح میں ریل میں تھا۔ ایک امیر شخص کی خاطر میں نے اسے ایک دو نکات قرآنی سنائے۔ اس نے کہا کوئی طبابت کی بات کیجئے۔ قرآن تو آپ کو آتا نہیں۔ میں نے کہا یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ کہا آپ نے آیت علم قرات کے مطابق نہیں پڑھی۔

میں نے یہ بات اس لئے تمہیں سنائی تا تمہیں معلوم ہو کہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو تو پکڑتے ہیں مگر بڑی باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ گھر میں آئے ہیں۔ بی بی نماز کی سست ہے۔ شرک میں گرفتار ہے۔ اس سے کوئی پرخاش نہیں' کوئی لڑائی نہیں لیکن اگر ہانڈی میں تھوڑا سا نمک بھی زیادہ پڑ گیا تو گھر والوں کی شامت آ گئی۔ دیکھو یہ کیسا ظلم ہے۔ اسی طرح میں نے گاؤں میں دیکھا۔ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر رفع یدین اور آمین پر ڈانگوں سے لڑتے ہیں۔ میں نے ایسے لوگوں سے کہا کہ تم میں سے کئی ہیں جو نمازوں کے سست ہیں تو وہ کہنے لگے نماز کیا ہوتی ہے؟ اس کے نہ پڑھنے سے تو گنہگار ہی ہوتے ہیں مگر رفع یدین اور آمین میں تو ایمان کے جانے کا خطرہ ہے۔

غرض لوگ آپس میں عجیب عجیب طور سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑتے ہیں اور بڑے نقصانوں کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ جب میں بہت ہی چھوٹا تھا تو ہمارے شہر میں غالباً صرف دو ہندوؤں کے گھر تھے جن کا زمیندارہ تھا۔ باقی سارے شہر کا زمیندارہ مسلمانوں کے قبضے میں تھا جو تعداد میں بارہ ہزار ہوں گے اور ہندو چھ ہزار۔ ہندوؤں کو حقارت سے کراڑ کہتے تھے مگر آج وہی کراڑ ہیں کہ مسلمانوں کی تقریباً ساری زمینوں کے مالک ہیں۔ بجائے اس کے کہ مسلمان انہیں کراڑ کہیں اب شاہ جی کہتے ہیں جو اس سے پہلے سیدوں کو کہتے تھے۔ پھر مسلمانوں میں باہمی اس قدر عناد ہے کہ میونسپلٹی میں جب رائے لی گئی تو مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کے حق میں رائے دی۔ یہ حالت کیوں ہوئی؟ میں نے دیکھا جو شخص آسودہ ہو وہ خودپسند اور خود رائے ہو جاتا ہے۔ کسی کو مانتا نہیں۔ جو کچھ دل میں آتا ہے وہی سچ سمجھتا ہے۔ تکبر کا یہ حال ہے کہ جسے چند روز صحت یا جتھا مل جاوے یا مقدمہ میں کامیاب ہو جائے اور تدبیریں مفید پڑ جائیں

وہ خدائی کا دعوی کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

دیکھو! عرب کے لوگوں میں قریشی سادات کہلائے۔ ان کا بچہ بچہ سید کہلاتا۔ قریش ایک جانور کا نام ہے جو کئی جانوروں کو کھا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ساری دنیا کو کھا گئے اس لئے قریش ان کا نام ہوا۔ مگر جب ان میں آسودگی آئی تو یہ ایسے بگڑے کہ جس قدر بدکاریاں' بدعتیں' بدمعاشیاں' نماز روزہ کی سستیاں' قرآن سے بے توجہیاں ہیں ان کی جڑ انہی گھروں میں ہے۔ پھر میں نے دیکھا ہے کہ تھوڑا سا رزق ملتا ہے تو اکڑباز بن جاتے ہیں۔ حالانکہ غور کرو تو وہ اتنا سامان ہوتا ہے کہ جس سے بمشکل قحط کے دنوں میں پیٹ کا دوزخ بھرا جا سکے۔ مگر کہتا ہے او ہم فلانے کو کیا سمجھتا ہے۔ نہ تو مسلمانوں میں باہمی ہمدردی ہے' نہ قومی جوش ہے' نہ خلوص ہے۔ یہ تو دنیا کا حال ہے۔ دین کے معاملات میں بھی اتفاق نہیں۔ سنی شیعہ کی مسجدیں کچھ مدت سے الگ ہوئی ہیں۔ مقلدوں اور غیر مقلدوں کی مسجدیں میرے دیکھتے دیکھتے الگ ہو گئیں۔ اب مرزائیوں کا تسلط ہو جائے تو وہ غیر مرزائیوں کو نماز نہ پڑھنے دیں تو یہ بات مجھے پسند نہیں۔ دیکھو یہاں نہ تو کوئی ہندو ہے نہ سکھ نہ آریہ۔ میں تمہیں سناتا ہوں اور تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ میں نے بھیرہ کی بات کوئی اپنا وطن سمجھ کر نہیں سنائی۔ مدت ہوئی میں بھیرہ کا خیال بھی چھوڑ چکا۔ اب نہ میری زبان وہاں کی ہے' نہ لباس' نہ میرے بچوں کا وہ طرز ہے۔ میں نے صرف تمہیں ایک واقعہ سنایا تا تم عبرت پکڑو۔ تمہاری خود آرائیاں' خودپسندیاں' دوسروں کی پروا نہ کرنا' صبر کو اختیار نہ کرنا' یہ مجھے پسند نہیں۔ میں تمہیں کھول کر سناتا ہوں کہ جب تک پاک نمونہ نہ بنو گے کامیاب نہ ہو سکو گے۔

میں ایک جگہ مدرس تھا۔ میرے ایک مہمان آیا۔ اس شہر کا پانی کھاری تھا۔ عورتیں صبح دریا سے بھر لاتی تھیں۔ دریا کا راستہ مدرسہ کے مشرق کی طرف تھا۔ مجھے اس نے بلایا ذرا باہر آؤ۔ جب میں گیا تو مجھے کہا دیکھو مسلمان عورتیں' گھڑوں پر کاہی جم رہی ہے' میل سے ایسے بھرے ہیں کہ دیکھ کر گھن آتی ہے۔ ہوا چل رہی تھی۔ کہا دیکھو یہ مسلمان عورتیں تہ بند باندھے ہوئے ہیں اور کیسی بے پردہ ہو رہی ہیں۔ ان کے بعد ہندو عورتیں گزریں۔ گلبدن کے پاجامے پہنے ہوئے' سروں پر گاگریں جو مانجھ مانجھ کر ایسی شفاف بنائی ہوئیں کہ نظر نہ ٹھہر سکتی تھی۔ مجھے کہنے لگا کہ تم مسلمانی لئے پھرتے ہو۔ اب اگر کوئی اجنبی یہاں آئے تو اسے کونسا مذہب اختیار کرنے کی تحریک ہو سکتی ہے۔ کیا یہ پچھلیاں ان اگلی عورتوں کا نمونہ دیکھ کر مسلمان ہو سکتی ہیں؟ افسوس تم لوگ عملی حالت اچھی نہیں بناتے۔ رنڈیوں کے بازاروں کو دیکھو۔ سب مسلمانوں سے بھرے پڑے ہیں۔ پوچھو کہ مسلمان ہیں' تو کہیں گے شکر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ محب اہل بیت ہیں۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ہر قسم کے شہدے' گنڈے' جعلساز' جھوٹی

قسم کھانے والے مسلمانوں میں موجود ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ آریہ' عیسائی کیا دیکھ کر مسلمان ہوں۔ کیا قیامت کو؟ قیامت تو مرکر دیکھیں گے۔ تم مرنے سے پہلے بھی انہیں کچھ دکھاؤ۔ دیکھو صحابہ کرامؓ نے کیا پاک نمونہ دکھایا۔ ہمت' استقلال' جاں نثاری' توحید کے لئے مال' جان' وطن چھوڑ دیا۔ اپنے آقاؐ کی اطاعت میں محویت پاکبازی تھی۔ ان میں خودپسندی' خودرائی نہ تھی۔ وہ حرام خور نہ تھے۔ حلال طیب کھاتے تھے۔ اس رکوع کے ابتداء میں فرماتا ہے۔ تم مشرق مغرب کو فتح کر رہے ہو یہ نیکی نہیں۔ نیکی تو اس وقت ہو گی جب اس فتحمندی کے ساتھ اللہ پر تمہارا ایمان ہو گا۔ اگر اللہ پر ایمان نہیں تو پھر تمہاری ہستی کیا ہے۔ پھر یوم آخرت پر ایمان ہو۔ جو لوگ کہتے ہیں "دنیا کھایئے مکر سے روٹی کھایئے شکر سے" وہ بے ایمان ہیں۔ دیکھو جب تک خشیت اللہ نہ ہو' آخرت پر ایمان نہ ہو' حرامخوری سے نہیں رک سکتے۔

میں نے ریاستوں میں رہ کر دیکھا' وہاں نوشیروانی ہوا کرتی تھی۔ ایک شخص عرضیاں سنایا کرتا تھا۔ ایک اہل غرض نے اس عرضیاں سنانے والے کو سو روپیہ دیا کہ تم یہ عرضی اس ترتیب سے سنا دینا۔ چنانچہ اس نے عرضی بڑی عمدگی سے سنائی اور کہا حضور! بڑی قابل توجہ ہے اور ساتھ سو روپیہ رکھ دیا کہ اس نے مجھے رشوت کا دیا ہے۔ رئیس کے دل میں عظمت بیٹھ گئی کہ یہ کیسا ایماندار آدمی ہے۔ میں اسے جانتا تھا کہ وہ بڑا حرامخور ہے۔ میں نے کہا یہ کیا؟ کہا مولوی صاحب آپ نہیں جانتے۔ یہ سو روپیہ ظاہر کر دیا۔ اس سے پچھلا تو ہضم ہو جائے گا اور آئندہ کے لئے راہ کھل جائے گا۔ یہ راجہ لوگ تو الو ہوتے ہیں۔ ہم نے اس حیلہ سے اپنا الو سیدھا کر لیا۔

دیکھو میرے جیسا شخص اگر خائن ہو جائے تو ہزاروں روپے کما سکتا ہے۔ مگر آخرت پر ایمان ہے جو اس بات کا وہم تک بھی آنے نہیں دیتا۔ مسلمانوں کو سمجھاتا ہے کہ فاتح ہونے میں بڑائی نہیں بلکہ ایمان باللہ و ایمان بالیوم الآخر میں بڑائی ہے۔ پھر ملائکہ پر ایمان ہو جو تمام نیک تحریکوں کے مرکز ہیں۔ پھر اللہ کی کتابوں پر اور اللہ کے نبیوں پر ایمان ہو۔ پھر خدا کی راہ میں کچھ دے۔ میں نے تجربہ سے آزمایا ہے جو کنجوس ہو وہ حق پر نہیں پہنچتا۔ بعض دفعہ سخاوت والے انسان کے لئے کسی محتاج کے دل سے دعا نکلتی ہے۔ "جا تیرا دونوں جہان میں بھلا" اور پھر وہ عرش تک پہنچتی ہے اور اسے جنت نصیب ہو جاتا ہے۔

ایک یہودی تھا' وہ بارش کے دنوں میں چڑیوں کو چوگا ڈالا کرتا۔ بزرگ ملاں تھا اس نے حقارت سے دیکھا۔ اور یہ ملاں بڑی بدبخت قوم ہوتی ہے ایسا ہی گدی نشین۔ ملا نمبردار کے ماتحت ہوتا ہے اور گدی نشین کو تو سب کچھ حلال ہے۔ رنڈیاں ان کے دربار کی زینت ہیں۔ نماز روزہ کو جواب دے رکھا ہے۔ بزرگوں کے نام سے کھاتے ہیں۔ خیر! ایک وقت آیا کہ وہ یہودی مسلمان ہوا۔ وہ حج کو گیا۔ وہاں

ملاں بھی حج کر رہا تھا۔ اپنا روپیہ کب خرچ کیا ہو گا۔ کرایہ کا ٹٹو بنکر گیا ہو گا۔ یہودی نے کہا۔ دیکھا وہ چو گا ڈالنا ضائع نہ گیا۔

ایک واقعہ رسول کریمؐ کے زمانے میں بھی ایسا ہوا کہ کسی نے سو اونٹ دیئے تھے۔ پوچھا کیا وہ اکارت گئے؟ فرمایا نہیں۔ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا اَسْلَفْتَ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان) اسی سے تو تمہیں اسلام کی توفیق ملی۔

پس فرماتا ہے کہ مال دو باوجود مال کی محبت کے۔ غیروں کو دیتے ہیں مگر رشتہ داروں کو دینے میں مضائقہ ہوتا ہے۔ فرمایا ان کو بھی دو اور یہ نہ کہو کہ اس کے باپ کے دادا کو ہمارے چچا کے نانا سے یہ دشمنی تھی۔ پھر فرمایا یتیموں کو' مسکینوں کو' مسافروں کو' اللہ کے نیک کاموں' اسلام کی اشاعت میں خرچ کرو۔ مشکلات کے تین وقت آتے ہیں۔ ایک قرض' سو اس میں بھی امداد کرو۔ ایک غریبی جس میں انسان بہت سی بدیوں کا ارتکاب کر گزرتا ہے۔ ایک بیماری۔ فرمایا ان سب میں استقلال سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دیوے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۴۰--۲۹؍ جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

۴؍ جون ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضور نے سورۃ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ وَ لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۱۸۷تا۱۸۹)۔

اور پھر فرمایا:۔

روزہ ایک عظیم الشان عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَلصَّوْمُ لِیْ (بخاری کتاب الصوم باب فضل الصوم) روزہ میرے لئے ہے کیونکہ روزے میں خدا تعالیٰ کی صفات کا رنگ ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ اس کی کوئی عورت ہے۔ ایسا ہی روزہ دار بھی تھوڑے وقت کے واسطے محض خدا کی خاطر بنتا ہے۔ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ (البقرۃ:۴۶) میں بھی صبر کے معنے روزے کے کئے گئے ہیں۔ روزے کے ساتھ دعا قبول ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ جیسا کہ لباس میں سکون‘ آرام‘ گرمی سردی سے بچاؤ‘ زینت‘ قسما قسم کے دکھ سے بچاؤ ہے ایسا ہی اس جوڑے میں ہے۔ جیسا کہ لباس میں پردہ پوشی‘ ایسا ہی مردوں اور عورتوں کو چاہئے کہ اپنے جوڑے کی پردہ پوشی کیا کریں۔ اس کے حالات کو دوسروں پر ظاہر نہ کریں۔ اس کا نتیجہ رضائے الٰہی اور نیک اولاد ہے۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک چاہئے اور ان کے حقوق کو ادا کرنا چاہئے۔

اس زمانہ میں ایک بڑا عیب ہے کہ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ مجھے ایک شخص کے خط سے نہایت دکھ پہنچا۔ جس نے کہا کہ "پنجاب‘ ہندوستان کے مرد تو بڑے بے غیرت ہیں۔ عورت کی اصلاح کیا مشکل ہے۔ اگر موافق طبیعت نہ ہوئی تو گلا دبا دیا۔ میں تو آپ کا مرید ہوں۔ جو آپ فرماویں گے وہی کروں گا۔ مگر طریق اصلاح یہی ہے"۔ یہ حال مسلمانوں کا ہو رہا ہے۔ خدا رحم کرے۔ نبی کریمؐ اور صحابہؓ تو عورتوں کو جنگوں میں بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اور اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ عورتوں کو ساتھ نہیں رکھتے اور ایسے نکمے عذر کر دیتے ہیں کہ ہماری آمدنی کم ہے مگر جھوٹے ہیں۔ دراصل احکام الٰہی کی عزت اور منزلت ان کے دلوں میں نہیں۔ قرآن شریف کو نہیں پڑھا جاتا ہے۔ ایک دیوار کسی کی ٹوٹتی ہو تو ہزار فکر کرتا ہے۔ مگر قیامت کا پہاڑ جو ٹوٹنے والا ہے اس کا فکر کسی کو نہیں۔ قیامت میں نبی کریمؐ کا بھی اظہار ہو گا کہ اس قوم نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اور نیکیوں کی توفیق دیوے۔ آمین۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۳۳‘۳۴---۱۷ر جون ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۲۵/جون ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضور نے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ (الناس:۲تا۷) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس سورۃ کو اخیر میں لانے میں یہ حکمت ہے کہ قرآن کو ختم کرکے اور شروع کرتے ہوئے اَعُوْذُ پڑھنا چاہئے۔ چونکہ یہ طریق مسنون ہے کہ قرآن کریم ختم کرتے ہی شروع کر دینا چاہئے اس لئے نہایت عمدہ موقع پر یہ سورۃ ہے۔ بخاری صاحب نے اپنی کتاب کو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ سے شروع کیا ہے تاکہ سامعین لوگ اور معلم اور متعلم اپنی اپنی نیتوں پر غور کرلیں۔ یاد رکھو جہاں خزانہ ہوتا ہے وہیں چور کا ڈر ہے۔ قرآن مجید ایک بے بہا خزانہ ہے۔ اس کے لئے خطرہ شیطانی عظیم الشان ہے۔ قرآن کی ابتدا میں یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا (البقرۃ:۲۷) پڑھ کر دل کانپ جاتا ہے۔ اپنی رسومات کے ادا کرنے کے لئے تو مکان بلکہ زمین تک بیچنے سے بھی نہیں ڈرتے مگر خدا کے لئے ایک پیسہ نکالنا بھی دوبھر ہے۔ ایک قرآن پر عمل کرنے سے پہلو تہی ہے اور خود وضع داری و تکلف و رسوم کے ماتحت جو کچھ

کرتے ہیں اس کی کتاب بنائی جاوے تو قرآن سے دس گنا حجم میں ضخیم ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اس کو ہماری عبادت کی ضرورت کیا ہے؟ حالانکہ وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بھی بدپرہیزیوں سے اور حکام کی خلاف ورزی سے دکھ ضرور پہنچتا ہے۔ پس گناہ سے اور احکم الحاکمین کی خلاف ورزی سے کیوں سزا نہ ملے گی۔ ان تمام اقسام کے وسوسوں اور غلط فہمیوں سے جو اضلال کا موجب ہیں بچنے کے لئے یہ سورۃ سکھائی گئی ہے۔ عوذ ان چھوٹے پودوں کو کہتے ہیں جو بڑے درختوں کی جڑ کے قریب پیدا ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کو ایک رب کی ضرورت ہے۔ دیکھو انسان غذا کو گڑبڑ کر کے پیٹ میں پہنچا لیتا ہے۔ اب اسے دماغ میں' دل میں' اعضاء رئیسہ میں بحصہ رسدی پہنچانا یہ رب کا کام ہے۔ اسی طرح بادشاہ کی ضرورت ہے۔ گاؤں میں نمبردار نہ ہو تو اس گاؤں کا انتظام ٹھیک نہیں۔ اسی طرح تھانیدار' تحصیلدار نہ ہو تو اس تحصیل کا' ڈپٹی کمشنر نہ ہو تو ضلع کا' کمشنر نہ ہو تو کمشنری کا' اسی طرح بادشاہ نہ ہو تو اس ملک کا انتظام درست نہیں رہ سکتا۔ پس انسان کہ عالم صغیر ہے اس کی مملکت کے انتظام کے لئے بھی ایک ملک کی حاجت ہے۔ پھر انسان اپنی حاجتوں کے لئے کسی حاجت روا کا محتاج ہے۔ ان تینوں صفتوں کا حقیقی مستحق اللہ ہے۔ اس کی پناہ میں مومن کو آنا چاہئے تا چھپے چھپے' پیچھے لے جانے والے' مانع ترقی وسوسوں سے امن میں رہے۔ اسلام کی حالت اس وقت بہت ردی ہے۔ ہر مسلمان میں ایک قسم کی خودپسندی اور خودرائی ہے۔ وہ اپنے اوقات کو' اپنے مال کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ نہیں کرتا۔ اللہ نے انسان کو آزاد بنایا پر کچھ پابندیاں بھی فرمائیں بالخصوص مال کے معاملہ میں۔ پس مالوں کے خرچ میں بہت احتیاط کرو۔ اس زمانہ میں بعض لوگ سود لینا دینا جائز سمجھتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ سود کا لینے والا' دینے والا' بلکہ لکھنے والا اور گواہ' سب خدا کی لعنت کے نیچے ہیں۔

میں اپنی طرف سے حق تبلیغ ادا کر کے تم سے سبکدوش ہوتا ہوں۔ میں تمہاری ایک ذرہ بھی پروا نہیں رکھتا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم خدا کے ہو جاؤ۔ تم اپنی حالتوں کو سنوارو۔ خدا تمہیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۳۹-- ۲۲ر جولائی ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۳۰ ؍ جولائی ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲) کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو اور اس سے سچے تعلقات محبت پیدا کرنے کے خواہشمند ہو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ اس اصل سے صحابہؓ نے جو فائدہ اٹھایا ہے ان کے سوانح پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ آج میں تمہیں خلاف معمول حدیث کا خطبہ سناتا ہوں۔ چند احادیث بطور اصول ہیں۔

(۱)۔ لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان) یہ حدیث عظیم الشان تعلیم کا رکن ہے۔ کوئی بھی تم میں سے مومن نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے بھائی کے لئے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنی جان کے لئے پسند کرتا ہے۔ اس کا ترجمہ کسی فارسی مصنف نے کیا ہے:۔

آنچہ بر خود مپسندی بر دیگراں مپسند

اب اس پر تم اپنے ایمان کو پرکھو۔ کیا تمہارے معاملات دوسروں سے ایسے ہی ہیں جیسے تم اپنے ساتھ

کسی دوسرے سے چاہتے ہو؟ دیکھو کوئی نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ دھوکہ کرے یا مجھے فریب دے یا میرا مال کھائے یا میری ہتک کرے یا میرا لڑکا بد صحبت میں بیٹھے۔ پس دوسروں کے لئے یہ بات کیوں پسند کی جائے۔

(۲) ۔ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ۔ (ترمذی کتاب الزھد)

انسان دیکھے کہ جو کام میں نے صبح سے شام تک کیا ہے کیا اپنے مولیٰ کو بھی راضی کیا ہے؟ کیا ایسی خواہشیں تو اس میں نہیں جو قابل توجہ نہیں؟ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو بات قابل توجہ نہیں اسے چھوڑ دے۔

(۳) ۔ اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی۔ (ترمذی کتاب البر)

یہ حدیث میرے عنایت فرما استاد نے مجھے اولیت کے رنگ میں سنائی اور اس کا سلسلہ اولیت رسول کریمؐ سے برابر چلا آتا ہے۔ جو رحم کرنے والے ہیں ان پر رحمٰن رحم کرتا ہے جو بہت برکتوں والا بلند شان والا ہے۔ تم سب پر رحم کرو۔ ماں باپ کے لئے بھی رحم کا ذکر ہے اِرْحَمْهُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا (بنی اسرائیل:۲۵)۔ بی بی کے لئے بھی مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم:۲۲) اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ (ترمذی کتاب البر) اس حدیث کی تفصیل ہے۔ تم اپنی جان پر بھی رحم کرو۔ جو گناہ کرتا ہے اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ ڈاکہ مارنے، جھوٹ بولنے، چوری کرنے کے لئے اور لوگ تھوڑے ہیں! تم ہی کم از کم خدا کے لئے ہو جاؤ۔

(۴) ۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی (صحیح بخاری باب کیف بدء الوحی)

ہے۔ یہ امر تو واقعی ہے کہ جو افعال مقدرت انسانی کے نیچے ہیں وہ تمہاری نیت و دلی قصد کے تابع ہیں۔ پس جیسے جیسے اعمال میں نیات ہیں ویسے ویسے پھل ملتے ہیں۔ اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کرو اور خدا کے ہو جاؤ پھر یہ دنیا بھی تمہاری ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰهِ کَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔

جے توں اس دا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

(بدر جلد ۸ نمبر۴۱--۵ر اگست ۱۹۰۹ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۳؍ اگست ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ اَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوۡلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الۡفَلَاحِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

فرمایا:۔

اذان میں اسلام کی پاک تعلیم کا خلاصہ ہے۔ مگرافسوس کہ دن رات باوجود پانچ بار یہ ندا سننے کے پھر بھی، عام مسلمانوں کو تو جانے دیجئے ان کے لیڈروں کی یہ حالت ہو رہی ہے۔ گدی نشینوں کو دیکھو۔ خواہ کسی مذہب کا آدمی ہو اور اس کے اعمال کیسے خراب ہوں لیکن اگر ان کے آگے نذرانہ رکھ دے تو بس یہ ان کا عزیز فرزند ہے۔ علماء ہیں تو ان میں مطلق تقویٰ و خدا ترسی نہیں رہی حتیٰ کہ ان کے درس میں بھی کوئی کتاب خشیت اللہ کے متعلق نہیں رہی۔ امراء ہیں تو ان کے نزدیک مذہب محض ملانوں کے

لئے ہے۔ وہ بالکل اباحت کے رنگ میں آ گئے ہیں۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ان کے ہادی خود ان کے محتاج ہیں۔

اس کے بعد آپ نے اذان کا ترجمہ سنایا کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ چار بار کہا جاتا ہے گواہی کی حدود تک۔ ہاں' زنا کے ثبوت کے لئے چار کی ضرورت ہے۔ پس یہ شہادت کس قدر قوی ہے کہ خدا مستجمع جمیع صفات کاملہ' تمام قسم کے نقصوں' عیبوں سے منزہ ذات سب سے بڑی ہے۔ اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ ہم کہاں تک خدا کی آواز مخلوق کی آواز پر مقدم کرتے ہیں۔

پھر حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہے کہ ہمارے کام اس کی گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق ہوں گے۔ پھر نماز کے لئے آنے کی تاکید ہے۔ افسوس کہ مسلمان بہت کم اس کی پروا کرتے ہیں۔ اول تو نماز پڑھتے ہی نہیں اور جو پڑھتے ہیں تو باجماعت کی پابندی نہیں۔ حالانکہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جب نماز قائم ہو جاوے تو جماعت میں شامل نہ ہونے والوں کے گھر جلادوں۔ امیر وضع کی پابندی پر مرتے ہیں۔ مسجد میں آنا ہتک سمجھتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز کی مجلس میں ایک شخص داڑھی منڈا بیٹھا تھا۔ کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحب کے وعظ کا کچھ اثر نہیں ہوا؟ کہا' ہوا ہے مگر وضع داری اجازت نہیں دیتی۔ نماز پر آنا' فلاح پر آنا یعنی تم مظفر و منصور ہو گے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۸ ---- ۱۶/ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۳)

۲۰؍ اگست ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

تشہد اور تعوذ کے بعد فرمایا:۔

میں اپنے پیشہ طبابت میں دیکھتا ہوں۔ ایک شخص آتا ہے کہ آپ کی دوا نے بہت فائدہ پہنچایا۔ دوسرا آ کے کہتا ہے کہ بہت ہی نقصان پہنچایا۔ پس میں نہ پہلی بات پر خوش ہوتا ہوں نہ دوسری پر غمناک' بلکہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ میرا کام ہمدردی ہے۔ دوائیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ پس میں ان کو دیتا ہوں۔ جس کے لئے وہ چاہتا ہے نافع بنا دیتا ہے اور جس کے لئے وہ چاہتا ہے مضر۔ ایک خطرناک قریب المرگ مریض کو دو دن میں اچھا کر دیتا ہے اور ایک معمولی مریض کو ایک دو دن میں خلاف امید مار دیتا ہے اور میں الگ رہتا ہوں۔

اس نکتہ نے مجھے روحانی طبابت میں بھی حوصلہ اور صبر دیا ہے۔ میں نے سلسلہ درس کو قطع کر کے ان چند بیماریوں کے متعلق جو تم لوگوں میں دیکھیں خصوصیت سے وعظ کیا۔ اب جن کو خدا نے فائدہ پہنچانا تھا ان کو پہنچا دیا۔ جن کو نہیں پہنچانا تھا یعنی جنہوں نے فضل الٰہی کے جذب کے لئے اپنے آپ کو تیار نہیں کیا اور بدپرہیزی نہیں چھوڑی' نسخہ استعمال نہیں کیا' ان کو فائدہ نہیں ہوا۔

پھر آپ نے یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ (البقرۃ:۱۹۰) پڑھ کر فرمایا کہ صحابہؓ نے رمضان کے مہینے کی برکات سن کر دوسرے چاندوں کی نسبت بھی پوچھا۔ اصل میں تمام عبادتیں چاند سے متعلق ہیں اور دنیاداروں کی تاریخیں سورج سے۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ چاند کے حساب پر عبادت کرنے کی وجہ سے سورج کی کوئی تاریخ خالی نہیں رہتی جس میں امت محمدیہ کے افراد نے روزہ نہ رکھا ہو یا زکوٰۃ نہ دی ہو یا حج نہ کیا ہو۔ کیونکہ قریباً گیارہ روز کا ہر سال فرق پڑتا ہے اور ۳۶ سال کے بعد وہی دن پھر آجاتا ہے۔

پھر قَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۹۱) کی تفسیر میں فرمایا کہ اسلام کے دشمن اسلام کے خلاف کوشش کرتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں نہ تعلیم ہے' نہ روپیہ' نہ وحدت' نہ اتفاق' نہ وحدت کے فوائد سے آگاہ' نہ یکجہتی کی روح' نہ اپنی حالت کا علم۔ ملاں کی ذلیل حالت دیکھ کر مسجدوں میں جانا تک چھوڑ دیا۔ تم سنبھلو اور ان کوششوں کے خلاف دشمن کا مقابلہ کرو مگر حد سے نہ بڑھو۔

اپنے مومن بھائیوں سے حسن ظنی کرو۔ ایک نے مجھے کہا تھا حسن ظنی کر کے کیا کریں۔ اس میں سراسر نقصان ہے۔ میں نے کہا کم از کم اپنی والدہ کے معاملہ میں تو تم کو بھی حسن ظنی سے کام لینا پڑے گا ورنہ تمہارے پاس اپنے باپ کے نطفہ سے ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ اسلام پر قائم رہو۔ یہ وہ مذہب ہے جس کا ماننے والا کسی کے آگے شرمندہ نہیں ہوتا۔ اس کا اللہ تمام خوبیوں کا جامع ہے۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۴۵--۲ر ستمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆

۱۰؍ ستمبر ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے آیت قرآنی سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِنْ اٰیَۃٍ بَیِّنَۃٍ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (البقرۃ:۲۱۲) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

بنی اسرائیل کو کس قدر کھلے نشان دیئے۔ ان کے دشمن کو ان کے سامنے اسی بحر میں جس سے وہ صحیح سلامت نکل آئے' ان کے دیکھتے دیکھتے ہلاک کیا۔ ان کے املاک کا وارث کیا اور پھر یہ کہ بنی اسرائیل سب کے سب غلام تھے۔ حضرت موسیٰؑ خود فرماتے ہیں وَ تِلْکَ نِعْمَۃٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (الشعراء:۲۳)۔ خدا نے ان پر یہاں تک فضل کیا کہ غلامی سے بادشاہی دی' نبوت دی۔ تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت دی۔ چنانچہ فرماتا ہے اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا وَّ اٰتٰکُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (المائدۃ:۲۱)۔ لیکن جب بنی اسرائیل نے ان انعامات الٰہی کی کچھ قدر نہیں کی تو بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ (البقرۃ:۶۲) اور ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَ

الْمَسْكَنَةُ (البقرة:۶۲) کا فتویٰ ان پر چل گیا۔ وہی یہود جو تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے دنیا میں ان کے رہنے کے لئے کوئی اپنی سلطنت نہیں۔ جدھر جاتے ہیں بندروں کی طرح دھتکارے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَتَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

اب یہاں بنی اسرائیل نہیں بیٹھے۔ سب مسلمان ہی ہیں۔ مسلمانوں پر خدا نے بنی اسرائیل سے بڑھ کر انعامات کئے۔ ان کو نہ صرف بنی اسرائیل کے ملکوں کا وارث کیا بلکہ جبل الطارق پر یہی حکمران تھے۔ مشرق میں کاشغر' بخارا سے چائنا تک پہنچے۔ لیکن جب مسلمانوں نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی تو جبل الطارق جبرالٹر بن گیا۔ کاشغر وغیرہ پر روس کی حکومت ہو گئی۔ گنگا کا کنارا اور سندھ انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ جو بنی اسرائیل نے کیا وہی مسلمانوں نے کیا۔ خدا نے ان کو ایسا دین دیا جو کل دینوں سے بڑھ کر ہے۔ ایسی کتاب دی جو کل کتب الٰہیہ کی جامع ہے۔ ایسا نبی دیا جو تمام انبیاء کا سردار ہے (احمدیوں کو تو وہ امام دیا جو تمام اولیاء کا سردار ہے)۔ بنی اسرائیل کے فرعون کو تو سمندر میں غرق کیا مگر ہمارے نبی کریمؐ کے فرعون (ابوجہل) کو' باوجودیکہ ہم کتابوں میں یہی پڑھتے آتے تھے اِمَّا اَنْ لَّا يَكُوْنَ فِي الْبَحْرِ اِمَّا اَنْ يَّغْرِقَ' خشکی میں غرق کر کے دکھا دیا۔ کس قدر افسوس ہے کہ مسلمان ان نعمتوں کی بے قدری کر رہے ہیں۔ اس کتاب کی جس کو ذٰلِكَ الْكِتَابُ فرمایا یعنی اگر کوئی کتاب ہے تو یہی ہے' کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اس میں اس قدر علوم ہیں کہ شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کتابیں جمع کرنے کے لئے تین کروڑ روپیہ چاہئے۔ یہ ان کے زمانے کا ذکر ہے۔ اب تو اس قدر کتابیں ہیں کہ کئی کروڑ روپے بھی کافی نہ ہوں۔ لیکن کئی مسلمان ہیں جو اس کے معمولی معنے بھی نہیں جانتے۔ پھر خود پسندی' خود رائی کا یہ حال ہے کہ نہ قرآن سے واقف' نہ حدیث سے آگاہ۔ نہ حفظ نفس' حفظ مال' حفظ اعراض کے اصول سے باخبر۔ مگر اپنی رائے کو کلام الٰہی پر ترجیح دینے کو تیار۔ قرآن کو امام و مطاع نہیں بناتے۔ تم لوگوں نے دین کے لئے اپنے گھربار' اپنے خویش و اقارب' اپنے احباب وغیرہ کو چھوڑا ہے۔ اگر تم بھی قرآن کی تعلیم حاصل نہ کرو تو افسوس ہے۔ (چونکہ بارش شروع ہو گئی تھی اس لئے خطبہ یہیں ختم کرنا پڑا)۔

(بدر جلد ۸-۹ نمبر ۴۶-۴۷--۹' ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆

۱۵/ اکتوبر ۱۹۰۹ء

خطبہ عید الفطر

حضرت امیرالمومنین نے کلمہ شہادت کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھی اور پھر فرمایا:۔

قبل اس کے کہ میں تمہیں اس کی تفسیر سناؤں چند ضروری باتیں سنانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ جنہوں نے روزہ رکھا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صدقۃ الفطر دیں۔ یہ حکم قرآن مجید میں ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ (البقرۃ:۱۸۵) اور جو لوگ اس فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ طعام مسکین دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رنگوں میں اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ اول یہ کہ انسان عید سے پہلے صدقۃ الفطر دے۔ دوم' جو روزہ نہ رکھے وہ بدلے میں طعام مسکین دے۔ دائم المرض ہو یا بہت بوڑھا یا حاملہ یا مرضعہ' ان سب کے لئے یہ حکم ہے۔ سوم یہ کہ یہ الٰہی ضیافت کا دن ہے۔ پس مومن کو چاہئے کہ کھانے میں توسیع کر دے اور غرباء کی خبرگیری کرے۔ ہر قوم میں کوئی نہ کوئی دن ایسا ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے۔ بہت عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانا کھاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں بھی ہے لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدٌ فَهٰذَا عِيْدُنَا (بخاری کتاب العیدین) ہر قوم کی ایک عید ہے ہماری بھی ایک عید ہو تو مناسب ہے۔

وعظ کی دقتیں

دوسری بات جس کے لئے کئی وقت میں گھبراتا رہا ہوں یہ ہے کہ مجھے دن میں پانچ وقت وعظ کرنا پڑتا ہے۔ وعظ کے متعلق بڑی دقتیں ہوتی ہیں۔ ایک واعظ کو' ایک اسے جسے وعظ کیا جائے۔ واعظ کی دقتیں سات قسم کی ہیں۔

(ا)۔ حدیث میں آیا ہے قیامت کے دن بعض آدمیوں کو دوزخ میں لے جائیں گے اور انہیں کے سامنے بعض کو بہشت میں۔ بہشت میں جانے والے تعجب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو انہی دوزخ میں جانے والوں کے وعظ سننے کے سبب اور اس پر عمل کرنے کے ذریعہ سے بہشت میں جاتے ہیں' پھر یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم عمل نہیں کرتے تھے۔ دیکھو واعظ کے لئے کس قدر اشکال ہیں۔

(۲)۔ پھر واعظ کے لئے یہ دقت ہے کہ بعض واعظ پہلے بڑی بڑی مشاقی کرتے ہیں۔ عجیب عجیب لفظ سوچ جاتے ہیں۔ بعض کو داد کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ گویا یہ وعظ ریاء کے لئے ہوتا ہے۔ اسی کی نسبت آتا ہے۔ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ (النساء:۱۴۳)۔

(۳)۔ پھر وعظ سمعۃ کے لئے بھی کیا جاتا ہے۔ یعنی وعظ محض اس ارادے سے کیا جاوے کہ لوگ سنیں اور کہا جائے کہ فلاں بڑا مقرر ہے۔ بڑا بولنے والا ہے۔

(۴)۔ واعظ کے لئے وہی مشکل ہے جو شاعر کے لئے بھی ہے۔ اگر اور کوئی شعر پچھلا سنا دیا تو یہ کہا جاتا ہے یہ تو پہلے بھی سنا چکے ہو۔ (ب) مضمون کسی سے مل جائے تو پھر کہا جاتا ہے فلاں کا چرایا ہوا ہے۔ (ج) مذاق کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا پھیکا ہے۔ (د) اور اگر پسند بھی آگیا تو سوائے اس کے کہ معمولی ہاہا ہو گئی نتیجہ کچھ بھی نہیں۔ اول تو جدت کا آنا ہی مشکل ہے کیونکہ جس واعظ کو ہر روز ایک تنگ دائرے میں کھڑے ہو کر وعظ کرنا پڑے اس میں جدت کہاں سے آئے۔

(۵)۔ پانچواں اشکال سنت کی اتباع کے متعلق ہے کہ صحابہ کرامؓ فرماتے تھے روز وعظ نہیں کرنا چاہئے تا بات معمولی نہ سمجھی جاوے۔

(۶)۔ اس سے بڑھ کر ایک اور بات ہے۔ کل ہی ایک سجادہ نشین نے مجھے خط لکھا ہے کہ مرزا صاحب کی طرف بلانے کا تو ہی واسطہ تھا۔ اب ان سے گمراہ کرنے والا بھی تو ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو کان رس ہوتا ہے' بعضوں کو آنکھ رس۔ وہ واعظ کے وعظ اپنے خیالات پر کستے رہتے ہیں۔ اگر ذرا بھی اپنے ذوق کے خلاف پائیں تو بگڑ بیٹھتے ہیں۔ میں نے اسے لکھا کہ تمہارا خط میری انتہائی راحت کا

موجب ہوا کیونکہ قرآن شریف کی صفت میں بھی یہی آیا ہے یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (البقرۃ:۲۷)۔ پس اگر میں اور قرآن وعظ میں ایک مقام پر ہو گئے تو پھر اس دنیا میں مجھ سا خوش نصیب اور کامیاب کوئی نہیں۔

(۷)۔ ایک اور مشکل جو واعظ کے ساتھ لگی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض بہادر اس کی طرف ہمیشہ نکتہ چینی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کی نگرانی ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے ”نوشت است پند بر دیوار“ وغیرہ کہہ کر بہت کچھ اپنے تئیں چھڑایا ہے مگر معترضین نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ جو معرفت کے خزانے اگلتا ہے اس کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے اور نکتہ چینی کرنے پر تلے رہتے ہیں۔

غرض اسی قسم کے چھپن دکھ ہیں۔ جن میں سے میں نے بہت کم تم لوگوں کو سنائے ہیں کیونکہ یہ بھی آیا ہے۔ مَاسَلِمَ الْمِکْثَارُ بہت بولنے والا غلطی سے محفوظ نہیں رہتا۔

اسی طرح سننے والوں کو بھی مصیبتیں ہیں۔ میں نے ایک لڑکے سے پوچھا کہ آج قرآن شریف کا درس کہاں سے ہو گا؟ تو اس نے کہا۔ میں گو دس برس سے سنتا ہوں مگر مجھے کوئی دلچسپی نہیں اس لئے مجھے معلوم نہیں۔ دوسرا جو پاس بیٹھا تھا جب اس سے پوچھا تو وہ بھی کہنے لگا کہ وعلی ہذاالقیاس۔ مجھے خوشی بھی ہوئی اور رنج بھی ہوا۔ خوشی اس لئے کہ بہت سی مخلوق ایسی بھی ہوتی ہے جو یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَایُبْصِرُوْنَ (الاعراف:۱۹۹) اور قَالُوْا سَمِعْنَا وَھُمْ لَایَسْمَعُوْنَ (الانفال:۲۲) کی مصداق ہے۔

غرض بعض تو ایسے ہیں جو سن کر بھی نہیں سنتے اور بعض سامعین ایسے ہیں کہ انہیں مجلس وعظ میں محض کسی کی دوستی یا کوئی ذاتی غرض لاتی ہے۔ بعض نکتہ چینی کے لئے جاتے ہیں۔ ان کا خیال واعظ کی زبان کی طرف رہتا ہے۔ بس جونہی کوئی انگریزی یا سنسکرت یا عربی لفظ اس کے منہ سے غلط نکل گیا تو یہ مسکرائے۔ بس ان کے سننے کا ماحصل صرف یہی ہے کہ وہ گھر میں آکر واعظ کی نقل لگایا کریں۔

پھر ایک اور مشکل ہے۔ وہ یہ کہ چور کی داڑھی میں تنکا۔ واعظ ایک بات کتاب اللہ سے پیش کرتا ہے۔ اب اگر سننے والے میں بھی وہی عیب ہے جو اس واعظ نے بتایا تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو سنا سنا کر یہ باتیں کرتا ہے اور گویا مجھے طعنے دے رہا ہے حالانکہ واعظ کے وہم میں بھی یہ بات نہیں ہوتی۔ غرض دو طرفہ مشکلات ہیں۔ ایک طرف واعظ کو اور ایک طرف سامعین کو۔ فطرت کا خالق چونکہ اس بھید کو سمجھتا ہے اس لئے اس نے فرمایا۔ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّ یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا (البقرۃ:۲۷)۔

الفاظ کے گرے ہوئے معانی

عجیب عجیب غلط فہمیاں الفاظ سے پھیلتی ہیں اور جب کسی قوم میں ادبار آتا ہے تو اس کی اصطلاحات بھی بدل جاتی ہیں۔ دیکھو مغل، ترک، قریشی، پٹھان یہ چار قومیں باہر سے آئیں۔ یہ فاتح بھی تھے لیکن جب ادبار کا وقت آیا اور ان میں بدی پھیلی تو "قلعہ فتح کرنا" آہ! پنجاب میں نہایت برے معنوں میں لیا جانے لگا۔ جب کسی عورت سے ناجائز تعلق ہوا اور وہ ان کے قابو آئی تو یہ بول اٹھے کہ اے لو! فتح ہو گیا۔ اسی طرح علم کا لفظ ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ (فاطر:۲۹) اس کی شان میں آیا۔ مگر علم کے ذریعہ لوگ اکڑباز ہو جاتے ہیں اور یہ حجاب اکبر بن گیا۔

میں نے ایک شخص کو ریل میں معرفت کا ایک نہایت اعلیٰ نکتہ سنایا مگر اس نے مجھے کہا کہ تم کوئی طب کی بات کرو۔ قرآن شریف تمہیں نہیں آتا۔ میں حیران ہوا۔ آخر اس کی وجہ معلوم ہوئی کہ وہ علم قرات پڑھا ہوا تھا۔ چونکہ میں نے لفظ قرآن کو اس ترتیل و تجوید کے اصول کے مطابق ادا نہ کیا اس لئے وہ بگڑ گیا اور وہ نکتہ نہ سن سکا۔ اس طرح پر اس کا علم بجائے خشیت کے تکبر کا موجب ہو گیا۔

اسی طرح غنیمت کا لفظ ہے۔ عرب میں ایک بچہ کو بھی رخصت کرتے ہیں تو ماں باپ کہتے ہیں سِرْ سَالِمًا غَانِمًا۔ جا! اللہ تجھے سلامتی کے ساتھ واپس لاوے۔ حدیث میں ہے لَهُ غَنَمُهُ وَعَلَيْهِ غَرَمُهُ (ابو دائود باب اللقطہ:) جس سے ثابت ہے کہ غنیمت کے معنے ہیں مفاد کا حصول۔ مگر ہماری زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا "لوٹ"۔ اب چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کا مال حاصل کیا اس لئے ان کا نام (نعوذ باللہ) لٹیرا رکھ دیا۔ یہ غلطی کیوں ہوئی؟ محض الفاظ کے غلط معنی کرنے سے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ لفظوں کے بولنے اور سمجھنے میں احتیاط سے کام لیا جاوے اور ان لوگوں کی بات مان لی جاوے جن کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے فہم عطا کیا ہے اور یہ عطیہ الٰہی ہے۔ چنانچہ فرمایا فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (الانبیاء:۸۰) ہم نے سلیمان کو فہم عطا کیا۔

سورۃ فاتحہ

اس قدر تمہید کے بعد میں سورۃ فاتحہ کی طرف تم لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تین فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۲) ایک مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ (۳) ایک ضَآلِّيْنَ۔ میرا اعتقاد ہے کہ تمام قرآن سورۃ الحمد کی تفسیر ہے اور اس میں ایک خاص ترتیب سے انہی تینوں

گروہوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ ہی کو لو کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:۳) میں منعم علیہم کا ذکر ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرۃ:۷) میں مغضوب علیہم کا اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (البقرۃ:۱۷) میں ضالین کا۔

خاتمہ قرآن

یہ ابتداء کا حال ہے۔ اب جہاں قرآن ختم ہوتا ہے وہاں سورۃ نصر اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ (النصر:۲) میں منعم علیہم کا بیان ہے اور تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ (اللھب:۲) میں مغضوب علیہم کا اور هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ (الاخلاص:۲تا۴) میں ضالین کی تردید ہے۔ اس واسطے ہم کو چاہئے کہ بہت فکر کریں اور اپنا آپ محاسبہ کریں۔ اپنے اعمال کو دیکھیں کہ ہم کس فریق کے کام کر رہے ہیں۔ آیا منعم علیہم کے یا مغضوب علیہم کے یا ضالین کے؟

کچھ اپنی حالت کا ذکر

میں جو کچھ تمہیں کہتا ہوں صاف صاف کہتا ہوں۔ میں منافق نہیں۔ جو کچھ میری عمر ہے وہ آجکل کی عمروں کے مطابق انتہائی زمانہ ہے۔ ستر برس سے تجاوز ہے۔ اب اتنی عمر مجھے اور پانے کی امید نہیں اور اگر ہو بھی تو يُرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (النحل:۷۱) کی مصداق ہے۔ پھر وہ قویٰ نہیں مل سکتے جو پہلے تھے۔ پھر میری اولاد ایسی نہیں جو میری خدمت کرے اور مجھے بھی اس بات کی فکر نہیں کہ میری اولاد میرے بعد کس طرح گزارہ کرے گی۔ کیونکہ جب میں نے اپنے باپ دادا کے مال سے پرورش نہیں پائی تو میں بڑا مشرک ہوں اگر اپنی اولاد کی نسبت میں یہ خیال کروں کہ ان کا گزارہ میرے مال پر موقوف ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ (الانعام:۱۵۲)۔ جب رزق دینے کا خدا وعدہ کرتا ہے تو مجھے کیا فکر ہے۔ پس اگر مجھے فکر ہے تو یہ کہ قبر اور قیامت میں میرے ساتھ جانے والا کوئی نہیں۔ پس میں تم کو وعظ کرتا ہوں تو کیا اپنے تئیں بھلا دوں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

منعم علیہم

تم ان تین گروہوں کے اوصاف پر غور کرو۔ منعم علیہم گروہ کے لئے سب سے پہلی صفت بیان کرتا

ہے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرة:۴)۔ ایمان بالغیب ایسا ضروری ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ پہاڑے، مساحت، اقلیدس، طبعیات، سب کے لئے فرضی بنیاد پر کام ہوتا ہے یہاں تک کہ پولیس بھی ایک بدمعاش کے کہنے پر بعض مکانوں کی تلاش شروع کر دیتی ہے۔ تو کیا وجہ کہ انبیاء کے کہنے پر کوئی کام نہ کیا جائے جس کا تجربہ بارہا کئی جماعتیں کر چکی ہیں۔ پھر فرمایا۔ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ (البقرة:۴) دعاؤں میں، نمازوں میں قائم رہتے ہیں۔ وہ مالوں کو خرچ کرتے ہیں۔ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ (البقرة:۵) اور مِنْ قَبْلِكَ (البقرة:۵) اور آخرت پر ان کا ایمان ہوتا ہے۔

مغضوب اور ضالین

پھر دوسرے گروہ کی صفات بیان کیں کہ ان کے لئے تذکیر و عدم تذکیر مساوات کا رنگ رکھتی ہے۔ وہ سنتے ہوئے نہیں سنتے۔ ان میں عاقبت اندیشی نہیں ہوتی۔ صُمٌّ بُکْمٌ (البقرة:۱۹) ہوتے ہیں۔ پھر انہی کی نسبت اخیر قرآن میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کو مَا کَسَبَ یعنی جتھا اور مال دونوں پر بڑا گھمنڈ ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ دونوں کو غارت کر دیتا ہے۔ پھر تیسرے گروہ "ضالین" کا ذکر فرمایا کہ ان کو صفات الٰہی کا صحیح علم نہیں ہوتا اور ان میں نہ تو قوت فیصلہ ہوتی ہے نہ تاب مقابلہ۔ قرآن شریف کے ابتدا کو آخر سے ایک نسبت ہے۔ پہلے اَلْمُفْلِحُوْنَ (البقرة:۴) فرمایا ہے تو اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ (النصر:۲) میں اس کی تفسیر کر دی اور مغضوب علیہم کی تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ (اللھب:۲) میں اور ضالین کا رد قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (الاخلاص:۲) میں کر دیا ہے۔ غرض عجیب ترتیب سے ان تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ان سب کی صفات بیان کر کے میں تمہیں مکرر نصیحت کرتا ہوں کہ تم سوچو منعم علیہم میں سے ہو یا مغضوب علیہم میں یا ان لوگوں میں جن کو ضالین کہا گیا ہے؟

خاتمہ بالخیر کی امید

میں نے تمہیں بہت کچھ کہہ دیا ہے اور گول بات ہرگز نہیں کی۔ میں مومن ہو کر مرنا چاہتا ہوں۔ میں اللہ سے اس کی رحمت کا امیدوار ہوں۔ جیسے اس نے اس عمر تک میری تربیت کی اور میری ہدایت کا موجب ہوا اسی طرح میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میرا خاتمہ بھی بالخیر کرے گا اور میری موت قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی حالت میں کرے گا۔

2:

ضرورت وحدت

میں اس سے بھی کھول کر تم کو سنانا چاہتا ہوں کہ کوئی قوم سوائے وحدت کے نہیں بن سکتی بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی انسان سوائے وحدت کے انسان نہیں بن سکتا۔ کوئی محلّہ سوائے وحدت کے محلّہ نہیں بن سکتا اور کوئی گاؤں سوائے وحدت کے گاؤں نہیں بن سکتا اور کوئی ملک سوائے وحدت کے ملک نہیں بن سکتا اور کوئی سلطنت سوائے وحدت کے سلطنت نہیں بن سکتی۔ دیکھو میری آنکھ تو کہتی ہے کہ یہ زہر ہے۔ اب ہاتھ کہے کہ مجھے آنکھ کی پروا نہیں اور وہ اٹھا کر وہ زہر کھالیتا ہے تو اس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ اسی طرح گھر کی بات ہے کہ اگر بچہ اپنے مربی' اپنے باپ' اپنی ماں کی بات نہیں سنتا تو اس کی تعلیم و تربیت کا ستیاناس ہو جائے۔ اسی طرح محلّہ' ملک اور سلطنت کا حال ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر میں میں نے مرزا صاحب سے سنا ہے کہ اِهْدِنَا میں نَا اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ سوائے جماعت کے اللہ تعالیٰ سے بعض خاص فضل کوئی انسان نہیں لے سکتا۔ جماعت کی بڑی ضرورت ہے یہاں تک کہ اگر جمع نہ ہو تو خدا کے اس فضل کے جاذب نہیں ہو سکتے۔

حسن معاشرت

اسی جماعت میں سے چند عورتیں اجڑ کر ہمارے پاس آئیں۔ ہم نے ان کے خاوندوں سے خط و کتابت کی۔ بعض تو ہمارے سمجھانے میں آ گئے اور بعض نے پرواہ نہ کی یہاں تک کہ رجسٹرڈ خطوط کی رسید نہ دی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ظالم طبع لوگ بھی ہماری جماعت میں ہیں مگر الحمد للہ کہ اکثر سمجھانے سے سمجھ جاتے ہیں۔ ایک عورت کے خاوند نے مجھے لکھا ہے کہ ہندوستان پنجاب تو سب دیوثوں کا بنا ہوا ہے۔ جو کچھ میری عورت کہتی ہے اگر مجھے موقع ملے تو گلا ہی گھونٹ دوں۔ میں نے اسے لکھا کہ پہلا دیوث تو نعوذ باللہ وہ ہوا جس پر تم ایمان لائے اور جس نے یہ احکام دیئے کہ عورت سے معاشرت میں نرمی کرو۔ خیر' وہ سعید تھا سمجھانے سے سمجھ گیا اور توبہ نامہ بھیج دیا۔ خیر' میں پھر کہتا ہوں کہ جب تک وحدت نہ ہو گی تم کوئی ترقی نہیں کر سکتے۔

چودہ سو سے کئی لاکھ

حضرت صاحب کے زمانے میں میں نے چودہ سو کارڈ چھپوائے تھے کہ چودہ سو آدمیوں کی جماعت ہو کر

ہم حضرت صاحب سے بیعت کریں گے اور اس فضل سے حصہ لیں گے جو جماعت سے مختص ہے۔ خدا نے خلوص نیت کو نوازا اور چودہ سو سے کئی لاکھ اس جماعت کو بنا دیا۔ اب ضرورت ہے اس جماعت میں اتفاق، اتحاد اور وحدت کی اور وہ موقوف ہے خلیفہ کی فرمانبرداری پر۔

خلفاء کا مقام

ایک خلیفہ آدم تھا۔ اس کی نسبت فرمایا ہے اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً (البقرة:۳۱)۔ اب خود ہی اس کے بارے میں ارشاد ہے عَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (طٰہٰ:۱۲۲) لیکن جب فرشتوں نے کہا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحۡنُ نُسَبِّحُ بِحَمۡدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (البقرة:۳۱) تو ان کو ڈانٹ پلائی کہ تم کون ہوتے ہو ایسا کہنے والے؟ پس فَاسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ (البقرة:۳۵) تم آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ ان کو ایسا کرنا پڑا۔ دیکھو خود عاصی اور غوی تک کہہ لیا مگر فرشتوں نے چوں کی تو اس کو ناپسند فرمایا۔ میں نے کسی زمانے میں تحقیقات کی ہے کہ نبی کے لئے لازم نہیں کہ اس کے لئے پیشگوئی ہو اور خلیفہ کے لئے تو بالکل ہی لازمی نہیں۔ دیکھو! آدمؑ، پھر داوٗدؑ کے لئے کیا کیا مشکلات پیش آئے۔ میں اس قسم کا قصہ گو واعظ نہیں کہ تمہیں عجیب عجیب قصے ان کے متعلق سناؤں مگر فَاسۡتَغۡفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ (ص:۲۵) سے یہ تو پایا جاتا ہے کہ کچھ نہ کچھ تو تھا جس کے لئے یہ الفاظ آئے۔ تیسرا خلیفہ ابو بکرؓ ہے۔ اس کے مقابلہ میں شیعہ جو کچھ اعتراض کرتے ہیں وہ اتنے ہیں کہ تیرہ سو برس گزر گئے مگر وہ اعتراض ختم ہونے میں نہیں آئے۔ ابھی ایک کتاب میں نے منگوائی ہے جس کے سات سو چالیس صفحات میرے پاس پہنچے ہیں۔ اس میں صرف اتنی بات پر بحث ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ بہتر ہے یا ابو بکرؓ؟ پھر شیعہ کہتے ہیں کہ ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پیشگوئی نہیں فرمائی۔ چوتھا خلیفہ تم سب ہو۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ (یونس:۱۵) اگلی قوموں کو ہلاک کرکے تم کو ان کا خلیفہ بنا دیا۔ لِنَنۡظُرَ كَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ (یونس:۱۵) اب دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہیں۔ چار کا ذکر تو ہو چکا۔ اب میں تمہارا خلیفہ ہوں۔ اگر کوئی کہے کہ الوصیت میں حضرت صاحب نے نور الدین کا ذکر نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں ایسا ہی آدمؑ اور ابو بکرؓ کا ذکر بھی پہلی پیشگوئیوں میں نہیں۔

الوصیت کی تفہیم

حضرت صاحب کی تصنیف میں معرفت کا ایک نکتہ ہے وہ میں تمہیں کھول کر سناتا ہوں۔ جس کو خلیفہ بنانا تھا اس کا معاملہ تو خدا کے سپرد کر دیا اور ادھر چودہ اشخاص کو فرمایا کہ تم بہیئت مجموعی خلیفۃ المسیح ہو۔ تمہارا فیصلہ قطعی فیصلہ ہے اور گورنمنٹ کے نزدیک بھی وہی قطعی ہے۔ پھر ان چودہ کے چودہ کو باندھ کر ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرادی کہ اسے اپنا خلیفہ مانو اور اس طرح تمہیں اکٹھا کر دیا۔ پھر نہ صرف چودہ کا بلکہ تمام قوم کا میری خلافت پر اجماع ہو گیا۔ اب جو اجماع کا خلاف کرنے والا ہے وہ خدا کا مخالف ہے۔ چنانچہ فرمایا وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء:۱۱۶)۔

میں نے الوصیت کو خوب پڑھا ہے۔ واقعی چودہ آدمیوں کو خلیفۃ المسیح قرار دیا ہے اور ان کی کثرت رائے کے فیصلہ کو قطعی فرمایا۔ اب دیکھو کہ انہی متقیوں نے جن کو حضرت صاحب نے اپنی خلافت کے لئے منتخب فرمایا اپنی تقویٰ کی رائے سے' اپنی اجماعی رائے سے ایک شخص کو اپنا خلیفہ و امیر مقرر کیا اور پھر نہ صرف خود بلکہ ہزارہا ہزار لوگوں کو اسی کشتی پر چڑھایا جس پر خود سوار ہوئے۔ تو کیا خدا تعالیٰ ساری قوم کا بیڑا غرق کر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ پس تم کان کھول کر سنو۔ اگر اب اس معاہدہ کے خلاف کرو گے تو فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (التوبہ:۷۷) کے مصداق بنو گے۔ میں نے تمہیں یہ کیوں سنایا؟ اس لئے کہ تم میں بعض نافہم ہیں جو بار بار کمزوریاں دکھاتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ مجھ سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

خدا پر بھروسہ

خدا نے جس کام پر مجھے مقرر کیا ہے میں بڑے زور سے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب میں اس کرتے کو ہرگز نہیں اتار سکتا۔ اگر سارا جہان بھی اور تم بھی میرے مخالف ہو جاؤ تو میں تمہاری بالکل پرواہ نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔ خدا کے مامور کا وعدہ ہے اور اس کا مشاہدہ ہے کہ وہ اس جماعت کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے عجائبات قدرت بہت عجیب ہیں اور اس کی نظر بہت وسیع ہے۔ تم معاہدہ کا حق پورا کرو پھر دیکھو کس قدر ترقی کرتے ہو اور کیسے کامیاب ہوتے ہو۔

میرا ایک دوست مجھے کہتا تھا کہ تم آگوں کو دباتے ہو بجھاتے نہیں۔ میں نے کہا کہ جلدباز بھلا میرا

وزیر ہو سکتا ہے؟ ہم نے آگوں کو دبا کر بھی بجھاتے دیکھا ہے۔ میری ماں دھکتے ہوئے کوئلے ایک گڑھے میں ڈال کر بند کر دیتی تھی۔ تھوڑی دیر میں سب بجھ جاتے۔ دیکھو! میں نے پانی کے لحاظ سے تو وعظ کیا ہے اور دبانے کے لئے کوشش میں ہوں۔ ہم اور تم سب مرجائیں گے۔ اگر کچھ نقار ہم میں باقی ہیں تو پچھلی قوموں میں تفرقہ پڑ جائے گا اور وہ ہم پر لعنتیں کریں گی۔ مجھے کہیں گے کہ کس خبیث نے یہ گندا بیج بو دیا۔ دیکھو تم میرے حق کو بجالاؤ۔ میں نے کبھی اپنی بڑائی نہیں کی۔ مجھے ضرور تاً کچھ کہنا پڑا ہے۔ اس کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ مجھے دوبارہ بیعت لینے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے پہلے معاہدہ پر قائم رہو ایسا نہ ہو کہ نفاق میں مبتلا ہو جاؤ۔ اگر تم مجھ میں کوئی اعوجاج دیکھو تو اس کی استقامت کی دعا سے کوشش کرو مگر یہ گمان نہ کرو کہ تم مجھ بڈھے کو آیت یا حدیث یا مرزا صاحب کے کسی قول کے معنے سمجھالو گے۔ اگر میں گندہ ہوں تو یوں دعا مانگو کہ خدا مجھے دنیا سے اٹھالے۔ پھر دیکھو کہ دعا کس پر الٹی پڑتی ہے۔

توبہ کرو

توبہ کرو اور دعا کرو اور پھر دعا کرو۔ میں فروری گویا نو ماہ سے اس دکھ میں مبتلا ہوں۔ اب تم اس بڈھے کو تکلیف میں نہ ڈالو۔ اس پر رحم کرو۔ اگر میں نے کسی کا مال کھایا تو میں دس گنا دینے کی طاقت رکھتا ہوں۔ اگر میں نے کسی سے طمع کیا ہے تو میں لعنت کر کے کہوں گا کہ ایسا آدمی ضرور بول اٹھے۔ میں اپنے آپ کو لعنتی سمجھوں گا اگر میں نے تمہارے مالوں میں کچھ لینے کا خیال کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے خاندان سے پہلوں کو بھی امیر بنایا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی' شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی' فرید الدین شکر گنج میرے خاندان کے لوگ ہیں۔ اور اب پھر بھی اس نے وعدہ کیا ہے کہ میں تیری اولاد پر فضل کروں گا۔

طاعت در معروف

ایک اور غلطی ہے وہ طاعت در معروف کے سمجھنے میں ہے کہ جن کاموں کو ہم معروف نہیں سمجھتے اس میں طاعت نہ کریں گے۔ یہ لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی آیا ہے وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ (الممتحنہ:۱۳)۔ اب کیا ایسے لوگوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عیوب کی بھی کوئی فہرست بنالی ہے۔ اسی طرح حضرت صاحب نے بھی شرائط بیعت میں طاعت در معروف لکھا

ہے۔ اس میں ایک سر ہے۔ میں تم میں سے کسی پر ہرگز بدظن نہیں۔ میں نے اس لئے ان باتوں کو کھولا تا تم میں سے کسی کو اندر ہی اندر دھوکہ نہ لگ جائے۔

وجہ اختلاط

پھر مجھے کہتے ہیں کہ لوگوں سے اختلاط کرتا ہے۔ اس کا جواب تمہارے لئے جو میرے مرید ہیں یہی کافی ہے کہ تم میرے آمر نہیں بلکہ مامور ہو۔ کیا مجھ پر بال بچے کی پرورش فرض نہیں۔ بیشک وہ مجھے مخفی طور پر رزق دیتا ہے مگر اس ستار نے پردہ پوشی کا رنگ بھی رکھا ہے۔ میں اس کی شان کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

ستاری

کہتے ہیں امام حسن بصریؒ اور حبیب عجمیؒ ایک دفعہ سیر کو نکلے۔ راستہ میں دریا آ گیا۔ حبیبؒ نے کہا چلو۔ حسنؒ نے جواب دیا ٹھہرو، وہ کشتی آلے۔ اس پر حبیبؒ نے کہا حسن! ابھی تک تم مشرک ہی ہو۔ یہ کہہ کر وہ تو چلتے ہوئے۔ اس زمانے کے نیچری تو نہیں مانتے مگر میں مانتا ہوں کہ وہ کنارے پہنچ گئے۔ ادھر حسنؒ جب کشتی آئی تو پیسہ دے کر سوار ہوئے اور دیر کے بعد پہنچے تو حبیبؒ بولے۔ ترا کشتی آورد مارا خدا۔ حسنؒ نے فرمایا۔ سنو! دونو کو خدا ہی لایا۔ کشتی کو خدا تعالیٰ چاہتا تو غرق کر دیتا۔ تو نے صرف اپنا بچاؤ ڈھونڈا مگر میرے ساتھ کئی اور آدمی بھی آئے۔ تیرا ایمان ناقص ہے۔ تو خدا کی صفت ستاری کا عالم نہیں۔

نصیحت

پس میں تم کو نصیحت کرتا ہوں۔ پھر نصیحت کرتا ہوں۔ پھر نصیحت کرتا ہوں۔ پھر نصیحت کرتا ہوں۔ پھر نصیحت کرتا ہوں۔ پھر کرتا ہوں۔ پھر کرتا ہوں۔ پھر پھر کرتا ہوں کہ آپس کے تباغض و تحاسد کو دور کر دو۔ یہ مجتہدانہ رنگ چھوڑ دو۔ جو مجھے نصیحت کرنے میں وقت خرچ کرنا ہے وہ دعا میں خرچ کرو اور اللہ سے اس کا فضل چاہو۔ تمہارے وعظوں کا اثر مجھ بڈھے پر نہیں ہو گا۔ ادب کو ملحوظ رکھ کر ہر ایک کام کو کرو اور یہ میں اپنی بڑائی کے لئے نہیں کہتا بلکہ تمہارے ہی بھلے کے لئے کہتا ہوں۔ جس طرح دکاندار صبح اپنی دکان کو کھولتا ہے اسی طرح میں بھی اپنی دکان کھولتا ہوں اور بیماروں کو

دیکھتا ہوں۔ میں تمہارے ابتلاء سے بہت ڈرتا ہوں۔ اس لئے مجھے کمانے کا زیادہ فکر ہوتا ہے۔ بمب کے گولے اور زلزلے سے بھی زیادہ خوفناک یہ بات ہے کہ تم میں وحدت نہ ہو۔

جلد بازی سے کوئی فقرہ منہ سے نکالنا بہت آسان ہے مگر اس کا نگلنا بہت مشکل ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں ہم تمہاری نسبت نہیں بلکہ اگلے خلیفے کے اختیارات کی نسبت بحث کرتے ہیں۔ مگر تمہیں کیا معلوم کہ وہ ابوبکر اور مرزا صاحب سے بھی بڑھ کر آئے۔ میں تم پر بڑا حسن ظن رکھتا ہوں۔ میں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کبھی تمہارے محرروں سے بھی دریافت نہیں کیا کہ تم لوگ کس طرح کام کرتے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم تقویٰ سے کام کرتے ہو۔ باقی رہا میں، سو میری نسبت تحقیق کر لو۔ جس طرح چاہو نگرانی کر لو۔ مخفی در مخفی راہوں سے کر لو۔ مجھے ایک دفعہ شیخ صاحب نے کہا تھا کہ اب میں نے یہاں سکونت اختیار کر لی ہے۔ میں تمہاری نگرانی کروں گا۔ تو میں نے کہا تھا بسم اللہ۔ دو فرشتے میرے نگہبان پہلے ہی سے مقرر ہیں۔ ایک تم آ گئے۔ میں آج کے دن ایک اور کام کرنے والا تھا مگر خدا تعالیٰ نے مجھے روک دیا ہے اور میں اس کی مصلحتوں پر قربان ہوں۔ تم میں جو نقص ہیں ان کی اصلاح کرو۔ عورتوں سے جن کا سلوک اچھا نہیں، قرآن کے خلاف ہے، وہ خصوصیت سے توجہ کریں۔ میں ایسے لوگوں کو اپنی جماعت سے الگ نہیں کرتا کہ شاید وہ سمجھیں، پھر سمجھ جائیں، پھر سمجھ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں ان کی ٹھوکر کا باعث بنوں۔ میں اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ آپس میں تباغض و تحاسد کا رنگ چھوڑ دو۔ کوئی امر امن یا خوف کا پیش آ جاوے عوام کو نہ سناؤ۔ ہاں جب کوئی امر طے ہو جائے تو پھر بیشک اشاعت کرو۔

اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ یہ باتیں تمہیں ماننی پڑیں گی، طوعاً و کرہاً اور آخر کہنا پڑے گا، اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (حٰم السجدۃ:۱۲)۔ جو کچھ میں کہتا ہوں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں راہ ہدایت پر قائم رکھے اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین۔

(بدر جلد ۸ نمبر ۵۲---۲۱ / اکتوبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۹ تا ۱۲)

☆ - ☆ - ☆ - ☆
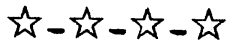
۲۹/ اکتوبر ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیر المومنین نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَ یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ وَّ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوْا وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ وَ اللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ

وَ يُبَيِّنُ اٰيَاتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (البقرۃ:۲۱۹تا۲۲۲)۔

اور پھر فرمایا:۔

ان چار آیتوں میں جو پہلی آیت ہے اس میں ایک غلطی کی اصلاح ہے جو نہ صرف چھوٹوں میں پائی جاتی ہے بلکہ بڑوں میں بھی اور وہ یہ ہے کہ ”مستحق کرامت گناہ گارانند“ کا مصرعہ زبان پر رہتا ہے جس نے بہت لوگوں کو بے باکی کا سبق دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ رحمت الٰہی کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں۔ اول ایمان باللہ یعنی یہ یقین ہو کہ تمام خوبیوں سے موصوف اور تمام نقصوں سے منزہ ذات اللہ کی ہے۔ پھر ملائکہ پر ایمان ہو یعنی ان کی تحریک پر عمل کیا جاوے۔ پھر کتب اللہ پر ایمان ہو۔ نبیوں پر ایمان ہو۔ یوم آخرت پر ایمان ہو۔ صرف عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ ہی نہ کہے بلکہ رَحْمَةُ الْقَبْرِ حَقٌّ بھی۔ تقدیر (یعنی ہر چیز کے اندازے اللہ تعالیٰ نے بنا رکھے ہیں) پر ایمان ہو۔ پھر اس ایمان کے مطابق عملدر آمد بھی ہو۔ عیسائیوں نے دھوکہ دیا ہے اور وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ نجات فضل سے یا ایمان سے یا عمل سے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ نجات فضل سے ہے کیونکہ قرآن شریف میں ہے اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ (فاطر:۳۶)۔ مگر اس فضل کا جاذب ایمان ہے اور جیسا کسی کا ایمان مضبوط ہے اسی کے مطابق اس کے عمل ہوتے ہیں۔ اسی واسطے یہاں اٰمَنُوْا کا ذکر فرما دیا کیونکہ اعمال ایمان کے ساتھ لازم ملزوم ہیں۔ چنانچہ اس ایمان کا ایک نشان ظاہر کیا ہے کہ تمام مقدمات کی بناء تو زمین ہے مگر جب انسان ایمان میں کامل ہو جاتا ہے تو پھر وہ خدا کے لئے اس زمین کو بھی چھوڑ دیتا ہے یعنی ہجرت۔ کیونکہ کسی چیز کو اللہ کے لئے چھوڑ دینا بہت بڑا عمل صالح ہے۔ پھر فرمایا۔ ایمان کا مقتضی اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ کیا؟ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ (الحج:۷۹) یعنی اس کا دن' اس کی رات' اس کا علم' اس کا فہم' اس کی محبت' اس کی عداوت' اس کا سونا اور اس کا جاگنا' غرض کردار' گفتار' رفتار سارے کے سارے اس کوشش میں ہوں کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جاوے۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ قدوس ہے۔ اس کا مقرب نہیں بن سکتا مگر وہی جو پاک ہو۔ انسان بے شک کمزور ہے اس لئے وہ غلطیوں کو بخشنے والا ہے مگر اپنی طرف سے کوشش ضروری ہے۔ مومن میں استقلال و ہمت ضروری ہے۔ یہ غلط خیال ہے کہ نبیوں نے اس وقت مقابلہ کیا جب ان کا جتھا ہو گیا۔ حضرت نوحؑ کے جتھے کا کیا حال تھا؟ مَا اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ (ھود:۴۱) جب آپ کو مقابلہ کی ضرورت پڑی تو ایک جملہ سے وہ کام لیا جو کل دنیا کی فوج نہیں کر سکتی۔ یعنی لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح:۲۷)۔ حضرت

موسیٰ کیسی حالت میں تھے' فرعون نے کہا هُوَ مَهِيْنٌ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ (الزخرف:۵۳)۔ ان کی تمام قوم غلام تھی مگر ایک آواز سے سب کام کروالیا۔ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:۸۹)۔ نبیوں کو' خدا کے پاک لوگوں کو جتھوں کی کیا پروا ہے۔ انبیاء کے نزدیک ایسا خیال شرک ہے۔ میں تمہیں دعاؤں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ تم یوں سمجھو کہ دعاؤں کے لئے پیدا کئے گئے ہو اور یہی دعائیں تمہارے سب کام سنواریں گی۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱ --- ۴ر نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆
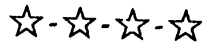
۱۲؍ نومبر ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے آیت قرآنی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ (الحجرات:۱۲) کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جب بعض آدمیوں کو آرام ملتا ہے' فکر معاش سے گونہ بے فکری حاصل ہوتی ہے تو وہ نکمے بیٹھنے لگتے ہیں۔ اب اور کوئی مشغلہ ہے نہیں۔ تمسخر کی خو ڈال لیتے ہیں۔ یہ تمسخر کبھی زبان سے ہوتا ہے' کبھی اعضاء سے' کبھی تعریف سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس تمسخر کا نتیجہ بہت برا ہے۔ وحدت باطل ہو جاتی ہے۔ پھر وحدت جس قوم میں نہ ہو وہ بجائے ترقی کے ہلاک ہو جاتی ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت کو مار رہے تھے یہاں تک کہ اسے کہا جاتا کہ زَنَیْتِ سَرَقْتِ (بخاری کتاب الانبیاء۔ مسلم کتاب الحدود) تو نے زنا کیا' تو نے چوری کی۔ ایک سننے والی پر اس کا اثر ہوا اور اس نے دعا کی کہ الٰہی! میری اولاد ہی نہ ہو۔ گود میں لڑکا بول اٹھا کہ الٰہی! مجھے ایسا ہی بنائیو کیونکہ اس عورت پر بدظنی کی جا رہی ہے۔ یہ واقعہ میں بہت اچھی ہے۔ اسی طرح ایک اور کا ذکر ہے کہ ماں نے دعا

کی الٰہی! میرا بچہ ایسا ہی ہو۔ مگر بچہ نے کہا۔ الٰہی! میں ایسا نہ بنوں۔

غرض کسی کو کسی کے حالات کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ ہر ایک معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص ایسا نہ ہو جیسا اسے سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں کی نگاہ میں حقیر ہو مگر خدا کے نزدیک مقرب ہو۔ مگر اَلْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ (بخاری کتاب القدر) کے مطابق ممکن ہے جس سے تمسخر کیا جاتا ہے اس کا انجام اچھا ہو۔

وَلَانِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ آیت میں آیا ہے۔ یہاں عورتیں بیٹھی ہوئی نہیں مگر آدمی کا نفس بھی مونث ہے۔ ہر ایک اس کو مراد رکھ سکتا ہے۔ دوم' اپنے اپنے گھروں میں جا کر یہ بات پہنچا دو کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی تحقیر نہ کرے اور اس سے ٹھٹھا نہ کرے۔ تم ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نام نہ رکھو۔ تم کسی کا برا نام رکھو گے تو تمہارا نام اس سے پہلے فاسق ہو چکا۔ مومن ہونے کے بعد فاسق نام رکھانا بہت ہی بری بات ہے۔

یہ تمسخر کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ بدظنی سے۔ اس لئے فرماتا ہے اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ (الحجرات:۱۳) بدگمانیوں سے بچو۔ حدیث میں بھی آیا ہے اِیَّاکُمْ وَ الظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ (بخاری کتاب الوصایا)۔ اس بدظنی سے بڑا بڑا نقصان پہنچتا ہے۔

میں نے ایک کتاب منگوائی۔ وہ بہت بے نظیر تھی۔ میں نے مجلس میں اس کی اکثر تعریف کی۔ کچھ دنوں بعد وہ کتاب گم ہو گئی۔ مجھے کسی خاص پر تو خیال نہ آیا مگر یہ خیال ضرور آیا کہ کسی نے اٹھالی ہے۔ پھر جب کچھ عرصہ نہ ملی تو یقین ہو گیا کہ کسی نے چرالی۔ ایک دن جب میں نے اپنے مکان سے الماریاں اٹھوائیں تو کیا دیکھتا ہوں الماری کے پیچھے بیچوں بیچ کتاب پڑی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کتاب میں نے رکھی ہے اور وہ پیچھے جا پڑی۔ اس وقت مجھ پر دو معرفت کے نکتے کھلے۔ ایک تو مجھے ملامت ہوئی کہ میں نے دوسرے پر بدگمانی کیوں کی؟ دوم' میں نے صدمہ کیوں اٹھایا؟ خدا کی کتاب اس سے بھی زیادہ عزیز اور عمدہ میرے پاس موجود تھی۔

اسی طرح میرا ایک بستر تھا جس کی کوئی آٹھ تہیں ہوں گی۔ ایک نہایت عمدہ ٹوپی مجھے کسی نے بھیجی جس پر طلائی کام ہوا تھا۔ ایک عورت اجنبی ہمارے گھر میں تھی۔ اسے اس کام کا بہت شوق تھا۔ اس نے اس کے دیکھنے میں بہت دلچسپی لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ٹوپی گم ہو گئی۔ مجھے اس کے گم ہونے کا کوئی صدمہ تو نہ ہوا کیونکہ نہ میرے سر پر پوری آتی تھی' نہ میرے بچوں کے سر پر۔ مگر میرے نفس نے اس طرف توجہ کی کہ اس عورت کو پسند آگئی ہو گی۔ مدت گزر گئی۔ اس عورت کے چلے جانے کے بعد جب بستر کو

جھاڑنے کے لئے کھولا گیا تو اس کی ایک تہ میں سے نکل آئی۔ دیکھو بدظن کیسا خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو سکھاتا ہے جیسا کہ اس نے محض اپنے فضل سے میری رہنمائی کی۔ اور لوگوں سے بھی ایسے معاملات ہوتے ہوں گے مگر تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

اس بدظنی کی جڑ ہے "کرید" خواہ مخواہ کسی کے حالات کی جستجو اور تاڑبازی۔ اس لئے فرماتا ہے وَلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات:۱۳) اور پھر اس تجسّس سے غیبت کا مرض پیدا ہوتا ہے۔

ان آیات میں تم کو یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ گناہ شروع میں بہت چھوٹا ہوتا ہے مگر آخر میں بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ جیسے بڑ کا بیج دیکھنے میں کتنا چھوٹا ہے لیکن پھر بعض بڑیں ایک ایک میل تک چلی گئی ہیں۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہو اور بدی کو اس کی ابتداء میں چھوڑ دو۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۳--- ۱۸؍ نومبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆
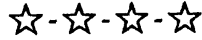
۲۴ر دسمبر ۱۹۰۹ء

خطبہ عید الاضحیٰ

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۹ء بروز جمعہ ہم نے عید الاضحیٰ ۱۰ بجے کے قریب پڑھی۔ حضرت امیرالمومنین نے نماز عید پڑھانے کے بعد تشہد، تعوذ، بسم اللہ اور تکبیر کے بعد فرمایا۔

ہر قوم میں میلوں کا دستور

ہر ایک قوم میں کچھ دستور، رسمیں اور عادات ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے میلے بھی ہیں جن کا متمدن اور غیر متمدن دونوں قوموں میں رواج ہے۔ میلے کے دن خوراک، لباس، میل وملاقات میں خاص اور نمایاں تبدیلی ہوتی ہے۔ یہ فطرتی چیز تھی مگر اس میں بڑھتے بڑھتے ہوا و ہوس کو بہت دخل ہو گیا۔

بہت سے میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہیں۔ میں نے ہندوستان میں تجارت کے ایسے میلے دیکھے ہیں۔ چنانچہ ہر ہفتے کسی نہ کسی گاؤں میں میلہ ہوتا ہے اور اسے گزری کہتے ہیں۔ وہاں دس دس بارہ بارہ کوس کی چیزیں جمع کر لیتے ہیں۔ بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کرتے ہیں جسے منڈی کہتے ہیں۔ بعض ان میلوں کی تہ میں عجیب عجیب مقاصد کام کر رہے ہیں۔

بعض تو اپنے گزارے کے لئے میلہ لگاتے ہیں۔ بعض خاص چندے یا نذر و نیاز کے حصول کے لئے اور بعض محض اپنی عظمت و جبروت کے اظہار کے لئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا ایک احسان

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے جہاں بڑے بڑے احسانات ہیں ان میں میلوں کی اصلاح بھی ہے۔ چونکہ یہ ایک فطرتی بات تھی اس لئے ان کو ضائع نہیں کیا' صرف اصلاح کر دی۔ اور وہ یوں کہ جہاں ہر رسم و رواج کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور شفقت علیٰ خلق اللہ کے نیچے رکھ لیا وہاں ان میلوں میں بھی یہی بات پیدا کر دی۔

عیدین میں تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ

مثلاً عید کا میلہ ہے۔ آپ نے اس میں اول تو تکبیر کو لازم ٹھہرایا اور خدا کی تعظیم کے اظہار کے لئے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں۔ صفات میں اَکْبَرُ سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں اور جامع جمیع صفات کاملہ ہونے کے لحاظ سے اللہ سے بڑھ کر اس مفہوم کو کوئی ظاہر نہیں کر سکتا۔

مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقۃ الفطر کو لازم ٹھہرایا۔ یہاں تک کہ نماز میں جب جاوے تو اس کو ادا کر لے اور پھر یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرے تاکہ مساکین کو یقین ہو جائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔

پھر یہ عید ہے۔ اس میں مساکین وغیرہم کے لئے سَیِّدُ الطَّعَامِ لَحْمٌ (ابن ماجہ۔ کتاب الاطعمة) یعنی گوشت کی مہمانی کی ہے۔

پس کیا ہی مستحق ہے صلوٰۃ و سلام کا وہ رسول جس نے ہمیں ایسی عمدہ راہ دکھائی۔ یہ چیزیں صرف اسی بات کے لئے تھیں کہ اللہ کی نسبت فرائض جو انسان کے ہیں اور جو فرائض مخلوق کی نسبت ہیں ان کو پورا کریں۔ مگر دنیا کے کسی میلے کو دیکھ لو ان میں یہ حق و حکمت کی باتیں نہیں جو عیدین میں ہیں۔

عیدین کی حکمت

عید میں تنگی نہیں کی بلکہ فرمایا کہ اگر جمعہ و عید اکٹھے ہو جائیں تو گاؤں کے لوگوں کو جو باہر سے شریک ہوئے ہیں جمعہ کے لئے انتظار کی تکلیف نہ دی جائے۔ وحدت کا مسئلہ بھی خوب سکھایا ہے۔ پہلے تو ہر

محلے کے لوگوں کو پانچ بار مسجد میں اکٹھے ہو کر دعا مانگنے کا حکم دیا۔ پھر ہفتہ میں ایک دفعہ تمام گاؤں کے لوگوں کو جمع ہو کر دعا کرنے کا ارشاد کیا۔ پھر سال میں عیدین ہیں جن میں مومنوں کا اجتماع لازم ٹھہرایا۔ پھر ساری دنیا کے لئے مکہ مقرر فرمایا جہاں کل جہان کے اہل استطاعت مسلمان مل کر دعا کریں۔

قربانی کی فلاسفی

قربانی جو عید اضحیٰ کے دن کی جاتی ہے اس میں بھی ایک پاک تعلیم ہے اگر اس میں مدنظر وہی امر رہے جو جناب الٰہی نے قرآن شریف میں فرمایا۔ لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَ لَا دِمَآؤُھَا وَ لٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (الحج:۳۸)۔

قربانی کیا ہے؟ یہ ایک تصویری زبان میں تعلیم ہے جسے جاہل اور عالم پڑھ سکتے ہیں۔ خدا کسی کے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں۔ وہ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ (الانعام:۱۵) ہے۔ ایسا پاک اور عظیم الشان بادشاہ نہ تو کھانوں کا محتاج ہے، نہ گوشت کے چڑھاوے اور لہو کا بلکہ وہ تمہیں سکھانا چاہتا ہے کہ تم بھی خدا کے حضور اسی طرح قربان ہو جاؤ جیسے ادنیٰ اعلیٰ کے لئے قربان ہوتا ہے۔

کل دنیا میں قربانی کا رواج ہے اور قوموں کی تاریخ پر نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادنیٰ چیز اعلیٰ کے بدلے میں قربان کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں میں پایا جاتا ہے۔

(۱)۔ ہم بچے تھے تو یہ بات سنی تھی کہ کسی کو سانپ زہریلا کاٹے تو وہ انگلی کاٹ دی جاوے تاکہ کل جسم زہریلے اثر سے محفوظ رہے۔ گویا انگلی کی قربانی تمام جسم کے بچاؤ کے لئے کی گئی۔

(۲)۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا کوئی دوست آجاوے تو جو کچھ ہمارے پاس ہو اس کی خوشی کے لئے قربان کرنا پڑتا ہے۔ گھی، آٹا، گوشت وغیرہ قیمتی اشیاء اس پیارے کے سامنے کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔

(۳)۔ اس سے زیادہ عزیز ہو تو مرغے، مرغیاں حتیٰ کہ بھیڑیں اور بکرے قربان کئے جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر گائے اور اونٹ تک بھی عزیز مہمان کے لئے قربان کر دئے جاتے ہیں۔

(۴)۔ میں نے اپنی طب میں دیکھا ہے کہ وہ قومیں جو جائز نہیں سمجھتیں کہ کوئی جاندار قتل ہو وہ بھی اپنے زخموں کے کئی سینکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کر دیتی ہیں۔

(۵)۔ اس سے اوپر چلیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ لوگوں کو اعلیٰ کے لئے قربان کیا جاتا ہے۔ مثلاً چوہڑے ہیں۔ آج عید کا دن ہے مگر ان کے سپرد وہی کام ہے بلکہ صفائی کی زیادہ تاکید ہے۔ گویا ادنیٰ کی خوشی اعلیٰ کی خوشی پر قربان ہوئی۔

(۶)۔ ہندو گئو رکھشا بڑے جوش سے کرتے ہیں۔ لداخ کے ملک میں تو دودھ تک نہیں پیتے کیونکہ یہ بچھڑوں کا حق ہے اور یہاں کے ہندو تو دھوکہ دے کر دودھ لیتے ہیں مگر پھر بھی اس سے اور اس کی اولاد سے سخت کام لیتے ہیں یہاں تک کہ اپنے کاموں کے لئے انہیں مار مار کر درست کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی قربانی ہے۔

(۷)۔ ادنیٰ سپاہی اپنے افسر کے لئے اور وہ افسر اعلیٰ افسر کے لئے اور اعلیٰ افسر بادشاہ کے بدلے میں قربان ہوتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے اس فطرتی مسئلہ کو برقرار رکھا اور اس قربانی میں تعلیم دی کہ ادنیٰ اعلیٰ کے لئے قربان کیا جاوے۔

(۸)۔ محبت میں انسان بے اختیار ہوتا ہے۔ مگر اس میں بھی قربانیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ چنانچہ محب بھی بتدریج محبوبوں کے مراتب رکھ کر ایک کو دوسرے پر قربان کرتا رہتا ہے۔ اپنا پیسہ یا جان محبوب ہے مگر دوسرے محبوب پر اسے قربان کر دینے میں عذر نہیں۔ انسان کو مال کی محبت ہے' بی بی کی محبت ہے' بچوں کی محبت ہے' یار و آشنا کی' امن و چین کی محبت ہے۔ اللہ کی کتابوں' اللہ کے رسولوں سے محبت ہے۔ سچے علوم سے بھی محبت ہے۔ ان تمام محبتوں کے مراتب ہیں اور ادنیٰ کو اعلیٰ پر قربان کیا جاتا ہے۔ بات لمبی ہو گئی۔

الحمد میں قربانی کی تعلیم

میں نے جو آیات پڑھی ہیں ان میں اللہ کا نام ہے۔ رحمٰن کا نام ہے اور رحیم کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو ایک سو چودہ دفعہ قرآن شریف میں بیان کیا ہے۔ ہر مسلمان کو اس کلمہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ ایک بار اللہ' رحمٰن' رحیم فرما کر پھر تفصیل کے لئے اللہ کے ساتھ رب اور رحمٰن' رحیم کے ساتھ مالک بڑھا دیا ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ ان قربانیوں کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔

اللہ کا لفظ معبود کے لئے ہے۔ معبود عبادت کو چاہتا ہے۔ اور عبادت کیا ہے؟ پرلے درجے کی محبت' پرلے درجے کا تذلل' پرلے درجہ کی اطاعت اور ان باتوں کا پتہ مقابلہ میں لگتا ہے۔ ایک شخص ایک طرف حکم کرتا ہے اور دوسری طرف خدا' تو اب جو شخص خدا کے حکم کی طرف سبقت کرے گا اس نے گویا خدا کی اطاعت پر دوسروں کی اطاعت کو قربان کر دیا۔

انسان محتاج ہے کھانے پینے کا' مکان کا' غرض ذرے ذرے میں خدا کے حضور اس کی احتیاج ہے۔

چنانچہ اس نے فرمایا کہ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ (فاطر:۱۶) حقیقی غنی اللہ کی ذات ہے اور سراپا احتیاج انسان۔ جو احتیاج میں ہے اس کے برابر کوئی ذلیل نہیں۔ اسی لئے اسے حکم ہے خدا کے حضور تذلل کا۔ پھر انسان اپنے وجود میں، اپنے بقاء میں، دفع امراض میں، رنج و راحت، عسر و یسر، غرض ہر حالت میں اللہ کا محتاج ہے۔

2

اللہ کے لفظ میں قربانی کی تعلیم

پس اللہ کا نام انسان کو یہ سمجھاتا ہے کہ حقیقی معبود، حقیقی مطاع، حقیقی غنی وہی ذات ہے اور حقیقتاً محتاج، حقیقتاً ذلیل، حقیقتاً مطیع وہ انسان ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور جو اپنی بقامیں ہر آن اس کے فضل کا محتاج ہے۔ اس فضل کے جذب کے لئے اطاعت فرض ہے۔

اب اس کی اطاعت کی راہیں معلوم کرنے کے واسطے نبی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب ایک انسان دوسرے انسان کی رضامندی کی راہیں معلوم نہیں کر سکتا تو اس وراء الوراء ذات کی رضامندی کی راہیں کیونکر معلوم ہو سکتی ہیں سوا اس کے کہ وہ خود ہی بتائے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا سلسلہ قائم کیا جس کے لمبے کارخانے ہیں۔ اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے عام مخلوق کی محبت انبیاء کی محبت پر قربان کی جاتی ہے اسی طرح انبیاء کی محبت اللہ کی محبت پر قربان کرنی پڑتی ہے۔ تمام انبیاء نے الوہیت کے مسئلہ پر بڑا زور دیا ہے مگر میں نے اکثر واعظوں کو دیکھا ہے کہ وہ خدا کی عظمت اور جبروت کے اظہار کے لئے وعظ نہیں کرتے بلکہ ان میں سے بعض کا منشاء تو یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو رلاویں۔ بعض اس بات میں اپنا کمال سمجھتے ہیں کہ ایک روایت سے رلائیں اور دوسری سے ہنساویں۔

ابتدائی زمانے میں ایک کتاب میرے پاس تھی جس کا نام تھا "بحر ظرافت"۔ ایک مولوی واعظ ہمارے ہاں آئے۔ انہوں نے مجھے کہا یہ کتاب مجھے دیدو۔ میں نے کہا اسے آپ کیا کریں گے؟ اس میں تو محض تمسخر ہے۔ آپ نے کہا کہ وعظ میں ایک کمال ہنسانے کا ہے جو اس کے ذریعے پورا ہو جائے گا۔

بعض وعظ کا کمال اس میں سمجھتے ہیں کہ ان کے وعظ کے اخیر میں کوئی شخص اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ان کے مذہب میں شامل ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (ال عمران:۱۶۵)۔ وعظ میں عبودیت کا رنگ ہو، اللہ کی کتاب پڑھی جاوے، اس کی حقیقت بتائی جاوے اور پھر اس کی تعلیم سے دل اس قسم کے پیدا ہوں جو اس تعلیم کے ساتھ مطہر و پاک ہو جاویں۔ ایک بھی ہزار لوگوں میں سے ایسا پیدا ہو جاوے تو غنیمت ہے بلکہ اکسیر احمر ہے۔

بہت سے لوگ ہیں جو امیر ہیں۔ بہت سے لوگ اخلاص ظاہر کرتے ہیں۔ چندے بھی دیتے ہیں۔ بہت سے خوشامد کرتے ہیں اور ایسے ایسے بھاری لقب دیتے ہیں جو شاید ہماری نسل میں سے کسی کو نہ دیئے گئے ہوں۔ مگر وہ آدمی جو فرمانبرداری میں غرق اور کسی بات کی پروا نہ کرے وہ ملے تو بے نظیر و اکسیر ہے۔ فرمانبرداری بڑی اعلیٰ صفت ہے۔ ہاں یہ سمجھ لے کہ جو حکم دیا گیا ہے وہ مال' عزت' دین کو نقصان پہنچانے والا تو نہیں۔ یا قرب الٰہی سے دور کرنے والا تو نہیں۔ ایسے شخص کے پاس بھی ہرگز نہ بیٹھنا چاہئے۔ ہمارے بزرگوں میں سے ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت
و از تو نہ رہید صحبت آب و گلت

زنہار زصحبتش گریزاں می باش

یعنی جس کی صحبت میں بیٹھ کر جمعیت تامہ اور سچی طمانیت حاصل نہ ہو اور اعلیٰ اغراض کے لئے ادنیٰ اغراض کی قربانیوں کی توفیق نہ ملے تو اس کی صحبت کی اجازت نہیں۔ چنانچہ کہا ہے۔

ورنہ نہ کند روح عزیزان بحلت

ربوبیت

اسی طرح اس سے آگے ربوبیت کا درجہ ہے۔ ہم نہ تھے۔ اس نے ہمیں وجود بخشا' زندگی دی' بیان سکھایا' قویٰ دیئے۔ میں اپنے قویٰ پر خود ہی حیران ہوں اور میرا دل رقص میں آجاتا ہے کہ اس نے مجھے کان کیسے دیئے ہیں۔ آنکھیں کیسی کیسی عطا کی ہیں۔ زبان کیسی دی ہے۔ دماغ کیسا دیا۔ دل کیسا دیا ہے کہ ساری دنیا قربان ہو جاوے پر میرے مولیٰ کی بڑائی ہو جاوے۔ رسول اللہ سے ایسی محبت بخشی ہے کہ میرے کسی گوشہ میں آپ کی تعلیم' آپ کی اولاد' آپ کی آل سے ذرا بھی بغض نہیں رہا۔ میں نے اتنی تاریخیں پڑھی ہیں خارجی' شیعہ' رافضی کی مگر پھر بھی کسی صحابی سے مجھے رنج نہیں۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بیوی سے' نہ کسی آل و اولاد سے رنج ہے اور یہ خدا کا فضل ہے اور اسی کی ربوبیت کی شان سے ہے۔

حضرت صاحب یعنی ہمارے مرزا صاحب فرمانے لگے کہ ایک دفعہ میں نے چاہا جیسے اور صوفیوں نے

کتابیں لکھی ہیں میں بھی لکھوں۔ ان میں سے بہت بڑی کتاب امام شعرانی کی ہے۔ بڑی دلچسپ کتاب ہے۔ اس کا ترجمہ اختصاری رنگ میں اپنے مذاق کے لحاظ سے نواب صدیق حسن خان صاحب نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا مگر خدا کے انعامات کی اتنی برسات میں نے دیکھی کہ شرم سے میرا قلم رک گیا۔ فرمایا کہ اگر برسات کے قطروں کو گن سکتا ہے تو خدا کے احسانات کو بھی گن سکے گا۔ چنانچہ خدا نے فرمایا اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراھیم:۳۵)۔ ان احسانات میں سے ایک وحدت بھی ہے جس کی نسبت فرماتا ہے کہ اگر ساری زمین سونے چاندی کی بھر کر دے دو تو بھی یہ وحدت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کا میں نے بھی تجربہ کیا ہے۔ ایک زمانہ میں میرے پاس بڑا روپیہ آتا تھا اور مجھے روپے کی محبت ہرگز نہیں۔ میں اپنی تعریف نہیں کرتا بلکہ اس کے فضل کا اظہار۔ یہ لوگ جو بطور شاگرد میرے پاس رہتے ہیں اگرچہ بعض لوگ ان کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے اردگرد بیٹھے رہتے ہیں اور احداث میں خلا ملا رکھتا ہے' ان سے پوچھ لو کہ مال میں میرا مولیٰ کیسا متکفل ہے اور میں اس معاملہ میں اس کی ربوبیت کے بہت سے عجائبات دیکھ چکا ہوں۔ اسی ربوبیت کے چشمے کا فیضان ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسا نبی ہم میں آیا۔ پھر وہ مذہب ملا جس کی حمایت و نصرت کے لئے ہر صدی میں یقیناً امام آئے جن کی تعلیم دیکھ کر ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کیسے قدم بہ قدم چلایا ہے۔ اماموں کے متعلق ایک مذہب ہے کہ پچاس برس کے بعد ایک امام آتا ہے۔ دوسرا مذہب ہے کہ پچیّس برس کے بعد وہ تعلیم رسالت پناہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ خیر یہ بھی اسی کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔

غرض اس نے ہمیں عدم سے وجود بخشا' وجود سے بقا' پھر عقل و فہم و ذکا' پھر اعضاء صحیحہ عطا کئے۔ پھر ہمیں توفیق دی کہ ہم مسلمان ہوئے۔ میں نے بڑے بڑے ذہین اور ہوشیار آدمی اسلام سے متنفر دیکھے ہیں جن کو میں نے عجیب عجیب طور سے قائل کیا ہے مگر اسلام کی توفیق نہیں ملی۔ پس توفیق بھی نعمت ہے جناب الٰہی سے۔ ہم نے دیکھا ہے بعض کو دین کا شوق نہیں اور اگر ہے تو ذہن اس قابل نہیں یا ذہن تو ہے مگر سامان نہیں' سامان ہے تو صحت نہیں' صحت تو ہے کوئی اور مشکل ہے۔ مثلاً دنیوی علائق کی وجہ سے فرصت نہیں' جو فرصت ہے تو پھر یہ دقت ہے کہ کتابیں سچی نہیں ملیں۔ بعض کو توفیق ملتی ہے مگر ارادے میں ثبات نہیں۔ آج نماز کا شوق چرایا ہے' زندگی وقف کرنے پر تلے بیٹھے ہیں مگر تھوڑے دن بعد کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ قول بلا عمل کیا ہستی رکھتا ہے۔ غرض سب باتیں موقوف ہیں فضل الٰہی پر جو ربوبیت کی صفت سے فیض لینے پر حاصل ہوتی ہیں۔

مختصر نصیحت

میں تمہیں مختصر نصیحت کرتا ہوں۔ بعض لوگ ہیں جو نماز میں کسل کرتے ہیں اور یہ کئی قسم ہے۔(۱) وقت پر نہیں پہنچتے۔ (۲) جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ (۳) سنن و رواتب کا خیال نہیں کرتے۔ کان کھول کر سنو! جو نماز کا مضیع ہے اس کا کوئی کام دنیا میں ٹھیک نہیں۔

زکوٰۃ۔ بعض لوگ زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل میں کسل کرتے ہیں۔ وہ اس بات کی تہ کو نہیں پہنچتے کہ صلوٰۃ کے ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر بھی قرآن مجید میں کیوں ہے؟ دراصل تعظیم لامر اللہ کے ساتھ شفقت علیٰ خلق بھی ضروری ہے۔

اگر کسی کے پاس نئی جوتی ہے تو کیا حرج ہے کہ وہ پرانی جوتی کسی مسکین کو دیدے۔ یہ کہنا کہ پرانی کیچڑ کے لئے رکھ لی ہے' حد درجے کی سفیہانہ بات ہے۔ اسی طرح میں نے پرانے کپڑوں' پرانے لحافوں کی نسبت بارہا توجہ دلائی ہے۔ یہی حکم علم کا ہے کہ اگر خدا نے تمہیں علم بخشا ہے تو اس کی زکوٰۃ ہے کہ دوسروں کو پڑھا دیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ بہت لوگ اس زکوٰۃ میں مضائقہ کرتے ہیں۔ ایک شخص کو میں نے پڑھانے کی نسبت کہا۔ اس نے بڑی جلدی اور شوق سے منظور کر لیا مگر ساتھ ہی بتا دیا کہ ڈیوٹیوں کا حساب آپ جانتے ہوں گے۔ یہ زکوٰۃ کا طرز نہیں۔ میرے نزدیک ہر شخص پر زکوٰۃ فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں نصاب کا ذکر نہیں۔ امام حسن بصری سے کسی نے زکوٰۃ کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا ہمارے ہاں تو زکوٰۃ یہ ہے کہ کسی کے پاس چالیس ہوں تو وہ اکتالیس بھر دے اور علماء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس ہوں تو ایک دے۔

غرض ہر ایک کو زکوٰۃ دیتے رہنا چاہئے مگر یہ موقوف ہے توفیق پر جس کے حصول کا گر دعا ہے۔ میرے بھائی سلطان احمد تھے۔ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ "سَوْفَ سَوْفَ" نہ کریو کیونکہ موت کا وقت آجاتا ہے اور کام پورے نہیں ہوتے۔ اس لئے جب توفیق ملے اسی وقت وہ نیک کام کر دے۔ یہ میرا اپنا صحیح تجربہ ہے۔ شریعت اجازت نہیں دیتی کہ کام کو دوسرے وقت پر ڈالا جاوے۔ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ (الانفال:۲۵) کے علماء نے یہی معنے لکھے ہیں کہ جب وقت ملے اسی وقت کام کرے ورنہ روک پیدا ہو جاتی ہے۔

میں تمہیں بہت کچھ سنانا چاہتا تھا مگر جمعہ بھی ہے اور اس میں بھی میں نے ہی بولنا ہے (ناظرین اس فقرہ سے سمجھ گئے ہوں گے جو مضمون اللہ اور رب کے اسماء کی تفسیر اور اس میں قربانی کی تعلیم پر چل رہا

تھا بوجہ تنگی وقت ودیگر مصالح وہیں مختصربات پر روک دیا گیا۔ ایڈیٹر) اس لئے اسی مختصربات کے ساتھ کچھ اور نصائح ایزاد کرتا ہوں کہ تمہارے کاموں میں تعظیم لامراللہ ہو اور شفقت علیٰ خلق اللہ ہو کیونکہ فرمایا۔ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد:۱۸)۔ جو مضر وجود ہوتے ہیں وہ خود بھی سکھ نہیں پاتے' دوسروں کو بھی سکھ نہیں کر لینے دیتے۔ آپ بھی دوزخ میں رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ پس تم مضر نہیں بلکہ نافع الناس وجود بنو۔ سب سے بھاری مسئلہ یہ ہے کہ وقتوں کی حفاظت کرو۔ دعا سے کام لو۔ صحبت صلحاء اختیار کرو۔ صحبت صلحاء بڑھاؤ۔ محبت کا اصول یہ ہے کہ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْھَا۔ میری فطرت میں یہ بات ہے کہ جو کام کسی کو بتاؤں اور وہ نہ کرے تو میری اس کے ساتھ محبت نہیں رہ سکتی۔ خدا کی محبت کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اپنی فرمانبرداری کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

قربانی کے مسائل

قربانی میں دو برس سے کم کوئی جانور نہیں چاہئے' یہی میری تحقیق ہے۔ (۲) جس کے سینگ بالکل نہ ہوں وہ جائز ہے۔ (۳) خصی جائز ہے۔ (۴) مادہ بھی جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ ہمیشہ چھترا قربانی دیتے جس کا منہ' آنکھیں' پیٹ' پاؤں سیاہ ہوتے۔ جو بالکل دبلا ہو وہ جائز نہیں۔ اگر جانور موٹا ہو' خواہ اسے خارش ہو تو بھی اسے جائز رکھا ہے۔ (۵) لنگڑا مناسب نہیں۔

تم قربانیاں کرو اس یقین کے ساتھ کہ ان میں تصویری زبان کے ذریعے تمہیں فرمانبرداری کی تعلیم ہے اور یہ کہ تم بھی ادنیٰ کو اعلیٰ کے لئے قربان کرنا سیکھو۔ اللہ تمہیں توفیق بخشے۔ آمین۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۰.... ۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۱ تا ۳)

☆-☆-☆-☆

۲۴ دسمبر ۱۹۰۹ء

عید کے جمعہ کا خطبہ

حضرت امیر المومنین نے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (الجمعہ:۱۰) پڑھ کر فرمایا کہ ہر جمعہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کوئی شخص تم کو وعظ سنائے اور اتنا وقت ہو کہ نماز سے پہلے سن لو۔ اس کے بعد نماز پڑھو۔ نماز کے بعد تم کو اختیار ہے کہ دنیوی کاموں میں لگ جاؤ۔ میں اس کے حکم کے مطابق تم کو نصیحت کرتا ہوں۔

اللہ نے ہم کو کچھ اعضاء دئے ہیں اور ان اعضاء پر حکومت بخشی ہے اور پھر انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنایا۔ چونکہ خدا مالک ہے اس لئے انسان کو بھی مالک بنایا اور اس کو بہت بڑا لشکر دیا جن میں سے دو چار نوکروں کا میں ذکر کرتا ہوں۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ) سب کے سب بادشاہ ہو اور تم سے اپنی رعایا کے متعلق سوال ہو گا۔ (۲) اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَ ھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الجمعہ) امام بھی راعی ہوتا ہے اور اس سے رسول کی رعایا کی نسبت سوال ہو گا۔ (۳) عورت کے بارے میں بھی فرمایا کہ عَنْ بَیْتِ زَوْجِھَا (بخاری کتاب الاحکام)۔ میں ان بادشاہوں کا ذکر نہیں کرتا جو ملکوں پر حکمرانی کرتے ہیں بلکہ ان کا ذکر کرتا

ہوں جو تم سب اپنے اپنے اعضاء پر حکمران ہو۔ ان سب میں سے بڑی چیز دل ہے جس کے کچھ فرائض ہیں' کچھ محرمات' کچھ مکروہات' کچھ مباحات۔

دل کے فرائض بتاتا ہوں۔ (ا) اس کا عظیم الشان فرض ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لائے۔ جب تک دل اس فرض کو ادا کرنے والا نہ ہو ہلاکت میں ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ (البقرۃ:۱۴۷) اور جَحَدُوْا بِھَا وَ اسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ (النمل:۱۵) سے پتہ لگتا ہے کہ دل یقین کر چکے ہیں۔ پس اس یقین کے ساتھ عملی رنگ بھی ضروری ہے۔ (۲) اس کے بعد فرض ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول یقین کرنا۔ جب اللہ معبود ہوا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول تو اللہ کے بالمقابل اب اور کسی کا حکم نہیں اور رسول کی اطاعت کے بالمقابل کوئی اطاعت نہیں۔ یہ واجبات سے ہے۔

دل کے محرمات میں سے ہے۔ (ا) اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا (۲) کبر و نخوت (۳) بغض و حسد (۴) ریاء و سمعۃ (۵) نفاق کرنا۔ شرک کی نسبت تو اللہ فرماتا ہے کہ معاف کروں گا۔ اور کبر وہ فعل ہے جس کا نتیجہ شیطان اب تک لعنت اٹھا رہا ہے۔ اور ریا کہتے ہیں اس عمل کو جو دکھاوے کے لئے کیا جاوے۔ اور نفاق یہ ہے کہ دل سے نہ مانے اور اوپر سے اقرار کرے۔ اس کے کچھ اور شعبے بھی ہیں۔ (ا) جب بات کرے جھوٹ بولے۔ (۲) امانت میں خیانت کرے۔ (۳) معاہدہ میں غداری کرے۔ (۴) سخت فحش گالیاں دے۔

دل کے فرائض سے نیچے یہ بات ہے کہ دل کو اللہ کی یاد سے طمانیت بخشے۔ آدمی پر مصائب کا پہاڑ گر پڑتا ہے۔ کسی کی صحت خطرے میں ہے' کسی کی عزت' کسی کی مالی حالت۔ کسی کو بیوی کے تعلقات میں مشکلات ہیں' کسی کو اولاد کی تعلیم میں۔ ان تمام مشکلات کے وقت خدا کی فرمانبرداری کو نہ بھولے۔

ایک شخص دہلی میں ہیں جو ہمارے خیالات کے سخت مخالف ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب "الحقوق والفرائض" لکھی ہے۔ میں نے اسے بہت پسند کیا ہے۔ حق بات کسی کے منہ سے نکلے' مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ دوسرے کے منہ سے نکلے تو پھر اور کیا چاہئے۔ حقوق و فرائض کا ہر وقت نگاہ میں رکھنا مومن کے لئے مستحب کام ہے۔ مصائب میں اللہ پر ایسا بھروسہ ہو کہ ان مصائب کی کچھ حقیقت نہ سمجھے۔ اس کی تہ کے اندر جو حکمتیں' رحمتیں' فضل ہیں ان تک اِنَّا لِلّٰہِ کے ذریعے پہنچے۔

ایک دفعہ میں جوانی میں الحمد پڑھنے لگا۔ ان دنوں مجھ پر سخت ابتلاء تھا' اس لئے مجھے جہراً پڑھنے میں تامل ہوا کیونکہ جب دل پورے طور پر اس کلمہ کے زبان سے نکالنے پر راضی نہیں تھا تو یہ ایک قسم کا

نفاق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری دستگیری کی اور معاً مجھے خیال آیا کہ جو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (البقرہ:۱۵۷) اور اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ (مسلم کتاب الجنائز) پڑھتا ہے، ہم اس کی مصیبت کو راحت سے بدل دیتے ہیں۔

انسان پر جو مصیبت آتی ہے، کبھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے انسان شکر کرے کہ قیامت کو مواخذہ نہ ہو گا۔ دوم۔ ممکن تھا اس سے بڑھ کر مصیبت میں گرفتار ہو تا۔ سوم۔ مالی نقصان کی بجائے ممکن تھا جانی نقصان ہو تا جو ناقابل برداشت ہے۔ چہارم۔ یہ بھی شکر کا مقام ہے کہ خود زندہ رہے کیونکہ خود زندہ نہیں تو پھر تمام مال واسباب وغیرہ کی فکر لغو ہے۔

یہ سب مضمون جب میرے دل میں آیا تو بڑے زور سے الحمد للہ پڑھا۔ قرآن میں کہیں نہیں آیا کہ مومن کو خوف وحزن ہو تا ہے وہ تو لَایَخَافُ وَلَایَحْزَنُ ہو تا ہے۔

زبان کے فرائض

زبان کا سب سے بھاری فرض ہے۔ (۱) کلمہ توحید پڑھنا۔ (۲) نماز میں الحمد بھی فرض ہے۔ تو گویا اتنا قرآن پڑھنا بھی فرض ہوا۔ (۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی زبان کا ایک رکن ہے۔ اس کے محرمات ہیں۔ غیبت، تحقیر، جھوٹ، افتراء۔ اس زبان کے ذریعے عام تلاوت قرآن وتلاوت احادیث کرے اور عام طور پر جو معرفت کے خزانے اللہ ورسول کی کتابوں میں ہیں پوچھ کر یا بتا کر ان کی تہ تک پہنچے۔

معمولی باتیں مباح ہیں۔ پسندیدہ باتیں اپنی عام باتوں میں استحباب کا رنگ رکھتی ہیں۔

کان کے فرائض

لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ (الملک:۱۱) اگر ہم حق کے شنوا ہوتے تو دوزخ میں کیوں جاتے؟ اس سے ثابت ہوا کہ حق کا سننا فرض ہے اور غیبت کا سننا حرام ہے۔ سماع کے متعلق صوفیاء میں بحث ہے۔ میرے نزدیک سماع قرآن وحدیث ضروری ہے۔ مگر ایک شیطانی سماع ہے کہ راگنی کی باریکیوں پر اطلاع ہو، یہ ناجائز ہے۔

ناک کے فرائض

ہمیں حکم ہے کہ جس پانی کی بو خراب ہو اس سے وضو نہ کریں۔ اس واسطے پانی کا سونگھنا اس وقت فرض ہو گیا خصوصاً جب نجاست کا احتمال ہو۔

عید کے دن عطر لگانا مستحبات میں داخل ہے۔ ہاں اجنبی عورت کے کپڑوں اور بالوں کی خوشبو کا سونگھنا حرام ہے۔ اسی طرح آنکھ اور دوسرے اعضاء کے فرائض ہیں۔

خطبہ ثانیہ

اُذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ زبان کے فرائض میں سے شکر بھی ہے۔ ناشکری کا مرض مسلمانوں میں بہت بڑھ گیا ہے۔ کسی کو نعمت دیتا ہے تو وہ حقارت کرتا ہے۔ اس سے نعمت بڑھتی نہیں۔ اگر انسان شکر کرے تو نعمت بڑھتی ہے۔

مال کی حرص بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ جس کی پانچ تنخواہ ہے وہ چاہتا ہے دس ہو جائے اور جس کی سو ہے وہ دو سو کے لئے تڑپ رہا ہے۔ طالب علموں میں بھی یہ مرض ہے۔ اگر کوئی ان میں سے پاس ہو گیا تو پوچھنے پر شکر نہیں کرے گا بلکہ یہی کہے گا کہ خاک پاس ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ فسٹ ڈویژن میں نکلتے، وظیفہ لیتے۔

کسل و کاہلی بھی ایک گندی صفت ہے جو مسلمانوں میں بڑھ رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک دعا فرمائی ہے، جس کو تشہد میں بعض ائمہ نے فرض لکھا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَ الْکَسْلِ (بخاری کتاب الدعوات) اسباب کو مہیا نہ کرنا اور کسل اسباب مہیا شدہ سے کام نہ لینا۔ رسول اللہ کی جماعت تھی کہ ان میں سے کئی لکڑیاں جنگل سے لا کر بیچتے اور اس میں سے چندے دے دیتے اور رات کو قرآن شریف یاد کرتے۔

معاملہ کی صفائی بھی بہت کم رہ گئی ہے۔ روپیہ کسی کے قبضے میں آجاوے تو اس کا دل نہیں چاہتا کہ واپس دوں۔ تم میں یہ بری باتیں نہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکیوں کی توفیق دے۔ آمین۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۰ ۔۔۔۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۳، ۴)

☆-☆-☆-☆

۳۱؍ دسمبر ۱۹۰۹ء

خطبہ جمعہ

حضور نے آیت قرآنی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان: ۱۴) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

تین بار مجھ سے یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ شرک کیا چیز ہے؟ اس سوال سے مجھے رنج بھی ہوا، تعجب بھی، افسوس بھی۔

قرآن کریم سارا اسی کے رد سے بھرا ہوا ہے۔ پھر شرک کے سب سے بڑے دشمن رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت سے شرک کا پتہ لگ سکتا ہے۔

شرک وہ بری چیز ہے کہ اس کی نسبت خدا نے فرما دیا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (النساء:۴۹)۔ سب سے پہلا کلام جو انسان کے کان میں بوقت پیدائش و بلوغ ڈالا جاتا ہے وہ شرک کی تردید میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ یہ ایک بحث ہے کہ کان بہتر ہیں یا آنکھیں؟ مولود کے کان میں اذان کہنے کی سنت سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اگر یہ لغو فعل ہوتا تو کبھی رسول کی سنت موکدہ نہ بنتا۔ یقظہ نومی جو بیماری ہے اس کے عجائبات سے بھی اس کی حکمتیں معلوم ہو

سکتی ہیں۔

غرض پہلا حکم کانوں کے لئے نازل ہوا اور انبیاء بھی اسی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی اشاعت کے لئے آئے اور خدا کی آخری کتاب نے بھی اسی کلمہ کی اشاعت کی اور جس کتاب سے میں نے دینی امور کی طرف خصوصیت سے توجہ کی اس میں بھی اسی پر زیادہ تر بحث ہے۔

چونکہ بعض لوگ حکیموں کی بات کو بہت پسند کرتے ہیں اور ان کے کلمہ کا ان کی طبیعت پر خاص اثر ہوتا ہے اس لئے یہاں ایک حکیم کی نصیحت کو بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ آدمی اپنی اولاد کو وہی بات بتاتا ہے جو بہت مفید ہو اور مضر نہ ہو۔

شرک عربی زبان میں کہتے ہیں ساجھ کرنے کو' کسی کو کسی کے ساتھ ملانے کو۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو جوڑی نہ بناؤ۔ ایک مقام پر فرمایا ہے ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ (الانعام:۲)۔ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے برابر اس کی ذات میں کسی دوسرے کو بھی مانتا ہو' یہ شرک میں نے کسی سے نہیں سنا۔ ثنوی ایک فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ دنیا کے دو خالق ہیں۔ ایک ظلمت کا' ایک نور کا۔ مگر برابر وہ بھی نہیں کہتے۔

خدا نے فرمایا کہ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (لقمان:۲۶) تو کفار مکہ جو بڑے مشرک تھے انہوں نے بھی کہا۔ اللہ۔ اسی طرح ان کے جاہلیت کے شعروں میں اللہ کا لفظ کسی اور پر نہیں بولا گیا۔

پھر شرک کیا ہے جس کے واسطے قرآن شریف نازل ہوا؟ سنو! دوسرا مرتبہ صفات کا ہے۔ اللہ تعالیٰ ازلی ابدی ہے۔ سب چیزوں کا خالق ہے۔ وہ غیر مخلوق ہے۔ پس یہ صفات کسی غیر کے لئے بنانا شرک ہے۔

آریہ قوم نے پانچ ازلی مانے ہیں۔ (۱) اللہ قدیم ازلی ہے۔ (۲) روح ازلی ہے۔ (۳) مادہ ازلی ہے۔ (۴) زمانہ ازلی ہے۔ (۵) فضا ازلی ہے جس میں یہ سب چیزیں رکھی ہیں۔ اس واسطے یہ قوم مشرک ہے۔

عیسائی قوم نے کہا ہے کہ بیٹا ازلی ہے۔ باپ ازلی ہے۔ روح القدس ازلی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْآ اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (المائدة:۷۴)

ایک قوم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں اور تصرف میں کسی مخلوق کو بھی شریک بناتی ہے۔ بدبختی سے مسلمانوں میں بھی ایسا فرقہ ہے جو کہ پیرپرست ہے۔ حالانکہ رسول کریمؐ سے بڑھ کر کوئی نہیں اور وہ فرماتا ہے۔ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (الانعام:۵۱) اور لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (الاعراف:۱۸۹)۔ پس کسی اور ولی کو کبھی یہ قدرت حاصل ہو سکتی ہے کہ اسے جانی جان کہا

جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ وہ حاضر و غائب ہماری پکار سنتے ہیں؟ یہ جواب جو دیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو علم غیب یا تصرف دے دیا ہے' صحیح نہیں۔ کیونکہ شرک کے معنے ہیں ساجھی بنانا۔ خود بن جاوے یا دینے سے بنے۔ یاد رکھو اللہ کا علم ایسا وسیع ہے کہ بشر اس کے مساوی ہو ہی نہیں سکتا۔ جو نشان اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت کے لئے بطور نشان رکھے ہیں وہ کسی اور میں نہیں بنانے چاہئیں۔ بڑا نشان تذلل کا ہے سجدہ' اس سے بڑھ کر اور کوئی عاجزی نہیں۔ زمین پر گر پڑے۔ اب آگے اور کہاں کدھر جاویں؟ فرماتا ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ (حٰم السجدۃ:۳۸)۔ پس جو غیر کو سجدہ کرے وہ مشرک ہے۔

ہاتھ باندھ کر بہیئت صلوٰۃ کسی کے سامنے کھڑے ہونا اور امید و بیم کے لحاظ سے اس کی وہ تعریفیں' جو خدا تعالیٰ کی کی جاتی ہیں' کرنا بھی شرک ہے اور کسی سے سوائے اللہ کے دعا مانگنا بھی۔ ہاں دعا کروانا شرک نہیں ہے۔

زکوٰۃ:۔ بھی عبودیت کا ایک نشان ہے۔ پس مال خرچ کرنا کسی غیر کے نام پر بامید و خوف' نفع و ضرر بھی شرک ہوا۔

صوم:۔ ایک محبت الٰہی کا بڑا نشان ہے روزہ۔ آدمی کسی کی محبت میں سرشار ہو کر کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے اور بیوی کے تعلقات اسے بھول جاتے ہیں۔ یہ روزہ اسی حالت کا اظہار ہے۔ یہ بھی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔

حج:۔ عاشق جب سنتا ہے کہ میرا محبوب فلاں شخص کو نظر آیا اور فلاں مقام پر ملا تو وہ دیوانہ وار اس کی طرف دوڑتا ہے اور اسے تن بدن کا کچھ ہوش نہیں رہتا۔ نہ کرتے کی خبر ہے نہ پاجامہ کی۔ پھر وہاں جا کر دیوانہ وار مکانوں میں گھومتا ہے۔ بعینہ یہ عبادت حج کا نظارہ ہے۔ یہ بھی کسی غیر کے لئے جائز نہیں۔ ایک شخص نے مجھے کہا وہاں مکہ میں جا کر کیا لینا ہے؟ علی گڑھ حمایت الاسلام کا جلسہ کافی ہے۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ خدا کیا ہے؟

قربانی:۔ ایک اور نشان عبودیت ہے اور وہ قربانی ہے۔ اس میں یہ تعلیم ہے کہ جس طرح انسان کے سامنے جانور خاموش ہو کر اپنی جان دیتا ہے' اسی طرح خدا کے حضور میں مومن قربان ہو جاوے۔

محبت الٰہی:۔ قرآن شریف نے ایک اور شرک کی طرف بھی توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ:۱۶۶) یعنی جیسا پیار اللہ سے کرتے ہو یہ کسی اور سے کرنا خدا کا شریک بنانا ہے۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا (البقرۃ:۱۶۶) ند بننا

یوں ہے کہ مثلاً ایک طرف آواز آرہی ہے حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ اور دوسری طرف کوئی اپنا مشغلہ جس کو نہ چھوڑا تو یہ بھی شرک ہے۔

ریاء :۔ اسی سلسلہ میں آخری شرک کا نام لیتا ہوں اور وہ ریاء ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ حضرت صاحب سے مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ جیسا تم لوگوں کو کسی گھوڑی وغیرہ کے سامنے ریاء نہیں آسکتا اسی طرح ماموران الٰہی کو لوگوں کے سامنے ریاء نہیں آتا۔ ان تمام شرکوں کا رد اسی کلمہ طیبہ میں ہے جو بہت چھوٹا ہے مگر ہے بہت عظیم۔ اور میرا ایمان ہے کہ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ابن ماجه کتاب الادب) اور اس لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ توحید کامل نہ ہوتی اگر اس کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نہ ہوتا۔ کیونکہ دنیا نے ہادیوں کو خدا کہنا بھی شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ جیسے عاجز اور خاکسار انسان کو خدا بنایا گیا۔ کرشن جیسے خدا کے محب کو بھی ایسا ہی سمجھا گیا۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جہاں ہم پر اور احسان کئے وہاں یہ بھی کیا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رکھ دیا تاکہ آپ کی امت کبھی اس ابتلاء میں نہ پڑے اور جب آپؐ بندے تھے تو آپؐ کے خلفاء و نواب پر کب خدائی کا گمان ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں نیک عملوں کی توفیق دے۔ آمین۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۲-- ۱۳/ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

جنوری ۱۹۱۰ء

خطبہ نکاح

حضرت امیرالمومنین نے فرمایا کہ خطبہ نکاح میں یہ تین آیات ضرور پڑھی جاتی ہیں:-

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (النساء:۲)-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر:۱۹)-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (الاحزاب:۷۱)-

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل الاصول تقویٰ ہے۔ کہیں رہو۔ جنگل میں یا شہر میں۔ گھر میں یا سفر میں۔ جو کچھ بھی کرو' دکان داری یا کوئی حرفت یا ملازمت' متقی بنے رہو۔ جس قدر احکام شریعت میں ہیں ان کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ تقویٰ حاصل ہو۔ اسی واسطے جو چیزیں تقویٰ بگاڑنے والی ہیں'

ان سے منع کیا۔ شراب، قماربازی اسی لئے منع ہے۔

نکاح بھی تقویٰ کے حصول کے لئے ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میاں بی بی دونوں کو ناول خوانی نے ڈبو دیا ہے۔ خدا تو فرماتا ہے لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا (الروم:۲۲) اور مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم:۲۲) مگر مسلمانوں کی بدقسمتی سے ان کے گھر اضطراب، دشمنی اور غضب کے مظہر بن رہے ہیں۔ جس کی وجہ مجھ سے پوچھو تو یہی ہے فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (المائدہ:۱۵)۔ قرآن کی تعلیم کو مسلمانوں نے چھوڑا تو آرام بھی اُن کے گھروں سے رخصت ہو گیا۔ خدا تو فرماتا ہے۔ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ (الطلاق:۲) اور وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق:۲) کہ طلاق کے بعد بیبیوں کو نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں۔ مگر نہ میاں اس پر عمل کرتا ہے نہ بی بی۔ نکاح میں جلدبازی سے کام لیا جاتا ہے پھر طلاق میں اس سے بھی زیادہ جلدی۔ مگر خدا نے فرمایا وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۹) پہلے تم یہ تو دیکھ لو کہ کل کیا ہو گا اور ہمارے اس فعل کا انجام کیا ہو گا؟ پس قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (الاحزاب:۷۱) تم جو بات کرو اور پھر نکاح کے معاملہ میں پختہ بات کرو، اس سے تمہارے اعمال متنور ہو جائیں گے۔ تمہاری کمزوریاں دور ہو جائیں گی۔ چنانچہ دیکھ لو۔ مسلمانوں میں پالیٹکس کی کوئی کتاب نہیں جس سے ثابت ہے کہ اسلام کو پالیٹکس سے کوئی تعلق نہیں۔ بعض کتابیں جو امن قائم رکھنے کے لئے اور باہمی تعلقات کی عمدگی کے لئے ہیں ان کو سیاست کی سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ بھی ثبوت ہے اس بات کا کہ مسلمانوں میں پالیٹکس نہیں کیونکہ وہ اس کی تعریف نہیں جانتے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۳----۲۰ جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۴؍ جنوری ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے کمال مہربانی سے جناب اکمل صاحب کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرما کر جمعہ کے خطبہ میں تصوف پر تقریر فرمائی جو ناظرین کے فائدہ کے واسطے درج ذیل ہے۔

حضور نے آیات قرآنی الۤرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ۔ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ وَیۡلٌ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِ (ابراھیم:۲-۳) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

تصوف کیا چیز ہے؟ یہ آیت میں نے اسی نقطہ خیال پر پڑھی ہے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ظلمات سے نور کی طرف نکالنے والا فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت انسان پر ایسا گزرتا ہے کہ اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وعظ موجب بنتا ہے ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جانے کا۔ مگر ایک اور جگہ پر فرمایا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ (البقرۃ:۲۵۸)۔ گویا وہی نسبت جو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف فرمائی پھر اللہ نے وہی کام اپنی طرف منسوب فرمایا۔ یہ بات قابل غور ہے۔

حضرت جبرائیلؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی خدمت میں لوگوں کو دین سکھانے کے لئے آئے اور پہلا سوال یہی کیا کہ یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ (بخاری کتاب الایمان)۔ اسلام نام ہے فرمانبرداری کا۔ سارے جہان کو تو موقع نہیں کہ اللہ کی باتیں سنے۔ اس لئے پہلے نبی سنتا ہے پھر اوروں کو سناتا ہے۔ سو پہلا مرتبہ یہی ہے کہ نبی کی صحبت میں رہے اور اس سے فرمانبرداری کی راہیں سنے اور سیکھے۔ چنانچہ اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے یہ سمجھایا کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (ال عمران:۳۲) یعنی سردست تم میرے تابع ہو جاؤ۔ اس کی تعمیل میں اسلام لانے والوں نے جیسا انہیں نبی کریمؐ نے سمجھایا' کیا۔

کلمہ سکھایا' کلمہ پڑھ لیا۔ نماز سکھائی تو نماز پڑھ لی۔ روزہ' حج' زکوٰۃ جس طرح فرمایا اسی طرح ادا کیا۔ یہ اسلام ہے۔ چنانچہ جبرائیل کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ تُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (بخاری کتاب الایمان- باب سوال جبریل النبی عن الایمان و الاسلام)

مگر چونکہ منافق لوگ بھی ایسی باتوں میں شریک ہو سکتے ہیں اس لئے اس سے اوپر ایک اور مرتبہ ہے۔ وہ یوں کہ جب انسان یہ اعمال کرتا ہے اور ان کے فوائد و ثمرات مرتب ہوتے ہیں تو پھر عقائد اس کے دل میں گڑ جاتے ہیں۔ یہ ایمان کا مرتبہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پاس لوگ آتے تو آپکی باتیں سنتے اور آہستہ آہستہ وہی باتیں دل کے اندر گڑ جاتیں اور اس طرح پر انکو اسلام سے ایمان کا رتبہ ملتا اور وہ کئی ظلمات سے نکل کر نور میں آ جاتے۔ پہلی ظلمت تو کفار کی مجلس تھی جس کو چھوڑ کر وہ حضور نبوی میں آئے۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم۔

میں نے کئی ڈاکوؤں سے پوچھا ہے کہ تمہیں کبھی رحم نہیں آتا۔ تم کیسے حیرت انگیز بے رحمی کے کام کرتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں رحم آتا ہے مگر تنہائی میں۔ لیکن جب ہم اپنے ہمجولیوں میں بیٹھتے ہیں تو پھر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہ ان کی صحبت کی ظلمت کا اثر ہے۔ مواعیظ نبوی آہستہ آہستہ اثر کرتے رہے۔ پھر اللہ کے احکام کی تعمیل کا شوق پیدا ہوتا ہے اور چونکہ احکام الٰہی کے مظہر اول ملائکہ ہوتے ہیں اس لئے ان پر ایمان لاتا ہے جو اس کے دل میں پاک تحریکیں کرتے ہیں تو یہ ان کی تحریکات کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد چونکہ ملائکہ کا تعلق شدید نبی سے ہوتا ہے اس لئے اس کی باتوں پر

ایمان لاتا ہے اور ان کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ نبی کو تو پہلے بھی دیکھتا تھا مگر وہ دیکھنا دراصل نہ دیکھنا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (الاعراف:۱۹۹)۔ اس کے بعد اس کی معرفت بڑھتی ہے اور وہ نبی کو اس کی نبوت کی حیثیت سے پہچانتا ہے تو اس کی کتاب کو پڑھتا ہے۔ پھر جزا و سزا کے مسئلہ پر ایمان لاتا ہے اور اس طرح اس کا ایمان آہستہ آہستہ بڑھتا ہے۔ چنانچہ جبرائیلؑ کے سوال مَا الْاِیْمَانُ کے جواب میں نبی کریمؐ نے فرمایا۔ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِهٖ وَ کُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ (بخاری کتاب الایمان)۔ غرض جب مومن کفر و شرک کی ظلمات سے 'قوم کے رسوم' قوم کے تعلقات' بزرگوں کی یادداشتوں کی ظلمات سے صحبت نبوی کی برکات کے ذریعے نکلتا ہے اور اس کے دل سے حُبُّ لِغَیْرِ اللّٰہِ اٹھتی جاتی ہے تو پھر وہ اللہ جل شانہ کے سارے احکام کو شرح صدر سے مانتا ہے۔ اس کے لئے تمام ماسوی اللہ کے تعلقات کو توڑ دیتا ہے اور محض اللہ ہی کا ہو جاتا ہے تو یہ تیسرا درجہ ہے جسے احسان کہتے ہیں۔ اور یہ مومن کی اس حالت کا نام ہے جب اسے ہر حال میں اپنا مولیٰ گویا نظر آنے لگتا ہے اور وہ مولیٰ کی نظر عنایت کے نیچے آ جاتا ہے اور وہ غالباً اس کی رضامندی کے خلاف کوئی حرکت و سکون نہیں کرتا۔ چنانچہ جبرائیل کے سوال اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ (بخاری کتاب الایمان) تو اللہ کی فرمانبرداری ایسی کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھتا تو یہ سمجھے کہ وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھ لو۔ جب انسان کسی امیر یا بادشاہ کو اپنا محسن و مربی سمجھے تو پھر اس کے سامنے اور سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس کے مقابل میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتا یا مثلاً بعض لوگ مکان بناتے ہیں تو اس کی تعمیر کی فکر میں ایسے مبہوت ہو جاتے ہیں کہ گویا مکان میں فنا ہو گئے ہیں۔

مومن کو چاہئے کہ اس طرح پر اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا ہو جاوے یہاں تک کہ اس کے بغیر اسے کوئی خیال نہ رہے۔ اس درجہ احسان کو دوسرے لفظوں میں تصوف کہتے ہیں اور ان کا نام صوفی ہے۔ لِصَفَآءِ اَسْرَارِهِمْ وَ نَقَآءِ اَخْفَارِهِمْ ان کے دلی خیالات صاف ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال میں کوئی کدورت نہیں ہوتی۔ ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ صاف ہوتا ہے۔ وہ خدا کے حضور احکام کی تعمیل کے لئے اول صف میں کھڑے ہونے والے ہوتے ہیں۔ وہ اس دار الغرور میں دل نہیں لگاتے۔ چنانچہ تصوف کی تعریف میں فرمایا۔ اَلتَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَ الْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ صوفی موت کی تیاری کرتا ہے قبل اس کے کہ موت نازل ہو۔ ظاہری و باطنی طور پر پاکیزہ رہتا ہے یہاں تک کہ تجارت و بیع

اس کو اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:۳۸)۔
اصحاب صفہ انہی لوگوں میں سے تھے۔ یہ لوگ دن بھر محنت و مشقت کرتے، اس سے اپنا گزارہ کرتے
اور اپنے بھائیوں کو بھی کھلاتے اور پھر رات بھر وہ تھے اور قرآن شریف کا مشغلہ۔

یہ قوم کس طرح تیار ہوئی؟

صحابہ میں تین گروہ تھے۔ بعض ایسے کہ حضور نبویؐ میں آئے، کچھ کلمات سنے، کچھ مسائل پوچھے پھر
چلے گئے اور بس۔ نماز پڑھ لی، زکوٰۃ دی، روزہ رکھا، بشرط استطاعت حج کیا اور معروف امور کے کرنے
اور نواہی سے رکنے میں حسب مقدور کوشاں رہے۔
اور بعض ایسے جو اکثر صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں بیٹھے رہتے۔ اس مخلوق کے اندر
ایمان رچا ہوا تھا۔ سخت سے سخت تکلیف، مصیبت اور دکھ اور اعلیٰ درجہ کی راحت، آرام اور سکھ میں
ان کا قدم یکساں خدا کی طرف بڑھتا تھا۔
انہی لوگوں میں سے ایسے خواص تیار ہو گئے کہ خدا ان کا متولی ہو گیا۔ مجھے اس موقع پر ایک شعر یاد آ
گیا:؎

قَوْمٌ هُمُوْمُهُمْ بِاللّٰهِ قَدْ عَلِقَتْ

وہ ایسے لوگ ہیں کہ سارا خیال ان کو اللہ کا رہ جاتا ہے اور اس کے بغیر کسی کے ساتھ حقیقی تعلق
نہیں رکھتے۔ نبی کی اتباع وہ کرتے ہیں مگر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بادشاہ کی اطاعت کرتے ہیں تو
اسی لئے کہ اللہ نے حکم دیا۔ بیوی بچوں سے نیک سلوک بھی اسی لئے کرتے ہیں۔ وہ دنیا کے کاروبار
کرتے ہیں، چھوڑ نہیں بیٹھتے مگر یہ سب باتیں، یہ سب کام ان کے للہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:؎

فَمَطْلَبُ الْقَوْمِ مَوْلَاهُمْ وَ سَيِّدُهُمْ
بِاَحْسَنِ مَطْلَبِهِمْ لِلْوَاحِدِ الصَّمَدِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح تصوف کی طرف توجہ دلاتے تھے؟

سو اس بارے میں میں بتا چکا ہوں کہ پہلے اسلام سکھاتے تھے، پھر ایمان بڑھتا جاتا تھا اور اخیر میں
احسان کا درجہ تھا۔ چنانچہ فرماتا ہے يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ،

یعنی پہلے لوگوں کو احکام الٰہی سنائے جاویں۔ ان کو کتاب و حکمت سکھائی جاوے۔ پھر ان کا (ال عمران:۱۶۵) تزکیہ ہو۔ تین مرتبے ہیں۔ یَتْلُوْا۔ یُعَلِّمُھُمْ۔ یُزَکِّیْھِمْ۔ حدیث میں ان کو اسلام' ایمان' احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

تزکیہ کس رنگ میں فرماتے؟

رسول کریمؐ جب اپنا فرمانبردار کسی کو دیکھتے تو پھر اس کے لئے دعائیں کرتے اور اسی طرح پر اللہ کا فضل خصوصیت سے اس پر نازل ہوتا اور خدا تعالیٰ خود اس کا متولی ہو جاتا۔ صحابہ میں بھی تین قسم کے لوگ تھے۔ ایک معلم' چنانچہ ابو ہریرہؓ ۔ عبد اللہ بن عمرؓ۔ انس بن مالکؓ ۔ یہ جس قدر لوگ ہیں احکام سناتے رہے۔

صحابہ میں سے بعض خواص ایسے تھے جو بہت کم احادیث سناتے جیسے خلفاء راشدین بالخصوص حضرت ابو بکرؓ مگر جو حدیثیں انہوں نے سنائیں وہ ایسی جامع ہیں کہ ان سے بہت سے احکام نکل سکتے ہیں۔

بعد اس کے جب لوگوں میں کمی آگئی تو صحابہ کے آخری اور تابعین کے ابتدائی زمانے میں بادشاہ الگ ہو گئے اور معلم لوگ الگ۔ جو معلم اسلام کے تھے وہ فقہاء کہلائے۔ گویا ایک طرف بادشاہ تھے اور ایک طرف فقہاء جن کے ذمے تعلیم کتاب اور تزکیہ یا احسان کا کام تھا۔ یہی اہل اللہ تھے۔ چونکہ ایک وقت میں دو خلفاء بیعت نہیں لے سکتے اس لئے ان لوگوں نے بجائے بیعت کے کچھ نشان اپنی خدمت گزاری کے مقرر کر لئے۔

مشہور پیر قافلہ جنید بغدادیؒ ایک دفعہ' بچے ہی تھے کہ مکہ معظمہ اولیاء کرام کی صحبت میں چلے گئے جہاں محبت الٰہی پر مکالمہ ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے کہا۔ کیوں میاں لڑکے! تم بھی کچھ بولو گے؟ تو انہوں نے بڑی جرأت سے کہا۔ کیوں نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا۔

لَهٗ عَهْدٌ ذَاهِبٌ عَنْ نَفْسِهٖ مُتَّصِلٌ بِذِكْرِ رَبِّهٖ قَائِمٌ بِاَدَاءِ حَقِّهٖ اِنْ تُكَلِّمَ فَبِاللّٰهِ وَ فِي اللّٰهِ وَ اِنْ تُحَرِّكَ فَبِاَمْرِ اللّٰهِ وَ اِنْ سَكَنَ فَمَعَ اللّٰهِ (تذکرۃ الاولیاء فارسی فی ذکر جنید بغدادی) جس کے مختصر معنی یہ ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنا ارادہ سب چھوڑ دے۔ کام کرے مگر خدا کے حکم سے۔ ہر وقت خدا کی یاد سے اس کا تعلق وابستہ رہے۔ وہ بیوی سے صحبت کرے مگر اس لئے کہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۲۰) کا حکم ہے۔ کھانا کھائے مگر اس لئے کہ كُلُوْا خدا کا حکم ہے۔ یہ بڑا سخت مجاہدہ ہے۔ میں نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہے۔ آٹھ پہر میں انسان اس میں کئی بار فیل ہو جاتا ہے اِلَّا مَنْ عَصِمَهُ اللّٰهُ۔

غرض وہ شخص اللہ کے تمام احکام ادا کرتا ہے۔ جب بولتا ہے تو خدا کی تعلیم کے مطابق۔ ہلتا ہے تو اللہ کے حکم سے۔ ٹھہرتا ہے تو اللہ کے ارشاد سے۔ یہ سن کر سب چیخ اٹھے کہ یہ عراقی لڑکا تاج العارفین نظر آتا ہے۔ ان کے اتباع بہت لوگ نظر آتے ہیں۔

غرض معلمین میں سے ایک گروہ تو فقہاء کا تھا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ' شافعی' مالک' احمد بن حنبل' داؤد' امام بخاری' اسحاق بن راہویہ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ یہ سب لوگ حامی اسلام گزرے ہیں۔ انہوں نے بادشاہوں کا ہاتھ خوب بٹایا۔

دوسرا گروہ متکلمین کا ہے۔ جن میں امام ابوالمنصور الماتریدی' الامام ابوالحسن الاشعری' ابن حزم' امام غزالی' امام رازی' شیخ تیمیہ' شیخ ابن قیم رَحِمَهُمُ اللّٰهُ ہیں۔

تیسرا گروہ جنہوں نے احسان کو بیان کیا ہے۔ ان میں سید عبدالقادر جیلانیؒ بڑا عظیم الشان انسان گزرا ہے۔ ان کی دو کتابیں بہت مفید ہیں۔ ایک فتح الربانی' دوم فتوح الغیب۔ دوسرا مرد خدا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ہے جنہوں نے "عوارف" لکھ کر مخلوق پر احسان کیا ہے۔ تیسرا آدمی جس کے بارے میں بعض علماء نے جھگڑا کیا ہے مگر میں تو اچھا سمجھتا ہوں' شیخ محی الدین ابن عربیؒ ہے۔ پھر ان سے اتر کر امام شعرانیؒ گزرے ہیں۔ پھر محمد انصاریؒ ہیں۔

ہزار سال کے بعد شاہ ولی اللہؒ صاحب ہیں' مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی تصنیف پر زور دیا ہے مگر صرف روحانیت سے۔ ہندوستان میں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا نام سکھایا ہے ان میں حضرت معین الدین چشتی ہیں' حضرت قطب الدین بختیار کاکی ہیں' حضرت فرید الدین شکر گنج ہیں' حضرت نظام الدین محبوب الٰہی ہیں' حضرت نصیرالدین چراغ دہلی رَحِمَهُمُ اللّٰهُ ہیں۔ یہ سب کے سب خدا کے خاص بندے تھے۔ ان کی تصانیف سے پتہ لگتا ہے کہ ان کو قرآن شریف و احادیث سے کیا محبت تھی۔ نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ کیا تعلق تھا۔ یہ بے نظیر مخلوقات تھیں۔ بڑا بدبخت ہے وہ جو ان میں سے کسی کے ساتھ نقار رکھتا ہو۔ یہ باتیں میں نے علیٰ وجہ البصیرت کہی ہیں۔

ایک نکتہ قابل یاد سنائے دیتا ہوں کہ جس کے اظہار سے میں باوجود کوشش کے رک نہیں سکا۔ وہ یہ کہ میں نے حضرت خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ ان کو قرآن شریف سے بڑا تعلق تھا۔ ان کے ساتھ مجھے بہت محبت ہے۔ اٹھتر برس تک انہوں نے خلافت کی۔ بائیس برس کی عمر میں وہ خلیفہ ہوئے تھے۔ یہ بات یاد رکھو کہ میں نے کسی خاص مصلحت اور خالص بھلائی کے لئے کہی ہے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۴--۷۔۲۷ر جنوری ۱۹۱۰ء صفحہ ۸۔۹)

۲۱ر جنوری ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضور نے وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر:۲تا۴) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دو صحابی آپس میں ملتے تھے تو کم از کم اتنا شغل کر لیتے تھے کہ اس سورۃ کو باہم سنا دیں۔ سو اس نیت سے کہ، وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ (التوبۃ:۱۰۰) کے ماتحت رضامندی کا حصہ مجھے بھی مل جاوے، میں بھی تمہیں یہ سورۃ سناتا ہوں۔

"عصر" کہتے ہیں زمانہ کو جو ہر آن گھٹتا جاتا ہے۔ دیکھو میں کھڑا ہوں۔ جو فقرہ بولا اب اس کے لئے پھر وہ وقت کہاں ہے؟ قسم ہمیشہ شاہد کے رنگ میں ہوتی ہے۔ گویا بدیہیات سے نظریات کے لئے ایک گواہ ہوتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کی عمر گھٹ رہی ہے جیسے کہ زمانہ کوچ کر رہا ہے۔ عصر کی شہادت میں ایک یہ نکتہ معرفت بھی ہے۔ زمانہ کو گالیاں نہیں دینی چاہئیں جیسا کہ بعض قوموں کا قاعدہ ہے۔ فارسی لٹریچر میں خصوصیت سے یہ برائی پائی جاتی ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ (مسند احمد بن حنبل)۔ خدا جس کو گواہی میں پیش کرے وہ ضرور عادل ہے۔ زمانہ برا

نہیں۔ ہمارے افعال برے ہیں جن کا خمیازہ زمانہ میں ہم کو اٹھانا پڑتا ہے۔

"عصر" سے مراد نماز عصر بھی ہے۔ اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جیسے شریعت اسلام میں نماز عصر کے بعد کوئی فرض ادا کرنے کا وقت نہیں اسی طرح ہر زمانہ عصر کے بعد کا وقت ہے جو پھر نہیں ملے گا۔ اس کی قدر کرو۔

"عصر" کے معنے نچوڑنے کے بھی ہیں۔ گویا تمام خلاصہ اس صورت میں بطور نچوڑ کے رکھ دیا ہے۔ غرض عصر کو گواہ کرکے انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ ایک برف کا تاجر ہے۔ جو بات لڑکپن میں ہے وہ جوانی میں نہیں۔ جو جوانی میں ہے وہ بڑھاپے میں نہیں۔ پس وقت کو غنیمت سمجھو۔

ائمہ نے بحث کی ہے کہ جو نماز عمداً ترک کی جاوے اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟ سو سچی بات یہی ہے کہ اس کی کوئی صورت سوائے استغفار کے نہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ اس "خسر" کی تلافی کے لئے فرماتا ہے کہ ایک تو ایمان ہو جس کا **اصل الاصول** ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اسی واسطے میری آرزو ہے کہ ہمارے واعظ اذان کے واعظ ہوں کہ وہ اسلام کا خلاصہ ہے۔ ایمان کیا ہے؟ اللہ کو ذات میں بے ہمتا، صفات میں یکتا، افعال میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ (الشوریٰ:۱۲) یقین کیا جاوے۔ چونکہ اس کے ارادوں کے پہلے مظہر ملائکہ ہیں اس لئے ان کی تحریک کو تسلیم کیا جاوے۔

برہمو جو قوم ہے یہ بڑے بری زبان کے لوگ ہیں۔ اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑے اچھے ہوتے ہیں۔ یہ تو تمام انبیاء کو مفتری قرار دیتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی گالی کیا ہو سکتی ہے کہ خدا کے راستبازوں کو مفتری سمجھا جاوے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (الانعام:۲۲)۔ ایک برہمو سے میں نے انبیاء کے دعوائے وحی حق کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ "دروغ مصلحت آمیز" جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس قوم کو انبیاء کی نسبت کیسا گندہ خیال ہے۔ یہ لوگ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت يُرْسِلَ رَسُوْلًا (الشوریٰ:۵۲) اور اس کے متکلم ہونے کے قائل نہیں اور ملائکہ ماننا شرک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ خدا نے انہیں عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (الانبیاء:۲۷) فرمایا ہے۔ اور جن پر وہ نازل ہوتے ہیں ان کی نسبت فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۱)۔

پھر جزا سزا کا ایمان ہے جو بہت سی نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ آپ تو ابدالآباد غیر منقطع عذاب کے قائل نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آخر ہم بھی تمہارے ساتھ آملیں گے۔ بازار میں جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ روپے لو اور دو جوت کھالو۔ نہ مجھے کوئی جانتا ہے نہ تمہیں۔ اس نے

قبول نہ کیا کہ میری ہتک ہوتی ہے۔ میں نے کہا پھر جہاں اولین آخرین جمع ہوں گے وہاں یہ بے عزتی کیسے گوارا کر سکو گے؟

پھر ایمان بالقدر تمام انسانی بلند پروازیوں کی جڑ ہے۔ کیونکہ جب یہ یقین ہو کہ ہر کام کوئی نتیجہ رکھتا ہے تو انسان سوچ سمجھ کر عاقبت اندیشی سے کام کرتا ہے۔ دیکھو اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِيْقِ (مسلم کتاب الایمان) بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے اور اس سے انگریز قوم نے خصوصیت سے فائدہ اٹھایا ہے۔ پشاور سے کلکتہ تک رستہ صاف کیا تو کیا کچھ پایا۔ مسلمان اگر مسئلہ قدر پر ایمان مستحکم رکھتے تو ہمیشہ خوشحال رہتے۔ پھر جیسا ایمان ہو اسی کے مطابق اس کے اعمال صالحہ ہوں گے۔ نماز' زکوۃ' روزہ' حج' اخلاق فاضلہ' بدیوں سے بچنا' یہ سب ایمان کے نتائج ہیں۔

پھر اسی پر مومن سبکدوش نہیں بلکہ اس کا فرض ہے کہ جو حق پایا ہے اسے دوسروں کو بھی پہنچائے اور اس حق پہنچانے میں جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے اور صبر کی تعلیم دے۔ صوفیاء میں ایک ملامتی فرقہ ہے۔ وہ بظاہر ایسے کام کرتا ہے جس سے لوگ ملامت کریں۔ رنڈیوں کے گھروں میں کسی دوست کے سامنے چلے جائیں گے۔ وہاں جا کر پڑھیں گے قرآن شریف اور نماز مگر رات وہیں بسر کریں گے۔ حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ آمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر خود ملامتی فرقہ ہوتا ہے۔ جب مومن کسی کو بری رسوم و عادات کی ظلمت سے روکے گا تو تاریکی کے فرزندوں سے ملامت سنے گا۔ میرا حال دیکھ لو۔ کیا ملامتی فرقے والے مجھ سے زیادہ بدنام ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پس مومن کو کسی فرقے میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ حق کا مبلغ اور اس پر مستقل مزاجی اور استقامت سے قائم رہے۔ پھر وہ ہر قسم کے دنیا و آخرت کے خسران سے محفوظ رہے گا۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۵-- ۳ / فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۱-۲)

۵؍ فروری ۱۹۱۰ء

خطبہ نکاح

گذشتہ یوم الاحد کو علی الصبح بعد نماز فجر حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی دختر نیک اختر مسمات مہر النساء بیگم کے عقد نکاح حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے کے ساتھ کا اعلان ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ نے خطبہ پڑھا۔ عورتوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

جیسا کہ میں مردوں کو باربار تاکید کرتا ہوں کہ اپنی عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کیا کریں ایسا ہی میں عورتوں کو بھی خاوندوں کے حقوق کے متعلق وعظ کیا کرتا ہوں۔ عورت اور مرد کے درمیان بہت محبت کے تعلقات ہونے چاہئیں جن سے مومنوں کے گھر نمونہ بہشت بن جائیں۔

خدا تعالیٰ نے میرے اندر محبت کی بہت خاصیت رکھی ہے جس کا اظہار میں کم کرتا ہوں۔ میرے دل میں کسی کے واسطے بغض اور عداوت ہرگز نہیں۔ اگر کسی پر میں ناراض ہوتا ہوں تو وہ ایک وقتی بات اور تھوڑی سی بات ہوتی ہے جسے دوسرے کی خیر خواہی کے واسطے درد دل کے ساتھ ظاہر کرنا پڑتا ہے ورنہ

عموماً میں اپنے دل میں محبت کا ایک جوش پاتا ہوں۔
(مہر ایک ہزار روپے مقرر ہوا۔ بعد اعلان دعا کی گئی۔)

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۹---- ۱۰؍ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۷)

☆-☆-☆-☆

۱۸؍ فروری ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

انسان کو اپنے خالق و رازق و محسن سے محبت ہوتی ہے مگر محبت کا نشان بھی ہونا چاہئے۔ اس لئے فرمایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲) یعنی کہہ دے اگر تمہیں اپنے مولیٰ سے محبت کا دعواے ہے تو اس کی پہچان یہ ہے کہ میری اتباع کرو۔ پھر تم محب کیا' اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے اتباع کے لئے آپ کے کچھ حالات' جو قبل از دعوئ نبوت تھے' وہ ان کی محرم راز بی بی نے بیان کئے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی اپنے سید و مولیٰ کی عادات کی پیروی کریں کیونکہ ان خصائل والا ذلیل نہیں ہوتا اور دنیا میں کون ہے جو عزت نہیں چاہتا۔ ذلت کے کئی اسباب ہیں(۱)۔ ایسی بدنما شکل ہو کہ لوگ حقارت سے دیکھیں (۲)۔ محتاج ہو' سائل بن کر جانا پڑے (۳)۔ اولاد پر کوئی صدمہ گزرے (۴)۔ ننگ و ناموس پر حملہ کیا جاوے۔ غرض ایسی تمام ذلتوں سے بچنے کا یہی گر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے حالات سے واضح ہوتا ہے۔

آپ کی بی بی فرماتی ہیں۔ اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ (بخاری کیف کان بدءالوحی)۔ پہلی بات تو تم میں یہ ہے کہ جہاں ماں کا تعلق ہو یا بی بی کا' اس کا تو بہت لحاظ رکھتا ہے۔ ماں کے سبب سے بھائیوں سے محبت ہوتی ہے' دادی کے سبب چچوں کے ساتھ۔ جو لوگ رحم کا لحاظ رکھتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں ان کو اللہ ذلت سے بچاتا ہے۔ (۲)۔ وَ تَحْمِلُ الْکَلَّ کسی بیچارے کے دکھ کو برداشت کرلیتا ہے۔ کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتا اور اس کا بوجھ ہلکا کرتا ہے۔ (۳)۔ وَ تَقْرِی الضَّیْفَ نووارد کی مہمان نوازی کرتا ہے (۴)۔ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ اور جو ضرورتیں وقتاً فوقتاً قوم و دین کے لئے پیش آئیں تو ان ضرورتوں کے لئے جان مال سے مدد کرتا ہے۔ (۵)۔ وَ تَصْدُقُ الْحَدِیْثَ جو بات منہ سے نکالتا ہے وہ سچ ہوتی ہے۔ افسوس کہ آجکل لوگ معاہدات کا خلاف کرتے ہیں اور جھوٹ بولنا معمولی بات سمجھتے ہیں اور امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ (۶)۔ وَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ جو پاک فضیلتیں اور سچائیاں معدوم ہو گئی ہیں ان کو تو از سرنو رواج دیتا ہے۔

مومن کو چاہئے کہ ایسی صحبتوں کو حاصل کرے جن میں بیٹھ کر اس کی اصلاح ہو۔ تم بھی یہ نیکیاں حاصل کرو۔ یاد رکھو کہ ہر ایک نیکی و بدی بمنزلہ بیج کے ہے اور ابتداء میں نیک یا بد کام بہت خفیف ہوتا ہے مگر بڑھتے بڑھتے بڑا عظیم الشان ہو جاتا ہے۔ بد نظری ایک خفیف بات معلوم ہوتی ہے مگر یہی بڑھتے بڑھتے زنا تک پہنچتی ہے۔ پس تم اپنے اعمال کا محاسبہ کرو کہ بدی کو ابتداء میں روکو اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی کے حاصل کرنے میں بھی دیر نہ لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دیوے۔ آمین۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۸ --- ۲۴ / فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

۲۵ فروری ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوَاتُ وَ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلاَمُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ اَلسَّلاَمُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ (جامع الصغیر) ہر دو رکعت کے بعد پڑھا جاتا ہے۔ جس قدر کوئی احسان کرے اسی قدر اس سے محبت بڑھتی ہے اور ایثار پیدا ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰى حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا (جامع الصغیر) اللہ نے ہم پر کیا کیا احسان کئے ہیں۔ معدوم تھے' وجود دیا' پھر وجود بھی انسانی دیا۔ پھر مسلمان پیدا کیا اور مسلمانوں میں بھی اس مذہب پر چلایا جو کسی صحابی کو برا نہیں کہتا۔ میں نے تاریخ کی بڑی بڑی کتابیں پڑھی ہیں' تَشْيِيْدُ الْمَطَاعِن بھی۔ مگر ان کے مطالعہ کے بعد بھی میرے دل میں صحابہ کی محبت کے سوا کچھ نہیں۔ پھر ہم مسلمانوں کے اس فرقے سے ہیں جو اہل بیت سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ پھر اس نے مجھ پر تو یہ غریب نوازی بھی کی کہ میں وہ گروہ جو اہل اللہ' صوفیاء اور اولیاء کا ہے ان کے اقوال کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ سہروردی' چشتی' قادری' نقشبندی' حضرت خواجہ عثمانؒ' خواجہ معین الدینؒ' حضرت فرید الدین شکر گنج' حضرت

نظام الدین اولیاءؒ ' حضرت چراغ دہلویؒ ' حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ ' حضرت نقشبند خواجہ باقی باللہؒ ' حضرت مجدد سرہندیؒ ' حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ ' حضرت ابو الحسن شاذلیؒ ' حضرت احمد رفاعیؒ ' یہ تمام گروہ ہی مجھے محبوب نظر آتا ہے۔ پھر اس مولیٰ نے یہ احسان کیا کہ مجھے کسی کا محتاج نہیں کیا اور ہر ضرورت کے موقع پر میری دستگیری کی۔ ایک دفعہ ایک امیر کے لئے میں نے عظیم الشان تحفہ تیار کیا اور اس کے پیش کیا۔ مگر اس نے میری روٹی بھی نہ پوچھی۔ ایک ہتھیار میں نے ایک امیر کے پیش کیا۔ دیکھ کر کہنے لگا پسندیدہ ہے۔ آپ ہی رکھیئے۔ پس کیا ہی محسن ہے میرا مولیٰ جو بلا مانگے مجھ پر اتنے احسان کرتا ہے۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے یہ معنے ہیں کہ زبان سے اگر ہم تعریف کریں ' ثناء کریں ' غرض تمام شکر گزاریاں جو زبان کے ذریعہ سے ادا ہو سکتی ہیں وہ خدا ہی کے لئے ہیں اور اسی کے لئے ہونی چاہئیں۔ اسی طرح بدن کے ذریعہ کوئی شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور جو عبادت بدن ادا کرتا ہے مثل سجدہ ' حج ' روزہ ' نماز تو وہ بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ اسی طرح کل مالی عباداتیں بھی اسی اللہ کے لئے ہیں۔ رزق ہماری ضرورت سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔ ہم ابھی ماں کے پیٹ سے باہر نہ آئے تھے کہ چھاتیوں میں دودھ آیا۔ جو نمک ہم آج سالن میں کھاتے ہیں وہ مدت ہوئی کہ کان سے نکل چکا ہے ' پھر وہاں سے بڑے شہر میں پہنچا ' پھر اس گاؤں کی دکانوں میں آیا ' پھر ہمارے حصہ کا الگ ہو کر گھر آیا ' پھر ہانڈی میں سب کے لئے تھا تو لقمہ کے ساتھ لگ کر میرے منہ میں آیا۔ اسی طرح کپڑے کا حال ہے۔ غرض کیا کیا احسان ہیں اس مولیٰ کے۔ پس مالی شکریہ بھی اسی کے لئے ہونا چاہئے۔ یہ غلط ہے کہ خدا نے کسی کو مال دینے میں بخل کیا بلکہ اس نے تو فرما دیا ہے وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ (ابراھیم:۳۵)۔ پھر اس کے غلط استعمال یا اپنی شامت اعمال نے لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَکُمْ (النساء:۶) کے ماتحت کسی کے لئے اس میں تنگی پیدا کر دی۔ پھر دوسرے درجہ پر محسن ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ کیا کیا تڑپ تڑپ کر دعائیں مانگی ہوں گی۔ کیا سوز دل سے التجائیں کی ہوں گی تب یہ دین اسلام ہم تک پہنچا۔ پس اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں ہم اس کے لئے سلامتی کی دعا مانگتے ہیں کہ دین اسلام سلامت رہے۔ قیامت کے دن اس کی عزت میں فرق نہ آئے۔ وہ سید الاولین و الآخرین ثابت ہو۔ پھر اس چشمہ کو اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ میں اور بھی بڑھایا ہے۔ جس قدر مخلوق میں اولیاء ہیں ' خلفاء ہیں ' نواب ہیں ' مبلغین ہیں ان سب کے لئے سلامتی چاہی ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایسی دعا سے بعض وقت آسمان میں شور پڑ جاتا ہے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۱۹ --- ۳ / مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

۲۵؍ مارچ ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ، تسمیہ اور سورۃ العصر کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

تمام خطبے جو دنیا میں پڑھے جاتے ہیں رسول اللہ کے زمانہ سے اس زمانہ تک، ان سب کی ابتداء کلمہ شہادت سے ہوتی رہی ہے۔ پہلا جملہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ اس کے تین فائدے ہیں۔

(۱)۔ پہلا فائدہ۔ جو شخص بآواز بلند اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیتا ہے ہم اس کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

(۲)۔ دوسرا فائدہ اس کا یہ ہے کہ جب اس کو حقیقی طور پر ایمان آتا ہے تو دنیا کے تمام ذرائع واسباب میں، جو حصول مقاصد کے لئے مفید وبابرکت ہو سکتے ہیں، یقین کرتا ہے کہ سب تاثیر میرے مولیٰ کی ہے۔

(۳)۔ تیسرا فائدہ اس کا یہ ہے جس کی شہادت کے لئے تمام انبیاء اولیاء یک زبان ہیں کہ جب اس کی کثرت کی جاوے اور بار بار اس کو دہرایا جاوے تو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے جتنے پردے ہیں بتدریج سب کے سب اٹھ جاتے ہیں۔

اس کلمہ کے دو حصے ہیں۔ ایک میں لَآ اِلٰہَ دوسرے میں اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ پہلا حصہ انسان کے گناہوں کے دور کرنے کا اور دوسرا حصہ نیکیوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس کلمہ کے ساتھ حضرت نبی کریم ﷺ نے اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کا جملہ اس لئے لگایا کہ زمانہ گزشتہ میں آپ نے دیکھ لیا تھا کہ پہلے ہادیوں کو لوگوں نے معبود بنالیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس توحید کی تکمیل کے لئے کہ خدا کی معبودیت میں کوئی دوسرا شریک نہ کیا جاوے بلکہ مجھے عبد سمجھیں' یہ کلمہ بڑھا دیا تا میری قوم وہ نہ کرے جو پہلی قوموں نے کیا۔

میں اس جزو کو اس توحید کا متمم یقین کرتا ہوں اور یہ سچ ہے کہ اس جزو کے سوا حقیقت میں مومن کامل نہیں بن سکتا۔

جب اللہ تعالیٰ پر انسان ایمان لاتا ہے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا منشاء ہے تو اسماء الٰہی کا مطالعہ کرنے سے ملائکہ' انبیاء' تقدیر' حشر نشر' پل صراط' جنت و نار پر ایمان لانا لازم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ خدا کی صفات ہیں کہ تقدیر اس نے بنائی۔ جنت و نار کو بنایا۔

پس جو کوئی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر ایمان لاتا ہے اس کے لئے لابد ہے کہ خدا کے اسماء وصفات پر ایمان لائے۔ تب اس کو انبیاء' حشر و نشر' ملائکہ' کتب پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ وَھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ (الانعام:۹۳)۔ انسان جب اللہ پر ایمان لاتا ہے تو آخرت پر ایمان لے آتا ہے اور جزا و سزا کے اعتقاد کے بعد ضرور ہے کہ قرآن اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لائے جس کے ساتھ ملائکہ وکتب کا ایمان بھی آگیا اور پھر مومن نماز کا پابند ہو جاتا ہے۔

پس جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا دعویٰ کرے بایں ہمہ نماز کا تارک رہے اور قرآن شریف کی اتباع میں سستی کرے' حقیقت میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے دعویٰ میں سچا نہیں جیسا کہ یہ آیت (یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ) ظاہر کرتی ہے کیونکہ حضرت نبی کریم کا تذکرہ اس کلمہ میں موجود ہے۔

اب ہم کو ضرورت پڑی کہ ہم کوئی ایسا لفظ کہیں کہ رسول اللہ ﷺ کس درجہ کا انسان تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے درجہ کا پتہ لگانا' اس کے واسطے یہ آیتیں سامنے رکھنی چاہئیں۔ (ا) اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:۵) اور دوسری میں فرماتا ہے۔ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النساء:۱۱۴) اللہ تعالیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو عظیم فرماتا ہے اور ان پر جو فضل ہوا اسے بھی عظیم فرمایا۔ اب خیال کرو کہ جس کو خدا تعالیٰ نے عظیم کہا وہ کس قدر عظیم ہوگا۔ اب جو رسول اس

شان کا ہے اس کے بغیر ہم کو کسی اور کے مقتدا بنانے کی ریج بھی کیا ہوئی۔

جو کتاب اللہ جلشانہ نے اس کامل انسان پر نازل کی ہے اس کے لئے دو گواہیاں ہیں۔

(۱) اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰) اور (۲) لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ (حم السجدة:۴۳) اس کتاب کا محافظ حضرت حق سبحانہ ہے جس کے لئے آئندہ پیشگوئی ہے کہ اس کتاب کی باطل کرنے والی آئندہ بھی کوئی چیز نہیں بھیجیں گے۔ تو پھر ہم کو سائنس یا بیرونی خطرناک دشمن سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے جب کہ ہم کو ایسی کتاب دی گئی ہے کہ جس کا خدا حافظ ہے اور جس کی باطل کرنے والی کوئی چیز فطرت کے خالق نے پیدا ہی نہیں کی۔

پس جیسا ہمارا رسول کامل ہے ویسے ہی ہماری کتاب کامل ہے۔ یہ کتاب تو قیامت تک رہے گی مگر ایسی کامل کتاب ہمارے گھروں سے نکل کر دوسرے گھروں میں چلی گئی تو ہمارے بزرگوں کی روح کو کیا خوشی ہو گی۔ پس خوف ہے تو یہ کہ ہمارے گھروں سے یہ کتاب نہ نکلے اور ہم اس کی اتباع سے محروم نہ رہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کچھ امراء ہیں' کچھ سجادہ نشین اور کچھ وہ لوگ ہیں جو قوم کے لئے آئندہ کالجوں میں تعلیم پانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اگر سست ہوں تو عوام مخلوقات کا کیا حال ہو سکتا ہے۔ اس واسطے میں نے یہ سورۃ عصر پڑھی تھی۔ میرا مقصد اس کے پڑھنے سے یہ بتانے کا ہے کہ زمانہ جس طرح کی تیزی سے گزر رہا ہے اسی طرح ہماری عمریں بھی گزر رہی ہیں۔ یعنی عصر کا آناً فاناً گزرنا ہماری عمروں پر اثر ڈال رہا ہے۔

اللہ نے اس کا یہ علاج بتایا ہے کہ تمہیں زمانہ کی پروا نہ ہو' اگر ہمارا حکم مان لو۔ وہ حکم یہ ہے کہ مومن بنو اور عمل صالحہ کرو۔ دوسروں کو مومن بناؤ اور حق کی وصیت کرو اور پھر حق پہنچانے میں تکالیف سے نہ ڈرو۔

یہ وہ سورۃ ہے کہ صحابہ کرام جب باہم ملتے تو اس سورۃ کو پڑھ لیا کرتے۔ تم اور ہم بھی آج ملے ہیں اس لئے اسی سنت کریمہ کے مطابق میں نے بھی اس کو پڑھا ہے۔

اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تم میرے دل کو چیر کر نہیں دیکھ سکتے' نہ اس کا لکھا پڑھ سکتے ہو۔ البتہ میری زبان کے اقرار سے پوچھے جاؤ گے اور اس سے اگر نفع اٹھاؤ تو تمہارا بھلا ہو گا۔

میں جس ایمان پر قائم ہوں وہ وہی ہے جس کا ذکر میں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں کیا ہے۔ میں اللہ کو اپنی ذات میں واحد' صفات میں یکتا اور افعال میں لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:۱۲) اور حقیقی معبود سمجھتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے ملائکہ پر ایمان لاتا ہوں جو اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ اور تمام ان رسولوں اور

کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے بھیجیں ایمان رکھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ تمام انبیاء' تمام اولیاء اور تمام انسانی کمالات کے جامع لوگوں میں ایک ہی ہے جس کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ میرے واہمہ کے واہمہ میں بھی نہیں آتا کہ کوئی اور ہو۔ حضرت صاحب کا ایک شعر یاد آگیا۔

اے در انکار و شکے از شاہ دیں
خادمان و چاکرانش را بہ بیں

ہم جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کیسے پاک گروہ تھے اور مجدد کیسے۔ یہ تو قصے کہانی بات ہو جاتی۔ لیکن تمہارا وجود اس گاؤں میں گواہی ہے کہ احمد کا غلام بننے سے کیا فضل آتا ہے۔ میں تم کو اب اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ میرے پھر تقریر کرنے تک تمہیں کوئی بات سنائے یا تقریر کرے تو یاد رکھو ہمارا معیار یہ ہو گا کہ ان مذکورہ بالا عقائد کے موافق کوئی بات ہو یا اس کی تفصیل ہو تو ہماری طرف سے ہے اور اگر اس کے خلاف کسی کے منہ سے نکلے تو وہ ہمارے عقائد کے مطابق نہیں۔

اسلام چونکہ حق کے اظہار کے لئے آیا ہے جیسا کہ اس سورۃ شریف سے ظاہر ہے اس لئے جہاں دین کی بہت سی باتیں پہنچانی پڑتی ہیں وہاں ہم تم کو دنیا کے متعلق بھی ایک مختصر سی بات سناتے ہیں۔ اور وہ بھی دراصل دین ہی کی بات ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کا کام امن پر موقوف ہے اور اگر امن دنیا میں قائم نہ رہے تو کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ جس قدر امن ہو گا اسی قدر اسلام ترقی کرے گا۔ اس لئے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امن کے ہمیشہ حامی رہے۔ آپ نے طوائف الملوکی میں جو مکہ معظمہ میں تھی اور عیسائی سلطنت کے تحت جو حبشہ میں تھی ہم کو یہ تعلیم دی کہ غیر مسلم سلطنت کے ماتحت کس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے۔ اس زندگی کے فرائض سے امن ہے۔ اگر امن نہ ہو تو کسی طرح کا کوئی کام دین و دنیا کا ہم عمدگی سے نہیں کر سکتے۔ اس واسطے میں تاکید کرتا ہوں امن بڑھانے کی کوشش کرو۔ اور امن کے لئے طاقت کی ضرورت ہے' وہ گورنمنٹ کے پاس ہے۔ میں خوشامد سے نہیں بلکہ حق پہنچانے کی نیت سے کہتا ہوں کہ تم امن پسند جماعت بنو تا تمہاری ترقی ہو اور تم چین سے زندگی بسر کرو۔

اس کا بدلہ مخلوق سے مت مانگو۔ اللہ سے اس کا بدلہ مانگو۔ اور یاد رکھو کہ بلا امن کوئی مذہب نہیں پھیلتا اور نہ پھول سکتا ہے۔

میں اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے اس احسان کے بدلہ میں ہم اگر امن کے قائم کرنے میں کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ اس کا نتیجہ ہم کو

ضرور دے گا اور اگر ہم خلاف ورزی کریں گے تو اس کے بد نتیجے کا منتظر رہنا پڑے گا۔

دوسری بات جو سمجھاتا ہوں وہ یہ ہے کہ باہم محبت بڑھاؤ اور بغضوں کو دور کر دو اور یہ محبت بڑھ نہیں سکتی جب تک کسی قدر تم صبر سے کام نہ لو اور یاد رکھو صبر والے کے ساتھ خدا خود آپ ہوتا ہے۔ اس واسطے صبر کنندہ کو کوئی ذلت و تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔

تیسری بات جو میں کہنی ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضرت صاحب نے "فتح اسلام" میں پانچ شاخوں کا ذکر کیا ہے اور ان پانچ شاخوں میں چندہ دینے کی تاکید کی۔ مثلاً آپ کی تصانیف کی اشاعت' اشتہارات کی اشاعت' آپ کے لنگرخانہ کو مضبوط کرنے کی تاکید اور مہمان خانہ کی ترقی کی طرف توجہ اور آمد و رفت پر بعض وقت جو خرچ پڑتے ہیں۔ ان کے لئے مکان بنانے پڑتے ہیں۔

ان میں انفاق کرنے کی تاکید آپ نے فرمائی ہے۔ میں اس تاکید پر تاکید کرتا ہوں کہ ہمارا مہمان اور دینی مدرسہ بہت کمزور رنگ میں ہے۔ ہمارے بھائیوں کو توجہ کرنی چاہئے کہ ان دونوں امور کی طرف بہت کوشش کریں اور انفاق سے کام لیں۔ پھر یہ بھی تاکید کرتا ہوں جو کتابیں بیچتے ہیں اور بہت اخلاص سے کام لیتے ہیں ان کی کتابوں میں دو آنہ' چار آنہ کی امداد دینے سے دریغ نہ کریں۔

ایک ہمارے دوست مولوی حسن علی صاحب نے اخلاص سے "تائید حق" نام لکھی ہے۔ حضرت صاحب کے زمانہ میں اس کو شائع کیا ہے لیکن اس کی کئی سو جلدیں یہاں پڑی ہیں وہ بھی خرید لیں۔

میں یہ باتیں اس لئے بتاتا ہوں کہ تم کو دین اور دنیا دونوں کا وعظ کروں۔ یہ نہیں کہ مجھے دنیا کی غرض ہے کیونکہ میری عمر کا بہت بڑا حصہ اللہ کے فضل سے گزرا ہے۔ یہ تھوڑے دن جو باقی ہیں' میں مخلوق سے سوال کرنے میں اپنی ہمت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۲۳ ــــــ ۳۱ مارچ ۱۹۱۰ء صفحہ ۴۔۵)

☆-☆-☆-☆

۲۶/ مارچ ۱۹۱۰ء

خطبہ نکاح

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۶ مارچ ۱۹۱۰ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر ایک نکاح کا اعلان فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ ذیل میں درج کیاجاتا ہے۔

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ عورتوں کے حقوق کی خصوصیت سے نگہداشت کرو اور ان پر رحم کرو۔ ان کے قصوروں سے درگزر کرو کہ جس قدر گرم و سرد زمانہ تم نے دیکھا ہے' انہوں نے کب دیکھا۔ جس قدر تبادلہ خیالات کا موقع تمہیں مل سکتا ہے ان کو کب ملتا ہے۔

آدم کا بیٹا آدم ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرة:۳۶)۔ پس تم اپنی بیبیوں کے ساتھ ایسے شیروشکر ہو کر رہو کہ تمہارا گھر جنت بن جاوے اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپس میں پیار و محبت' عفو' درگذر ہو۔ چنانچہ تاکیداً فرماتا ہے وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرة:۳۶)۔ شجرہ' شجر سے دوسرے مقام پر ہے۔ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (النساء:۶۵) جس کے معنی جھگڑے کے ہیں۔ پس جھگڑے سے بچو ورنہ اپنے تئیں سخت مصیبت میں ڈالنے والے ہو گے۔

بی بی کے نکاح کا مقصد ہے لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم:۲۲)۔ اگر نکاح سے یہ باتیں حاصل نہیں تو حیف ہے تمہاری زندگی پر!

لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں عورت ناپسند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تم اس ناپسند و مکروہ کو خدا کے لئے پسند کر لو' اللہ اس میں خیر کثیر کر دے گا اور اسی تعلق میں تمہارے لئے بہت سے سکھ بہم پہنچاوے گا۔ چنانچہ فرماتا ہے فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ (النساء:۲۰) فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرۃ:۲۱۷)۔

اسی موقع پر میں تمہیں عربی زبان کے سیکھنے کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عربی کی طرف بہت توجہ دلائی کیونکہ ہمارے دین کی کتاب عربی میں ہے۔ جمعہ کے خطبہ میں عربی' نماز میں عربی' گھر سے نکلتے وقت' بازار میں جاتے حتیٰ کہ پاخانہ سے نکلتے اور داخل ہونے کے واسطے بھی عربی دعائیں ہیں۔ روزہ کے افطار کے واسطے عربی (دعا) ہے۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے اور دنیا کے کسی حصہ میں کوئی مسلمان ہو اسے کچھ نہ کچھ عربی بولنی ہی پڑتی ہے۔ پس تم عربی سیکھو۔

میں تمہیں اعلیٰ زبان دان ہونے کی سفارش نہیں کرتا کہ فیضی' ابن سینا' متنبی' ابوالعلاء معری بڑے زبان دان تھے مگر لوگ ان پر ناراض ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بیعت لی اور فرمایا کہ میں نے چار بزرگوں کی بیعت کی۔ ایک بزرگ تھے بخارا کے' دوسرے عبدالقیوم بھوپال کے رہنے والے' تیسرے شاہ عبدالغنی مہاجر اور چوتھے اس وقت کے امام مرزا غلام احمد مسیح مہدیؑ۔

میں نے بقدر اپنی طاقت کے ان کی سچی فرمانبرداری میں کوشش کی۔ ان سب کی روحوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بادل ہوں۔

تین وظیفے ہیں۔ استغفار لاحول' درود' الحمدللہ۔ قرآن پڑھو۔ مخلوق کو پہنچاؤ۔ اللہ تمہیں توفیق بخشے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۲۴---- ۷ / اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۶-۷)

☆-☆-☆-☆

۸ر اپریل ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ باوجود ضعف و نقاہت و علالت کے مسجد میں تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

تشہد و تعوذ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل:۱۲۹)

اور پھر فرمایا:۔

جب میں بچہ تھا میں نے اپنے شہر میں اس آیت کریمہ کا وعظ سنا تھا۔ تین چار مہینے اس کا وعظ ہوتا رہا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا متقیوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔ کسی کے ساتھ کسی کا باپ ہے۔ کسی کے ساتھ باپ اور ماں دونوں ہیں۔ کسی کے ساتھ اس کے بھائی ہیں۔ کسی کے ساتھ اس کے دوست۔ کسی کو اپنے جتھے پر ناز ہے۔ غرض معیت کے سوا انسان خوشحال نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا ہے بیوی ہو تب

انسان خوش ہوتا ہے۔ حاکم ہو' فوج ہو' مال و اسباب ہو جب جا کر خوشی حاصل ہوتی ہے۔ معیت کا انسان متوالا ہے۔ میری طبیعت میں محبت کا مادہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ محبت بھی معیت کو چاہتی ہے۔ بطال لوگوں میں محبت کا مادہ ہو تو وہ بھی معیت کے متوالے ہوتے ہیں۔ صوفیوں میں ان بطال لوگوں کے متعلق بحث یہی ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں کہ معیت کی تڑپ سب میں ہے۔ انسان جب سرد ملکوں میں جاوے تو گرم کپڑوں کی معیت۔ ریل کا سفر کرے تو پیسوں کی معیت چاہیے۔

غرض انسان معیت کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ مگر خدا کی معیت سے بڑھ کر کوئی بھی معیت نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر وقت موجود ہے۔ سوتے' جاگتے۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میری معیت چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ میں تمام عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ آ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی "محسنون" فرمایا اور احسان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرنا کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

میں اس وقت بڑی مشکل سے یہاں آیا ہوں۔ میرے سر میں ایسا درد ہے جیسا کوئی سر پر کلہاڑی چلاتا ہے۔ میں نے اس مرض میں اپنی اور تمہاری حالت کا بہت مطالعہ کیا ہے۔ بعض اوقات مجھ کو اپنی آنکھوں کا بھی ڈر ہوا ہے۔ بعض اوقات اَلْعَیْنُ حَقٌّ (بخاری کتاب الطب) کا بھی خیال آیا ہے۔ غرض عجیب عجیب خیالات گزرے ہیں۔ ان میں سے ایک بات تمہیں سناتا ہوں۔ میرا ارادہ تھا کہ میں صرف عربی اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ کر بیٹھ جاؤں۔ مگر قدرت ہے جو مجھ کو بلاتی ہے۔ اس واسطے یوں ہی سمجھ لو کہ یہ میرا آخری کلمہ ہے۔ یوں بھی سمجھ لو کہ یہ آخری دن ہے۔ تم لوگ بھی یہاں اکٹھے ہوئے تھے۔ گورو کل' انجمن حمایت الاسلام 'علی گڑھ والے بھی اکٹھے ہوئے ہیں۔ وہاں بھی رپورٹیں پڑھی گئی ہیں' یہاں بھی۔ ہمارے رپورٹر نے بھی رپورٹ پڑھ دی کہ اتنا روپیہ آیا' اتنا خرچ ہوا۔ پر میں سوچتا رہا ہوں کہ یہ لوگ یہاں کیوں آئے۔ یہ روپیہ تو بذریعہ منی آرڈر بھی بھیج سکتے تھے اور رپورٹ چھپ کر ان کے پاس پہنچ سکتی تھی۔ میرے اندازہ میں جو آدمی یہاں آئے تین ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ پھر جو لوگ عمائد تھے وہ اگر مجھ سے علیحدہ ملتے تو میں ان کے لئے دعائیں کرتا' انہیں کچھ نصیحتیں دیتا۔ لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس وقت آئے کہ لو جی! سلام علیکم یکہ تیار ہے۔ تم یاد رکھو میں ایسے میلوں سے سخت متنفر ہوں۔ میں ایسے مجمعوں کو جن میں روحانی تذکرہ نہ ہو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ یہ روپیہ تو وہ منی آرڈر کر کے بھیج سکتے تھے بلکہ اس طرح بہت سا خرچ جو مہمانداری پر ہوا وہ بھی محفوظ رہتا۔ یہاں کے دکانداروں نے بھی افسوس! دنیا کی طرف توجہ کی اور کہا کہ جلسہ باہر نہ ہو' شہر میں ہو' ہماری چیزیں

بک جاویں۔ میں ایسے اجتماع اور ایسے روپے کو جو دنیا کے لئے ہو' حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں۔ جو سن رہا ہے وہ یاد رکھے اور دوسروں تک یہ بات پہنچاوے۔ میں اسی غم میں پگھل کر بیمار بھی ہو گیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ تم میں سے جو تمہاری باہر کی جماعتوں کے سکرٹری و عمائد آئے تھے وہ مجھ سے علیحدہ ملتے۔ میں ان کو بڑی نیکیاں سکھاتا اور بڑی اچھی باتیں بتاتا۔ لیکن افسوس کہ ہماری صدر انجمن نے بھی ان کو یہ بات نہ بتائی۔ اس لئے مجھ کو ان سے بھی رنج ہے۔ کیا آیا' کتنے روپے جمع ہوئے' ہم کو اس سے کچھ بھی غرض نہیں۔

ہم کو تو صرف خدا چاہئے

مجھ کو نہیں معلوم کہ کیا جمع ہوا' کیا آیا؟ مجھ کو اس کی مطلق پروا نہیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو مقدم کرو۔ ہماری کوششیں اللہ کے لئے ہوں۔ اگر یہ نہ ہو تو ہائی سکول کیا حقیقت رکھتا ہے اور اس کی عمارتیں کیا حقیقت رکھتی ہیں۔ ہمیں تو ہمارا مولیٰ چاہیئے۔ اپنے احباب کو خط لکھو اور ان کو تنبیہہ کرو۔ میں تو لاہور اور امرتسر کے لوگوں کا بھی منتظر رہا کہ وہ مجھ سے کیا سیکھتے ہیں لیکن ان میں سے بھی کوئی نہ آیا۔ میں چاہتا تھا کہ لوگ میری زندگی میں متقی اور پرہیزگار ہی بنیں اور دنیا اور اس کی رسموں کی طرف کم توجہ کریں۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۲۴' ۲۵' ۲۶--- ۷' ۱۴' ۲۱/ اپریل ۱۹۱۰ء صفحہ ۲)

۲۹/ اپریل ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۹) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج کل لوگوں کے یہ بات ذہن نشین کی جاتی ہے کہ آدمی آزاد ہے مگر جب پوچھا جاوے کہ کیا چور بھی آزاد ہے؟ زانی بھی آزاد ہے؟ تو حیرت زدہ ہو کر عجیب عجیب طور پر جواب دینے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اپنے طور پر کچھ حدبندیاں کرنے لگتے ہیں۔ گویا اپنے قول کی آپ ہی تردید کر لیتے ہیں۔ میں نے آج کل کے تعلیم یافتوں سے پوچھا ہے کہ جیسے تم آزاد بنتے ہو اگر تمہارے ماں باپ بھی اسی قسم کی آزادی اختیار کر لیں تو تم کیسی مشکلات میں پڑتے۔ ماں پرورش ہی نہ کرتی اور یوں کہتی کہ چلو مجھے کیا پڑی ہے اس کا بول براز سنبھالوں اور یہ سوئے اور میں راتوں جاگوں، تیمارداری میں جان تک ہلکان کر دوں۔ باپ کہے چلو ہمیں کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ اسے خرچ دیں۔ غرض سب کے دماغ میں آزادی کی ہوا سما جائے تو یہ کارخانہ دم میں تباہ ہو جائے۔

ایسے ہی ایک دہریہ خیالات سے ،جس کا قول تھا کہ اسلام کے اس قدر احکام کی پابندی مشکل ہے ، میں نے پوچھا کیا تم میونسپلٹی کے قانون کی متابعت نہیں کرتے؟ پولیس کے قانون کو نہیں مانتے؟ ضابطہ فوجداری کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے؟ سوسائٹی کے رول کی قدر نہیں کرتے؟ کیا تم طبی قوانین کا لحاظ نہیں رکھتے؟ اور کیا ان کا مجموعہ قرآن مجید سے بہت بڑا نہیں ہے؟ تو وہ بہت نادم ہوا۔ عیسائیوں کے دماغ میں آزادی سمائی تو شریعت کو لعنت قرار دیا مگر ان کی سوسائٹی کے رول اس قدر ہیں کہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

ایک عالم کے منہ سے ایک بات نکلی جو میرے لئے نکتہ معرفت ہو گئی کہ۔ پہلے تو میں اللہ سے ڈرتا تھا مگر جوں جوں علم بڑھتا گیا تو یہ خشیت کم ہوتی گئی۔ یہ اس لئے کہ ایسی کتابیں نہیں پڑھائی جاتیں جن سے خشیت بڑھے۔

مدارس کے بارے میں تو یہ بحث پیش آگئی کہ کس مذہب کی کتاب پڑھائی جاوے۔ میں کہتا ہوں انجیل کا ابتداء اور انتہاء اور قرآن مجید کا ابتدء اور انتہاء ہی دیکھ لو اور ان کا مقابلہ کرو۔ ایک میں الحمد ایسی جامع دعا ہے کہ دنیا اس کی مثل سے عاجز ہے اور اخیر تمام دکھوں سے بچنے کی راہ بتائی۔ دوسری میں ایک نسب نامہ ہے جو اخلاق و روح کے لئے کچھ مفید نہیں اور اخیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ پھانسی دے دیا گیا۔ غرض علماء میں تو خشیت نہیں اور عوام کالانعام ان کے تابع ہوئے۔ گدی نشینوں کی حالت اس سے ناگفتہ بہ۔ امراء اپنی دولت میں مست۔ پھر اخبار نویس ہیں وہ دوسروں کی اصلاح پر تو تیار ہیں مگر اپنی اصلاح کے لئے کوئی کہہ دے تو لڑنے کو تیار ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جب تم کسی ناصح کی نصیحت کی قدر نہیں کرتے تو تمہارا کیا حق ہے کہ اپنی نصیحت کو منواؤ۔

پس میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ الٰہی حد بندیوں کو نگاہ رکھو اور ہر وقت نفس کا محاسبہ کرتے رہو کہ کل کے واسطے تم نے کیا تیاری کی ہے؟

(بدر جلد ۹ نمبر ۲۷۔۲۸---۵ / مئی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆

یکم جولائی ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے وَ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا (مریم:۶۷) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اگر کامل یقین ہو کہ فلاں بات کا یہ نتیجہ ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ انسان فکر مند نہ ہو۔ برسات آنے والی ہو تو سب کو لپائیوں کا فکر پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر لوگ بیج بونے کی تیاریاں' باوجود ان خوفوں کے کہ کھیتی شاید ہو یا نہ ہو یا پھر اس کے بعد اٹھانی یا کھانی نصیب ہو یا نہ ہو' کر لیتے ہیں۔ امتحان قریب ہو تو لائق سے لائق لڑکا کچھ نہ کچھ تیاری کر لیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ اسے یقین ہوتا ہے کل امتحان ضرور ہو گا۔ تو پھر اگر قیامت کا یقین پیدا ہو تو انسان کیوں گناہ اور لوگوں کی حق تلفیاں اور اکل مال بالباطل کرے۔ ایسے ایسے برے کام کر کے وہ زبان حال سے جتاتا ہے کہ اسے یوم الحساب کا یقین نہیں۔ اگر یقین ہو تو اس کے متعلق تیاری بھی کرے۔

اس کے بعد ایک دلیل بیان کرتا ہے کہ انسان کچھ نہ تھا۔ ہم نے اسے اپنی صفت ربوبیت کے ماتحت بتدریج اس حالت میں پہنچایا۔ یہ پورا ثبوت ہے اس بات کا کہ ہم اسے پھر اٹھائیں گے اور حسب اعمال جنت یا دوزخ میں پہنچائیں گے۔ اس کی تفصیل فرماتا ہے کہ متقیوں کو بچائیں گے اور ظالموں کو دوزخ میں بھجوائیں گے۔ اس وقت معلوم ہو گا کہ یہ ظاہری دکھلاوے کا ساز و سامان کہاں تک کسی کے کام آنے والا ہے۔ یہاں تک کہ اس دنیا میں بھی یہ چیزیں ان کو حقیقی عزت نہیں دے سکیں۔

ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا کہ آپ کے قرآن میں نمرود، حضرت ابراہیمؑ کے مقابل کا ذکر ہے حالانکہ وہ کوئی شخص نہیں ہوا۔ میں نے کہا یہی تو اعجاز قرانی ہے کہ اس مدمقابل کا نام نہیں لیا۔ گویا بتلا دیا کہ یہ ایسا بے نشان کیا جاوے گا کہ ایک زمانہ میں اس کی ہستی سے بھی انکار کیا جائے گا۔ اس کے خلاف حضرت ابراہیم کو دیکھو کہ مجوس، عیسائی، یہودی، مسلمان، سب ہی اس کا نام عزت سے لیتے ہیں اور اس کی اولاد تمام روئے زمین پر موجود ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام نامی پانچ بار تو چھتوں پر با آواز بلند پکارا جاتا ہے اور پھر کس عزت کے ساتھ۔ مگر کیا کوئی عتبہ، ربیعہ، شیبہ، ابوجہل اور پھر امام حسینؓ کے مقابل یزید کی اولاد ہونے کی طرف بھی اپنے تئیں منسوب کرتا ہے۔

یاد رکھو آرام کی زندگی کے لئے یہ چالاکیاں، یہ سازوسامان کی حرص مفید نہیں بلکہ قرآن مجید کی سچی فرمانبرداری کرو۔ میرا تو اعتقاد ہے کہ اس کتاب کا ایک رکوع انسان کو بادشاہ سے بڑھ کر خوش قسمت بنا دیتا ہے۔ جس باغ میں میں رہتا ہوں اگر لوگوں کو خبر ہو جاوے تو مجھے بعض دفعہ خیال گزرتا ہے کہ میرے گھر سے قرآن نکال کر لے جاویں۔ مسلمانوں کے پاس ایسی مقدس کتاب ہو اور پھر وہ تکالیف میں اور مشکلات میں پھنسے ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۳ ---- ۷ ر جولائی ۱۹۱۰ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆

۲۶/ اگست ۱۹۱۰ء

قادیان

خطبہ نکاح

حضور نے ۲۶ اگست ۱۹۱۰ء بعد نماز مغرب اپنی نواسی کے نکاح کا جو ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے ۵۰۰ روپیہ مہر پر ہوا' اعلان فرمایا۔

باوجود ضعف اور ممانعت کلام کے آپ نے خود خطبہ پڑھا۔ یہ پہلا موقع تھا اور خود حضور نے فرمایا کہ ساری عمر میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہوں۔ خطبہ کا آغاز آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا لیکن ابھی چند الفاظ ہی فرمائے تھے کہ ضعف نے کھڑے نہ رہنے دیا اس لئے بیٹھ گئے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد جوش تبلیغ سے اٹھے اور قریباً پون گھنٹہ تک کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا نہایت ضروری حصہ اپنے الفاظ میں دیا جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

فرمایا:۔

میں بیمار ہوں اور طبی طور پر مجھے بولنے کی ممانعت ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ مجھے کس وقت موت آجاوے اس لئے میں اس حق کو جو میرے پاس ہے تمہیں پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ میں اس کے ادا کے بوجھ سے سبکدوش ہو جاؤں۔

بیاہ کے معاملہ میں ایک بڑی غلطی ہو رہی ہے۔ اور مجھے افسوس ہے کہ یہ میرے گھر میں بھی ہوئی ہے اس لئے کہ مجھ سے مشورہ نہیں کیا گیا اور وہ یہ ہے کہ اس کے لئے ضروری امر یہ ہے کہ بہت استخارہ کئے جاویں اور خدا تعالیٰ سے مدد طلب کی جاوے۔ ہم انجام سے بے خبر ہوتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے۔ اس لئے اول خوب استخارہ کرو اور خدا سے مدد چاہو۔ اور پھر اس کو یاد رکھو کہ کوئی نکاح بدوں ولی کے نہیں ہو سکتا۔ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ خود پوچھا ہے اور آپ نے اس کو سخت ناپسند فرمایا کہ بدوں ولی کوئی نکاح کیا جاوے۔ میں نے خود ایک نکاح کرنا چاہا تھا اور بعض علماء مثل مولوی نذیر حسین اور محمد حسین صاحب وغیرہ سے دریافت کیا اور مجھے بعض نے اجازت دی۔ مگر میں ترساں تھا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس مسئلہ کو حل کر دیا۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤیا میں دیکھا۔ اور آپ نے مجھے بتا دیا کہ بدوں ولی نکاح نہیں ہوتا اور آپ نے سخت ناپسندگی کا اظہار کیا بلکہ یہاں تک مجھ پر ظاہر ہوا کہ جو شخص ایسی جرات کرتا ہے۔ وہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک اور آپ کی مونچھ مونڈ ڈالتا ہے۔ پس یہ بڑی خطرناک بات ہے اس کو خوب یاد رکھو کہ بدوں ولی نکاح کبھی نہ ہو۔

پھر ایک اور غلطی ہوتی ہے کہ نکاح کے معاملہ کو عورتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ عورتوں کو ولی مت بناؤ۔ یہ مردوں کا کام ہے۔ قرآن مجید میں اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ آیا ہے۔ اس لئے کبھی ایسی جرأت نہ کرو جس سے قرآن مجید کی اس آیت کی ہتک لازم آوے۔ خدا سے ڈرو اور توبہ کرو۔

میں پھر کہتا ہوں۔ عورتوں کو ولی نہ بناؤ۔ عورتوں کو ولی نہ بناؤ۔ عورتوں کو ولی نہ بناؤ۔ اس کے بعد آپ نے حسب معمول عورتوں کے حقوق پر وعظ فرمایا اور شادی کی خصوصیتوں کو جو اسلام نے رکھی ہیں بیان کیا کہ محض تقویٰ کے لئے ہو اور کوئی غرض شادی کی نہیں۔

یہ خطبہ آپ نے نہایت رقت اور جوش اور درددل سے پڑھا۔ میں نے اس سے پہلے متعدد مرتبہ اس امر کے متعلق بحث کی ہے کہ رشتہ اور ناطوں کے معاملات کلیتاً حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ میں دے دینے چاہئیں اس لئے کہ آپ سے بڑھ کر کون ہمدرد اور سچا خیر خواہ ہو گا۔ اس خطبہ میں ایک موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ خلیفہ بن کر مجھ پر بہت بڑا بوجھ پڑا ہے اگر خدا تعالیٰ ہی کا فضل نہ ہوتا اور اس کی غریب نوازی میری دستگیری نہ کرتی تو میں اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل نہ تھا۔ مگر اس نے اپنے فضل سے مجھے قوت دی جس کا ایک بیٹا بیمار ہو اس کی حالت کا اندازہ مشکل ہوتا ہے پھر جس کے لاکھوں بیٹے ہوں اور مختلف حاجتوں اور بوجھوں سے ان کی حالت اس کے لئے درد کا باعث ہو۔ اندازہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اسے

کس قدر تکلیف ہو سکتی ہے مگر اللہ ہی کا فضل ہے جو میں دل کے باغ میں رہتا ہوں۔ پس اس قسم کی ہمدردی کا احساس کرنے والا دل پہلو میں رکھنے والا انسان دنیا کو خدا کے فضل کے بدوں میسر نہیں آتا اس لئے عاقبت اندیشی اور اپنی اولاد کی خیر خواہی اور اس کے اس بوجھ سے سبکدوشی اسی میں ہے کہ اس کے سپرد کریں۔ اور اگر اس ضرورت کی طرف توجہ نہ کی گئی تو آخر پچھتانا پڑے گا۔

(الحکم جلد ۱۴ نمبر ۳۱---- ۲۸ اگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۱۴)

☆-☆-☆-☆

۵ ؍ اکتوبر ۱۹۱۰ء
قادیان

خطبہ عید الفطر

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پر جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

آدمی کو اللہ نے بنایا ہے اور اس کے لئے دو قسم کی چیزیں ضروری ہیں۔ ایک جسم جو ہمیں نظر آتا ہے۔ اس کے لئے ہوا کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے' پہننے' مکان کی ضرورت ہے۔ کوئی اس کا یار و غمگسار ہو' اس کی ضرورت ہے۔ دور دراز ملکوں کی' دریاؤں کے اس پار اس پار جانے کی ضرورت ہے۔ زمیندار کو کھیت کی ضرورت ہے۔ کیا زمین انسان بنا سکتا ہے؟ پھر ہل کے لئے لکڑیاں چاہئیں۔ مضبوط درخت ہو تب جا کر ہل بنتے ہیں۔ ہل کے لئے لوہے کی بھی ضرورت ہے۔ پھر اوزار بھی لوہے کے ہوتے ہیں۔ لوہے کا بھی عجیب کارخانہ ہے۔ لوہا کانوں سے آتا ہے جس کے لئے کتنے ہی مزدوروں کی ضرورت ہے۔ پھر اور کئی قسم کی محنتوں اور مددوں کے بعد ہل بنتا ہے۔ مگر یہ ہل بھی بے کار ہے جب تک جانور نہ ہوں۔ پھر جانوروں کے لئے گھاس چارہ وغیرہ کی ضرورت ہے۔ پھر اس ہل چلانے میں علم' فہم اور

عاقبت اندیشی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہی کی مدد سے چھوٹے چھوٹے جتنے پیشے بنتے ہیں وہ عالی شان بنتے ہیں۔ مثلاً چکی پیسنا ایک ذلیل کسب تھا۔ علم کے ذریعے ایک اعلیٰ پیشہ ہو گیا۔ یہ جو بڑے بڑے ملوں کے کارخانے والے ہیں دراصل چکی پیسنے کا ہی کسب ہے اور کیا ہے۔ ایسا ہی گاڑی چلانا کیا معمولی کسب تھا۔ گاڑی چلانے والا ہندوستان میں لنگوٹ باندھے ہوتا تھا۔ اب گاڑی چلانے والے کیسے عظیم الشان لوگ ہیں۔ یہ بھی علم ہی کی برکت ہے۔

حجام کا پیشہ کیسا ادنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ یہی لوگ مرہم پٹی کرتے اور ہڈیاں بھی درست کر دیتے ہیں۔ اسی پیشے کو علم کے ذریعے ترقی دیتے دیتے سرجری تک نوبت پہنچ گئی ہے اور سرجن بڑی عزت سے دیکھا جاتا ہے۔

میں نے تاجروں پر وہ وقت بھی دیکھا ہے کہ سر پر بوجھ اٹھائے دیہہ بدیہہ پھر رہے ہیں۔ رات کسی مسجد میں کاٹ رہے ہیں مگر اب تو تجارت والوں کے علیحدہ جہاز چلتے ہیں۔

وہ حکومت بھی دیکھی ہے کہ دس روپے لینے ہیں اور ایک زمیندار سے دھینگا مشتی ہو رہی ہے۔ یا اب منی آرڈر کے ذریعے مالیہ ادا کر دیتے ہیں۔ سنسان' ویران جنگلوں کو آباد کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی علم ہی کی برکت ہے کہ اس سے ادنیٰ چیز اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جسم کے علاوہ کچھ اور بھی عطا کیا ہے۔ یہ آنکھیں نہیں دیکھتیں جب تک اندر آنکھ نہ ہو۔ زبان نہیں بولتی جب تک اندر زبان نہ ہو۔ کان نہیں سنتے جب تک اندر کان نہ ہوں۔ مگر یہ تو کافر کو بھی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور آنکھ و زبان و کان بھی ہیں جو مومن کو دیئے جاتے ہیں۔ یہ وہ آنکھ ہے جس سے انسان حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ حق و باطل کا شنوا ہو سکتا ہے۔ حق و باطل کا اظہار کر سکتا ہے۔ اگر انسان حق کا گویا و شنوا و بینا نہ ہو تو صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (البقرة:19) کا فتویٰ لگتا ہے۔

اللہ جل شانہ جس کو آنکھ دیتا ہے وہ ایسی آنکھ ہوتی ہے کہ اس سے خدا کی رضا کی راہوں کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر ایک آنکھ اس سے بھی تیز ہے جس سے مومن اللہ کی راہ پر علیٰ بصیرت چلتے ہیں۔ پھر اس سے بھی زیادہ تیز آنکھ ہے جو اولوالعزم رسولوں کو دی جاتی ہے۔ ان حواس کے متعلق اللہ اپنے پاک کلام میں وعظ کرتا ہے۔ دیکھو آج لوگوں نے کچھ نہ کچھ اہتمام ضرور کیا ہے۔ غسل کیا ہے۔ لباس حتی المقدور عمدہ و نیا پہنا ہے۔ خوشبو لگائی ہے۔ پگڑی سنوار کر باندھی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں کیا؟ صرف اس لئے کہ ہم باہر بے عیب ہو کر نکلیں۔ بہت سے گھر ایسے ہوں گے جہاں بیوی بچوں میں اسی لئے جھگڑا بھی پڑا ہو گا اور اس جھگڑے کی اصل بناء یہی ہے کہ بے عیب بن کر باہر نکلیں۔

جس طرح فطرت کا یہ تقاضا ہے اور انسان اسے بہر حال پورا کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہارا مربی، میں تمہارا محسن ہوں۔ جیسے تم نے اپنے جسم کو مصفی و مطہر، بے عیب بنا کر نکلنے کی کوشش کی ہے ویسے ہی تم اپنے رب کے نام کی بھی تسبیح کرتے ہوئے نکلو اور دنیا والوں پر اس کا بے عیب ہونا ظاہر کرو۔ ادنیٰ مرتبہ تو یہ ہے کہ مومن اپنی زبان سے کہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (بخاری کتاب الدعوات)۔ پھر وہ کلمات جن سے میں نے اپنے خطبہ کی ابتداء کی۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ان میں بھی اس کی کبریائی کا بیان ہے۔ پھر اس سے ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ وہ یہ کہ یہ تسبیح دل سے ہو کیونکہ یہ جناب الٰہی کے قرب کا موجب ہے۔ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (بخاری کتاب الدعوات)۔ اور فرماتا ہے کہ وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج:۳۸)۔ پس ضرور ہے کہ یہ تسبیح جو کریں تو دل کو مصفا کر کے کریں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ کے فعل پر ناراض نہ ہوں اور یہ یقین کریں کہ جو کچھ خدا کرتا ہے بھلا ہی کرتا ہے اور جو کچھ کرے گا وہ بھی ہماری بھلائی و بہتری کے لئے کرے گا۔ ہمارے مربی و محسن پر اللہ رحم فرمائے کہ اس نے میرے کانوں میں اچھی آواز پہنچائی اور مجھے مشق کے لئے یہ شعر لکھ کر دیا۔

سر نوشت ما ز دست خود نوشت
خوشنویس است و نخواہد بد نوشت

پس ہمیں چاہئے کہ اس اللہ کو جس کی ذات اعلیٰ اور تمام قسم کے نقصوں و عیبوں سے بالاتر ہے رنج و راحت، عسر و یسر میں بے عیب یقین کریں اور یہ یقین رکھیں اَلشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ وَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک جمعہ میں میں نے اپنی طرف سے الوداعی خطبہ پڑھا کیونکہ میری حالت ایسی تھی کہ تھوک کے ساتھ بہت خون آتا۔ اندر ایسا جل گیا تھا کہ خاکستری دست آتے اور میں رات کو جب سوتا تو یہی سمجھتا کہ بس اب رخصت۔ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ (بخاری کتاب الوضوء)۔ گھر والے بعض وقت ہمدردی سے مجھے ملامت کرتے کہ تم پرہیز کرتے۔ بہت وعظ کرتے ہو، سبق بدستور پڑھائے جاتے ہو۔ تو میں کہتا بے شک جس قدر نقص و عیب ہیں میری طرف منسوب کر لو۔ میرا مولیٰ تو جو کچھ کرتا ہے بھلا ہی کرتا ہے۔ سچ ہے وَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ۔

غرض تم زبان سے سبحان اللہ کا ورد کرو تو اس کے ساتھ دل سے بھی ایسا اعتقاد کرو اور اپنے دل کو تمام قسم کے گندے خیالات سے پاک کر دو۔ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھو کہ مالک ہماری اصلاح کے لئے ایسا کرتا ہے۔

پھر اس سے آگے اللہ توفیق دے تو اللہ کے اسماء پر، اللہ کے صفات و افعال پر، اللہ کی کتاب پر، اللہ کے رسول پر جو لوگ اعتراض کرتے اور عیب لگاتے ہیں ان کو دور کرو اور ان کا پاک ہونا بیان کرو۔

ہمارے ملک میں اس قسم کے اعتراضوں کی آزادی حضرت جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں شروع ہوئی ہے کیونکہ اس کے دربار میں وسعت خیالات والے لوگ پیدا ہو گئے۔ اس آزادی سے لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مطاعن کا دروازہ کھول دیا۔ ان اعتراضوں کو دور کرنے کے لئے ہمارے بزرگوں نے بہت کوشش کی ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت کوشش کی ہے۔ جلال الدین اکبر نے جب صدر جہان کو لکھا کہ چار عالم بھیجیں جو ہمارے سامنے ان اعتراضوں کے جواب دیا کریں تو یہ بات حضرت مجدد صاحب کے کان میں بھی پہنچی۔ انہوں نے صدر کو خط لکھا کہ آپ مہربانی سے کوشش کریں کہ بادشاہ کے حضور صرف ایک ہی عالم جائے، چار نہ ہوں۔ خواہ کسی مذہب کا ہو مگر ہو ایک ہی۔ کیونکہ اگر چار جائیں گے تو ہر ایک چاہے گا کہ میں بادشا کا قرب حاصل کروں اور باقی تین کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر چاروں گئے تو بجائے اس کے کہ دین کا تذکرہ ہو ایک دوسرے کو رد کر کے چاروں ذلیل ہو جاویں گے اور یہ لوگ اپنی بات کی پچ میں بادشاہ کو ملحد کر دیں گے۔

یہ تو اس وقت کا ذکر ہے جب اسلام کی سلطنت تھی۔ اسلام کے متوالے دنیا میں موجود تھے۔ اس وقت کا بیج بویا ہوا اب تین سو برس کے بعد ایک درخت بن گیا ہے۔ کیسے دکھ کا زمانہ ہے کہ نبی کریمؐ کے سوانگ ڈراموں میں بنائے جاتے ہیں۔ عجیب عجیب رنگوں میں لوگ دھوکہ دیتے ہیں جس سے متاثر ہو کر بعض لڑکوں نے غنیمت کی آیت پر لکھ دیا۔ محمد لٹیرا تھا۔ اگرچہ اس کا جواب مجھے دیا گیا کہ نقل اعتراض تھا، مگر یہ داغ مٹتا نہیں۔ اور میں سریان القضاء کا مسئلہ خوب جانتا ہوں۔ اسی کی ماتحت اس کو لا کر اس کا ذکر کرتا ہوں۔

پس میری سمجھ میں یہ وقت ہے کہ جہاں تک تم میں کسی سے ہو سکے، اللہ کے اسماء، صفات، افعال، اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول، اللہ کے رسول کے نواب و خلفاء کی پاکیزگی بیان کرے اور ان پر جو اعتراض ہوتے ہیں انہیں بقدر اپنی طاقت کے سلامت روی و امن پسندی کے ساتھ دور کرنے کی

کوشش کرے۔

یہ مت گمان کرو کہ ہم ادنیٰ ہیں۔ وہ طاقت رکھتا ہے کہ تمہیں ادنیٰ سے اعلیٰ بنادے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے خَلَقَ فَسَوّٰى وَ الَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى (الاعلیٰ:۳،۴)۔ جو ان پڑھ ہیں انہیں کم از کم یہی چاہئے کہ وہ اپنے چال چلن سے خدا کی تنزیہہ کریں۔ یعنی اپنے طرز عمل زندگی سے دکھائیں کہ قدوس خدا کے بندے، پاک کتاب کے ماننے والے، پاک رسول کے متبع اور اس کے خلفاء اور پھر خصوصاً اس عظیم الشان مجدد کے پیرو ایسے پاک ہوتے ہیں۔

ضعف بہت ہے اور مجھے زیادہ بولنے سے تکلیف بڑھ جانے کا احتمال ہے اس لئے اسی پر بس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں خدا تعالیٰ کی تسبیح کی زبان و دل و قلم سے توفیق دے۔

(بدر جلد ۹ نمبر ۴۸-۴۹ --- ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۸-۹)

۱۸؍ نومبر ۱۹۱۰ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ (النحل:۹۱) پر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عدل ایسی ضروری چیز ہے کہ شیعہ نے بھی' باوجود اللہ کی تمام صفات سے بے پرواہی کرنے کے' اسے ارکان اربعہ (توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت) میں شمار کیا ہے۔

عدل کیسا اچھا ہے' اس کا اندازہ شاید تم لوگ نہ کر سکو کیونکہ تم میں سے کم ہیں جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا جب کہ حکام کو بھی ننگ و ناموس کا خیال نہ تھا۔ رعیت کے کسی فرد کو یہ معلوم نہ تھا کہ میں کس چیز کا مستحق ہوں اور بادشاہ کس کا؟ باپ کا بدلہ نہ صرف بیٹوں سے بلکہ ملک والوں سے بھی لیا جاتا تھا مگر اب امن کا راج ہے اور عدل ہو رہا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر چاہئے۔

ہر شخص اپنے نفس پر غور کرے کہ وہ نہیں چاہتا کہ میرے بیٹے یا بیٹی کو کوئی دکھ دے یا ان کے ساتھ بے جا سختی کرے۔ پس وہ آپ بھی کیوں کسی کے بیٹے یا بیٹی کو دکھ دے یا اکل مال بالباطل کرے یا کسی کی حق تلفی کا مرتکب ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمایا۔ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ

لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (بخاری کتاب الایمان) کہ مومن ہی نہیں ہوتا جب تک اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند نہیں کرتا جو اپنے لئے کرتا ہے۔ ہم اپنے غلام سے جیسا کام لینا چاہتے ہیں مناسب ہے کہ ہم بھی جس کے نوکر ہیں ویسا ہی کام کریں۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے تمام تعلقات میں، مخلوق سے ہوں یا خدا سے، عدل مدنظر رکھو اور میری آرزو ہے کہ میں تم میں سے ایسی جماعت دیکھوں جو اللہ تعالیٰ کی محب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متبع ہو۔ قرآن سمجھنے والی ہو۔

میرے مولا نے مجھ پر بلا امتحان اور بغیر میری محنت کے بڑے بڑے فضل کئے ہیں اور بغیر میرے مانگنے کے بھی مجھے عجیب عجیب انعامات دیئے ہیں جن کو میں گن بھی نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ میری ضرورتوں کا آپ ہی کفیل ہوا ہے۔ وہ مجھے کھانا کھلاتا ہے اور آپ ہی کھلاتا ہے۔ وہ مجھے کپڑا پہناتا ہے اور آپ ہی پہناتا ہے۔ وہ مجھے آرام دیتا ہے اور آپ ہی آرام دیتا ہے۔ اس نے مجھے بہت سے مکانات دیئے، بیوی بچے دیئے، مخلص اور سچے دوست دیئے۔ اتنی کتابیں دیں اتنی کتابیں دیں کہ دوسرے کی عقل دیکھ کر ہی چکر کھا جائے۔ پھر مطالعہ کے لئے وقت، صحت، علم اور سامان دیا۔ اب میری آرزو ہے، اور میں اپنے مولیٰ پر بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہوں کہ وہ یہ آرزو بھی پوری کرے گا، کہ تم میں سے اللہ کی محبت رکھنے والے، اللہ کے کلام سے پیار کرنے والے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے محبت رکھنے والے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کلام سے محبت رکھنے والے، اللہ کے فرمانبردار اور اس کے خاتم النبیین کے سچے متبع ہوں اور تم میں سے ایک جماعت ہو جو قرآن مجید اور سنت نبوی پر چلنے والی ہو اور میں دنیا سے رخصت ہوں تو میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور میرا دل ٹھنڈا ہو۔

دیکھو! میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ نہ تمہارے نذر و نیاز کا محتاج ہوں۔ میں تو اس بات کا امیدوار بھی نہیں کہ کوئی تم میں سے مجھے سلام کرے۔ اگر چاہتا ہوں تو صرف یہی کہ تم اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ۔ اس کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متبع ہو کر دنیا کے تمام گوشوں میں بقدر اپنی طاقت و فہم کے امن و آشتی کے ساتھ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پہنچاؤ۔

(بدر جلد ۱۰ نمبر ۵ --- یکم دسمبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆

۱۷؍ فروری ۱۹۱۱ء

خطبہ جمعہ

فرمایا:۔

میں نے بہت عرصہ پہلے خواب میں دیکھا کہ خدا کا غضب بھڑک اٹھا ہے اور زمین تاریک ہو چلی ہے۔ پہلے طاعون پھیلا ہے پھر اس کے بعد ہیضہ پڑا ہے۔ چند خاص دوستوں کو میں نے یہ خواب سنا بھی دیا اور دعا شروع کی کہ الٰہی! تو اپنے فضل و کرم سے احمدی جماعت ' پھر خصوصیت سے قادیان کی جماعت پر اپنا رحم فرما۔ پھر چند روز ہوئے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ملک میں خطرناک طاعون ہے اور ایک عظیم الشان محل ہے جس میں ہم لوگ ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ اب صرف اتنی بات ہے کہ ہم اپنے تئیں اس محل میں رہنے کے اہل ثابت کریں۔ پھر کچھ دن ہوئے میں نے دیکھا کہ انہی ہماری دو کانوں پر شیر حملہ کر رہا ہے۔ پس میں ڈر گیا اور بہت دعا کی اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ طریق نجات کیا ہے؟ تو مجھ پر کھولا گیا کہ خدا کے حضور کھڑے رہنا اور دعائیں۔ طوفان میں ایک کشتی ہے جو ٹوٹی ہوئی ہے مگر دعاؤں سے جڑ سکتی ہے۔ پھر میں اس بات پر غور کر رہا تھا کہ ملک میں وبا کیوں پھیلتی ہے تو ایک مَلَک نے ابھی رستے میں آتے ہوئے مجھے تحریک کی کہ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت:۵۷)۔ ہر شخص فائدے کے لئے کوئی چیز بناتا ہے۔ مثلاً باغبان درخت لگاتا ہے۔ اب جب تک وہ چیز مثلاً درخت فائدہ دے اسے نہیں اکھیڑا جاتا لیکن جب وہ غرض جس کے لئے وہ شے بنائی گئی پوری نہ کرے تو پھر اس شے کو توڑ دیا جاتا ہے۔ ادنیٰ سے

ادنیٰ عقل کا زمیندار بھی اسی اصل پر عمل پیرا ہے۔ پس خدا جو حکیموں میں سے بڑا حکیم ہے وہ بے فائدہ کسی چیز کو کیوں رکھے۔ جب انسان اس اصلی غرض کو پورا نہیں کرتا یعنی عبادت جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا تو پھر لامحالہ تباہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی جو اپنے نمونہ سے یا دیگر حالات سے دوسروں کو خدا کی عبادت سے روکتا ہے اسے بھی ہلاک کیا جاتا ہے۔ خدا کے مامور دنیا میں بھلائی پھیلانے کے لئے آتے ہیں۔ وہ غافلوں کو بیدار کرتے ہیں مگر شریر لوگ بہرصورت اعتراض کرتے ہیں۔ اگر کوئی نئی بات سنائے تو کہتے ہیں یہ وہ باتیں سناتا ہے جو پہلوں نے نہیں سنائیں اور اگر وہی اگلی باتیں سنائے تو کہتے ہیں کوئی نئی بات نہیں پیش کرتا۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ جب بدیاں بار بار کی جاتی ہیں اور شیطان اپنا وعظ ہر وقت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ خود انسان کے اندر اس کے نفس کو بطور سفیر چھوڑ رکھا ہے تو کیا خدا اپنی طرف سے کوئی واعظ بار بار وہی نیکیاں سمجھانے کے لئے پیدا نہ کرے؟ تیرہ سو برس سے تو قرآن مجید کا وعظ ہو رہا ہے اور اس سے پہلے بھی کئی نبی آئے اور سب نے توحید کا وعظ کیا تو کیا ساری دنیا توحید پر قائم ہو گئی؟ پس ضرور ہے کہ توحید کا ذکر بار بار کیا جاوے۔

یاد رکھو خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا تھا کہ اگر لوط کی قوم میں سے پانچ چھ بھی نیک ہوں تو میں ان پر سے عذاب ہٹالوں گا۔ مگر جب اس اندازے پر بھی نیک نہیں رہتے تو پھر عذاب الٰہی آتا ہے۔ تم لوگ احمدی ہو اور احمدیت جہاں عذابوں سے بچاتی ہے وہاں سب سے پہلے ملزم بھی ہمیں ہی گردانتی ہے کیونکہ ہم لوگوں نے ایک مامور کو مانا۔ اس کے ہاتھ پر خدا و رسول کی اطاعت کا عہد کیا۔ اب اس کو توڑیں گے تو سب سے پہلے عذاب کے مستحق' اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا' ہم ہیں۔

پس تم خدا کی طرف متوجہ ہو اور عبادت میں لگے رہو اور دعائیں کرتے رہو کیونکہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ جب مغز عبادت تم حاصل کرو گے تو پھر تم بلاؤں سے محفوظ رہو گے۔ ایک باغبان بھی پھل والی شاخ کو نہیں کاٹتا۔ پس تمہارا خدا جو ارحم الراحمین ہے تمہیں ہلاک نہیں کرے گا۔ یونس کی قوم کافر تھی۔ صرف گڑگڑانے سے ان پر سے عذاب ٹل گیا۔ تو کیا تم جو ایک نبی' ایک مامور کے ماننے والے ہو تمہاری دعاؤں میں اتنا بھی اثر نہ ہو گا کہ عذاب الٰہی ہٹا لیا جائے؟ یونسؑ تو چند ایک بستیوں کی طرف رسول ہو کر آئے تھے مگر تمہارے نبی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں تمام جہان کی طرف مامور ہو کر آئے تھے۔ پس تم اس کے پیرو ہو۔ دعاؤں سے کام لو' صدقہ دو' استغفار کرو اور خدا کی تسبیح و تقدیس کرو۔ اپنے دلوں کو پاک بناؤ کہ جب ایک شریف آدمی اروڑی پر نہیں بیٹھتا تو خدا تمہارے دلوں میں کس طرح نزول فرما ہو سکتا ہے جبکہ ان میں طرح طرح کے گند بھرے ہوئے ہوں۔ اپنی

اصلاح کرلو اور عذاب کے نازل ہونے سے پہلے خدا کے حضور گڑگڑاؤ۔ عذاب کے وقت تو فرعون بھی چلا اٹھا تھا مگر اس چلانے نے فائدہ نہ دیا۔ میں نے اپنا فرض تبلیغ ادا کردیا۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اپنی اصلاح کرلو اور راتوں کو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو ہو کر گڑگڑاؤ تا بچائے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے۔

(بدر جلد ۱۰ نمبر ۱۸-- ۲/ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۹ر مئی ۱۹۱۱ء

پہلا خطبہ بعد علالت

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر:۱۹)

اور پھر فرمایا:۔

چھ مہینے گزر گئے ہیں۔ چھ ماہ کے بعد ساتواں شروع ہے جو مجھے پھر یہ موقع ملا ہے۔ ان چھ ماہ میں میں نے خوب تجربہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔ میرے دوستوں نے میرے لئے زور لگائے، محنتیں اور خدمتیں کی ہیں۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ زخم ہے۔ (ہاتھ لگا کر دکھایا۔ ایڈیٹر) بارہا آواز آئی کہ اب دو دن میں اچھا ہو جائے گا۔ چار دن میں یا چھ دن میں اچھا ہو جاوے گا مگر چلتا ہی ہے۔ میں نے بہت ہی غور کیا ہے۔ خدا کے فضل کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ میں اپنے یقین اور تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اللہ کو اپنا بناؤ۔ جب وہ ہمارا ہو جائے گا تو

سب ہمارا ہی ہے۔ اور وہ تقویٰ اور صرف تقویٰ سے اپنا بنتا ہے۔ اس لئے اگر چاہتے ہو کہ اللہ تمہارا ہو جاوے تو تم تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ ایسی دولت ہے کہ اس سے بڑی بڑی مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔ ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کے ساتھ ہو اور وہ عظیم الشان ہو۔ متقی کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (البقرۃ:۱۹۵)۔ پس اللہ کی معیت سے بڑھ کر اور کیا چاہئے؟ پھر ہر شخص کی فطرت میں ہے کہ کوئی عظیم الشان اس سے محبت کرے۔ اور اللہ تعالیٰ متقی سے آپ محبت کرتا ہے جیسا کہ فرمایا یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ (ال عمران:۷۷)۔ جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو جاوے اسے کسی اور کی حاجت کیا؟

پھر ہر شخص کو ضرورت ہے کہ اسے رزق ملے اور وہ کھانے پینے' دوا' علاج اور تیماردار' غرض بہت سی ضروریات کا محتاج ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ متقی کو بشارت دیتا ہے یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَایَحْتَسِبُ (الطلاق:۴) متقی کو ایسے طریق پر رزق ملتا ہے جو اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ پھر انسان مشکلات میں پھنستا ہے اور ان سے نجات اور رہائی چاہتا ہے۔ متقی کو ایسی مشکلات سے وہ آپ نجات دیتا ہے یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق:۳) ہر قسم کی تنگی سے وہ آپ نجات دیتا ہے۔ یہ متقی کی شان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ متقی کو آپ پڑھا دیتا ہے۔ اگرچہ ہمارے ایک دوست ان معنوں کو پسند نہیں کرتے مگر میں نے غور کیا ہے تو یہ بالکل درست ہے وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ (البقرۃ:۲۸۳)۔ پھر ہر قسم کے دکھوں کو سکھوں سے تقویٰ ہی بدل دیتا ہے یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا (الطلاق:۵)۔ پھر جب متقی انسان ان ثمرات کو پاتا ہے تو میرے دوستو! سب کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ رزق کے لئے' تنگی سے نجات کے لئے تقویٰ کرو۔ سکھ کی ضرورت ہے تقویٰ کرو۔ محبت چاہتے ہو تقویٰ کرو۔ سچا علم چاہتے ہو تقویٰ کرو۔ میں پھر کہتا ہوں تقویٰ کرو۔ تقویٰ سے خدا کی محبت ملتی ہے۔ وہ اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے۔ دکھوں سے نکال کر سکھوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ علوم صحیحہ اسی کے ذریعہ ملتے ہیں۔

میں نے اس بیماری میں بڑے تجربے کئے ہیں اور ان سب تجربوں کے بعد کہتا ہوں۔ اللہ کے ہو جاؤ۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کا نہیں۔ یہ میری وصیت ہے۔

پس تقویٰ کرو۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ مومن کو چاہئے کہ جو کام کرے اس کے انجام کو پہلے سوچ لے کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ انسان غضب کے وقت قتل کر دینا چاہتا ہے۔ گالی نکالتا ہے مگر وہ سوچے کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ اس اصل کو مدنظر رکھے تو تقویٰ کے طریق پر قدم مارنے کی توفیق ملے گی۔ نتائج کا خیال کیونکر پیدا ہو۔ اس لئے اس بات پر ایمان رکھے کہ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ جو کام

تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔ انسان اگر یہ یقین کرلے کہ کوئی خبیر علیم بادشاہ ہے جو ہر قسم کی بدکاری، دغا، فریب، سستی، اور کاہلی کو دیکھتا ہے اور اس کا بدلہ دے گا تو وہ بچ سکتا ہے۔ ایسا ایمان پیدا کرو۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے فرائض، نوکری، حرفہ" مزدوری وغیرہ میں سستی کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے رزق حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو تقویٰ کی توفیق دے۔ اب میں اس سے زیادہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔

دوسرے خطبہ میں مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا کے متعلق فرمایا کہ انسان کو دکھ اور مصیبتیں آتی ہیں، اس کی اپنی ہی خطاؤں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

(الحکم جلد ۱۵ نمبر ۱۹، ۲۰---۲۱، ۲۸ مئی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۵-۲۶)

☆---☆---☆---☆
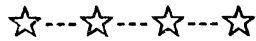
۲۶ر مئی ۱۹۱۱ء

حضرت خلیفۃ المسیح کا دوسرا خطبہ بعد علالت

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اس قدر جوش حضرت امیر المومنین کے دل میں ہے کہ باوجود اس قدر شدید گرمی اور ضعف کے آپ ۲۶ مئی کے جمعہ میں جامع مسجد میں تشریف لے گئے اور مندرجہ ذیل خطبہ پڑھا۔ (ایڈیٹر)

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰئِکَۃِ وَ الْکِتَابِ وَ النَّبِیّٖنَ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ السَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عَاھَدُوْا وَ الصَّابِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ:۱۷۸)۔

انسان پر جناب الٰہی نے بڑے بڑے کرم، غریب نوازیاں اور رحم کئے ہیں۔ اس کے سر سے لے کر پاؤں تک اس قدر ضرورتیں ہیں کہ یہ شمار نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ

اللّٰہِ لَاتُحْصُوْھَا (ابراھیم:۳۵) اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور غریب نوازیوں کا مطالعہ کرو تو کیا گن سکتے ہو؟ ایک بال جوان کا سفید ہو جائے تو گھبرا اٹھتا ہے اور حجام بلا کر نوچ ڈالتا ہے۔ اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیسی نعمت ہے۔ پھر کھانے پینے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کھانا غریب سے غریب آدمی کے سامنے بھی جو آتا ہے تو دیکھو کہ وہ پانی' غلہ' نمک کہاں کہاں سے آیا ہے اور اگر دال' گوشت' چاول بھی میز پر آجاوے تو دیکھو کہاں کہاں کی نعمت ہے اور ہر ایک کا جدا جدا مزا ہے۔ پھر ہوا' روشنی وغیرہ کوئی ایک نعمت ہو تو اس کا شمار اور ذکر ہو۔ کسی نے مختصر ترجمہ کیا ہے:۔

ابروباد مہ و خورشید ہم درکار اند

تا تو نانے بکف آری و غفلت نکنی

سورج' چاند کو دیکھتے ہیں۔ بادل اور ہوا کو دیکھتے ہیں۔ یہ سب تیری روٹی کے فکر میں ہیں۔ پھر جس کا کھائیں اور حکم نہ مانیں تو یہ نمک حرامی ہوئی یا کچھ اور؟ کوئی کسی کا نوکر ہو' اگر وہ آقا کی فرمانبرداری نہیں کرتا تو وہ نمک حرام کہلاتا ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے انسان پر کہ اللہ تعالیٰ کے لاانتہا انعام واکرام اس پر ہوں اور وہ غفلت کی زندگی بسر کرے۔ دو قسم کے لوگ دنیا میں ہیں۔ ایک کامیاب ہوتے ہیں' فاتح اور ملکوں کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ صحابہ پر بھی وہ وقت آیا۔ اس لئے فرمایا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ آجکل جو مشرق و مغرب کی طرف منہ کر رہے ہو جدھر توجہ کرتے ہو جناب الٰہی دستگیری کر رہا ہے اور خدا کی توجہ بھی اسی طرف ہے۔ پس یاد رکھو ہماری مہربانیوں سے آرام پاتے ہو اگر وہ باتیں جو ہم بیان کرتے ہیں تو تمہارا فاتح ہونا اور دلدار ہونا کچھ کام نہیں آئے گا۔[1] وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ نیک تو وہ شخص ہے یا نیکی تو اس شخص کی ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ ایمان کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی کامل صفات کو مان لینا۔ پھر جب انسان کامل طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے اور اپنے آپ کو اسی کے قبضہ قدرت میں یقین کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اسی کا ہو جاتا ہے۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ کسی چیز پر ایمان' وہ بری ہو یا بھلی اس کی پہچان کیا ہے؟ بھلی چیز پر ایمان ہو تو اس کے لینے میں مضائقہ نہیں کرتا۔ مثلاً کھانا آتا ہے اور بھوک ہو تو اس کے لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ لیکن اگر بجائے کھانے کے آگ سامنے رکھ دی جاوے تو ہرچند بھوک ہو مگر چونکہ جانتا ہے کہ یہ آگ ہے' ہاتھ اس کی طرف اٹھتا ہی نہیں۔ میرے جیسی فطرت تو آگ کو تاپنا

---

[1] نقل مطابق اصل

بھی پسند نہیں کرتی۔ بارہا میں نے سنایا ہے کہ اگر پانچ سو اونٹ کی قطار ہو تو ایک لڑکا بھی ان کی نکیل پکڑ کر لئے جاتا ہے۔ لیکن اگر اسے کنوئیں میں دھکیلنا چاہو تو پانچ سو آدمی بھی ایک اونٹ کو پکڑ کر کھینچیں تو وہ آگے نہیں بڑھتا۔ پس اسی طرح پر اگر انسان کو یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی قادر، رحیم، علیم، خبیر، رب، رحمان، رحیم اور مالک یوم الدین اور وہ شہنشاہ احکم الحاکمین ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر وقت یہ خواہش نہ ہو کہ اسے راضی کیا جاوے۔ پھر اس نے اپنے رسولوں کی معرفت بتا دیا ہے کہ وہ کسی بدی پر راضی نہیں۔ میں سمجھ ہی نہیں سکتا کہ ایک شخص ایمان حقیقی رکھ کر سب نبیوں کی مشترکہ تعلیم کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ کیا کسی بھی نبی کی تعلیم ہے کہ جھوٹ بولیں، دنیا کے حریص ہوں، کاہل بدمعاشوں سے تعلق پیدا کریں؟ خدا تعالیٰ اس کو کبھی پسند نہیں کرتا اور ان تمام بدیوں سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ اللہ پر ایمان ہو۔

پس جو شخص مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ کا مصداق ہو وہ تمام نیکیوں کا گرویدہ اور بھلائیوں کا پسند کرنے والا ہو گا۔ اگر اس طرح یہ سمجھ نہیں آتا تو ایک اور راہ ہے جس پر چل کر انسان بدیوں سے بچ سکتا ہے۔ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ یوم آخرت پر ایمان ہو کہ بدیوں کی سزا ملے گی اور نیکیوں کا بدلہ نیک ملے گا۔ اگر انسان جزائے اعمال کو مانتا ہو اور اسے ایمان ہو تو وہ بدیوں سے بچ جاتا ہے۔ ایک شریف الطبع انسان کو کہہ دیں کہ دو روپیہ دیتے ہیں، بازار میں دو جوتے لگا لینے دو، وہ کبھی پسند نہیں کرے گا۔ پھر یوم آخرت میں کب کوئی گوارا کر سکتا ہے۔ پس اس پر ایمان لا کر بدی نہیں کر سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک نوکر اپنے فرض منصبی میں سستی کر کے تنخواہ پا سکتا ہے۔ ایک اہل حرفہ دھوکہ دے کر قیمت وصول کر سکتا ہے۔ ایک شخص دوست کو دھوکہ دے کر آؤ بھگت کرا سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے لیکن اگر آخرت پر ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جا کر ان اعمال کی جوابدہی کرنا ہے تو ایسا عاقبت اندیش بدی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ ایک لڑکا جو قلاقند کھاتا ہے اور باپ کو کہتا ہے کہ نب لئے تھے یا کاپی لی تھی، وہ سوچ لے کہ اس کا انجام کیا ہو گا؟ ایسا ہی جو لڑکا اپنے ہاتھوں سے اپنے قوائے شہوانی کو تحریک دیتا ہے، اس کا نتیجہ لازمی ہے کہ آنکھ اور دماغ خراب ہو جاوے۔ ہر ایک کام کے انجام کو سوچو!

پھر نیکی کی تحریک کے لئے ملائک بڑی نعمت ہیں۔ وہ انسان کے دل میں نیکی تحریک کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے کہنے کو مان لے تو اس طبقہ کے جو ملائکہ ہیں، وہ سب اس کے دوست ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (حم السجدہ:۳۲) ایسی پاک مخلوق کسی کی دوست ہو اور کیا خواہش ہو سکتی ہے؟ پھر ایمان بالکتاب ہے اللہ کے فرمان اور حکم نامہ سے بڑھ کر کیا حکم

نامہ ہو گا۔ بہت سے افعال ہیں جن کی بابت لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ قانون' قاعدہ اور تحریر کے خلاف ہے۔ یہاں سے کیسی نصیحت ملتی ہے کہ جب قوم' برادری اور ملکی قوانین کی خلاف ورزی اچھے نتائج پیدا نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ کی کتاب' اس کے قوانین اور قواعد کے خلاف کر کے انسان کب سرخرو ہو سکتا ہے؟ یہ تمام امور انسان کے عقائد کے متعلق ہیں۔

جب عقائد کی اصلاح ہو جاوے تو انسان کی عملی حالت پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ فرمایا وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ (البقرة:۱۷۸) مال کو دے کہ اس کو محبت ہے یا خدا کی محبت کے لئے رشتہ داروں کو دے۔ رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنا بڑے بہادروں اور پاک بندوں کا کام ہے۔ کہیں شادی غمی' ناطہ رشتہ اور سلوک بد سلوک میں رنج پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر بہت سے مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے ان سے سلوک بڑا بھاری کام ہے۔ پھر یتامیٰ سے سلوک کرو۔ مساکین جو بے دست وپا ہیں ان کی خبر گیری کرے۔ ایک جلد ساز ہے اس کے پاس تراش نہیں یا اور ضروری سامان نہیں۔ موچی کے پاس چمڑا نہیں۔ لوہار کے پاس ہتھوڑا نہیں۔ یہ سب مساکین میں داخل ہیں۔ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ مسافروں کو دو۔ پھر سَآئِلِيْنَ کو دو۔ کیا خبر ہے ان کے پاس ہے یا نہیں' تم انہیں دو۔ وَ فِي الرِّقَابِ غلاموں کے آزاد کرنے میں خرچ کرو۔ دیوانی کے مقدمات میں قیدی ہو جاتے ہیں' ان کو چھوڑانے میں خرچ کرو۔

اس کے بعد اَقَامَ الصَّلٰوةَ اور اٰتَى الزَّكٰوةَ ہے۔ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز اللہ کی تسبیح و تحمید ہے۔ اللہ کے حضور دعا ہے۔ اس کے حضور جھک کر عرض کرنا ہے۔ اپنے محسن مربی خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اتباع کے لئے دعا ہے۔ پھر زکوٰۃ ہے۔ پھر وہ جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ پہلا اقرار تو قَالُوْا بَلٰى (الاعراف:۱۷۳) میں ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتا ہے تو چوری کیوں کرتا ہے؟ بدذاتی کیوں کرتا ہے؟ جاہل ہے' پھر مسلمان کہلا کر اسلام کے دعویٰ سے تمام نیکیوں کا اقرار کرتا ہے۔ اَلْبَاْسَآءِ انسان کو بیماری میں مشکلات آتے ہیں۔ مجھ پر تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا ہے۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں لگا۔ گویا سویا ہوا تھا بیدار ہو گیا۔ مومن اور نیک مرد وہی ہیں جو بیماری' غریبی میں نافرمان نہیں ہوتے۔ مقدمات میں سچائی کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ یہی لوگ راستباز اور متقی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں متقی کرے۔ جس قدر مجلس میں بیٹھے ہیں خدا ان سے راضی ہو اور ناراض نہ ہو۔ تم بھی خدا تعالیٰ سے راضی ہو اور وہ دستگیری کرے۔ کبھی اس کا شکوہ نہ کرو۔

خطبہ ثانیہ

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْإِحْسَانِ انصاف کرو یہ اللہ کا حکم ہے۔ دیکھو اگر تم کسی کو روپیہ دو اور وہ دھوکہ دے کر لے' کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی تمہارے ساتھ دھوکہ کرے؟ تم کسی کو ملازم رکھو اور وہ سستی سے کام کرے تو کیا تم پسند کرتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر تم دوسروں کے ساتھ کیوں بدی کرتے ہو؟ میں نے دیکھا ہے سردی کا موسم ہے اور سرد ہوا چل رہی ہے۔ بوندا بوندی ہو رہی ہے۔ ایک مزدور چوکیدار کہتا ہے۔ خبردار ہوشیار۔ وہ باہر پھرتا ہے۔ پھر کیسی افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ وہ چند پیسوں کے لئے اتنا محتاط اور اپنے فرض کو ادا کرتا ہے اور ہم خدا کے بے انتہا فضلوں کو لے کر بھی تہجد کے لئے نہ اٹھیں۔ پھر کوئی ہمیں گالی دے' بہتان باندھے تو ناپسند کرتے ہیں۔ پھر دوسروں پر کیوں بہتان باندھیں۔ دوسروں کے گھر کی فحش باتیں کیوں سنتے ہو؟ پھر تاکید ہے إِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى۔ بھائی ہے' بہن ہے' چچا ہے' ماں باپ اور بیوی کے رشتہ دار۔ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ جو بدیاں تمہاری ذات میں ہیں یا دوسروں پر اثر کرتی ہیں' ان سے رکو۔ پھر بغاوت سے منع کیا۔ بادشاہوں اور حکام کی مخالفت نہ کرو۔ یہ باتیں کیوں سکھاتا ہے؟ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:۲۲)۔

تم جانتے ہو کہ میں کس تکلیف سے آیا ہوں۔ صرف تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔ تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ جس کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں وہی بہتر بدلہ دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری طبیعت تو ایسی بنائی ہے کہ تمہارے اٹھنے اور سلام کا بھی روادار نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم متقی بنو۔ آمین

(الحکم جلد ۱۵ نمبر ۲۱' ۲۲ ـــــ ۷' ۱۴/ جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۹/ جون ۱۹۱۱ء

خطبہ جمعہ

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَایِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (النحل:۹۱)

میں بڑے ارادہ سے آیا ہوں۔ بڑے اخلاص کے ساتھ دردمند دل لے کے یہاں کھڑا ہوں۔ ایک طرف پاؤں مضبوطی سے کھڑا نہیں ہوتا' دوسری طرف بات کہنے کو جی چاہتا ہے۔ بیماری میں ساتواں مہینہ ختم ہونے کو ہے مگر اللہ تعالیٰ نے زبان کو محفوظ رکھا ہے۔ بہکی بہکی باتیں کبھی نہیں کیں۔ ڈاکٹروں سے پوچھا ہے۔ انہوں نے شہادت دی ہے کہ کلوروفارم سونگھنے کی حالت میں بھی کوئی بہکی بات میرے منہ سے نہیں نکلی۔ پس اس وقت بقائمی ہوش و حواس تمہیں چند باتیں کہتا ہوں جو تم میں سے مان لے گا اس کا بھلا ہو گا اور جو نہ مانے گا اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انصاف کرو۔ تم میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو چاہتا ہے یا پسند کرتا ہے کہ مجھے کوئی گالی دے یا میری کوئی ہتک کرے یا میرے ننگ و ناموس میں فرق ڈالے یا نقصان کرے یا بدی سے پیش آئے یا تحقیر کرے؟ میرا ملازم سستی سے کام لے؟ جب تم نہیں چاہتے تو

کیا یہ انصاف ہے کہ تم کسی کا مال ضائع کرو یا کسی کو نقصان پہنچاؤ یا کسی کے لڑکے یا لڑکی کو بد نظری سے دیکھو؟ تم عدل سے کام لو اور وہ سلوک کسی سے نہ کرو جو خود اپنے آپ سے نہیں چاہتے۔ اسی طرح جس سے پانچ دس روپے تنخواہ لیتے ہو اس کی فرمانبرداری کرتے ہو۔ پس جس نے آنکھیں دیں جن سے ہم دیکھتے ہیں' کان دیئے جن سے ہم سنتے ہیں' زبان دی جس سے ہم بولتے ہیں' ناک دیا' پاؤں دیئے جن سے ہم چلتے ہیں' عقل' فہم' فراست دی' اتنے بڑے محسن' اتنے بڑے مربی' اتنے بڑے خالق رزاق کی نافرمانی کریں تو کیا یہ عدل ہے؟ بس میں تمہیں بھی چھوٹا سا فقرہ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ سنانے آیا ہوں اور میں تمہیں دوسری دفعہ' تیسری دفعہ' چوتھی دفعہ تاکید کرتا ہوں کہ خدا کے معاملہ میں' اپنے معاملہ میں' غیروں کے معاملہ میں عدل سے کام لو۔ پھر اس سے ترقی کرو اور مخلوق الٰہی سے احسان کرو۔ اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا مطالعہ کر کے اس کی فرمانبرداری میں بڑھو۔

حلال روزی کماؤ۔ حرام خوری سے نیکی کی توفیق نہیں ملتی۔ شاہ عبدالقادر صاحب اپنا جوتا مسجد کے باہر اتارا کرتے اور شاہ رفیع الدین اندر لے جاتے پھر بھی ضائع ہو جاتا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے بتایا کہ ہم باہر جوتا اتار کر یہ نیت کر لیتے ہیں کہ جو لے جائے اس کے لئے حلال۔ چونکہ چور کمبخت کے نصیب میں رزق حلال نہیں اس لئے اس کو اسے اٹھانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ غرض اَكْلِ مَال بِالْبَاطِلِ نہ کرو اور بیویوں کے ساتھ احسان کے ساتھ پیش آؤ۔ بیوی' بچوں کے جننے اور پالنے میں سخت تکلیف اٹھاتی ہے۔ مرد کو اس کا ہزارواں حصہ بھی اس بارے میں تکلیف نہیں۔ ان کے حقوق کی نگہداشت کرو۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ (البقرۃ:۲۲۹)۔ ان کے قصوروں سے چشم پوشی کرو۔ اللہ تعالیٰ بہتر سے بہتر بدلہ دے گا۔

خطبہ ثانیہ

دوسرے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بے حیائیوں سے اور ان امور سے جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچے اور وہ منع کرے یا شریعت منع کرے اور بغاوت کی راہوں پر چلنے سے منع کرنا چاہتا ہے۔ وہ سننا کس کام کا جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ سنو! دل کو اس کے ساتھ حاضر کرو۔ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ۔ پھر اس پر عمل کرو۔ اگر عمل نہیں تو کوئی نیکی' کوئی ایمانداری' کوئی وعظ کسی کام نہیں۔

(الحکم جلد ۱۵ نمبر ۲۳'۲۴---۷'۱۴ / جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۳)

۲۳؍ جون ۱۹۱۱ء

خطبہ جمعہ

فرمایا۔ میری حالت یہ ہے کہ پانچ وقت کی نماز بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔ سجدہ زمین پر کرنا مشکل ہے۔ التحیات میں پاؤں کی حالت بدلانی پڑتی ہے۔ باوجود اس ضعف کے چونکہ دردمند دل رکھتا ہوں اس لئے تمہیں کچھ سنانا چاہتا ہوں۔

زمانہ میں آزادی کی ہوا چل رہی ہے۔ اکثر انگریزی خوان اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی بھی ضرورت میں کچھ متامل ہیں اور کچھ ہنسی اور پرانی جہالت یقین کرتے ہیں۔ پس ایسے وقت نصیحت کرنا مشکل امر ہے۔ تاہم دردمند دل والا کیا کرے گا۔ وہ تو کہے گا اور جس کو کہنے کی دھت ہے وہ رک نہیں سکتا۔ کہے گا کہ شاید کسی کو فائدہ پہنچے۔ پس تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کی راہوں پر چلتے چلتے اس حد تک پہنچ جاؤ گے کہ تمہاری موت فرمانبرداروں کی موت ہو۔ اور یہ حالت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے کہ انسان پہلے ہی تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرے۔

اس وقت سب سے بڑا مرض جو اسلامیوں میں ہے وہ باہمی تفرقہ ہے۔ ہماری آوازیں مختلف ہیں ' لباس مختلف ' کام مختلف ' کھانا پینا مختلف۔ باوجود اس اختلاف کے ہم میں وحدت کی ایک بات ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم سب مل کر خدا کی خادم جماعت بن جائیں۔ سو لوگوں کا اس طرف تو کچھ خیال نہیں اور

بیہودہ بحثیں لے بیٹھتے ہیں جن سے سوائے اس کے کچھ فائدہ نہیں کہ تفرقہ بڑھے۔

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تفرقہ ڈالنے اور تفرقہ بڑھانے والی باتیں چھوڑ دیں۔ ایسی لغو بحثوں سے جن سے نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا' منہ موڑ لو اور سب سے مل کر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (ال عمران:۱۰۴) حبل اللہ' قرآن مجید کو محکم پکڑو۔ دیکھو! لڑکوں میں ایک رسے کا کھیل ہے۔ اگر ایک طرف کے لوگ اور باتوں میں لگ جاویں تو وہ رسے میں کس طرح جیت سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر تم اور بحثوں میں لگ جاؤ گے تو قرآن مجید تمہارے ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔

بعض آدمی ایسی باتوں میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں کہ مثلاً مسیح کا باپ تھا یا نہ تھا۔ ایسی بحثوں سے کوئی دینی دنیوی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی بعض لوگ صدر انجمن احمدیہ کے انتظامات پر اعتراض کرنے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ سو تم سن لو کہ میرے اور صدر انجمن کے تعلقات دوستانہ اور پیری مریدی کے رنگ میں ہیں۔ میں ان کا پیر ہوں اور وہ میرے مرید ہیں۔ وہ محبت اور اخلاص کے ساتھ میرے فرمانبردار ہیں۔ ہم ان پر حکمران ہیں' جو چاہیں منوا لیتے ہیں۔ جو لوگ اس بارے میں کچھ بحث کرتے ہیں وہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ ان باتوں کو چھوڑ دیں کیونکہ ان کے واسطے یہ بحث فائدہ مند نہیں بلکہ نقصان دینے والی ہے۔ کیا انجمن تمہاری مرید ہے اور کیا اس تدبیر سے وہ تمہارے فرمانبردار ہو جاویں گے؟

نیز سن رکھو۔ دین اسلام میں بہت توسیع ہے۔ صحابہ کرامؓ آمین بالجہر بھی کہہ لیتے۔ آمین بالاخفاء بھی کر لیتے۔ سینہ پر بھی ہاتھ باندھتے اور ناف کے نیچے بھی۔ بسم اللہ جہراً بھی پڑھتے اور سراً بھی اور بعض تابعین ہاتھ چھوڑ کر بھی نماز پڑھتے رہے۔ ایسے اختلافات پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف ان مباحث سے بے ہودہ تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔ دل اللہ سے ڈرنے والا مانگو۔ بہت بولنے کی عادت کم کرو کہ بہت بولنے سے دل مرجاتا ہے۔ اور سب کے سب مل کر اتحاد و اتفاق سے کام کرو۔ خدا کا شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ آیا اور اس نے مختلف مذاہب والوں کو اختلاف کی آگ سے نکال کر بھائی بھائی بنا دیا۔

(بدر جلد ۱۰ نمبر ۳۵---۲۹ر جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

۲۱ / جولائی ۱۹۱۱ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَ مَآ اَدْرٰيكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ (القدر:۲ تا۶)

اور پھر فرمایا:۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم جب تشریف لائے تو اس وقت ان کی بعثت کی بڑی ضرورت تھی۔ لوگ نہ اسماء الٰہی کو جانتے تھے' نہ صفات الٰہی کو۔ نہ افعال سے آگاہ تھے' نہ جزاوسزا کے مسئلہ کو مانتے تھے۔ انسان کی بدبختی اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے مالک' اپنے خالق کے نہ اسماء کو جانے' نہ صفات کو۔ غرض لوگ اس کی رضامندی سے آگاہ تھے نہ اس کے غضب سے۔ ایسا ہی انسانی حقوق سے بے خبر۔

سب سے بڑا مسئلہ جو انسان کو نیکیوں کی طرف توجہ دلاتا ہے وہ جزا و سزا کا مسئلہ ہے۔ اگر شریف الطبع انسان کو معلوم ہو کہ اس کام کے کرنے سے میری ہتک ہو گی یا مجھے نقصان پہنچے گا تو وہ کبھی اس کے قریب نہیں پھٹکتا بلکہ ہر فعل میں نگرانی کرتا ہے۔ مختلف طبائع کے لوگ اپنے مالک کے اسماء' صفات کے علم اور جزاء سزا کے مسئلہ پر یقین کرنے سے نیکیوں کی طرف توجہ کرتے اور بداعمالیوں سے رکتے ہیں۔

چنانچہ ملک عرب میں شراب کثرت سے پی جاتی اور اَلْخَمْرُ حَمَآءُ الْاِثْمِ صحیح بات ہے۔ پھر فرمایا اَلنِّسَآءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ۔ سوم ملک میں کوئی قانون نہیں تھا۔ ایسا اندھیر پڑا ہوا تھا۔ جن سعادتمندوں نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا وہ پہلے بے خانماں تھے پھر بادشاہ ہو گئے۔ خشن پوش تھے حریر پوش بن گئے۔ نہ مفتوح تھے نہ فاتح' مگر اس اطاعت کی بدولت دنیا میں فاتح قوموں کے امام' خلفائے راشدین اور اعلیٰ مرتبت سلاطین کہلائے۔

یہ سب اس کتاب کی برکت تھی جسے اللہ نے ایسی اندھیری رات میں جسے لیلۃ القدر سے تعبیر کیا گیا ہے اپنے بندے پر نازل کیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ایسے ہی حالات میں ہم میں ایک مجدد کو بھیجا۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں شرک کا زور تھا۔ سو اس کی تردید میں آپ نے پوری کوشش فرمائی۔ قرآن مجید کا کوئی رکوع شرک کی تردید سے خالی نہیں۔ اس زمانے میں لوگوں میں یہ مرض عام تھا کہ دنیا پرستی غالب ہے' دین کی پروا نہیں۔ اس لئے آپ نے بیعت میں یہ عہد لینا شروع کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ کیونکہ دنیا پرستی کا یہ حال ہے کہ جیسے چوہڑے کا چھرا حلال حرام جانور دونوں پر یکساں چلتا ہے' اسی طرح لوگوں کی فکر اور عقل حرام حلال کمائی کے حصول پر ہر وقت لگی رہتی ہے۔ فریب سے ملے' دغا سے ملے' چوری سے ملے' سینہ زوری سے ملے' کسی طرح روپیہ ملے سہی۔ ملازم ایک دوسرے سے تنخواہ کا سوال نہیں کرتے بلکہ پوچھتے ہیں بالائی آمدنی کیا ہے؟۔ گویا اصل تنخواہ آمد میں داخل نہیں۔

مسلمانوں پر ایک تو وہ وقت تھا کہ اپنی ولادت' موت تک کی تاریخیں یاد اور لکھنے کا رواج تھا۔ یا اب یہ حال ہے کہ لین دین شراکت تجارت ہے مگر تحریر کوئی نہیں۔ اگر کوئی تحریر ہے تو ایسی بے ہنگم جس کا کوئی سر پیر نہیں۔ نہ اختلاف کا فیصلہ ہو سکتا ہے' نہ اصل بات سمجھ آ سکتی ہے۔ ہمارے بھائیوں کو چاہئے کہ وہ امام کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں "دین کو دنیا پر مقدم کروں گا"۔ پس وہ دنیا میں ایسے منہمک نہ ہوں کہ خدا بھول جاوے۔

پھر فرمایا کہ جھوٹے قصے اپنے وعظوں میں ہرگز روایت نہ کرو، نہ سنو۔ مخلوق الٰہی کو قرآن مجید سناؤ۔ ہدایت کے لئے کافی ہے۔

سلیمان کی انگشتری اور بھٹیاری کا بھٹ جھونکنے کا قصہ بالکل لغو اور جھوٹ ہے۔ اگر ایک پتھر میں جو جمادات سے ہے اتنا کمال ہے تو کیا ایک برگزیدہ انسان میں جو اشرف المخلوقات ہے یہ کمال نہیں ہو سکتا؟ انبیاء کی ذات میں کمال ہوتے ہیں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام:۱۲۵)

پس تم خوب یاد رکھو کہ انبیاء دنیا میں کبھی ذلیل نہیں ہوتے جیسے کہ سلیمان کی نسبت شیاطین نے دنیا میں مشہور کیا۔ اگر دنیا میں کوئی کسی کی شکل بن سکتا ہے تو امان ہی اٹھ جائے۔ مثلاً ایک نبی وعظ کرنے لگے۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ یہ نبی ہے یا نعوذ باللہ کوئی برا آدمی ہے؟ خدا نے ایسی باتوں کا رد فرما دیا ہے کہ مَا کَفَرَ سُلَیْمَانُ وَلٰکِنَّ الشَّیَاطِیْنَ کَفَرُوْا (البقرۃ:۱۰۳)۔ تم ایسی باتوں سے توبہ کر لو۔ اگر کوئی ایسا وعظ سنائے تو صاف کہہ دو کہ انبیاء کی ذات جامع کمالات ایسے افتراؤں سے پاک ہے۔

(بدر جلد ۱۰ نمبر ۳۹----۲۷؍ جولائی ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

۲۵/ ستمبر ۱۹۱۱ء

(خطبہ عید الفطر کے بعد وعظ)

فرمایا:-

میاں صاحب (صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد) نے آج عید کا خطبہ پڑھا ہے اور گزشتہ جمعہ کے دن بھی انہوں نے لطیف سے لطیف وعظ تمہیں سنایا تھا اور اگر تم لوگ غور کرتے تو وہ بہت ہی الطف بات ہوتی۔ میں نے اس خطبہ کی بہت قدر کی ہے اور اب بھی کرتا ہوں۔ وہ اپنے اندر نکات معرفت رکھتا تھا۔ میں امید کرتا ہوں کہ بہت سے شریف الطبع لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو گا۔ مگر بعض بلید الطبع، گندے، نابکار اور پلید طبع لوگ ہوتے ہیں۔ میں ہنوز اس خطبہ کی لذت میں تھا اور اس سے مجھے فرصت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ میرے سامنے ایک خبیث طبع شخص نے ایک لمبا شکایتی رقعہ کسی کی غیبت میں پیش کر دیا۔ آہ! ان معرفت کے نکتوں نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا۔ خدا کے کلام کی عجیب در عجیب باتوں سے بھی ایسے لوگ کچھ حاصل نہیں کرتے تو ہم انہیں کیا کہیں۔ یہ گندے بیمار ہیں۔ لطیف غذا بھی ان کے منہ میں جا کر گندی ہو جاتی ہے۔

میں نے تم سے معاہدہ لیا ہے کہ شرک نہ کرو۔ شرک کی باریک در باریک راہیں ہیں۔ بعض لوگ دعا کے واسطے مجھے اس طرح سے کہتے ہیں کہ گویا میں خدا کا ایجنٹ ہوں اور بہر حال ان کا کام کرا دوں گا۔ خوب یاد رکھو۔ میں ایجنٹ نہیں ہوں۔ میں اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ میری ماں اعوان قوم کی ایک عورت تھی۔ خدا کے فضل نے اسے علم عطا کیا تھا۔ میرا باپ ایک غریب محنتی آدمی تھا جو مختصر سی تجارت سے اپنا گذارا کرلیتا تھا۔ میں ایجنٹ نہیں ہوں۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرنا میرا کام ہے۔ خدا نے عجیب در عجیب رنگوں میں دعا کرنا مجھے سکھایا ہے۔ دعاؤں میں تڑپنا اور قسم قسم کے الفاظ میں دعا کرنا مجھے بتایا گیا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے یہ تعلیم دی ہے۔ میں ان دعاؤں میں کبھی کبھی قبولیت کے اثر بھی دیکھتا ہوں۔ مگر جماعت کے بعض لوگ دعا کرانے کی درخواست میں بھی شرک کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ کوئی تمہارا کارساز نہیں۔ میں علم غیب نہیں جانتا۔ نہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میرے اندر فرشتہ بولتا ہے۔ اللہ ہی تمہارا معبود ہے۔ اسی کے تم ہم سب محتاج ہیں' کیا مخفی اور کیا ظاہر رنگ میں۔ اس کی طاقت بہت وسیع ہے اور اس کا تصرف بہت بڑا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔ اس کا ایک نظارہ اس امر میں دیکھو کہ تم بھی مرزا کے مرید ہو اور میں بھی مرزا کا مرید ہوں۔ مگر اس نے تمہیں پکڑ کر میرے آگے جھکا دیا۔ اس میں نہ میری خواہش تھی اور نہ مجھ پر کسی انسان کا احسان ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی اور نہ یہ تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے۔ دیکھو میں بیمار ہوا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ اس کے بچنے کی امید نہیں۔ مگر میں زندہ بولتا موجود ہوں۔ خدا ہی کا علم کامل ہے' اس کا تصرف کامل ہے۔ اسی کے آگے سجدہ کرو' اسی سے دعا مانگو۔ روزہ' نماز' دعا' وظیفہ' طواف' سجدہ' قربانی اللہ کے سوا دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ بے ایمان شریروں نے لوگوں کے اندر شرک کی باتیں گھسا دی ہیں۔ کہتے ہیں قبروں پر جاؤ اور قبر والے سے کہو کہ تو ہمارے لئے خدا کے آگے عرض کر۔ اسلام نے ہم کو اس طرح کی دعا نہیں سکھائی۔

سو تم شرک کو چھوڑ دو اور چوری نہ کرو۔ جو شخص نوکر ہے اور اپنے فرائض منصبی کو ادا نہیں کرتا وہ چور ہے۔ جو شخص تجارت کرتا ہے اور اپنے لین دین کا حساب صاف نہیں رکھتا اور اس کا معاملہ صاف نہیں' وہ چور ہے۔ اس کے مال میں چوری کا حصہ شامل ہو جاتا ہے۔ تم شراکتیں کرتے ہو۔ بعد میں تمہارے درمیان جوت چلتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ یہی کہ حلال کھانے کی طرف توجہ کم ہے۔ کسب والا جو اپنے کسب میں شرارت کرتا ہے' جعل ساز' ٹھگ' یہ سب چور ہیں۔ کیونکہ وہ اکل بالباطل کرتے ہیں۔

تم شرک نہ کرو' چوری نہ کرو' بدکاری نہ کرو۔ بدکاری آنکھ کی بھی ہوتی ہے' بدکاری کان کی بھی ہوتی ہے اور بدکاری زبان کی بھی ہوتی ہے۔ کسی بدکاری کے بھی نزدیک نہ جاؤ۔ کسی پر بہتان نہ باندھو۔

ابوداؤد میں ایک حدیث آئی ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وبارک وسلم نے فرمایا کہ تمہاری طبائع' خواہشات' چال چلن' لباس' خوراک' تربیت' پرورش' سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لئے تم لوگوں میں اختلافات ہوتے ہیں۔ تم ایسے اختلافات کو مجھ تک نہ پہنچایا کرو۔ ان سے میرا دل دکھی ہوتا ہے۔ پس تم کو میں بھی اسی طرح کہتا ہوں کہ ایسی باتیں مجھ تک نہ پہنچاؤ۔ مگر تم پہنچاتے ہو اور میرا دل دکھاتے ہو۔ تم میں بعض شریر' گندے اور ناپاک لوگ ہیں وہ تمہیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔ ان میں بغض اور کینہ کا مرض ہے۔ وہ بدقسمت ہیں۔ وہ بہت بدقسمت ہیں۔ انہیں چاہئے کہ توبہ کریں اور جلد توبہ کریں۔ تم لوگ تفرقہ کو چھوڑ دو اور جھگڑے سے منہ موڑ لو۔ کوئی تمہارا اختلافی مسئلہ نہیں جس کا اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم اور اس کی تعلیم سے میں فیصلہ نہیں کر سکتا۔ تم اکثر جاہل ہو۔ خدا نے مجھے علم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیکی کی راہ پر آگہی دی ہے۔ تم میں گندے باہم لڑانے والے بھی ہیں اور وہ سخت گندے ہیں۔ وہ اس حکم الٰہی سے غافل ہیں جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَنَازَعُوْا (الانفال:۴۷) اور آپس میں جھگڑا نہ کر۔ فَتَفْشَلُوْا (الانفال:۴۷) پس بودے ہو جاؤ گے۔ وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ (الانفال:۴۷) اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔ تم نے مجھے دکھ دیا ہے۔ تمہاری تحریریں میں نے پڑھی ہیں اور ان سے مجھے سخت رنج پہنچا ہے۔ تم میں سے بعض چھوٹے چھوٹے لڑکے مجھ بڈھے کو سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سے خبردار رہو۔ اور وہ آپ خود بخود بلا اجازت مخلوق کے واعظ بنتے ہیں اور جوش بھرے کلمات منہ سے نکالتے ہیں۔ ان سے میرا دل بہت رنجیدہ ہے کیونکہ انہوں نے مجھے بہت دکھ دیا ہے۔ غرض آپس میں لڑائیاں چھوڑ دو۔ کینے چھوڑ دو۔ اگر دوسرا کوئی تمہیں کچھ کہے تو اس کی باتوں پر صبر کرو۔ ایسا نہ کرو کہ وہ تمہیں ایک ورق لکھے تو تم اس کے جواب میں چار ورق لکھو۔ صبر کے سوائے کبھی لڑائی ختم نہیں ہوتی۔ میں نہیں جانتا کہ میرا مرید کون ہے۔ میرا مرید وہی ہے جو ان معاہدات پر عمل کرتا ہے جو اس نے میرے ساتھ کئے ہیں۔ میرا مرید وہی ہے جو ان باتوں پر عمل کرے جو حضرت صاحب نے حکم دیئے تھے۔ بعض لوگ صرف تماشا کے طور پر باتیں سنتے ہیں وہ بدقسمت ہیں۔

مجھے کوئی غیب کا علم نہیں۔ میرا زخم باجرے کے دانہ کے برابر ہے۔ میرے گیارہ دوست ڈاکٹروں نے بڑے بڑے زور سے علاج کیا ہے مگر وہ اب تک اچھا نہیں ہوا۔ میں بچپن سے شرک سے بیزار' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا بدل معتقد اور زبان سے قائل ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان پر رحم کرے جس سے میں

نے یہ پاک تعلیم پائی۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اعتقاد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا متمم جزو ہے۔ اس کو بھی میں نے ابتدا سے پایا ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

کوئی میری باتوں کو پسندیدگی سے لے یا ناپسندیدگی سے، مجھے نہ اس کی پرواہ ہے نہ اس کی۔ میرا کام اس وقت تبلیغ ہے۔ ہاں میرے دل میں ایک جوش ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے درمیان جو تنازعات ہیں وہ دور ہو جائیں۔ تم ان جھگڑوں کو چھوڑ دو۔ ورنہ یاد رکھو کہ تم دنیا سے نہیں جاؤ گے جب تک کہ دکھ نہ پالو۔ لڑائی تنازع نہ کرو۔ توبہ کرو۔ جو حاضر ہے وہ سن لے۔ جو نہیں اس کو حاضرین سنا دیں۔ جو تم میں ان باتوں پر عمل کرنے والا ہے اس کا بھلا ہو گا اور جو نہیں مانتا اس کو میں اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔ والسلام علیکم۔

(بدر جلد ۱۰ نمبر ۴۴، ۴۵-- ۵/ اکتوبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۶، ۷)

۲۷/ اکتوبر ۱۹۱۱ء

مسجد اقصیٰ قادیان

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مسجد اقصیٰ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز پڑھائی۔ خطبہ میں آپ نے فرمایا۔

انسان کی فطرت ہے کہ اپنے سے زیادہ طاقت والے کی ہمیشہ اطاعت کرتا ہے۔ عقلمندوں کا یہی کام ہے۔ اور جو ایسا نہ کرے لوگ اسے ملامت کرتے ہیں۔ اسی فطرت انسانی کو نگاہ رکھ کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبٰرَكَ الَّذِىْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (الملک:۲) بہت برکت والا وہ رب ہے جس کے ہاتھ میں سب بادشاہی ہے۔ سارا جہان اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بڑا بناتا ہے اور جس گھرانے کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔ اسی طرح وہ ملکوں کو بڑھاتا ہے پھر انہیں زوال دیتا ہے۔ سب راج جس کے ہاتھ میں ہے وہ اللہ ہے۔ اگر تمہارا دل چاہتا ہے کہ کسی طاقتور کے ساتھ تمہارا تعلق ہو' اگر تمہاری خواہش ہے کہ کسی حکومت والے کے ساتھ تمہاری دوستی ہو' اگر تم پسند کرتے ہو کہ کوئی دولت والا تمہارا اپنا ہو تو یاد رکھو ہم بڈھے ہیں۔ معلوم نہیں کس وقت موت آجائے۔ ہماری بات یاد رکھو۔ اگر خدا کے ساتھ تمہارا

تعلق ہے تو سب کچھ تمہیں حاصل ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ میں نے بڑی بڑی ظاہری طاقتوں والے دیکھے کہ ان کے نام و نشان مٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بابرکت نہیں۔ وہ مٹی سے انسان کو بناتا ہے اور وہ بڑوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔ سب کچھ اسی کے اختیار مین ہے۔ یہ ایک نکتہ معرفت ہے۔ خدا کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ بعض لوگ یہی تجویزیں کرتے رہتے ہیں کہ ہم کس سے اور کس طرح روپیہ حاصل کریں اور پھر اسی میں مرجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی محبت اور اپنی کتاب کی محبت اور اپنے رسول کی محبت عطا کرے۔

سن رکھو کہ مجھے اللہ نے تین محبوب بخشے ہیں۔ سب سے پہلا میرا محبوب اللہ ہے۔ پھر اس کی کتاب ہے۔ پھر میرا محبوب وہ جامع کمالات انسانی ہے جس کے ذریعہ سے ان دو کا پتہ ملا۔ وہ خاتم الرسل ہے۔ اور میری دعا ہے کہ اسی پر اللہ تعالیٰ ہمارا انجام کرے۔ آمین

(بدر جلد ۱۱ نمبر ۱---۲ ر نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۰؍ نومبر ۱۹۱۱ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ کی کوئی حدوبسط نہیں' اسی طرح اس کے کلام کی بھی کوئی حدوبسط نہیں۔ لہٰذا کلام الٰہی کی تفسیر کو ہم کسی خاص معنی میں محدود نہیں کر سکتے۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ بظاہر چاہئے تھا کہ خدا ہی اس کی کوئی تفسیر کر دیتا مگر خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب کی کوئی تفسیر نازل نہیں فرمائی۔ پھر نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرآن شریف کی کوئی تفسیر نہیں کی۔ ان کے بعد خلفائے راشدین کا حق تھا انہوں نے بھی کوئی تفسیر نہیں کی۔ پھر فقہ کے ائمہ اربعہ گزرے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ ۸۴ ہجری میں ہوئے۔ بہت قریب وقت میں تھے۔ صحابہ کو دیکھا مگر کوئی تفسیر قرآن شریف کی نہ لکھی۔ پھر امام شافعی ہوئے۔ امام مالک ہوئے۔ امام احمد حنبل ہوئے۔ مگر کسی نے قرآن شریف کی تفسیر نہ لکھی۔ پھر محدثین بخاری' ترمذی' ابو داؤد بڑے شاندار لوگ گزرے ہیں۔ پر انہوں نے بھی کوئی تفسیر نہیں لکھی۔ صوفیائے کرام میں خواجہ معین الدین'

شہاب الدین سہروردی، حضرت مجدد شاہ نقشبند، حضرت سید عبدالقادر جیلانی بڑے عظیم الشان لوگ ہوئے۔ علم ظاہر کے ساتھ علم باطن بھی رکھتے تھے۔ مگر کسی نے کوئی تفسیر نہیں لکھی۔ حضرت شیخ شہاب الدین کی ایک تفسیر ہے۔ مگر اس میں انہوں نے اپنی کوئی تحقیقات نہیں لکھی۔ میں نے بھی ایک تفسیر لکھی تھی اور لوگوں نے اصرار کیا کہ جلد چھپواؤ۔ مگر میں نے سوچا کہ میری تفسیر کو دیکھ کر بعد میں آنے والے لوگ ان معنوں پر حصر کرنے لگیں گے کہ یہی معنے ہیں اور بس۔ اور اس طرح قرآن شریف کے حقائق و معارف کا دروازہ آئندہ کے لئے اپنے اوپر بند کریں گے۔ یہ مولا کریم کی کتاب ہے۔ ہر زمانہ کے مباحثات کا اس میں جواب ہے۔ اور ہر زمانہ کے لئے شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (یونس:۵۸) ہے۔ اس کو محدود نہیں کر دینا چاہیئے۔ ہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تفسیر میں لغت عرب سے باہر نہ نکلیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء جو قرآن شریف میں ہیں، ان سے باہر نہ جائیں۔ چودہ ضروریات اسلام ہیں۔ کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، یہ سات ہوئے۔ ایسا ہی سات عقائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان، فرشتوں پر، کتب الٰہیہ پر، انبیاء پر، تقدیر پر، جزاء و سزا پر، جن میں جنت و نار شامل ہیں۔ یہ کل چودہ باتیں ہیں جو تمام مسلمانوں میں مشترکہ ہیں اور ان کا منکر اسلام سے باہر ہے۔ یہ چودہ علوم ہیں۔ ان کے خلاف نہ کسی کا قول، نہ کسی کا فعل جائز ہے۔ کوئی تفسیر ان کے خلاف نہ ہو۔ سوم، تعامل کے برخلاف جو بات کوئی پیش کرے، وہ ماننے کے قابل نہیں۔ تفسیر کے وقت ان باتوں کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے اور اس کے بعد جس طرح خدا کے عجائبات بے انتہاء ہیں اسی طرح اس کے کلام کے معارف بھی بے انتہاء ہیں۔ قرآن شریف ایک سمندر ہے۔

(بدر جلد ۱۱ نمبر ۴، ۵ ------- ۱۶/ نومبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

33

۸ ؍ دسمبر ۱۹۱۱ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد آپ نے فرمایا:۔

وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَ وَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهِیْمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ۔ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۱ تا ۱۳۴)

دنیا کی بڑی بڑی قومیں اہل اسلام، تمام عیسائی، تمام یہودی، سارا یورپ، سارا امریکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑی تعظیم سے یاد کرتے ہیں اور سب ابراہیم علیہ السلام کے عظیم الشان انسان ہونے کے

معتقد ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام میں اس قدر خوبیاں اور برکتیں تھیں کہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابراہیم! اگر تمام آسمان کے ستارے اور زمین کے ذرات گن سکتا ہے تو گن۔ اسی قدر تیری اولاد ہو گی۔ مکہ معظمہ میں جہاں جہاں حضرت ابراہیم کھڑے ہوئے' جہاں جہاں چلے پھرے اور جہاں جہاں دوڑے ہیں یہ سب حرکات اللہ تعالیٰ نے عبادات میں داخل کر دیں۔ اخیر عمر میں ایک شہزادی بھی آپ کے نکاح میں آئی۔ ننانوے سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے ایک صالح اور نیک لڑکا عطا فرمایا۔ مال مویشی کثرت سے تھے اور بیبیاں اور بچے بھی تھے۔ دنیوی دلجمعی کے اسباب بھی سارے مہیا تھے۔ جب مہمان آیا تو معاً عِجْل حَنِیْذ بھنا ہوا گوشت مہمان کے سامنے لا حاضر کیا۔ اگر اسباب مہیا نہ ہوتے تو معاً یہ تیاری ناممکن تھی۔

وہ گر جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو یہ دین و دنیا کی برکتیں عطاء کی تھیں وہ کیا تھا؟ جو سارے پیغمبر موسیٰؑ داوٗدؑ عیسیٰؑ ساروں کو ابرہیمؑ کی ہی برکت سے حصہ ملا تھا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ میں بھی اسی مماثلت کی دعا سکھلائی ہے۔ جڑ ان برکتوں کی اور گر ان تمام نعمتوں کا کیا تھا؟ بس یہی ایک گر تھا اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ جب کہا اس کو اس کے رب نے کہ تو فرماں بردار ہو جا۔ عرض کیا کہ میں فرمانبردار ہو چکا۔ تو تو رب العالمین ہے۔ تیری فرمانبرداری سے کون اعراض کرے سوائے اس کے جو کہ بے وقوف ہو۔ اللہ اللہ! رب العالمین اور اس کی سچی فرمانبرداری! اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔

یہ گر دینی و دنیوی برکتوں کا نہ صرف اپنے ہی لئے ابراہیم علیہ السلام نے تجویز کیا بلکہ اپنے بیٹوں کے لئے اور ان بیٹوں نے ابراہیمؑ کے پوتوں کے لئے بھی یہی اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرۃ:۱۳۲) سے سبق حاصل کر کے استحضار موت کے وقت وصیتیں کیں۔ وَصّٰی بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ میں بھی تم کو تمام خوشحالیوں کا گر بتاتا ہوں کہ تم بھی رب العالمین کے فرمانبردار بن جاؤ۔ کسی میں تکبر فرمانبردار بن جانے میں حجاب ہوتا ہے۔ کسی میں کسل فرمانبرداری کے لئے حجاب ہوتا ہے۔ کسل کو دور کرو اور اتباع نبوی کا التزام رکھو۔ اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:۳۲)۔ دوسری جگہ فرمایا ہے

اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرة:۳۹)- مگر مشکل یہ ہے کہ یا تو کسل ہوتا ہے یا اپنی ہی اٹکل سے کاموں کے وقت اپنا ایک مذہب بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ متبع ہو جاؤ اور فرمانبردار بن جاؤ۔ آمین

(بدر جلد ۱۱ نمبر ۱۱-- ۱۴/ دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

☆-☆-☆-☆

۱۵ ؍ دسمبر ۱۹۱۱ء

خطبہ جمعہ

اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر:۲تا۴) کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

میں اس بات میں خوش ہوں کہ ہر روز مجھے دن میں چار مرتبہ روحانی غذا پہنچتی ہے۔ صبح مستورات میں درس قرآن شریف سناتا ہوں۔ دوپہر کو حدیث شریف باہر پڑھاتا ہوں۔ سہ پہر کو بھی درس تدریس ہی رہتا ہے۔ شام کو مغرب سے پہلے پھر درس قرآن شریف ہوتا ہے۔ ان چھوٹے دنوں میں روح کی ان بار بار کی غذاؤں کا میں بھی محتاج ہوں۔

کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا میں تنہا تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا کچھ خیر کثیر دیا اور دیتا جا رہا ہے۔ سکھوں کا مذہب صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ کو ایک مان لو اور دعا کر لو۔ کوئی زیادہ قیدیں اس مذہب میں نہیں۔ مگر باوجود اس آسانی کے پھر بھی اس مذہب میں کوئی ترقی نہیں۔ بخلاف اسلام کے کہ اس میں بہت ساری پابندیاں ہیں۔ نماز کی، روزہ کی، حج کی، زکوٰۃ کی اور دیگر

عبادات کی، معاملات کی، مگر باوجود ان تمام پابندیوں کے اسلام میں روز بروز ترقی ہے۔ یہ کیسا خیر کثیر ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عطا ہو رہا ہے۔ ایک ملا تو کہے گا کہ اَعۡطَیۡنَا صیغہ ماضی کا بمعنی مضارع ہے۔ آخرت میں آپ کو حوض کوثر عطا ہو گا۔ اَسۡلَمۡنَا۔ اس میں کلام نہیں کہ آخرت میں حوض کوثر آپ کو عطا ہو گا۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ دنیا میں جس کثرت سے آپ پر عطایات الٰہی ہوئے وہ بے حد و بے مثل ہیں۔ کوثر کا لفظ کثیر سے مشتق ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک ایک صحابی بیس، چالیس، بلکہ ساٹھ پر فاتح ہوا۔ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام مقبلانہ ایسا تھا کہ جس کی نظیر نہیں۔ پنجوقت نماز آپ خود پڑھاتے تھے۔ سارے قضایا آپ خود ہی فیصلہ کرتے تھے۔ بیویاں جس قدر آپ کی تھیں ان کی خاطرداری اس قدر تھی کہ سب آپؐ سے خوش تھیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کی عورتوں کی پوزیشن ہی کچھ ایسی تھی کہ زیادہ تکلفات نہ تھے۔ مگر عورتوں کی جبلت کا بیان یوں فرمایا ہے کہ مرد کی عقل کو چرخ دینے والی عورتوں سے بڑھ کر اور کوئی مخلوق میں نے نہیں دیکھی کہ عقلمند مرد کی عقل کو کھو دیتی ہیں۔

عورتوں پر ہر بات میں تشدد مت کرو۔ لڑکوں کو بھی مارنے اور سزا دینے کا میں سخت مخالف ہوں۔ حضرت صاحب بھی لڑکوں کو مارنے سے بہت منع کیا کرتے تھے۔ میں تو انگریزی پڑھا نہیں۔ سنا ہے کہ یونیورسٹی کی بھی یہی ہدایت ہے کہ استاد طلباء کو نہ مارا کریں۔ باوجود ان تاکیدوں کے لوگ بچوں کے مارنے سے باز نہیں آتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہمارا فرض منصبی ہے۔ وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ بہت لوگ ہیں کہ وعظ کرنا تو سیکھ لیتے ہیں مگر خود عمل در آمد نہیں سیکھتے۔ تمہارے ہاتھوں میں اب سلطنت نہیں رہی۔ اگر تم اچھے ہوتے تو سلطنتیں تم سے نہ چھینی جاتیں۔

(بدر جلد ۱۱ نمبر ۱۲---۲۱ر دسمبر ۱۹۱۱ء صفحہ ۲)

۲۵؍ دسمبر ۱۹۱۱ء

قبل دوپہر۔ قادیان

خطبہ نکاح

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے مفتی فضل احمد صاحب کا نکاح میاں اللہ دتا ساکن جموں کی دختر نیک اختر سے پڑھا۔ اس موقع پر حضور نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ ایڈیٹر کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

نکاح ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس میں انسان کا تعلق ایک اور وجود کے ساتھ ہوتا ہے اور انسان اپنی کم علمی کی وجہ سے نہیں جان سکتا کہ یہ تعلق مفید اور بابرکت ہو گا یا نہیں۔ بعض اوقات بڑے بڑے مشکلات پیش آجاتے ہیں یہاں تک کہ انسان کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا ہی احسان فرمایا ہے کہ ہم کو ایسی راہ بتائی ہے کہ ہم اگر اس پر عمل کریں تو انشاء اللہ نکاح ضرور سکھ کا موجب ہو گا اور جو غرض اور مقصود قرآن مجید میں نکاح سے بتایا گیا ہے کہ وہ تسکین اور مودۃ کا باعث ہو' وہ پیدا ہوتی ہے۔

سب سے پہلی تدبیر یہ بتائی کہ نکاح کی غرض ذَاتَ الدِّیْنِ ہو۔ حسن و جمال کی فریفتگی یا مال و دولت کا حصول یا محض اعلیٰ حسب و نسب اس کے محرکات نہ ہوں۔ پہلے نیت نیک ہو۔ پھر اس کے بعد دوسرا

کام یہ ہے کہ نکاح سے پہلے بہت استخارہ کرو اور دعائیں کرو۔

دعاؤں اور استخاروں کے بعد جب نکاح کا موقع آتا ہے تو جو خطبہ اس وقت پڑھا جاتا ہے وہ یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَ لَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (اٰل عمران:۱۰۳) یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (النسآء:۲)۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا۔ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (الاحزاب:۷۱،۷۲)۔

ترجمہ:۔ سب تعریفیں واسطے اللہ کے۔ ہم حمد کرتے ہیں اور ہم مدد چاہتے ہیں اور ہم استغفار کرتے ہیں اور پناہ مانگتے ہیں اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ قرار دے اسے ہدایت کرنے والا کون؟ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اے ایماندارو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ کرنے کا حق ہے۔ اور تم ایسے محتاط رہو کہ تمہاری موت فرمانبرداری کی حالت میں ہو۔ اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی قسم سے اس کا زوج پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اور جس کا آپس میں واسطہ دیتے ہو۔ اور ناطے والوں کے حقوق کی محافظت کرو۔ اللہ تم پر نگہبان ہے۔ اے ایماندارو! اللہ سے ڈرو اور سچی بات کہو۔ سنوار دے تمہارے کام اور بخش دے تمہارے گناہ۔ اور جو اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی پس وہ بڑا کامیاب ہوا۔

اس خطبہ میں بھی اس امر کی طرف متوجہ کیا ہے کہ ان دعاؤں سے کام لے اور اپنے اعمال و افعال کے انجام کو سوچے اور غور کرے۔ پھر نکاح کی مبارکباد کے موقع پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا سکھائی بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ وَ بَارَکَ عَلَیْکَ وَ جَمَعَ بَیْنَکُمَا فِیْ خَیْرٍ (جامع ترمذی کتاب النکاح باب ماجاء للتزوج) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اور تم دونوں پر برکت نازل کرے اور تم دونوں کو نیکی پر

جمع کرے۔ پھر مباشرت کے وقت بھی دعا سکھائی۔ ایسے وقت میں کہ انسان جوش میں بے خود ہوتا ہے اس وقت میں بھی دعا کی طرف متوجہ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی دلیل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے کتنا عظیم تعلق ہے۔ یہ بات ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت قلب اور باخدا زندگی کا پتہ لگتا ہے۔ ایسے وقت میں کہ انسان کی شہوانی قوتیں ہیجان میں ہوں اسے خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا معمولی امر نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ نے حکم دیا کہ اس وقت انسان دعا کرے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (بخاری کتاب الدعوت باب مایقول اذااتی اهله) اللہ کے نام سے یا اللہ! ہم کو شیطان سے دور رکھ اور اس وجود کو بھی شیطان سے بچائیو جو تو نے ہم کو عطا کیا۔ یعنی اس تعلق سے جو اولاد پیدا ہو اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھیو۔

اس دعا میں عجیب فلسفہ ہے۔ موجودہ دنیا میں یہ طبی انکشاف ہوا ہے کہ جماع کے وقت بلکہ اس سے بھی پہلے ایک سال تک کے خیالات کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ مگر دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیسی دور تک گئی ہے۔ آپ نے نکاح کے پاک تعلق سے بھی پہلے ایسی تربیت شروع کی کہ دعاؤں میں انسان نشو و نما پائے۔ اب جس شخص نے دعاؤں اور استخاروں کے بعد نکاح کیا اس کے خیالات اور ارادوں کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ پھر جب جماع کے وقت وہ شیطان سے محفوظ رہنے کی دعا کرے گا تو تم سوچو کہ بچے میں ان کا کیسا پاک اثر پڑے گا۔ اور پھر جس تربیت کے نیچے بچے کو آئندہ رکھا جاتا ہے وہ جدا امر ہے۔

غرض انسان دعاؤں سے بہت کام لے۔ اگر کسی شخص سے یہ کوتاہی ہو گئی ہو کہ کوئی اس طریق پر نکاح نہ کر سکا ہو اور اسے دعاؤں کا یہ موقع نہ رہا ہو تو پھر بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک احسان ہم پر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسے لوگ سچے دل سے یہ پڑھیں اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ اخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا (جامع مسلم کتاب الجنائز)۔ میرا ایمان ہے اگر کوئی شخص سچے دل سے یہ دعا پڑھے اور استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ ان غلطیوں کے برے نتائج سے اسے محفوظ رکھے گا۔ غرض نکاح میں ان امور کو مد نظر رکھو اور ضرور رکھو۔ ان باتوں کو دوسرے لوگوں تک پہنچا دو۔

(الحکم جلد ۱۶ نمبر ۱---۷ جنوری ۱۹۱۲ء صفحہ ۹)

☆-☆-☆-☆

۱۹ ؍ اپریل ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح نے اس جمعہ کے خطبہ میں قوم کو اپنے عہد پر جو ان کے دست مبارک پر کیا ہے ثابت قدم رہنے اور اپنے میں نیک نمونہ بنانے کی تاکید فرمائی کیونکہ عہد شکنی کا نتیجہ نفاق ہے۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (التوبۃ:۷۷)۔

اور فرمایا کہ:۔

بدظنی سے اور بدنام ہونے سے بچو۔ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرۃ:۷۳) جو کچھ تم چھپاتے ہو اللہ اسے ظاہر کرنے والا ہے۔ جو شخص ایک انسان کے سامنے تو بدی کرنے سے جھجکتا ہے مگر خدا کو حاضر ناظر جان کر پھر بدی کرتا ہے، اس نے خدا کو نہیں پہچانا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اعمال کی توفیق بخشے۔ (الحکم جلد ۱۶ نمبر ۱۵، ۱۶---۲۱، ۲۸ ؍ اپریل ۱۹۱۲ء صفحہ ۹)

☆-☆-☆-☆

۲۷؍ ستمبر ۱۹۱۲ء

مسجد اقصیٰ قادیان

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ میں سورۃ نٓ وَالْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ۔ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (القلم:۲،۳) کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

دنیا میں انسان ایک عجب معجون ہے۔ اس نے زمین کو پھاڑا۔ پہاڑوں کو چیرا۔ سمندر کی تہ سے موتی نکالے۔ ہوا، سمندر، روشنی پر حکومت کرتا ہے۔ باوجود اس کمال کے کسی اور کے نمونہ کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔ تاجر کسی بڑے تاجر، سپاہی کسی بڑے کمان افسر کی طرح بننا چاہتا ہے۔ راولپنڈی کے ایک دربار میں پرنس آف ویلز کی شان و شوکت دیکھ کر ایک احمق نے مضمون لکھا کہ کاش میں ہی پرنس ہوتا۔ ایک میرا دوست مرض جذام میں گرفتار یہاں آیا۔ مجھے کہنے لگا عقل مند نہیں معلوم ہوتے۔ آپ مجھے اجازت دیں میں کوشش کروں۔ فوراً آپ کو زمین کے بڑے مربعے دلا سکتا ہوں۔ آپ بادشاہ بن جائیں گے۔ میں نے اسے کہا تم نہیں جانتے۔ خوشی اور شے ہے۔ تم مجھے زمین دلواتے ہو۔ خود تو بڑے زمیندار ہو۔ مگر دیکھو تم میں ایسی بیماری ہے کہ تمہارے رشتہ دار بھی تم سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر وہ زمین کس کام۔

غرض ہر شخص کسی نمونہ کو سمجھنے کا خواہشمند ہے۔ کوئی حسن و جمال کا شیدا، کوئی ناموری چاہتا، کوئی

حکومت کو پسند کرتا' کوئی کسی اور بڑائی کا حریص ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ ان کے واسطے ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ دوات اور قلم ہو اور اس سے جو کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ سیاسی لوگ سیاست پر کتب لکھتے' ناولسٹ ناول لکھتے اور مختلف لکھنے والے مختلف اشیاء پر لکھتے۔ اور ان کی تحریریں جمع کرو۔ یہ ثابت ہو گا کہ محمد رسول مجنون نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ خلقت کے سامنے پیش کیا وہ حق و حکمت سے پر اور اس نے جو تحریر پیش کی ہے اس کا مقابلہ کوئی تحریر دنیا بھر کی نہیں کر سکتی۔ تمام تعلیمات جن پر عمل کر کے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ مجنون کے نہ رونے کی کسی کو پرواہ ہے۔ نہ اس کے ہنسنے کی کسی کو خواہش ہے۔ نہ اس کی طاقت کی قدر ہو سکتی ہے۔ وہ سارا دن سوئے' جاگے' بیٹھے۔ سردی میں ننگا' گرمی میں لحاف لئے۔ اس کی محنت کا بدلہ نہیں۔ لیکن اے نبی! تیری محنتوں کا ثمرہ غیر ممنون ہے۔ اس کا خاتمہ نہیں۔ ہم نے خود تجربہ کیا ہے۔ آنحضرت کے ہر کام کا پھل ہمیشہ قائم ہے۔

پھر مجنون کے اخلاق نہیں ہوتے۔ وہ دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنالیتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم بڑے اخلاق اعلیٰ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ قرآن لائف آف محمد ہے خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ۔

پھر فرمایا۔ دیکھو اے مخالفو! اس کے مقابلہ میں کسی کا زور نہ چلے گا۔ یہ بھی دیکھے گا اور تم بھی دیکھو گے کہ کون فتحمند ہوتا ہے؟ عرب اور عجم کوئی اس کے بالمقابل کامیاب نہ ہو سکے گا۔ یہ اس کی صداقت کی دلیل ہے۔

اگر تم کوئی نمونہ اعلیٰ چاہتے ہو اور وعدہ خداوندی فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ علم کیلئے قرآن شریف اور عملی زندگی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا عملدرآمد بس ہے۔

آج سمت ۱۹۰۹ ہے۔ اس سے پیچھے جاؤ تو میری یادداشت میں سمت ۱۹۰۲ کی باتیں موجود۔ سمت ۱۹۰۳ میں مجھے خوب یاد ہے کہ ایک ڈاکو پکڑا گیا تھا اور سکھوں نے اس کا سر کاٹ کر بھیرہ کے دروازہ چٹی پلی پر لٹکا دیا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے۔ غرض اس وقت سے لے کر آج تک جس نسخہ کو بہت آزمایا اور سچا پایا ہے وہ یہی کہ فتح اور نصرت اور کامیابی کے حصول کا ایک ہی نسخہ قرآن شریف ہے۔

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۱۵--- ۱۰/ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

☆-☆-☆-☆

۱۱/ اکتوبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

تشہد' تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (المدثر:۲تا۴)۔

اور پھر فرمایا:۔

یہ سورۃ المدثر کا ابتدا ہے۔ یہاں فرمایا ہے۔ کس نے فرمایا ہے؟ تمہارے رب' محسن' مربی' منعم اور بڑے بادشاہ نے فرمایا ہے۔ اس مولا نے جس نے تم کو ہاتھ' ناک' کان دیئے۔ ایسا محسن' مربی اپنی پاک کتاب میں فرماتا ہے۔ يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ ہوا اور کھانے پینے کے بغیر کسی کا گزارہ نہیں ہوتا مگر اب بھی ایسی قومیں ہیں کہ وہ کپڑے وغیرہ کا استعمال نہیں جانتیں۔ بنارس میں ایک سادھو تھا۔ وہ ننگا رہا کرتا تھا۔ لوگ اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ افریقہ میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ بیویوں سے بھی تعلق رکھتے ہیں مگر ان میں وحشت ہے اور ننگے رہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتا ہے کہ ہم نے تجھ کو لباس پہنایا۔

قُمْ فَاَنْذِرْ اس لئے کھڑا ہو جا اور کھڑے ہو کر' جو لوگ بدکار ہیں' نافرمان ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکموں کی پرواہ نہیں کرتے' ان کو ڈراؤ۔ میرا خیال ہے کہ جو حکم کوئی بادشاہ کسی جرنیل یا بڑے حاکم کو دیتا ہے' اس کی تعمیل اس کی سپاہ اور رعایا پر بھی فرض ہو جاتی ہے۔ یہ حکم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اس لئے یہ ہم پر بھی فرض ہے۔ بہت سارے لوگ ایماندار بھی بنتے ہیں اور پھر شرک

بھی کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کا اگر تم حکم مانو گے تو وہ تم کو گمراہ کردیں گے۔ خدا کا حکم مانو۔

بادشاہ اور بڑے بڑے حکام لوگوں کی اصلاح کے لئے کیسے کیسے قانون بناتے ہیں اور دو تین برس اس کی نگرانی کرتے اور پھر اس کو جاری کرتے ہیں۔ پھر اس پر نظر ثانی کرکے اصلاح کرتے ہیں۔ پھر اس کو شائع کرتے ہیں۔ غرض مقنن اور تجربہ کار لوگ کیسی کیسی تکلیفیں لوگوں کی بھلائی کے لئے برداشت کرتے ہیں۔ لیکن لوگ اس کی بھی نافرمانی کرتے ہیں۔ دیکھو! پولیس کیسی کوشش لوگوں کے امن وامان کے لئے کرتی ہے۔ اگرچہ پولیس میں بھی بعض بدکار پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن تاہم وہ لوگوں سے چوری بدکاری چھڑانے میں کوشاں رہتی ہے۔ لیکن جس قدر نئے نئے قانون وضع ہوتے ہیں اسی قدر شریر لوگ شرارت کی راہیں نکال لیتے ہیں۔

اس لئے ہر ایک شخص کو تم میں سے چاہئے کہ وہ اٹھ کر ہر روز لوگوں کو سمجھائے۔ اگر کوئی کسی کی بات نہیں مانتا تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں۔ لوگ بادشاہوں' حکام اور دیگر اپنے بہی خواہوں کی نافرمانی کرتے ہیں' اس لئے خدا کا حکم ہے کہ تمہارا کام سمجھانا اور ڈرانا ہے۔ تم اپنا کام کئے جاؤ۔ لوگوں کو سمجھاتے جاؤ اور ڈراتے جاؤ۔ اور اس ڈرانے میں یہ کوشش کرو کہ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ یعنی خدا تعالیٰ کی عظمت جبروت کا ذکر ہو اور اپنی غلطیوں کی بھی اصلاح کرو۔ چوری' بدنظری' بدکرداری اور دیگر تمام بدیوں کو پہلے خود چھوڑ دو۔ اور یہ وعظ اس لئے نہ ہو کہ بس آپ کھڑے ہوئے یہ کہو کہ میرے لئے کچھ پیسے جمع کرو۔ بلکہ محض اللہ کے لئے کرو۔

میں سَالَ سَائِلٌ کے لئے پکا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ الٰہی کچھ اسی طرح تھا۔ یہ بڑا معرفت کا نکتہ ہے جو میں نے تمہیں سنایا ہے۔ دوسروں کو ضرور ہر روز نصیحت کرو۔ اس سے تین فائدے ہوتے ہیں۔ اول خدا کے منکر نہی عن المنکر کی تعمیل ہوئی ہے۔ دوسرے ممکن ہے کہ جس کو نصیحت کی جائے اس کو نیک کاموں کی توفیق ملے۔ تیسرے جب انسان اپنے نفس کو مخاطب کرتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے اور اس کی بھی اصلاح ہوتی ہے۔ تمہارے بیان میں خدا کی عظمت اور اس کی قدرت وتصرف کا ذکر ہو۔ اس کا تین طرح دنیا میں مقابلہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ تو منہ پر کہہ دیتے ہیں کہ نہ ہم مانتے ہیں اور نہ ہم سننا چاہتے ہیں۔ اور بعض سنتے ہیں مگر عمل کرنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ قسم قسم کے وجوہات نکال کر واعظ میں نکتہ چینی کرتے ہیں مگر واعظ کو چاہئے کہ اللہ کے لئے صبر کرے اور اپنا کام کرتا چلا جائے۔ (بدر جلد ۱۲ نمبر ۱۸ ---- ۳۱ / اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۳)

۱۸؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت خلیفہ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

یٰاَیُّھَا الْمُزَمِّلُ۔ قُمِ الَّیْلَ اِلاَّ قَلِیْلاً۔ نِّصْفَہٗ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلاً۔ اَوْزِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلاً ثَقِیْلاً۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاءً وَّ اَقْوَمُ قِیْلاً۔ اِنَّ لَكَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلاً۔ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلاً۔ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَكِیْلاً۔ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ اھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلاً۔ (المزمل:۲تا۱۱)

اور پھر فرمایا:۔

ہماری سرکار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم وحی الٰہی کی عظمت اور جبروت کو دیکھ کر بہت گھبرائے۔ بدن پر لرزہ تھا۔ گھر میں تشریف لائے اور اپنی بی بی سے کہا دَثِّرُوْنِیْ (بخاری باب تفسیر سورہ المدثر) کہ میرے بدن پر کپڑا ڈھانک دو۔ انہوں نے اوڑھائے۔ اس حالت کا نقشہ کھینچ کے

جناب الٰہی فرماتے ہیں کہ تمہارا کام سونے کا نہیں۔ اٹھو اور نافرمان لوگوں کو ڈراؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ تمہارے بیان میں خدا کی عظمت اور جبروت کا ذکر ہو۔ اور قبل اس کے کہ دوسروں کو سمجھاؤ اپنے آپ کو بھی پاک وصاف بناؤ۔ اس سورۃ میں یوں فرمایا کہ رات کو اٹھ' مگر کچھ حصہ رات میں آرام بھی کرو۔ رات کو قرآن شریف بڑے آرام سے پڑھو۔ میری اپنی فطرت گواہی دیتی ہے کہ جب کسی عظیم الشان انسان کو کوئی حکم آجاتا ہے اور اس میں کوئی خصوصیت بھی نہ ہو تو چھوٹے لوگ بطریق اولیٰ اس حکم کے محکوم ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں ایک وہ لوگ ہیں جو خود کپڑا پہننا نہیں جانتے۔ وہ دوسروں کو لباس تقویٰ کیا پہنائیں گے۔ پہلے لباس تو پہننا سیکھو۔ جب شرم گاہوں کو ڈھانک لوگے تو تم پر رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا کا حکم جاری ہو گا۔ عام طور پر مسلمانوں کو یہ موقع ملا ہوا تو ہے مگر وہ اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔ مسلمان عشاء کے وقت تو سوتے ہی نہیں۔ مگر اس کو بھی ضائع ہی کر دیتے ہیں۔ اگر توبہ و استغفار کریں تو اچھا موقع ہے۔ پھر اگر عشاء کے بعد ہی سو جائیں تو چار بجے ان کو تہجد اور توبہ کا موقع مل جائے۔ بڑے بڑے حکم الٰہی آتے ہیں۔ مگر مزا ان میں تبھی آتا ہے جب ان پر عمل درآمد بھی ہو۔ انگریزی خوان تو تین تین بجے تک بھی نہیں سوتے۔ پھر بھلا صبح کی نماز کے لئے کس طرح اٹھ سکتے ہیں۔ او کپڑے پہننے والو! تم اتنا کام تو ہمارے لئے کرو کہ ہماری کتاب کے لئے کوئی وقت نکالو۔

میرے بچے نے کہا کہ ہم کو لمپ لے دو۔ ہم رات کو پڑھا کریں گے۔ میں نے اس کو بھی کہا کہ رات کو لمپ کے سامنے پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے دن ہی کافی ہوتا ہے۔ رات کو قرآن شریف پڑھا کرو۔

رات کو اگر تم جناب الٰہی کو یاد کیا کرو تو تمہاری روح کو جناب الٰہی سے بڑا تعلق ہو جائے۔ مومن اگر ذرا بھی توجہ کرے تو سب مشکلات آسانی سے دور ہو جائیں۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيْلًا اللہ تعالیٰ کا نام لو اور رات کو جہان سے منقطع ہو جاؤ۔

مومن کو حضرت یوسفؑ کے بیان میں پتہ لگ سکتا ہے کہ جس شخص کا کسی چیز سے محبت و تعلق بڑھ جاتا ہے تو وہ اپنے محبوب کا کسی نہ کسی رنگ میں ذکر کر ہی دیتا ہے۔ میں جن جن شہروں میں رہا ہوں اپنی مجلس میں مجھے ان کی محبت سے کبھی نہ کبھی ذکر کرنا پڑتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مجلس میں دو شخص آئے اور کہا کہ ہم نے ایک خواب دیکھی ہے۔ اس کی تعبیر بتلا دو۔ آپ نے فرمایا۔ کھانے کے وقت سے پہلے ہم آپ کو تعبیر بتلا دیں گے۔ پھر

آپ نے کہا کہ دیکھو ہم کو علم تعبیر کیوں آتا ہے، تم کو کیوں نہیں آتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے شرک کو چھوڑا۔ تم بھی چھوڑ دو۔ دیکھو دو گھروں کا ملازم ہمیشہ مصیبت میں رہتا ہے۔ کام کے وقت ہر ایک یہ کہتا ہے کہ کیا تو ہمارا ملازم نہیں۔ لیکن تنخواہ دینے کے وقت کہتے ہیں کہ کیا دوسرے کا کام نہیں کیا؟ اس لطیف طریقہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے شرک کی برائیاں بیان کیں اور پھر یہ بھی کہا کہ انبیاء پر ایمان لانا اور خدائے واحد کو ماننا ضروری ہے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلاً۔ کے یہی معنے ہیں کہ انسان دن میں ذکر الٰہی سے غافل نہ رہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ رات کو علیحدگی میں اپنے مالک کو یاد کرو۔ اگر تم کو یہ خیال پیدا ہو علیحدہ رہنے سے کیا فائدہ ہو گا تو یاد رکھو کہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلاً پس یاد رکھو کہ جس پاک ذات نے تجھ کو علیحدگی اختیار کرنے کو کہا ہے وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔ اس کو اپنا کارساز سمجھو، وہ تم کو سب کچھ دے گا۔

پس میرے بھائیو! غور کرو۔ تم نے دن میں بہت کام کیا ہے۔ رات ہو گئی۔ سونا اور مرنا برابر ہے۔ ایسے وقت میں سوچو کہ تم نے جناب الٰہی کی کس قدر یاد کی ہے۔

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۲۲--- ۲۸/ نومبر ۱۹۱۲ء)

☆-☆-☆-☆

۲۵؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نوح کی ابتدائی آیات پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

استغفار اور توجہ الی اللہ سے کام لو۔ نوح نے اپنی قوم کو عذاب سے پہلے ڈرایا تھا۔ میں بھی تمہیں ڈراتا ہوں۔ اپنی اصلاح کرو۔ نوح کی قوم نے اس دعوت الی الحق کی قدر نہیں کی تو اس کا نتیجہ جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ ایسا نہ ہو اس دعوت کو بے پروائی سے سننے کا بدلہ تم کو بھگتنا پڑے۔

چونکہ اول مخاطب آپ کی قادیان کی جماعت تھی اور ہے اس لئے انہیں ان کی کمزوریوں سے مطلع کیا اور جو جو فروگذاشتیں مہاجرین قادیان سے ہوتی تھیں ان پر انہیں متنبہ کر کے ترقی کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(الحکم جلد ۱۶ نمبر ۳۳ ۔۔۔ ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۱۰)

☆-☆-☆-☆

۲۸؍ اکتوبر ۱۹۱۲ء
مسجد اقصیٰ۔ قادیان

خطبہ نکاح

سید شاہ امیر صاحب نائب تحصیلدار کا نکاح سید امیر حیدر صاحب کی لڑکی سے مورخہ ۲۸ / اکتوبر ۱۹۱۲ء کو بعد از درس مسجد اقصیٰ میں پڑھا گیا۔

تشہد اور مسنونہ آیات کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا:۔

یہ بات میں نے کئی مرتبہ سنائی ہے کہ ہمارے رسول، قرآن اور عقل کا منشاء ہے کہ ہر مسلمان کچھ عربی بھی سیکھے۔ نماز ہماری عربی میں ہے۔ تمام دعائیں ہماری عربی میں ہیں۔ پھر اگر ہم عربی نہیں جانتے تو ہم نے نماز ہی کو کیا سمجھا۔ ہماری ملاقات کا ذریعہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بھی عربی میں ہے۔ اسی طرح نکاح میں، غمی میں، بچہ کی پیدائش کے وقت کان میں اذان دینے میں۔ غرضیکہ ہمارے ہر کام میں عربی کو دخل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کو عربی کا سیکھنا ضروری ہے۔

نکاح ایک مدرسہ ہے جس میں نوجوان ایک نئی تعلیم کے لئے داخل ہوتا ہے۔ اگر وہ کہیں پردیس میں چلا جاتا تو کسی کے دکھ سکھ میں شریک نہ ہوتا۔ نکاح کے بعد ایک عورت جس نے کبھی چڑیا کا بچہ بھی

نہ دیکھا ہو وہ ایک اجنبی سے مخلی بالطبع ہو جاتی ہے۔ پھر وہ دونو ایک دوسرے کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں باوجودیکہ ایک دوسرے کے اخلاق سے اطلاع نہیں ہوتی۔

جناب الٰہی نے نکاح کے سات اغراض رکھے ہیں۔ لِتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا (الروم:۲۲) بیاہ کے بعد اگر خدا چاہے تو انسان کو آرام ملتا ہے۔ انسان کی آنکھ' ناک' کان وغیرہ بدی کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ سکون قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ نکاح آرام کے لیے ہوتا ہے' بے آرامی کے لیے نہیں ہوتا۔

میں نے خود کئی بیاہ کئے۔ ہر بیاہ میں مجھے بڑا آرام ملا۔ وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً (الروم:۲۲)

عورتوں کو ہمارے ملک میں کوئی تعلیم نہیں دیتا۔ مناظر قدرت میں ان کو جانے کی اجازت نہیں۔ میرے نزدیک یہ گندا طریق ہے۔ انسان اگر غور سے دیکھے اس قدر موقع تعلیم کا اس کو حاصل ہے' عورتوں کو کہاں ہے۔ مگر بعض نادان چاہتے ہیں کہ ہمارے ہی جیسی عادات و عقل رکھنے والی عورتیں ہوں۔ بھلا بلا تعلیم کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ اعضاء میں بہت نازک ہوتی ہیں۔ دماغ ان کا بہت چھوٹا ہوتا ہے اس لئے جو بہت نازک چیز ہوتی ہے اس کے محفوظ رکھنے کے لئے بھی رحمت کے علم اور دعا و احتیاط کی نہایت ضرورت ہے۔

وَعَاشِرُوْا ھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۲۰) تم عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت کا برتاؤ کرو۔ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ (النساء:۲۰) اور اگر تمہیں ان کی کوئی بات ناپسند ہو تو تم ہماری سفارش کو مان لو اور یاد رکھو کہ ہم ہر ایک امر پر قادر ہیں۔ ہم تمہیں بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے۔

ایک لڑکے کی نسبت میں نے سنا کہ وہ اپنی بیوی سے بد اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ میرے سسرال کا گھر ہمارے شہر میں ہمارے گھر سے دور تھا۔ بیوی تو میرے گھر ہی ہوتی تھی مگر میں اکثر اپنے سسرال میں جایا کرتا تھا۔ راستہ میں وہ لڑکا مجھے مل گیا۔ میں نے اسے کہا میں نے ایک نسخہ لکھا ہے۔ وہ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ (النساء:۲۰)۔ اس کے دل پر ہماری اس نصیحت کا بجلی کی طرح سے اثر ہوا۔ میں تاڑ گیا کہ اس پر خوب اثر ہوا ہے۔ مجھے کہنے لگا مجھے ایک کام ہے۔ اجازت دیجئے۔ وہاں سے سیدھا بی بی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ دیکھ! تجھے معلوم ہے کہ میں تیرا کیسا دشمن ہوں۔ اس نے کہا ہاں مجھے معلوم ہے۔ اس لڑکے نے کہا کہ میں آج نورالدین کی نصیحت کو آزمانے کے لئے تیرے ساتھ سچی محبت کرتا ہوں۔ پھر اس نے اس سے جماع کیا۔ ایک بڑا خوبصورت لڑکا پیدا ہوا' پھر اور پیدا ہوا' پھر اور پیدا ہوا' پھر اور پیدا ہوا۔

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ (البقرۃ:۲۲۹) عورتوں کے ذمہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنے اہل سے اچھا ہے۔

عورت پسلی کی طرح ہے۔ اس سے اسی طرح سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اگر سیدھی کرنے کی کوشش کرو گے تو ٹوٹ جائے گی۔

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ (النساء:۲) شادی کے بعد لڑکی کے تمام رشتہ دار تمہارے اور تمہارے رشتہ دار لڑکی کے ہو گئے۔

آج ہی "بخاری" کے سبق میں میں نے یہ بھی بتایا تھا کہ کسی ملک کی زبان پڑھانے کے لیے اس ملک کا جغرافیہ بھی ضرور معلوم ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کو فتح کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ صفیہ (جو اس فریق کے سردار کی بیٹی تھی) سے میرا نکاح کر دو۔ مسٹر میور (MUIR) نے اعتراض کیا۔ مگر وہ جانتا نہ تھا کہ ملک عرب میں دستور تھا کہ مفتوحہ ملک کے سردار کی بیٹی یا بیوی سے ملک میں امن و امان قائم کرنے اور اس ملک کے مقتدر لوگوں سے محبت پیدا کرنے کے لیے شادیاں کیا کرتے تھے۔ تمام رعایا اور شاہی کنبہ والے مطمئن ہو جایا کرتے تھے کہ اب کوئی کھٹکا نہیں۔ چنانچہ خیبر کی فتح کے بعد تمام یہود نے وہیں رہنا پسند کیا۔

اسی طرح مالک بن نویرہ کی بی بی سے جب خالد بن ولید نے نکاح کیا تو وہ تمام لوگ مطمئن ہو گئے۔

شاہ امیر ایک شخص ہیں۔ ہمارے سید محمد حسین شاہ صاحب کے بھائی۔ ان کا نکاح میر حیدر کی لڑکی مسماۃ شہزادی سے ایک ہزار مہر کے عوض کرتا ہوں۔

(بدر حصہ دوم۔ کلام امیر---۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۹-۹۰)

☆-☆-☆-☆

یکم نومبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ اَ یَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ لَنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ۔ بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُسَوِّیَ بَنَانَهٗ۔ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ۔ یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ۔ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ۔ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ۔ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ۔ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ۔ کَلَّا لَاوَزَرَ۔ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ۔ یُنَبَّؤُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ۔ وَ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ۔

(القیامہ: ۲ تا ۱۶)

اور پھر فرمایا۔

اس سورۃ شریف میں اللہ تعالیٰ ایک فطرت کی طرف لوگوں کو توجہ دلاتا ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ

نے ذکر فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ تمہاری فطرت میں سب قسم کی نیکیوں کے بیج بو دیئے تھے۔ ان کو یاد دلانے اور ان کی نشوونما کے لئے قرآن کریم کو نازل کیا۔ وہ جو فطرتوں کا خالق ہے اس نے قرآن کریم کو نازل فرمایا ہے۔

مسیحی لوگوں کو ایک غلطی لگی ہے۔ پولوس کے خط میں ہے کہ یہ شریعت اس وجہ سے نازل ہوئی ہے کہ وہ ثابت کرے کہ تم شریعت کی پابندی نہیں بجالا سکتے۔ گویا شریعت کو نازل کر کے انسان کی کمزوری کا اس پر اظہار کرنا تھا۔ اس لئے پلید تعلیم دی گئی کہ نجات کی راہ شریعت کو نہ مانو بلکہ کسی اور شے کو مانو۔ میں نے بعض مشنریوں سے پوچھا ہے کہ جب شریعت کی پابندی تم سے نہیں ہو سکتی تو تمہارے جو اور قوانین ہیں ان کی پابندی تم کیسے کرتے ہو؟ ہر ایک انسان جب بدی کرتا ہے تو اس بدی کے بعد اس کا دل اس کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کام اچھا نہیں کیا۔

میں نے لوگوں سے اور اپنے نفس سے بھی پوچھا ہے۔ چنانچہ جواب اثبات میں ملا۔ چور کو چوری کے بعد ایسی ملامت ہوتی ہے کہ وہ چوری کے اسباب کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔ اسی طرح ڈاکہ ڈالنے والے اور قاتل دونوں ارتکاب جرم کے بعد کہیں بھاگنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح جھوٹا آدمی جھوٹ بولتا ہے تو جھوٹ کے بعد اس کو ملامت ہوتی ہے کہ یہ بات ہم نے جھوٹ کہی۔ غرض ہر بدی کے بعد ایک ملامت ہوتی ہے۔ جس بدی کو انسان کرتا ہے اس بدی کے متعلق اگر اس سے تفتیش کی جائے تو ایک حصہ میں چل کر وہ منکر ہو جاتا ہے۔ میں نے بعض چوروں سے پوچھا کہ اعلیٰ درجہ کی چوری میں مال پر ہاتھ تو مشکل سے پہنچتا ہے۔ پھر کسی کے ہاتھ سے نکلواتے ہو، کسی کے سرپر رکھتے ہو، کسی سنار کو دیتے ہو کہ وہ زیورات وغیرہ کی شکل وہیئت کو تبدیل کر دے۔ اس نے کہا کہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم سنار کو سو روپے کی چیزیں پچھتر روپے میں دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر وہ سو روپے کی چیز ساٹھ روپے میں رکھ لے تو پھر تم کیا کرو۔ تو مجھے جواب دیا کہ ایسے حرامزادے، بے ایمان کو ہم اپنی جماعت سے نکال دیں گے۔ میں نے کہا کہ وہ بے ایمان بھلا کیسے ہو؟ کہنے لگا کہ چوری ہم کریں، مصیبت ہم اٹھائیں اور مال وہ کھا جائے تو پھر بھی اگر بے ایمان نہ ہوا تو اور کیا ہو گا۔ میں نے کہا اچھا! وہ سنار تو صرف تمہاری اتنی ہی سی مشقت برداشت کی ہوئی دولت کو غبن کر کے بے ایمان اور حرامزادہ ہو گیا، مگر تم جو اوروں کی برسوں تک مصیبت اٹھا اٹھا کر جمع کی ہوئی دولت کو چرا لاتے ہو بے ایمان اور حرامزادے نہیں؟ اس کا جواب مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا۔

اسی طرح میں نے ایک کنچن سے پوچھا کہ تم اس پیشے کو برا نہیں سمجھتے۔ کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ

اپنی بیوی سے زنا کر سکتے ہو۔ کہا کہ غیر کی لڑکی کو خراب کرنا اچھا نہیں۔ میں نے کہا کہ تم نے خراب کا لفظ بولا ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ جو لوگ تمہارے یہاں زنا کرنے کے لئے آتے ہیں کیا ان کے نزدیک وہ غیر کی لڑکی نہیں ہوتی؟

قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (القیامة:۳)۔ اگر جزاء سزا نہ ہوتی تو نفس لوامہ تم کو ملامت ہی کیوں کرتا؟ نفس لوامہ قیامت کا ثبوت ہے۔

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو جمع نہیں کر سکتے؟ اور ہڈیاں تو الگ رہیں ہم تو پوروں کی ہڈیوں کو بھی جمع کر دیں گے بَلٰی قَادِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ۔ ہر ایک آدمی جب بدی کرتا ہے تو وہ اس کو بدی سمجھتا ہے تب ہی تو اس کو غالباً چھپ کر کرتا ہے۔

ایک شہر میں ایک بڑا آدمی تھا۔ مجھ سے اس کی عداوت تھی۔ مجھے خیال آیا' میں اس کے پاس گیا۔ وہاں لوگ جمع تھے۔ جوں جوں لوگ کم ہوتے جاتے' میں آگے بڑھتا جاتا تھا۔ جب سب لوگ چلے گئے اور دو آدمی' ایک اس کا منشی اور ایک شخص جو کہ میرے دوست تھے' رہ گئے تو اس نے میری طرف دیکھا اور کہا آج آپ کیسے آگئے؟ میں نے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرنے والا کوئی نہیں۔ کوئی ناصح تو آپ کو نصیحت نہیں کر سکتا کیونکہ آپ بڑے آدمی ہیں۔ مگر ہر ایک بڑے آدمی کے لئے اس کے شہر میں کھنڈرات اس کے لئے ناصح ہوتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی یادگار نہیں۔ اس نے کہا کہ مولوی صاحب! میرے آگے آیئے۔ میں بہت آگے بڑھا۔ وہ مجھ کو اس کھڑکی کے بالکل پاس لے گیا جس میں بیٹھا کرتا تھا۔ مجھے کہنے لگا کہ اور آگے ہو جایئے۔ میں اور آگے بڑھا۔ اس نے پھر کہا کہ اور آگے ہو جایئے۔ اور آگے تو کیا ہوتا۔ میں نے اس کھڑکی میں اپنے سر کو بہت قریب کر دیا۔ اس نے کہا کہ یہ جو آپ کے سامنے ایک محراب دار دروازہ نظر آتا ہے اس کا مالک میری قوم کا آدمی تھا اور وہ اتنا بڑا شخص تھا کہ ایک قسم کی سرخ چھتری جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر چلا کرتا تھا تو اس کے اوپر لگا کرتی تھی اور میں سیاہ بھی نہیں لگا سکتا۔ اب اس کی بیوی میرے گھر میں برتن مانجھنے پر ملازمہ ہے۔ یہ بھی سن لیجئے کہ میں اپنے اس تخت کو چھوڑ کر' جو آپ کے سامنے پڑا ہوا ہے' ہمیشہ اس کھڑکی میں بیٹھا کرتا ہوں۔ مگر اس تخت کو چھوڑنے اور اس کھڑکی میں بیٹھنے کی حقیقت مجھے آج ہی معلوم ہوئی ہے۔ پھر جب کچہری کا وقت ہو گیا میں اسی جوش میں کچہری گیا۔ رئیس شہر اکیلا تھا۔ میں نے وہی بات کہی تو رئیس نے مجھے ایک قلعہ دکھلایا اور کہا کہ یہ اس شہر کے اصل مالک کا ہے جو اب کسی ذریعہ سے ہمارے قبضہ میں آگیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ یہ پہاڑ جو آپ کے سامنے موجود ہے اس کا نام دھارانگر ہے۔ اس پر اتنا

بڑا شہر آباد تھا کہ ہمارے شہر کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی۔ یہ مجلس بھی میرے لئے ہر وقت نصیحت ہے اور جہاں ہم راج تلک لیتے ہیں وہاں تمام اردگرد کچے مکانات اصل مالکوں کے ہیں اور یہ تین ناصح ہر وقت نصیحت کے لئے میرے سامنے موجود رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ خوب سمجھے۔

جب خدا پکڑتا ہے تو پھر کوئی نہیں بچا سکتا۔ یاد رکھو جیسے گناہ کرتے ہو ان کی سزا پانے والے تمہاری آنکھ کے سامنے ہوتے ہیں' پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

ہمارے یہاں تمہارے جھگڑے فیصلہ نہیں پاتے۔ کچھ لوگوں نے عذر کیا ہے اور کچھ ابھی باقی ہیں۔

(بدر حصہ دوم۔ کلام امیر۔ ۲۸؍ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۵ تا ۸۷)

☆-☆-☆-☆

۸ ر نومبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

اَلْحَاقَّةُ۔ مَا الْحَاقَّةُ وَ مَا اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَ عَادٌ بِالْقَارِعَةِ۔

(الحاقۃ:۲تا۵)

اور پھر فرمایا۔

سارا جہان یہاں تک کہ درخت بھی قانون الٰہی کے سب پابند ہیں۔ گائے، بھینس، بیل، بکری وغیرہ کو دیکھو کہ وہ گھاس کو جھٹ پٹ اپنے دانتوں سے کاٹ کر نگل جاتے ہیں۔ پھر آرام سے بیٹھ کر اس کو اپنے پیٹ سے نکال کر چباتے اور پھر نگلتے ہیں اور اسی طرح سے وہ جگالی کرتے ہیں اور اسی طرح آرام کر کے پیشاب اور گوبر کرتے ہیں۔ یہ ان کے ساتھ ایک سنت ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی جانور کھاتا ہی چلا جائے اور جگالی اور آرام وغیرہ بالکل نہ کرے تو وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح بچوں کی حالت ہے۔ اگر بچہ اور بچے کی ماں کوئی بدپرہیزی کریں تو دونوں کو تکلیف ہوتی

ہے۔ اگر کوئی شخص کھانا کھانے کی بجائے روٹی کانوں میں ٹھونسنے لگے تو کیا وہ بچ جائے گا؟ اسی طرح بہت سے قانون ہیں۔ جو ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ جھوٹے جھوٹ بولتے ہیں مگر ایک زمانہ کے بعد اگر وہ کبھی سچ بھی بولیں تب بھی کوئی ان کا اعتبار نہیں کرتا یہاں تک کہ اگر وہ قسمیں کھا کر بھی کوئی بات کہیں تو تب بھی کوئی یقین نہیں کرتا۔ اسی طرح سست آدمی اپنی آبائی جائیداد تک بھی فروخت کر کے کھا جاتا ہے۔

اَلْحَآقَّةُ مَا الْحَآقَّةُ تم جانتے ہو کہ ہونے والی باتیں ہو کر رہتی ہیں۔ اور کس طرح ہو کر رہتی ہیں؟ مثل کی طرح سنو۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ جن لوگوں نے حق کی مخالفت کی' ان کو خدا نے ہلاک کر دیا۔ ثمود قوم نے تکذیب کی۔ اس کا انجام کیا ہوا؟ ہمارے ملک میں سلاطین مغل' پٹھان' سکھ وغیرہ تھے۔ جب انہوں نے نافرمانی کی تو خدا نے ان کو ٹھونک ٹھونک کر ٹھیک کر دیا۔ پیارو! اگر تم بدی کرو گے تو تم کو بدی کا ضرور نتیجہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ یاد رکھو بدی کے بدلہ میں کچھ سکھ نہیں مل سکتا۔ عاد قوم بڑی زبردست تھی۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ہوا سے تباہ کر دیا۔ سات رات اور آٹھ دن متواتر ہوا چلی۔ سب کا نام و نشان تک اڑا دیا۔ بڑے بڑے عمائد قوم گرے جس طرح کھوکھلا درخت ہوا سے گر جاتا ہے۔ بتاؤ تو سہی اب کہاں ہے رنجیت سنگھ اور ان کی اولاد' ان کے بیٹے پوتے اور پڑپوتے؟ اس کا بیٹا ایک ہوٹل میں ایسی کس مپرسی کی حالت میں مرا کہ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون تھا؟

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ (الحاقة:١٠) فرعون اور اس کی بستیوں کو الٹ کر پھینک دیا۔ ایک میرے بڑے دوست شہزادہ تھے۔ وہ بچارے خود کپڑا سی کر گزارہ کیا کرتے تھے۔ اور ایک اور میرے دوست تھے۔ وہ ان کو سینے کے لیے کپڑے لا دیا کرتے تھے اور خود دے آیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہی مجھے کہا کہ تم اس سے کپڑے سلوایا کرو۔ خود دار بھی وہ ایسے تھے کہ کسی کو اس کی خبر تک ہونا گوارا نہیں کرتے تھے۔ خود کبھی کسی سے کپڑا نہیں لیتے تھے اور اس عالم میں بھی ان کی مزاج سے وہ شاہانہ بو دور نہیں ہوئی تھی۔ نخرے رکھا کرتے تھے۔

کوئی اپنے حسن پر مغرور ہے۔ کوئی اپنے علم پر اتراتا ہے۔ کوئی اپنی طب پر اکڑتا ہے۔ حالانکہ یہ سب غلط ہے۔ جب تک خدا کا فضل نہ ہو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ سچ مچ یہ بات ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ خدا رحم کرے میری ماں پر۔ وہ کہا کرتی تھی کہ جو آگ کھائے گا وہ انگار ہگے گا۔

ثمود نے ہمارے رسولوں کا انکار کیا۔ ہم نے بھی ایسا پکڑا کہ کہیں نہ جانے دیا۔ جانتے ہو کہ نوح کی قوم کو کس طرح غرق کیا؟ تم کو چاہئے تھا کہ اس سے عبرت حاصل کرتے۔ دار السلام میں سولہ لاکھ آدمی

قتل کر دیئے۔ وہ جو بادشاہ تھا اس نے اپنی بیوی کا نام "نسیم سحر" رکھا ہوا تھا۔ جس طرح صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے آدمی کو نیند آتی ہے اسی طرح اس کو اپنی بیوی کی صحبت خوشگوار معلوم ہوتی تھی۔ جب اس "نسیم سحر" کو قتل کیا تو کسی گلی کے کتے ہی چاٹتے تھے۔ کسی نے کفن تک نہ دیا۔ جب بادشاہ نے قید میں پانی مانگا تو فاتح بادشاہ نے سپاہ کو حکم دیا کہ اس کے محل میں سے تمام لعل وجواہرات لوٹ لاؤ۔ وہ وحشی لوگ فوراً گئے اور تمام محل کی آرائش کو لوٹ کھسوٹ کر لے آئے تو اس کے سامنے ایک تھالی میں نہایت قیمتی جواہرات بھر کر بادشاہ بغداد کے سامنے پیش کئے گئے کہ لو! ان کو پیو۔ اور پھر گالی دے کر کہا کہ بدذات! تو فوج کو تنخواہ نہ دیتا تھا اور تیرے گھر میں اس قدر مال تھا۔ یہ کہہ کر اس کا سر اڑا دیا گیا۔

تم اپنی جان پر رحم کرو۔ یاد رکھو کہ کسی کا حسن نہ کام آئے گا اور نہ کسی کا مال کام آئے گا' نہ جاہ وجلال نہ علم نہ ہنر۔

(بدر حصہ دوم۔ کلام امیر۔ ۷/ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۵۸۔۵۹)

☆-☆-☆-☆

۱۱؍ نومبر ۱۹۱۲ء

خطبہ نکاح

آیات مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

یہ آیتیں میں نے تم کو بہت دفعہ سنائی ہیں۔ وقت اجازت نہیں دیتا کہ اب کچھ سناؤں۔ تاہم کچھ سناتا ہوں۔ جس کام کے لئے اب میں کھڑا ہوا ہوں وہ بیوہ کا نکاح ہے۔ بیوہ کا نکاح کرنا بڑا ثواب کا کام ہے۔ مگر لوگوں نے نافہمی کی وجہ سے اس کو برا سمجھا۔ سیدوں کو دیکھو کہ ان کی نانی جان پہلے دو خاوند کر چکی تھیں اور تیسرے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

مغلوں میں نورجہاں بیگم کیسی عظیم الشان عورت تھی۔ اس نے دوبارہ نکاح کیا۔ لوگوں نے مسلمان بادشاہوں سے نفرت دلانے کے لئے جہانگیر پر یہ اتہام لگائے کہ وہ نور جہاں پر عاشق تھا اور اس نے نورجہاں کے خاوند کو مروا کر اس سے نکاح کر لیا۔ اگر جہانگیر نے اس کے میاں کو مروایا ہوتا تو چونکہ وہ بادشاہ تھا اس کو چاہئے تھا کہ فوراً ہی نکاح کر لیتا۔ اس نے چھ سال کے بعد اس کو بیوہ سمجھ کر نکاح کر لیا۔

اکبر خاں کی ایک لڑکی بیوہ ہے۔ آج میں اس کا نکاح مدد خاں صاحب سے کرتا ہوں۔ یہ آدمی اچھے

معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ پہلے دو عورتوں سے ان کا سلوک ہم اچھا دیکھتے رہے ہیں۔ سب لوگ دعا کریں۔ خدا خیروبرکت سے انجام کو پہنچائے۔

(بدر حصہ دوم۔ کلام امیر۔ ۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۹۴۔۹۵)

۱۵ر نومبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِيْنَ سَلَاسِلَا وَ اَغْلَالًا وَّ سَعِيْرًا۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا۔ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا۔

(الدھر:۲تا۷)۔

اور پھر فرمایا۔

ہر آدمی غور کرے کہ یہ دنیا میں نہ تھا اور اس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ ضرور ایک وقت انسان پر ایسا گزرا ہے کہ اس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے۔ اگر وہ ہم کو پتھر بنا دیتا یا حیوانات میں ہی پیدا کرتا مگر کتا یا سؤر بنا دیتا۔ پھر اگر انسان ہی بناتا پر چوہڑوں یا چماروں میں پیدا کر دیتا۔ پھر اگر وہ

ایسے گھر میں پیدا کر دیتا جہاں قرآن دانی کا چرچا نہ ہوتا۔ پھر اگر کسی اچھے گھر میں پیدا ہونے پر جوانی میں مر جاتے تو آج تم کو قرآن سنانے کا کہاں موقع ملتا۔ اس نے کیسے کیسے فضل کیے۔ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ہم نے اپنے فضل سے اس نطفہ کو جس میں ہزاروں چیزیں ملی ہوئی تھیں' سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا۔

اب مسلمان کہتے ہیں کہ تجارت ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ کبھی کہتے ہیں حکومت ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ صرف سو برس کے اندر ہی اندر انہوں نے سب کچھ اپنا کھو دیا۔

شرک کا کوئی شعبہ نہیں جس میں مسلمان گرفتار نہیں۔ نماز' روزے' اعمال صالحہ میں' قرآن کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں نہایت ہی سست ہیں۔ کوئی ملاں ہو اور وہ خوب شعر سنائے تو کہتے ہیں کہ فلاں مولوی نے خوب وعظ کیا۔

کسی عورت نے مجھ سے پوچھا کہ فلاں عورت ایک عرس میں گئی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ سبحان اللہ! ہر طرف نور ہی نور برس رہا تھا۔ میں نے کہا وہ کیا تھا؟ کہنے لگی کہ وہ کہتی تھی کہ اندر بھی' باہر بھی مراثی ڈھولک بجا رہے تھے اور خوب خوش الحانی سے گا رہے تھے۔

ریل میں مجھے ایک کنچنی ملی۔ میں نے اس سے کہا کہ تو کہاں گئی تھی؟ کہا کہ سبحان اللہ! فلاں حضرت کے یہاں گئی تھی۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ ہماری فقیرنی آ گئی ہے اور اپنے خادم سے کہا اس کو تین سو روپیہ دے دو۔ میں تو ایک دم مالا مال ہو گئی۔

مسلمانوں میں تکبر بڑھ گیا۔ سستی ہے۔ فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کے ساتھ تکبر بھی از حد بڑھ گیا ہے۔ اپنی قیمت بہت بڑھا رکھی ہے۔ سمجھتے ہیں کہ ہم تو اس قدر تنخواہ کے لائق ہیں۔

ہم نے انسان پر بڑے فضل کئے۔ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا یہاں تک کہ انسان کو دیکھنے والا' سننے والا بنایا۔ پھر قرآن کے ذریعہ سے اس پر ہدایت کی راہیں کھول دیں اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ۔ پر کسی نے قدر کی اور کسی نے نہ کی اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۔

کوئی مسلمان کہتا ہے کہ جھوٹ جائز ہے۔ کوئی مسلمان کہتا ہے کہ تکبر اور فضول اور قسم قسم کی بدکاریاں جائز ہیں۔ برائی سب جانتے ہیں مگر افسوس کہ قدر نہیں کرتے۔ دوسروں کو نصیحتیں کرتے ہیں مگر خود عمل نہیں کرتے۔

ایک عورت کا میاں شراب پیتا تھا۔ اس کو میں نے کہا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تم اس سے شراب چھڑا دو۔ اس نے کہا میں نے ایک روز اس کو کہا تھا تو اس نے مجھے جواب دیا کہ یہ تجھے نور الدین

نے کہا ہو گا۔ جب میں اس ہی عمر کا ہو جاؤں گا تو چھوڑ دوں گا۔ پھر اس کو میری عمر تک پہنچنا نصیب نہ ہوا۔ پہلے ہی مر گیا۔

تم برے اعمال چھوڑ دو۔ لین دین میں لوگ بڑے نکمے ہو گئے ہیں۔ توبہ کرو' استغفار کرو۔ اللہ تعالیٰ بڑے سخت لفظ استعمال فرماتا ہے کہ کوئی تو ہماری بتائی ہوئی ہدایت کا شکر گزار ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا۔ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ سَلاَسِلاَ وَ اَغْلاَلاً وَّ سَعِیْرًا۔ ہم نے تو بے ایمانوں کے لئے بڑے بڑے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔ ہم ان کو زنجیروں میں جکڑیں گے

اِنَّ الْاَبْرَارَ اچھے لوگوں کو خدا تعالیٰ ایک شربت پلانا چاہتا ہے اور وہ ایسا شربت ہے کہ ان کو اپنی بدیوں کو دبانا پڑتا ہے۔ ابرار انسان تب بنتا ہے جب وہ اپنے اندر کی بدیوں کو دباتا ہے۔ نفس کے اوپر تم حکومت کرو۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے نفس پر حکومت کرنے سے بے خبر ہیں۔

عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُاللّٰہِ اللہ کے بندے ایسے شربت پیتے ہیں' وہ ان کو بھاتے ہیں' دوسروں کو بھی پلانا چاہتے ہیں۔ میں نے تم کو بہت سا پلایا ہے۔ تم عمل کرو اور خدا تعالیٰ سے ڈرو۔

(بدر حصہ دوم۔ کلام امیر---۵/ دسمبر ۱۹۱۲ء۔ صفحہ ۹۳'۹۴)

☆-☆-☆-☆

۲۰ر نومبر ۱۹۱۲ء

خطبہ عید اضحیٰ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲۰ر نومبر ۱۹۱۲ء کو نماز عید مسجد اقصیٰ قادیان میں پڑھائی اور خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ ایڈیٹر کے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

آپ نے ایک نوجوان تعلیمیافتہ کا ذکر کیا کہ آپ اس کو قرآن مجید کے احکام کی طرف توجہ دلا رہے تھے اور سمجھا رہے تھے کہ مسلمانوں کی ترقی اور بحالی دین کی راہ سے ہو گی۔ وہ دین اسلام کے سچے متبع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہر قسم کی ذلتوں اور مصیبتوں کو دور کر دے گا۔ مگر اس جنٹلمین نے کہا کہ آپ ہم کو تیرہ سو برس پیچھے لے جا رہے ہیں۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے جو اصول عملدر آمد کے تیرہ سو برس پہلے دیئے تھے اس کی نظر میں آج وہ نعوذ باللہ کار آمد نہیں ہیں اور ان پر عمل کرنا ترقی کی رو کو تیرہ سو برس پیچھے ہٹانا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے خیالات ایک دو نہیں' بہتوں کے دلوں میں ہیں۔

پھر آپ نے بتایا کہ یہ تو قرآن مجید اور اسلام کے حدود و شرائع کو باطل کرنے کی ایک کوشش تھی۔ نمازوں کے ترک کے لئے پہلی کوشش یوں شروع ہوئی کہ وہ اپنی ہی زبان میں ادا کی جایا کرے۔

قرآن مجید کا پنجابی ترجمہ اس میں پڑھا جایا کرے۔ ایسا ہی دوسری زبانوں میں اصل قرآن نہ پڑھا جاوے۔ مجھ سے جس شخص نے ذکر کیا میں نے اس کو کہا کہ پھر نثر سے نظم میں ہو گا۔ پھر وہ نظم کسی ٹھمری کی شکل اختیار کرے گی اور رفتہ رفتہ اس کے ساتھ ڈھولک وغیرہ ساز ہوں گے اور یہ اچھا خاصہ تماشا ہووے گا اور مسلمانوں میں جو چیز مشترک تھی (عربی زبان اور قرآن)' وہ جاتی رہے گی اور نہ نماز کی حقیقت پیدا ہو گی۔

پھر اس پر ترقی ہوئی تو میرے کانوں میں آوازیں آئیں کہ کرسیوں پر بیٹھ کر سامنے بنچ یا میز ہوں اور نماز کے لئے لوگ جمع ہو جایا کریں تو خدا تعالیٰ کی حمد میں کوئی گیت گائے۔ جہاں کسی کے دل میں جوش پیدا ہووے وہ اس مقام پر یعنی میز پر ذرا سر جھکا دیا کرے۔ اس قسم کی آوازیں میرے کانوں میں ترک نماز کے لئے آئیں۔ پھر روزہ کے متعلق کہا کہ بھوکا رہنا بالکل بے فائدہ ہے۔ اگر روزہ رکھنا ہی ہو تو اس میں اخروٹ' میوہ جات کھا لئے جایا کریں۔

یہ تو تعلیم یافتہ لوگوں کی توضیح تھی۔ بعض دوسرے لوگوں نے کہہ دیا کہ جو غریب ہو وہ روزہ رکھ لے اور امراء صرف فدیہ دے دیا کریں۔

پھر حج کے لئے کہا گیا کہ قومی کانفرنس علی گڑھ میں شمولیت سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے اور کافی ہے کہ لوگ وہاں شامل ہو جایا کریں اور زکوٰۃ کے بدلے قومی کاموں میں چندہ دے دیا۔ اب میرے کانوں میں قربانی کے روکنے کی آوازیں آتی ہیں۔

یہ تمام باتیں مسلمانوں کی بدقسمتی کی ہیں۔ ان کو چھوڑ کر یہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اگر اسلام ہی ان کے ہاتھ میں نہ رہا تو یہ کچھ بھی نہ ہوں گے۔

پھر آپ نے قربانی کے متعلق' اس کی حقیقت اور فلسفہ پر مختصر سی تقریر فرمائی اور بتایا کہ کس طرح پر قدرت نے قربانی کا سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ آپ قربانی کی حقیقت بتا رہے تھے کہ ضعف غالب ہو گیا اور تقریر کا سلسلہ بند کرنا پڑا۔ اس لئے دعا پر خطبہ کو ختم کر دیا۔

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۲۲ -- ۲۸ نومبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۷)

☆-☆-☆-☆

۶؍ دسمبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

وَ الْفَجْرِ۔ وَلَيَالٍ عَشْرٍ۔ وَ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ۔ وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ۔ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۔ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ۔ وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔ وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ۔ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ۔ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ۔ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ۔ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ۔ وَ اَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ۔ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَهَانَنِ۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ۔ وَ لَا تَحٰضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ (الفجر: ۲ تا ۱۹)

اور پھر فرمایا۔

قرآن کریم میں کوئی بہت بڑا عظیم الشان مضمون جیسے اللہ جل شانہ کی ہستی کا ثبوت، اللہ تعالیٰ کے

اسماء حسنیٰ' اللہ تعالیٰ کے افعال' اللہ تعالیٰ کی عبادتیں' یہ چار باتیں جناب الٰہی کے متعلق ہوتی ہیں۔

ملائکہ' اللہ تعالیٰ کے اسماء' اللہ تعالیٰ کے رسول' اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر جو لوگ اعتراض کرتے ہیں ان کو روکنا' جزا و سزا' کتب الٰہی پر ایمان' یہ بڑے مسائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں آتے ہیں۔ ان دلائل میں سے بڑی عظیم الشان بات اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کریمہ میں فرمائی ہے کہ ہر ملک میں کوئی نہ کوئی قوم بڑی سخت ہوتی ہے۔ جس شہر میں میرا پرانا گھر تھا وہاں پر ایک سید کی زیارت ہے۔ اس شہر میں ان کی قبر پر جا کر قسم کھانا بڑی قسم ہے۔ اسی طرح بعض زمیندار جھوٹی قسم کھالیتے ہیں مگر دودھ پوت کی قسم نہیں کھاتے۔ اسی طرح ہندو گائے کی دم پکڑ کر قسم نہیں کھا سکتے۔ غرضیکہ ہر قوم اپنے ثبوت کے لئے کسی نہ کسی عظیم الشان قسم کو جڑھ بنائے بیٹھی ہے۔

عرب کے لوگ ہر ایک جرم کا ارتکاب کر لیتے تھے لیکن مکہ معظمہ کی تعظیم ان کے رگ و ریشہ میں بسی ہوئی تھی یہاں تک کہ جن ایام میں مکہ معظمہ میں آمد و رفت ہوتی تھی۔ کیا مطلب! ذی قعد' ذی الحج اور رجب میں وہ اگر اپنے باپ کے قاتل پر بھی موقع پاتے تھے تو اس کو بھی قتل نہیں کرتے تھے۔

تم جانتے ہو کہ جب شکاری آدمی کے سامنے شکار آ جاتا ہے تو اس کے ہوش و حواس اڑ جاتے ہیں۔ لیکن عرب میں جب حدود حرم کے اندر شکار آ جاتا تھا تو اس کو نہیں چھیڑتے تھے۔ پھر دس راتیں حج کے دنوں کی بڑے چین و امن کا زمانہ ہوتا تھا۔ ان دنوں میں بدمعاش لوگ بھی فساد اور شرارتیں نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ ان امن کے دنوں میں تم اپنے باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی باوجود قابو یافتہ ہونے کے قتل نہیں کرتے تھے۔ تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ اب تم لوگ اللہ کے رسول کی مخالفت کو ان دنوں میں بھی نہیں چھوڑتے۔ اور کیا تم کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول جو عرب سے باہر آئے ہیں مثلاً مصر کے ملک میں فرعون تھا اس کے پاس رسول آیا یعنی فرعون کو سزا دی' جو خدا کے رسول موسیٰؑ کے مقابلہ میں تھا۔ پھر ہم نے عاد اور ثمود کی اقوام کو سزائیں دیں جو ہمارے رسولوں کے مقابل کھڑی ہوئیں۔

اور تم تو مکہ میں اور پھر حج کے دنوں میں بھی شرارت کرتے ہو اور نہیں رکتے تو تمہیں انصاف سے کہو کہ آیا تم سب سے زیادہ سزا کے مستحق ہو کہ نہیں؟

نیکی ہو یا بدی' بلحاظ زمان و مکان کے اس میں فرق آ جاتا ہے۔ ایک شخص کا گرمی کے موسم میں کسی کو جنگل ریگستان میں ایک گلاس پانی کا دینا جبکہ وہ شدت پیاس سے دم بہ لب ہو چکا ہو' ایک شان رکھتا ہے۔ مگر بارش کے دنوں میں دریا کے کنارے پر کسی کو پانی کا ایک گلاس دینا وہ شان نہیں رکھتا۔ یہ بات

میں نے تم کو کیوں کہی؟ تم میں کوئی رسول کریمؐ کے صحابہ مکہ میں تو بیٹھے ہوئے ہیں ہی نہیں۔ میں تم کو سمجھانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ یاد رکھو جو امن اور اصلاح کے زمانے میں فساد اور شرات کرتا ہے' وہ سزا کا بہت ہی بڑا مستحق ہے۔

میرا اعتقاد ہے۔ جہاں کوئی پاک تعلیم لاتا ہے' جہاں لوگ سفر کر کے جاتے ہیں' وہاں مکانوں کی تنگی' کھانا سادہ ملتا ہے یا نہیں ملتا۔ ایسی مصیبتیں جو لوگ اٹھا کر یہاں آئے ہیں اور وہ دن رات قرآن سیکھتے ہیں' یہاں اگر کوئی فساد کرے تو وہ اصلاح کا کیسا خطرناک دشمن ہے۔ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ۔ مجھ کو یقین ہے کہ جہاں بڑے بڑے لوگ ہیں وہاں بڑے بڑے سامان بہت سے مل سکتے ہیں۔ ان مکانوں کو چھوڑ کر جب کوئی یہاں آتا ہے تو وہ ہم کو بطور نمونہ کے دیکھتا ہے۔ ابھی ایک شخص بنگالہ سے یہاں آئے تھے۔ اتفاق سے ان کو مہمان خانہ میں کوئی داڑھی منڈا موچھریالہ شخص مل گیا۔ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ہم تو خیال کرتے تھے کہ قادیان میں فرشتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں تو ایسے لوگ بھی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص بھی آگیا جس کی شکل سے مجھ کو بھی شبہ ہوا کہ یہ مسلمان ہے یا ہندو۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ کہنے لگا کہ میں بیمار ہوں۔ علاج کرانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔

الغرض جب لوگ یہاں آتے ہیں تو تم کو بہت دیکھتے ہیں۔ اب تم کو سوچنا چاہئے کہ اگر تم اصلاح کے لئے آئے ہو تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہاں امن اور اصلاح ہو وہاں فساد اور شرارت بری بات ہے۔ جہاں کوئی مصلح آیا ہو وہاں فساد کیسا؟ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر تم یہاں فساد کرو تو فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ کے سب سے بڑھ کر مستحق ہو یا نہیں؟ میں تمہارے سامنے یہ بطور اپیل کے پیش کرتا ہوں۔ جناب الٰہی مکہ والوں کو فرماتے ہیں کہ تمہیں انصاف کرو۔ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ کیا کوئی عقلمند ہے جو ہماری بات کو سمجھ جائے اور تہ کو پہنچ جائے؟ باہر تم گند کرو تو اس قدر نقصان نہیں پہنچا سکتے جس قدر یہاں پہنچا سکتے ہو۔ جناب الٰہی فرماتے ہیں فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ بعض کو آسودگی سے ابتلا میں ڈالتے ہیں۔ وہ جناب الٰہی کے فضل کی طرف دیکھ کر کہتے ہیں رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ۔ جب تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں رَبِّيْٓ اَهَانَنِ کہ ہماری بڑی اہانت ہوئی۔ میں تم کو اور اپنے آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اگر کسی کو یہ تعلیم ناپسند ہے اور یہاں تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو تمہارے یہاں سے چلے جانے میں کوئی ہرج نہیں۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ یتیموں کا تم لحاظ کرو وہ میرے پاس آتے ہیں۔ میرے میں اتنی گنجائش نہیں۔

میری اتنی آمدنی نہیں کہ سب کا خرچ برداشت کر سکوں۔ مسکینوں کے کھانے کی فکر کرو۔

یہاں مدرسہ میں ایک طالب علم آیا تھا۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ یہاں جھوٹ بڑا بولتے ہیں۔ لنگرخانہ میں تو پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار خرچ کرتے ہوں گے۔ مگر باہر سے ہزاروں روپیہ منگاتے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارا مدرسہ میں کس قدر خرچ ہوتا ہے؟ کہا' دس روپیہ ماہوار اکیلے کا خرچ ہے۔ آخر وہ یہاں سے چلا گیا۔ تم نیک نمونہ بنو۔ اگر غلطیاں ہوتی ہیں تو لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء:۸۸) پڑھو۔ جناب الٰہی رحم فرمائیں گے۔

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۲۶---۲۶ دسمبر ۱۹۱۲ء صفحہ ۴-۵)

۱۳؍ دسمبر ۱۹۱۲ء

خطبہ جمعہ

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:۔

وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا۔ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ۔ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ۔ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ۔ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ۔ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ۔ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ۔ لِيَوْمِ الْفَصْلِ۔ وَ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (المرسلات:۲ تا ۱۶)۔

اور پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ اس سورۃ شریف میں ایک عجیب نظارہ دکھلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ سوچو! بہار کی لطیف ہوا کیسی فرحت بخش ہوتی ہے۔ ایک نوجوان اس وقت سڑک پر چلتا ہو تو اس کی زبان سے بھی ایک فقرہ ضرور نکل جاتا ہے۔ وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۔ وہ ہوائیں جو دل کو خوش کرنے والی ہوتی ہیں تم جانتے ہو کہ بعض وقت ہوا کا ایک لطیف جھونکا چلتا ہے کہ اس لطیف جھونکے سے دل خوش ہو جاتا ہے۔ پھر وہی ہوا آہستہ آہستہ چلتی اور روح و رواں کو خوش کرنے والی یکدم ایسی بڑھ جاتی ہے کہ ایک تیز آندھی بن

جاتی ہے۔ میں نے ایسی آندھیاں دیکھی ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہیں دیتا۔ بہت سے جانور دریاؤں میں گر جاتے ہیں۔ بہت سے پرند درختوں سے گر جاتے ہیں اور دریا وغیرہ کے درخت جو سرو کی قسم سے ہیں' اس طرح گرتے اور اڑتے ہیں کہ نیچے بیٹھے ہوئے آدمی کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔

وَ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ ایسی بھی ہوائیں ہوتی ہیں کہ پانی کو اٹھاتی ہیں' بادل لاتی ہیں۔ پھر ایسی ہوائیں بھی ہوتی ہیں کہ وَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا وہ فرق کر دیتی ہیں۔ بادلوں کو اس طرح اڑا کر لے جاتی ہیں جیسے روئی کا گالا۔

خدا تعالیٰ کا کلام بھی انسان کے کان میں ہوا ہی کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔ ہوا کی لہریں بھی دماغ کے پردوں کو متحرک کر دیتی ہیں۔ وہ ہوائیں المرسلت ہوتی ہیں اور وہی آوازیں بھی کان میں پہنچاتی ہیں۔ اور وہ آوازیں کبھی خوشی کی ہوتی ہیں' کبھی رنج کی ہوتی ہیں جو عاصفات کا رنگ پیدا کر دیتی ہیں۔ مومن کی شان میں ایک ایسا لطیف فقرہ ہے۔ دنیا میں کوئی دکھ کو پسند نہیں کرتا۔ قرآن شریف میں ہے فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرة:٣٩)۔ اگر تم مومن ہو اور سکھ چاہتے ہو تو اس کتاب کی اتباع کرو۔

اب دور دراز سے خبریں آتی ہیں کہ مسلمانوں کو یوں شکست ہوئی' یوں تباہ ہوئے۔ ایک شخص کا میرے پاس خط آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھ کو دہریہ نام کا مسلمان ملا۔ وہ کہنے لگا خدا تعالیٰ تو اب مسلمانوں کا دشمن ہو گیا ہے۔ لہٰذا ہم اسلام سے ڈرتے ہیں کہ کہیں خدا ہمارے پیچھے بھی نہ پڑ جائے۔ اس لئے ہم تو اسلام کو چھوڑتے ہیں۔ بھلا اس سے کوئی پوچھے کہ اس نے مسلمانوں جیسے کتنے کام کیے۔ مسلمان اپنے اعمال کو ٹھیک کرتے اور پھر دیکھتے۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا۔ ہواؤں میں وہ ہوائیں بھی ہیں کہ تم کو یاد دلانے کے لیے چلاتے ہیں۔ یعنی لوگوں کے منہ سے تم کو سنواتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔ ایک بڑا حصہ مسلمانوں کا ایسا ہے کہ اس کو اسلام کی خبر بھی نہیں اور اگر خبر ہے تو عامل نہیں۔

میں تم کو بہت مرتبہ قرآن سناتا ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہزاروں مرتبہ تو سن چکے ہیں' کہاں تک سنیں۔

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۔ ہم تو اس واسطے تم کو قرآن سناتے ہیں کہ کوئی عذر باقی نہ رہے اور تم میں سے کوئی تو ڈرے۔

زمینداروں' دکانداروں کو فرصت کہاں! میں نے صرف ایک شہر ایسا دیکھا ہے کہ جمعہ کے دن

بازاروں کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سب جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ کوئی مسلمان بازار میں نہیں پھر سکتا اور وہ شہر مدینہ ہے۔ مکہ میں بھی ایسا نہیں۔ یہ بھی چالیس پچاس برس کی بات ہے۔ اب کی کیا خبر ہے؟ دکاندار، حرفہ والے، ملازم اپنے کاموں کی وجہ سے رہ جاتے ہیں۔ عورتیں اور بچے جاتے ہی نہیں۔ آج کل لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں کہ جمعہ کوئی ضروری چیز نہیں۔

عالمگیر نے ایک ایسی کتاب لکھوائی تھی۔ اس میں عجیب عجیب ڈھکونسلے ادھر ادھر کے بھر دیئے ہیں۔ اس کے سبب لوگوں میں سستی ہوئی اور اب تو صاف صاف جمعہ کی مخالفت میں کتابیں چھپنے لگیں۔ کوئی لکھتا ہے کہ قربانی کی ضرورت نہیں۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ حج میں روپے خرچ کرنے کی بجائے کسی انجمن میں چندہ دے دے۔ ایک شخص نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا ہے اور روزوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر امیر ہو تو کھانا دے دے۔ غریب کو تو ویسے بھی معاف ہی ہے۔ ایک شخص لکھتا ہے کہ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعة:۱۰) ہر قسم کا بیع چھوڑ دو۔ پس ہر قسم کی بیع ہونی چاہئے۔ جہاں ہر قسم کی بیع نہ ہو وہاں جمعہ ضروری نہیں۔ میں نے کہا کہ ہر قسم کی بیع تو لنڈن میں بھی نہیں ہوتی۔

اِذَا النُّجُوْمُ علماء یوں تباہ ہو رہے ہیں۔ قرآن کے حقائق یوں کھل جائیں گے اور بڑی بڑی سلطنتیں بھی قائم ہو جائیں گی۔

ہمارے بعض دوست کہتے ہیں کہ ہم نے قرآن سمجھ لیا ہے۔ دیکھو خوشی کی خبریں غم سے یوں مبدل ہو جاتی ہیں جیسے "مرسلات" "عاصفات" سے۔ نفس کو اس کا مطالعہ کراؤ۔

شیخ ابن عربی لکھتے ہیں کہ ایک صوفی تھے۔ وہ حافظ تھے اور قرآن شریف کو دیکھ کر بڑے غور سے پڑھتے۔ ہر حرف پر انگلی رکھتے جاتے اور اتنی اونچی آواز سے پڑھتے کہ دوسرا آدمی سن سکے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کو تو قرآن شریف خوب آتا ہے۔ پھر آپ کیوں اس اہتمام سے پڑھتے ہیں؟ فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میری زبان، کان، آنکھ، ہاتھ سب خدا کی کتاب کی خدمت کریں۔

ایک حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی گزرے ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ بہشت میں جائیں گے تو کیا کام کریں گے؟ فرمایا ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے پاس حوریں آئیں۔ ہم نے ان سے کہا جاؤ بیبیو! قرآن پڑھو۔ قرآن خدا کی کلام اور اس کی کتاب ہے۔

جس قدر کوئی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھے گا اسی قدر جناب الٰہی اس کو پکارے گا تو اس کی بات فوراً سنی جائے گی۔ (بدر حصہ دوم۔ کلام امیر ۹ جنوری ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۰۱ تا ۱۰۳)

۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء
مسجد نور قادیان

خطبہ جمعہ

جو حضرت خلیفۃ المسیح نے ایام جلسہ کے جمعہ میں مسجد نور میں پڑھا۔

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی۔

وَ الْعَصْرِ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ (العصر ۲ تا ۴)۔

اور پھر فرمایا۔

بہت سے ہمارے دوست آج غالباً رخصت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار ہو گا جو ہم آئندہ سال ملیں گے۔ اب کے تیسرا برس ہے۔ میں اپنے حالات کو نگاہ کرتا ہوں۔ ہمیشہ رات کو یقین نہیں ہوتا کہ صبح کو اٹھوں گا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے تم ہم اکٹھے ہو گئے ہیں اس لئے تم سب کو السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہتا ہوں اور سب کے لئے جو رخصت ہوں گے دعا کرتا ہوں۔ اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکُمْ وَ اِیْمَانَکُمْ وَ خَوَاتِیْمَ عَمَلِکُمْ وَ زَوَّدَکُمُ اللّٰہُ التَّقْوٰی وَ غَفَرَ ذَنْبَکُمْ وَ شَکَرَ سَعْیَکُمْ وَ اللّٰہُ مَعَکُمْ

اَیْنَمَا کُنْتُمْ وَ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَ قَدْ فَازَ الْمُتَّقُوْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دین کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ اپنی امانتوں کو ضائع نہیں کرتا۔ تمہارے دین کو' ایمان کو' تمہارے خاتمہ کو' سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ پھر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ وَ زَوَّدَکُمُ اللّٰهُ التَّقْوٰی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ میں متقیوں کے ساتھ رہوں گا۔ متقی خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ متقی کو علم دیا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ متقی کو رزق دوں گا۔ متقی کو ہر تنگی سے نجات ملتی ہے۔ میں تم سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ تم متقی جماعت بنو۔ پھر میں تم سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف کر دے۔ تم جہاں جہاں رہو اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار رہے۔

پھر میں خوشی کی خبر سناتا ہوں کہ ابھی تار آیا ہے۔ ہمارے میاں صاحب ۲۵ دسمبر کو جدہ سے جہاز پر سوار ہو گئے ہیں۔ یہ مبارک خبر ہے۔ میں بہت خوش ہوں۔ تم اس خبر سے خوش ہو گے۔ ہمارے میاں صاحب جس جہاز پر سوار ہوئے ہیں اس کا نام منصورہ ہے۔ نصرت ان کے شامل حال ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ مجھے پسند ہیں کیونکہ آدمی کھڑے کھڑے پڑھ سکتا اور نفع اٹھا لیتا ہے اور معلوم نہیں کہ کب کس پر اثر ہو جائے۔ مگر چھوٹے چھوٹے رسالوں کے سبب حضرت مسیح موعود کی کتابوں کی خریداری کم ہو گئی ہے۔ ان میں جو درد ہے وہ اوروں میں ملنا مشکل ہے۔ میں اس قرضہ سے یوں سبکدوش ہوں۔ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ اگر میں کوئی کتاب لکھتا تو تم لوگ اسی کو خریدتے اور میں نے نہیں چاہا کہ اس طرح حضرت صاحب کی کتابوں کی اشاعت پر اثر پڑے۔

یہ سورۃ (العصر) میں نے بارہا لوگوں کو سنائی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جو ہر شخص کے لئے بابرکت ہو خدا تعالیٰ کی کتاب میں میرے خیال میں اس کے سوا اور نہیں آئی۔ قرآن کریم کے ہر ایک فقرہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل اور محض فضل سے سارے جہان کی تعلیم و تربیت اور پاک تعلیم و تربیت حاصل اور ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کی عادت تھی کہ جب آپس میں ملتے تھے تو اس سورۃ کو پڑھ لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ میری آواز سب لوگوں کے کان میں نہ پہنچے کیونکہ میں بیمار ہوں۔ صبح سے اب تک خطوط پڑھتا تھا۔ تھک گیا ہوں اور بوڑھا بھی ہوں۔ جو لوگ دور ہیں اور ان کے کانوں میں میری آواز نہیں پہنچ سکتی ان کے کانوں میں وہ لوگ جو سنتے ہیں پہنچا دیں اور کوشش کریں کہ سب کے کانوں تک اس سورۃ کی آواز ضرور پہنچ جائے۔ جو سنتے ہیں وہ اس شکریہ میں دوسروں تک

پہنچائیں۔

یہ بڑی مختصر سورۃ ہے۔ پہلی بات اس سورۃ شریفہ میں یہ ہے کہ وَالْعَصْرِ۔ عصر ایک زمانہ کو کہتے ہیں۔ ہر آن میں پہلا زمانہ فنا اور نیا پیدا ہوتا جاتا ہے۔ ہر وقت زمانہ کو فنا لگی ہوئی ہے۔ کل کا دن ۲۶ دسمبر ۱۹۱۲ء اب کبھی نہیں آئے گا۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ آج کے بعد کبھی دنیا میں نہ آئے گا۔ آج کی صبح اب کبھی نہ آئے گی۔ یہ زمانہ بڑا بابرکت ہے۔ یہ جو آریہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ زمانہ مخلوق نہیں اور جو قدیم ہے وہ فنا نہیں ہوتا' وَالْعَصْرِ کالفظ ان کے لئے خوب رد ہے۔ میں جس زمانہ میں بولا وہ اب چلا بھی گیا اور جس میں آگے بولوں گا وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا۔ زمانہ کو غیر مخلوق ماننے والوں کے لئے کیسا عمدہ رد ہے۔ زمانہ کو جہاں تک لئے جائیں ایک حصہ مرتا جاتا ہے' ایک حصہ پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اس مرنے اور پیدا ہونے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

ایک فائدہ عصر میں یہ ہے کہ ہر ایک وقت جو انسان پر گزرتا ہے اس کو فنا لازم ہے۔ اسی طرح انسان کے اجزا بھی ہر آن میں فنا ہوتے ہیں اور ہر آن نئے اجزاء پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک نئی مخلوق بن کر انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ جب میں جوان تھا میرے سب بال سیاہ تھے۔ آج کوئی بال سیاہ نہیں۔ جب ہم نئی حالت میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کے معنی ہیں کہ ہر آن میں تم ہمارے محتاج ہو۔ اگر میرا فضل و کرم نہ ہو تو تم کچھ بھی نہیں۔

ایک بات عصر میں یہ ہے کہ لوگ زمانہ کو برا کہتے ہیں۔ شاعروں نے تو یہ غضب کیا کہ دنیا کا ہر ایک دکھ اور مصیبت زمانہ کے سر تھوپ دیا۔ خدا تعالیٰ کا نام ہی درمیان سے نکال دیا۔ گردش روزگار کی اس قدر شکایت کی ہے کہ جس کی حد نہیں۔ گویا ان کا دارومدار' ان کا نافع اور ضار سب کچھ زمانہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زمانہ کی شکایت نہ کرو۔ یہ بھی قابل قدر چیز ہے۔ عصر کے بعد پھر کوئی وقت نہیں ہوتا جو ہم فرض نماز ادا کریں۔

میرا یقین ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد غرض ہے کہ اب قرآن شریف جیسی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا رسول جس کے جانشین ہمیشہ ہوتے رہیں گے اب دنیا میں نہ آئے گا۔ عصر سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں کا زمانہ ہے۔ اب اور کے لئے زمانہ نہیں رہا یہاں تک کہ دنیا کا زمانہ ختم ہو۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ جس طرح زمانہ گھاٹے میں ہے اسی طرح انسان۔ ایک شخص مجھ سے

کہنے لگا کہ زمانہ قدیم ہے۔ میں نے کہا جب تم ماں کے پیٹ اور باپ کے نطفہ میں تھے وہ وقت اب ہے اور جب تم مروگے وہ زمانہ اب موجود ہے؟ کہا۔ نہیں۔ میں نے کہ ایک موجود ہے' وہ معدوم ہے۔ وہ موجود ہو گا۔ انسان کا جسم ایک برف کی تجارت ہے۔ اسی طرح زمانہ ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ گھاٹے میں تو سب ہیں مگر ایک شخص مستثنیٰ ہے۔ وہ کون؟ ایماندار کہ اس کو گھاٹا نہیں۔ ایمان کیا ہے؟ غیب الغیب ذات پر ایمان رکھنا۔ اس کو مقدم سمجھنا۔ اس کی نافرمانی سے ڈرنا اور یہ یقین کرنا کہ اگر ہم نافرمان ہوں تو اس پاک ذات کا قرب حاصل نہیں کر سکتے۔ نماز پڑھنا اور سنوار کر پڑھنا۔ لغو سے بچنا۔ زکوٰۃ دینا۔ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ کرنا۔ اپنی امانتوں اور عہود کا لحاظ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک' صفات' افعال' اسماء' اس کے محامد اور اس کی عبادات میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ ملائکہ کی نیک تحریک کو ماننا۔ انبیاء کی باتوں اور کتابوں کو ماننا۔

قرآن کریم تمام انبیاء کی پاک باتوں اور کتابوں کے مجموعہ کا خلاصہ ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ:۴) قرآن کریم سب کتابوں کا محافظ ہے۔ اس میں دلائل کو اور زیادہ کر دیا ہے۔ اس کتاب (قرآن کریم) کو اپنا دستور العمل بنانا' اس کو پڑھنا' سمجھنا' اس پر عمل کرنا' خدا تعالیٰ سے توفیق مانگنا کہ اس پر خاتمہ ہو' جزا سزا پر یقین کرنا' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم کمالات نبوت و رسالت اور خاتم کمالات انسانیہ یقین کرنا۔ دنیا میں جس قدر ہادی ان کے بعد آئیں گے سب انہیں کے فیض سے آئیں گے۔ ہمارے مسیح آئے' مگر غلام احمد ہو کر آئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

یہ حضرت صاحب کا سچا دعویٰ ہے اور اسی پر عملدر آمد تھا۔ ایک نقطہ بھی دین اسلام سے علیحدہ ہونا ان کو پسند نہ تھا۔

تم خدا تعالیٰ کی تعظیم کرو۔ اس کی مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ "مخلوق" کا لفظ میں نے بولا ہے۔ تم ایسے بنو کہ درختوں' پہاڑوں' جانوروں' سب پر تمہارے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہو۔ مخلوق الٰہی پر شفقت کرو۔ انسان پر جب تباہی آتی ہے تو اس کی وجہ سے سب پر تباہی نازل ہوتی ہے۔ ع

از زنا افتد وبا اندر جہات

جناب الٰہی نے جس طرح حکم دیا اس پر عمل کرو۔ گھاٹ پر پاخانہ پھرنے سے' درختوں کے نیچے اور راستوں پر پاخانہ پھرنے سے ہماری شریعت نے منع فرمایا ہے۔ ایمان کے ساتھ اعمال بھی نیک ہوں۔ جس میں بگاڑ ہے وہ خدائے تعالیٰ کا پسندیدہ کام نہیں۔ پھر ان سچے علوم کو میری زبان سے تم نے کچھ سنا ہے۔ اپنے گزشتہ امام سے سنا ہے اور اس کی پاک تصانیف میں دیکھا ہے۔

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ پاک تعلیم یعنی حق کو دوسری جگہ پہنچاؤ۔ بہت سے لوگ ہم سے ملنا چاہتے ہیں اور ہم سے محبت اور اخلاص چاہتے ہیں مگر ایمان کے حاصل کرنے اور ایمان کے مطابق سنوار کے کام کرنے اور پھر دوسروں تک پہنچانے میں متامل ہیں۔ بہت سے لوگ یہاں بھی آئے ہیں اور مجھ سے ملے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ ہم سے بالکل مل جائیں تو ہم آپ کے ہو جاتے ہیں۔ میں نے کہا ہماری تعلیم پر عمل کرو گے؟ تو کہتے ہیں تعلیم تو ہماری آپ کی ایک ہی ہے۔ میں نے کہا جب کہ تم ہماری تعلیم پر عمل کرنے سے جی چراتے ہو تو پھر ہم تم ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہ سن کر شرمندہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ سب کے سب منافق طبع لوگ ہوتے ہیں۔ ایسے منافق بہت ہیں۔ یہ سب ہم کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ تم حق کو پہنچاؤ اور حق کے پہنچانے میں علم و حکمت اور عاقبت اندیشی سے کام لو۔ جو عاقبت اندیشی سے کام نہیں لیتے وہ بعض اوقات ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں جن سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔

کسی شخص نے مجھ کو خط لکھا کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں میرے لئے دعا کرنا۔ احمدی نے سن کر کہا کہ مکہ مدینہ کا کیا کوئی الگ خدا ہے؟ اس پر اس شخص کو بڑا ابتلا پیش آیا۔ اگر نرمی سے کہا جاتا تو نتیجہ خطرناک نہ ہوتا۔ اس طرح کہ مکہ مدینہ بیشک قبولیت دعا کے مقام ہیں۔ پھر کہتا ہوں کہ خدا یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے۔ تم دونوں جگہ دعا مانگو یعنی یہاں بھی دعا ضرور مانگو۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے خسر سے کہا تھا کہ میرے لئے عرفات میں دعا کرنا۔ میرے خسر کا بیٹا جو ان کے ہمراہ حج میں موجود تھا اب موجود ہے وہ کہتا ہے کہ ہمارے باپ نے عرفات میں دعا مانگی اور میں آمین آمین کہتا جاتا تھا۔

مگر انسان سے اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ان غلطیوں کے دور کرنے کے لئے میں نے کہا تھا کہ میں تین مہینہ میں قرآن شریف پڑھا سکتا ہوں بشرطیکہ پانچ سات آدمیوں کی ایک جماعت ہو۔ قرآن کے لئے بھی دعا مانگنی چاہئے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ (البقرۃ:۲۸۳) جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کو خدا سکھاتا ہے۔ قرآن پڑھو۔ سیکھو۔ اس کے علم میں ترقی کرو۔ اس پر عمل کرو۔ قرآن سے تم کو محبت ہو۔

وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ حق کے پہنچانے میں کچھ تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ اس تکلیف کو برداشت

کرنے کے لئے دوسرے کو صبر سکھاؤ اور خود بھی صبر کرو۔ یہ سورۃ اگر تم نے سمجھ لی ہے تو دوسروں کو بھی سمجھاؤ اور برکت پر برکت حاصل کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو۔ اس کے ملائکہ سے' نبیوں اور رسولوں سے محبت کرو اور کسی کی بے ادبی نہ کرو۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی نعمت عطا کی ہے۔ حضرت صاحب کا دنیا میں آنا معمولی بات نہیں۔ اس طرح یہاں بیٹھے ہو۔ یہ انہیں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ دعائیں بہت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوسروں تک حق پہنچانے کے لئے توفیق دے۔ یہ مسجد میرے نام بنی ہے مگر میں دیکھتا ہوں یہ کس قدر تنگ ہے۔ اس مسجد نور کو بڑھاؤ۔ مگر نیکی کے لئے اس میں مدرسہ بناؤ مگر قرآن شریف کا۔ ایک مدرسہ یہاں ہے اس کی طرف تو ہمارے دوستوں کی بھی بہت توجہ ہے۔ گورنمنٹ بھی مدد دیتی ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کا سامان اور مکان بھی اچھا ہے مگر مدرسہ احمدیہ کے لئے کوئی نگرانی تک بھی نہیں۔ کوئی اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ لڑکوں کی کتابوں اور کپڑوں تک کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ مگر کچھ لوگ چلے آتے ہیں۔ وہ رات کے کپڑے' قرآن' سب سے محروم رہتے ہیں۔ چند روز بھٹک کر تم کو بددعائیں دیتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ میں نے چند آدمیوں سے ایک دن کہا تھا کہ اس قسم کے آوارہ لوگوں کے لئے کوئی تجویز کرو۔ انہوں نے ایک کمیٹی بنائی مگر صرف مجھ کو خبر پہنچانے کے لئے کہ ہم نے کمیٹی بنائی ہے' عمل کرنے کے لئے نہیں۔ دعا کرو کہ یہاں کے رہنے والوں کے دل دردمند ہوں۔ جو یہاں آئیں وہ ابتلاء میں نہ آئیں۔

یہاں تین قسم کے طالب علم آتے ہیں۔ اول مدرسہ انگریزی کے طالب علم۔ ان کے لئے مکان' کتاب ہر قسم کا انتظام ہے۔ دوسرے مدرسہ احمدیہ کے لئے۔ ان کی تعداد مدرسہ انگریزی کے مقابلہ میں بہت کم ہے مگر ان کا انتظام کچھ نہیں۔ تیسرے سب سے کم وہ جو آوارگی کے لئے یہاں آجاتے ہیں۔ تم سے کہنے کا منشاء ان کی شکایت نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ تم ہمت کرو گے تو کام نکلے گا۔ حضرت صاحب کی کتابوں کی اشاعت کرو۔ ایک شخص مکان بنانا چاہتا ہے۔ اس کے لئے بھی میں کہتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کسی کا قرضہ نہیں رکھتا۔ وہ تمہارا محتاج نہیں۔ تم سے جو کام لیا جاتا ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ تم کو نفع زیادہ حاصل ہو۔ صحابہ کرام نے جو کچھ خرچ کیا وہ اب تک واپس کیا جا رہا ہے اور قیامت تک واپس ہوتا رہے گا۔

میں تمہارے لئے دعائیں کر چکا ہوں اور کرتا رہتا ہوں۔ تم بھی دعاؤں کی بہت عادت ڈالو۔ دعائیں بہت کرو مگر خدا تعالیٰ کو آزمانے کے لئے دعائیں نہ کرو۔

خطبہ ثانیہ میں فرمایا۔

یہ ایک بڑا گر ہے۔ جس قدر تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تعظیم کرو گے تمہاری تعظیم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرو گے تو وہ تم پر رحم کرے گا۔ دعائیں بہت کیا کرو' وہ قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ تم اس کے ہو جاؤ وہ تمہارا ہو جائے گا۔

(بدر جلد ۱۲ نمبر ۳۱' ۳۲' ۳۳ ۔۔۔۔۔۔۔ ۲۷/ فروری ۱۹۱۳ء صفحہ ۳ تا ۵)

☆-☆-☆-☆

یکم مارچ ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (النحل:۹۱)۔

اللہ تعالیٰ جو حکم کرتا ہے وہ سب انصاف پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ تم کو بھی کہتا ہے کہ صراط مستقیم پر چلو کیونکہ نہ اس میں زیادتی ہوتی ہے نہ کمی ہوتی ہے۔

کسی کو دیوانہ پاگل سڑی اسی وقت کہتے ہیں جب کوئی حد سے تجاوز کر جائے۔ جو شخص سارا دن بولتا چلا جائے یا نمازوں میں لگ جائے کہ صبح کی نماز شروع کی اور عصر کا وقت کر دیا تو ایسا شخص اگرچہ نماز پڑھتا ہے مگر دیوانہ ہے۔ اسی طرح ایک شخص کی پانچ روپیہ تنخواہ ہو اور اس میں وہ چاہے کہ بیوی کا زیور بھی بن جائے' مکان بھی تیار ہو جائے اور ہم کو کسی کی محتاجی بھی نہ کرنی پڑے تو ایسے شخص کو پاگل ہی کہا جائے گا۔

میں نے ایک چھوٹی لڑکی کو کسی بات پر خوش ہو کر ایک روپیہ دیا۔ اس نے کہا کہ ایک تو یہ ہو گیا۔

ایک اور ہو گا تو دو ہو جائیں گے۔ پھر اسی طرح اس نے پچاس تک حساب لگالیا۔ میری بیوی نے ہنس کر کہا کہ تم نے اس کو ایک ہی روپیہ دیا ہے اور وہ تو پچاس روپے کا خرچ سوچ بیٹھی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ کنجوس ہے۔ کسی کو بھی کچھ نہیں دے سکتی۔ اگر کوئی اس سے کچھ مانگے گا تو یہ سوچے گی کہ میرے ایک روپیہ کا نقصان نہیں بلکہ پچاس کا ہوتا ہے۔

اپنی آمدنیوں کے مطابق اپنے اخراجات رکھو۔ کیا کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد خراب ہو۔ کیا کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص اس کے لڑکے یا لڑکی کو بدی سکھائے' خراب کرے' بدکار بنائے۔ میرے بھی لڑکی ہے۔ اس وقت میں اپنے آپ کو مخاطب کر رہا ہوں۔ جب کوئی یہ نہیں چاہتا تو پھر دوسروں کی اولاد کو جو تمہارے سپرد ہے' کیوں خراب ہونے کا موقع دیتے ہو۔ کیا کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماتحت نافرمان ہوں۔ جب یہ نہیں چاہتا تو کیوں نافرمانی کرتے ہو؟ یہ لڑکے جو اپنے آفیسروں' استادوں کی نافرمانی کرتے ہیں اور طرح طرح کی بدعتیں کرتے ہیں' اگر یہ صاحب اولاد ہوں اور ان کی اولاد بدی' نافرمانی کرے تو ان کو معلوم ہو کہ کس قدر دکھ ہوتا ہے۔ جب ہم اپنے ماتحتوں کو اپنا فرمانبردار دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم کو چاہئے کہ جس کے ہم ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار رہوں۔ کیا کوئی چاہتا ہے کہ ہمارا مال کوئی شخص دھوکہ سے کھالے۔

ہم یہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ کوئی ہم کو دھوکہ دے یا ہم کسی کا دھوکہ کھائیں۔ اس لئے ہم کو بھی چاہئے کہ کسی کو دھوکہ نہ دیں۔ جہاں کسی کے دھوکہ کھانے کا موقع ہو وہاں اپنے آپ کو بچائیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔ جو بات تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو؟ وہ تم کو برائیوں سے روکتا ہے اور ہر قسم کی بغاوت سے روکتا ہے۔ تم کو وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

(بدر جلد ۱۳ نمبرا---۶ / مارچ ۱۹۱۳ء صفحہ ۸)

☆-☆-☆-☆

۲۴؍ اپریل ۱۹۱۳ء

خطبہ نکاح

مسنونہ آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں تو باتیں سناتا ہوں اور درد سے سناتا ہوں۔ میں تم سے بعضوں پر اس لئے ناراض ہوں کہ میری ایسی ایسی درد بھری نصائح کو سن کر بھی تمہارے دل نہیں پسیجتے۔ مجھے کوئی راہ ایسی نظر نہیں آتی جس سے تم سمجھ جاؤ۔ دنیا کے ہر ایک کام میں عربی زبان کا تعلق پایا جاتا ہے۔ دیکھو جب کوئی کسی سے ملتا ہے تو اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ کہتا ہے جس میں دوسرے کے لئے ایک نہایت لطیف دعا ہے اور اگلا آدمی بھی وَ عَلَیْکُمُ السَّلاَمُ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ کہتا ہے۔ کسی چیز کا انکار کرنا ہو تو "لاحول" پڑھا جاتا ہے۔ کوئی عظمت کی بات نظر آتی ہے تو "سبحان اللہ" کہتے ہیں۔ غرض کہ روزہ، حج، زکوٰۃ اور انسان کے لئے نشست و برخاست، حرکات و سکنات اور چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، ہر ایک کام میں عربی کا ایک حصہ مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ایسی بہت سی مفید باتوں کو غالباً آٹھویں صدی سے مسلمانوں نے چھوڑ دیا ہے۔ پھر کس قدر مصیبت کی بات ہے۔ ہر ایک کام میں عربی زبان کا ایک حصہ ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مشترکہ زبان اگر کوئی ہے تو محض عربی ہے۔ خطبہ نکاح بھی عربی میں ہے۔ حدیث میں تم نے پڑھا تھا کہ شادی لوگ کیوں کرتے ہیں؟ بعض اس لئے کہ عالی خاندان لڑکی ملنے سے اس کے ساتھ بہت سامال آئے گا اور بعض لوگ مال کی پرواہ نہیں کرتے۔ جمال پر لٹو ہوتے ہیں۔ بعض قومیت پر مرتے ہیں۔ ایک آدمی نے مجھ سے کہا کہ میری شادی کرا دیں۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم شادی کیوں کرتے ہو؟ کہنے لگا گھر بند رہتا ہے۔ عورت گھر ہو گی تو دروازہ کھلا رہے گا۔ اسی طرح ایک اور سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ محض روٹی پکانے کی خاطر شادی کرنا چاہتا ہے۔ بعض کسی رنج پہنچنے سے رنج پہنچانے والے کی لڑکی سے شادی کر کے اپنا دل شاد کرنا چاہتے ہیں۔ بعض اپنی لڑکی اس لئے دوسروں کو دیتے ہیں کہ اپنی لڑکی کے ذریعہ دوسروں کو گزند پہنچائیں۔

غرض کہ بیسیوں قسم کے لوگ ہیں جو کسی خاص اپنے مطلب کو مدنظر رکھ کر شادی کرتے ہیں جن کو دینی اغراض سے بالکل ہی پرواہ نہیں ہوتی۔ حالانکہ رسول کریمؐ اور قرآن مجید کا منشاء صرف یہ ہے کہ شادیاں دینی اغراض پر مبنی ہوں۔ شادی ہونے سے ایک مدرسہ کھل جاتا ہے۔ لڑکی لڑکے کو ایسے ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جن کی ان کو قبل از شادی ہرگز بھی خبر و واقفیت نہیں ہوتی۔ پھر لڑکی کو تو ایسی جگہ جانا پڑتا ہے جہاں کے حالات سے وہ بالکل ناواقف ہوتی ہے۔ ہندوستان میں لوگ عورتوں کو فرائض شادی و نکاح کے علم نہیں سکھاتے۔ یہاں تک کہ حیض و نفاس تک کے امراض کی عورتوں کو خبر نہیں ہوتی کہ یہ کیا بلا ہے اور کس بلا کا نام ہے؟ تعلیم و تربیت عورتوں کی بہت کم رہ گئی ہے۔ مرد چاہتا ہے کہ جیسا میں نے ہومر اور شیکسپیئر اور اور لوگوں کے ناول پڑھے ہیں' میری بیوی بھی ایسی ہی ہو اور ایسے ہی ناز و نخرے میری عورت کو بھی آتے ہوں جیسے کہ اکثر ناولوں میں پڑھ چکا ہوں۔

ہمارے مولا کو چونکہ یہ سب باتیں معلوم تھیں' اس لئے اس نے لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا (الروم:۲۲) فرمایا ہے یعنی شادی سے تم کو بڑا آرام ہو گا۔ اور چونکہ عورتیں بہت نازک ہوتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان سے ہمیشہ رحم و ترس سے کام لیا جائے اور ان سے خوش خلقی اور حلیمی برتی جائے۔ مجھے پنجاب اور ہند کی عورتوں پر خاص کر ترس آتا ہے کہ یہ بیچاری ہر ایک کام سے ناواقفیت رکھتی ہیں۔ عرب کی عورتیں بڑی آزاد ہوتی ہیں اور وہ اپنے حقوق طلب کرنے میں بڑی ہشیار ہوتی ہیں۔

پھر باوجود ان کے بہت ہی بے باک اور بے دھڑک ہونے کے کسی کو جرأت نہیں کہ ان کو کوئی کچھ کہہ سکے یا ان پر کوئی حرف لا سکے۔ اور فرمایا کہ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۲۰) جہاں تک ہو سکے ان سے بھلائی کرو۔ تم ان سے نیکی کرو پھر اللہ تعالیٰ تم کو اس کے عوض بہتر سے بہتر اجر دے گا۔

چونکہ میرا مطالعہ بہت ہے اور مرد عورتوں کو اکثر درس دینے کا مجھے موقع ملا ہے اس لئے مرد اور عورتوں کی طبائع کا مجھے خوب علم ہے اور ان کی فطرت سے خوب واقف ہوں۔ میرے خیال میں عورتیں چشم پوشی اور ترس کی مستحق ہیں۔

بیاہ کے سبب دو عظیم الشان جماعتوں میں ربط و اتحاد پیدا ہو جاتا ہے اور کئی بھائی بہنیں نئی پیدا ہو جاتی ہیں۔ میدان رشتہ داری وسیع ہو جاتا ہے۔ زیادہ کیا کہوں یہ کہانی بڑی دردناک ہے اور میرے دل میں اس قدر کام ہیں کہ دم بھر کی بھی فرصت بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ میرے روز مرہ کے سارے کاموں کا پورا ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر دارومدار رکھتا ہے۔

پھر طرفین کے لڑکے اور لڑکی اور ان کے سرپرستوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب کی لڑکی مسماۃ جنت بی بی کا نکاح منشی عبدالرزاق صاحب کے لڑکے مسمی خلیل الرحمٰن کے ساتھ بمہر ایک ہزار روپیہ قرار پایا ہے۔ آپ سب لوگ دعا کریں کہ یہ تعلق دونوں کے واسطے اللہ کریم بابرکت کرے۔ ہمارا دل یہ بھی چاہتا ہے کہ لڑکیاں بھی ایک طرف ہوا کریں مگر مسلمانوں نے ابھی تک ترقی نہیں کی اس لئے ہمارا دل یہ بات کہنے سے ڈرتا ہے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمائے۔ آمین

(بدر جلد ۱۳ نمبر ۹---- یکم مئی ۱۹۱۳ء صفحہ ۹)

۱۳؍ جون ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا۔ وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَ سَآءَ سَبِيْلًا۔ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۔ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔

(بنی اسرائیل: ۳۲ تا ۴۰)

اور پھر فرمایا:۔

حق اللہ تعالیٰ کا' حق ماں باپ کا' حق ذوی القربیٰ کا' حق مسکینوں کا' حق مسافروں کا' حق کل مخلوق کا' جناب الٰہی بیان فرماتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں کہ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ اولاد کو قتل مت کرو۔ قتل میں نے بہت طرح سے دیکھا ہے۔ بعض عورتیں اس قسم کی دوا کھاتی ہیں کہ آئندہ اولاد نہ ہو۔ بعض کچے حمل گروادیتی ہیں۔ پھر میں نے دیکھا ہے کہ آپ بھی ساتھ ہی مرجاتی ہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ لڑکی پیدا ہو تو اسے مار دیتے ہیں۔ بعض ان کا علاج نہیں کرتے۔ بعض اس کی تربیت خوب نہیں کرتے۔ بعض اپنی اولاد کے لیے پاک صحبت کا انتظام نہیں کرتے۔ یہ نہیں سوچتے کہ ان کے لئے کونسا علم نافع ہو گا اور ان کی اولاد کا میلان طبع کس طرف ہے؟ ہزاروں لاکھوں کتابیں بنی ہوئی ہیں۔ ہر ملک کے لوگ اپنے خیال کے مطابق پڑھانے چلے جاتے ہیں۔ نہ پڑھنے والے کی دلچسپی کا خیال کرتے' نہ لغو' ناقص اور اہم و مفید میں کوئی فرق کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں یہ سب قتل اولاد کی قسم میں سے ہے۔

پھر ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ بدکاریوں کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ نزدیکی کبھی آنکھ سے ہوتی ہے' کبھی کان سے' کبھی زبان سے' کبھی ہاتھ سے' کبھی روپے سے۔ غرض ابتدا انہی باتوں سے ہوتی ہے۔ تم ان سے بچو۔ گندی صحبتوں سے نفرت رکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ یہ بڑی بے حیائی اور بد چلنی کا کام ہے۔ ناحق کسی کو قتل نہ کرو۔ مظلوم کو خدا تعالیٰ ضرور مدد دیتا ہے۔ وہ بدلہ لینے میں خطا نہ کرے۔ یتیموں کے مال کے نزدیک بھی نہ جاؤ سوائے اس طریق کے جو ان کے حق میں بہتر ہو۔ اپنے عہدوں میں وفاداری کرو۔ ہم سے بھی تم نے عہد کئے ہیں۔ ماپنے اور تولنے میں سیدھا معاملہ کرو۔ انجام بخیر ہو گا۔

جس چیز کا علم نہ ہو اسے منہ سے مت بولو۔ اس کے درپے نہ ہو۔ کانوں اور آنکھوں اور قویٰ کے مرکزوں سے یہ باتیں اٹھتی ہیں۔ ان سب سے باز پرس ہو گی۔ اکڑبازی سے ملک میں مت چلو۔ تم نہ زمین کو پھاڑ سکتے ہو' نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو۔ خدا کو یہ باتیں ناپسند ہیں۔ ان کو چھوڑ دو۔ اللہ نے اس کتاب میں بڑی حکمت کی اور پکی باتیں بتائی ہیں۔ ان پر عمل کرو۔ اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ۔ مشرکوں کی سزا جہنم ہے۔ (الفضل جلد ۱ نمبر ۱--- ۱۸ / جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۱)

☆-☆-☆-☆

۲۰ر جون ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۸۵ تا ۲۸۷ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس سورۃ میں بہت سی باتیں خدا تعالیٰ نے لوگوں کو بتائی ہیں۔ پہلے یہ بتایا کہ یہ کتاب تمہارے لئے ہلاکت نہیں بلکہ ہدایت ہے۔ ایمان لاؤ۔ نمازیں ٹھیک کرو۔ اللہ کی راہ میں دو۔ منافق نہ بنو۔ خدا کے تم پر بہت احسان ہیں۔ اگر وہ ناراض ہو گا تو پھر تمہارا نہ کوئی سفارشی ہو گا' نہ ناصرو مددگار۔ نہ جرمانہ دے کر چھوٹ سکو گے۔ پھر فرماتا ہے بہت سے لوگ ہیں جن پر ہم انعام کرتے ہیں مگر وہ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو بارگاہ ایزدی سے بہت دور لے جاتے ہیں۔ یہ بیان کر کے ایک اور گروہ کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کا بڑا فرمانبردار ہے۔ اس ضمن میں جناب الٰہی نے فرمایا کہ تم متوجہ الی اللہ رہو۔ یکجہتی حاصل کرو۔ پھر حج کے احکام' روزے کے احکام' گھر کے معاملات کے متعلق ضروری مسئلے بتاتے ہوئے صدقہ خیرات کی طرف متوجہ کیا۔ لین و دین کے مسائل بیان کئے۔ بیاج اور سود سے منع کیا۔ پھر فرمایا تم سمجھتے بھی ہو زمین و آسمان میں ہماری سلطنت ہے۔ تم ہماری شریعت کی خلاف ورزی کر کے سکھ نہیں پا سکتے۔

دیکھو ہم جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے خوب جانتے ہیں اور اس کا حساب تم سے لیں گے۔ بہت سے لوگ ہیں جن کو روپیہ مل جائے وہ تمیس مار خان بن بیٹھتے ہیں۔ ان کو واضح رہے کہ حساب ہو گا اور ضرور ہو گا۔

ذرا تم اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ اٹھارہ برس کے بعد ہی سے سہی' آج تک اپنے نفس کے عیش و آرام کے لیے کس قدر کوشش کی ہے اور اپنی بیوی بچوں کے لیے کیسے کیسے مصائب جھیلے ہیں اور خدا کو کہاں تک راضی کیا۔ سوچو! اپنے ذاتی و دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے کتنی کوششیں کرتے ہو اور اس کے مقابلہ میں الٰہی احکام کی نگہداشت کس حد تک کرتے ہو۔

(ایک مخلص لڑکا پنکھا کر رہا تھا اسے فرمایا) کہ چھوڑ دو۔ اس طرح سننے میں حرج ہوتا ہے۔ ایسی باتوں کا مجھے خیال تک نہیں ہوتا اور میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ خدا کے فضل سے تمہارے سلام کا' تمہاری نذر و نیاز کا' تمہاری تعظیم کا ہرگز محتاج نہیں۔ میری تو یہ حالت ہے کہ میں جمعہ کے لئے نہا رہا تھا۔ نفس کا محاسبہ کرنے لگا اور اس خیال میں ایسا محو ہوا کہ بہت وقت گزر گیا۔ آخر میری بیوی نے مجھے آواز دی کہ نماز کا وقت تنگ ہوتا جاتا ہے۔ وقت کا یہ حال اور ہم ہیں کہ ننگ دھڑنگ بیٹھے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (البقرة:۲۸۵) کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اگر میری بیوی مجھے یاد نہ دلاتی تو ممکن تھا اسی حالت میں شام ہو جاتی۔

غرض تم لوگ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتیں جانتا ہے اور ایک دن تمہارا حساب ہو گا۔ خود حساب دینا ہی ایک خطرناک معاملہ ہے۔ پاس کرنا اور ناکام رہنا تو دوسری بات ہے۔ جو تقویٰ کی راہ پر چلا اسے بخش دے گا اور جو گمراہ ہیں ان کو عذاب ہو گا۔ ہمارا رسول اور دوسرے مومن تو اس طریق پر چلتے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ فرشتوں کی نیک تحریکیں مانتے ہیں اور ان میں تفرقہ نہیں کرتے۔ یعنی یوں نہیں کہ کسی کو مان لیا اور کسی کو نہ مانا۔ پھر ان کی گفتار' ان کے کردار سے کیا نکلتا ہے؟ (قَالُوْا کے معنے بتایا زبان سے یا اپنے کاموں سے) سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ثابت کرتے ہیں۔ نہ صرف وہ اپنی زبان بلکہ اپنے اعمال سے دکھاتے ہیں کہ باتیں سنیں اور ہم فرمانبردار ہیں۔ تیری مغفرت طلب کرتے ہیں۔ تیرے حضور ہم نے جانا ہے۔ اے مولا! تو ہی ہمیں طاقت عطا فرما اور ہمارے نسیان و خطا کا مواخذہ نہ کر۔ ہم پر وہ بوجھ نہ رکھ جو ہم سے برداشت نہ ہو سکیں۔

یہ دعا مومنوں کی ہے۔ تم یہی مانگا کرو۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ ہر وقت جناب الٰہی سے مغفرت طلب کرتے رہو اور اسی کو اپنا والی اور ناصر جانو۔ بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کو سمجھانے والے کے

سمجھانے کی برداشت نہیں۔ وہ اپنے خیالات کے اندر ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ اسی قسم کی بے پرواہی اور تکبر کا نتیجہ ہے کہ کفار نے تمہاری سلطنتیں لے لیں۔ اگر تم پورے غور سے خدا کی بادشاہت اپنے اوپر مان لیتے اور مومن بنتے تو کفار کے قبضہ میں نہ آتے۔ اللہ بڑا بے پروا ہے۔ اسے فرمانبرداری پسند ہے۔ خد تعالیٰ آسودگی بخشے تو متکبر نہ بنو۔ لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ دوسروں کی بیٹیوں کے ساتھ نیک سلوک نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کے اپنے گھروں میں بیٹیاں ہیں جو دوسرے گھروں میں جانے والی ہیں۔ جو سلوک تم نہیں چاہتے کہ ہم سے ہو وہ غیروں سے کیوں کرو۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہو اور خدا کے فرمانبردار بننے کی کوشش کرو۔ اللہ تمہیں توفیق بخشے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۲--- ۲۵ر جون ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۲۷؍ جون ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح نے خطبہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی (النحل:۹۱) پر پڑھا۔ فرمایا عدل ایک صفت ہے اور بہت بڑی عجیب صفت ہے۔ عدل ہر شخص کو پیارا لگتا ہے اور بہت پیارا لگتا ہے۔ عادل ہر ایک شخص کو پسند ہے اور بہت پسند ہے۔ کان رس کے طور پر بھی عدل کا لفظ پیارا ہے۔ اپنی ذات کے متعلق بھی جب آدمی کو ضرورت پڑے اسے عدل بہت پیارا لگتا ہے۔ مگر نہایت تعجب ہے باوجود اس کے کہ عدل نہایت پسندیدہ چیز ہے جب دوسرے کے ساتھ معاملہ پڑے تو انسان عدل بھول جاتا ہے۔

عجائبات جو میں نے دنیا میں دیکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض لوگ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور پھر پتھر کے بت' پانی کے دریا' پیپل اور بڑ کے درخت' جانوروں میں سانپ اور گائے کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے بڑا تعجب آتا ہے کہ اتنی بڑی عظیم الشان ذات کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز کو کیوں اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح عدل کے معاملہ میں بھی کئی سو تعجب دنیا میں مجھے ہوا ہے۔ ایک تعجب ہے کہ انسان عدل کو اپنے لئے' اپنے دوستوں کے لئے' اپنے خویش و اقارب کے لئے بہت پسند کرتا ہے مگر جب دوسرے کے

ساتھ معاملہ پیش آئے پھر عدل کوئی نہیں۔ کسی کا بھائی باوا یا بہن یا ماں یا بیٹی مقدمے میں گرفتار ہو جائے تو وہ کہتا ہے اس سے بڑھ کر میرا کون ہے۔ ان کے چھڑانے کی کوشش میں اگر میری جان بھی جائے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ اس وقت بعض لوگ جھوٹی گواہی' جعلسازی' رشوت دینے تک تیار ہو جاتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر یہ کام کرتے ہیں۔ مگر سوچو جس نے ایسا کیا اس نے عدل نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ہمارا رحمٰن' ہمارا رحیم' ہمارا مالک' ہمارا رازق' ہمارا ستارالعیوب ہے۔ اس کی صفات کو چھوڑ کر کہتا ہے کہ بس جو کچھ ہے میرا ہی بیٹا ہے یا یہ بیوی ہے یا ماں ہے۔ دیکھو وہی عدل جو بڑا پسند تھا اس وقت بھلا دیا۔

یہاں دو لڑکوں میں ایک گیند کا مقدمہ ہوا۔ دونوں مجھے عزیز تھے۔ اب میں حیران ہوا کہ کس کو دلاؤں؟ میرے پاس پیسے ہوتے تو میں مدعی کو گیند لے دیتا مگر قدرت کے عجائبات ہیں کہ بعض اوقات نہیں ہوتے۔ ایک نے گواہی دی کہ یہ گیند اس لڑکے کا ہے کیونکہ اس کے لئے ایک شخص نے میرے سامنے امرتسر کے اسٹیشن سے خریدا تھا۔ میں نے کہا سچ کہتے ہو۔ اس نے کہا مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟ تب میں نے گیند دوسرے لڑکے کو دلایا۔ تھوڑے دن گزرے تو گواہی دینے والا اس لڑکے کے ساتھ غالباً لڑ پڑا تو یہ راز ظاہر ہوا کہ اس نے جھوٹی گواہی دی تھی۔ دیکھو اس نے عدل نہ کیا اور ظاہرداری کے لیے خدا کو ناراض کر دیا۔ میں نے اس لڑکے کو دیکھا ہے۔ بڑا خوبصورت تھا۔ جان نکل گئی۔ بس یہ انجام ہوتا ہے۔ یاد رکھو ہر بدی کا انجام برا ہوتا ہے۔ جناب الٰہی کا حکم مان لو۔ فرماتے ہیں۔ عدل کرو۔ ہم تمہارے خالق' ہم تمہارے مالک' رحمٰن' رحیم' تمہارے ستار' تمہارے غفار' ہماری بات ماننے میں مضائقہ اور اپنے کسی پیارے کی بات ہو تو جان تک حاضر۔ یہ عدل نہیں۔

اسی طرح میں دیکھتا ہوں کہ ہر افسر اپنے ماتحت سے چاہتا ہے کہ جان توڑ کر خدمت کرے۔ میں جو تنخواہ دیتا ہوں تو یہ روپیہ ضائع نہ کرے۔ لیکن آپ جس کا نوکر ہے اس کی نوکری میں اگر جان توڑ کر محنت نہیں کرتا تو یہ عدل نہیں۔

اس وقت ایک بات یاد آ گئی۔ کسی امیر کی چوری ہو گئی اور اس چوری کے برآمد کرانے والے کے لئے بڑا انعام مشتہر ہوا۔ افسر پولیس نے اپنے ماتحتوں کو بلایا اور کہا۔ لو بھئی اب تو عزت کا معاملہ ہے۔ ایک میرا رشتہ دار بھی اس کے ماتحت تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں نے ایسی شدید محنت کی کہ مال برآمد کرا لیا۔ مجرموں سے اقرار بھی کروا لیا۔ اس آفیسر نے سولہ روپے جیب سے نکال کر دیئے کہ لے بیٹا! تم یہ لو۔ وہ انعام تو خدا جانے کب ملے گا۔ پھر ایک مفصل رپورٹ لکھی جس میں دکھایا کہ کس طرح اس

مقدمہ کی تفتیش میں نے محنت سے کی اور بعض اوقات اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ غرض وہ ساری کارگزاری اس غریب کی اپنی کر کے دکھائی اور انعام خود ہضم کر لیا بلکہ ترقی کی درخواست دی۔ دیکھو ادھر عدل کے لئے کتنا زور دیا کہ میں نے ایسی محنت کی' مجھے ترقی ملے' وہ انعام ملے اور دوسری طرف کیسی بے انصافی کی کہ اپنے ماتحت کا حق خود ضبط کر لیا۔

رات دن میں یہ حال دیکھتا ہوں۔ ایک شخص کے گھر میں بہو آتی ہے۔ وہ اسے نہایت حقیر سمجھتا ہے مگر اپنی لڑکی کے لئے ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ کوئی اسے میلی آنکھ سے بھی دیکھے۔ پہریداروں کو دیکھا گرم بستر گھر میں موجود' سردی کے موسم میں سرد ہوا کی پروانہ کر کے وہ آدھی رات کو چند ٹکوں کی خاطر خبردار! خبردار! پکارتا پھرتا ہے مگر جن کو خدا نے ہزاروں روپے دیئے اور عیش و عشرت کے سامان' وہ اتنا نہیں کر سکتے کہ پچھلی رات اٹھ کر تہجد تو درکنار استغفار ہی کریں۔ یہ عدل نہیں۔

پس میرے عزیزو! تم خدا کے معاملہ میں' مخلوق کے معاملہ میں عدل سے کام لو۔ ایک طرف جناب الٰہی ہیں' ایک طرف محمد رسول اللہ ہیں۔ محمد رسول اللہ کی دعائیں اپنے حق میں سنو۔ آپ کا چال و چلن سنو پھر یہ کہ آپ نے ہمارے لئے کیا کیا۔ اپنے تئیں جان جوکھوں میں ڈالا۔ ایسے مخلص مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اپنے دوست کی فرمانبرداری کے برابر بھی نہ کرو تو کس قدر افسوس کی بات ہے۔

بعض تاجروں کو میں نے دیکھا ہے۔ وہ رستے میں چلتے ہیں اور حساب کرتے جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اپنے فکر میں مست ہیں اور یہ خیال نہیں کہ جس نے یہ تمام نعمتیں دیں اس کا شکر بھی واجب ہے۔ دیکھو! اس وقت میں کھڑا ہوں اور محض خدا کے فضل سے کھڑا ہوں۔ پرسوں میری ایسی حالت تھی کہ میں سمجھا کہ میرا آخری دم ہے۔ اسی کا فضل ہوا جو مجھے صحت ہوئی۔ اسی نے مجھے عقل و فراست دی۔ اپنی کتاب کا علم دیا۔ رسولوں کی کتابوں کا فہم دیا۔ اگر یہ انعام نہ ہوتے تو جیسے اور بھنگی ہمارے شہر کے ہیں میں بھی ہو سکتا تھا۔ میں تمہیں کھول کر سناتا ہوں کہ عدل کرو۔ روپیہ جس آنکھ سے لائے ہو اسی سے ادا کرو۔ مزدور کو مزدوری پسینہ سوکھنے سے پہلے دو۔ خدا کے ساتھ معاملہ صاف رکھو۔ پھر اس سے بڑھ کر حکم دیتا ہے کہ عدل سے بڑھ کر احسان کرو۔ پھر فرماتا ہے احسان میں تو پھر احسان کا خیال آجاتا ہے۔ تم دوسروں سے ایسا سلوک کرو جیسے اپنے بچوں کے ساتھ بدوں خیال کسی بدلے کے کرتے ہیں۔ میرا منشا تمام رکوع کا تھا مگر ضعف غالب ہے اس لئے بیٹھتا ہوں۔

خطبہ ثانیہ

فرمایا:۔ دعا کے سوا مجھے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی جو بدیوں سے بچائے' کامیابی دکھائے۔ ابھی ایک لڑکا تھا۔ اس کو ابھی ہوش نہ تھا کہ میرے پاس لایا گیا۔ بڑے بڑے رنگوں میں اس کے ساتھ میں نے سلوک کیا۔ مجھے بڑے بڑے خیال تھے۔ خدا اسے یہاں تک پہنچاوے۔ مگر آخر اسے عیسائیوں کا گھر پسند آیا۔ دل جو ہوتے ہیں ان کا نام قلب اسی لیے رکھا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس واسطے میری عرض ہے کہ تم دعاؤں میں لگے رہو۔ تمہارے بھلے کے لئے کہتا ہوں ورنہ میں تو تمہارے سلاموں' تمہارے مجلس میں تعظیم کے لیے اٹھنے کی خواہش نہیں رکھتا اور نہ یہ خواہش کہ مجھے کچھ دو۔ اگر میں تم سے اس بات کا امیدوار ہوں تو میرے جیسا کافر کوئی نہیں۔ اس بڑھاپے تک جس نے دیا اور امید سے زیادہ دیا وہ کیا اب چند روز کے لئے مجھے تمہارا محتاج کرے گا؟ سنو! بچے کی شادی تھی۔ میری بیوی نے کہا۔ کچھ جمع ہے تو خیر' ورنہ نام نہ لو۔ میں نے کہا خدا کے گھر میں سبھی کچھ ہے۔ آخر بہت جھگڑے کے بعد اس نے کہا اچھا پھر میں سامان بناتی ہوں۔ میں نے کہا میں تمہیں بھی خدا نہیں بناتا۔ میرے مولا کی قدرت دیکھو کہ شام تک جس قدر سامان کی ضرورت تھی مہیا ہو گیا۔ یہ میں نے کیوں سنایا تا تمہیں حرص پیدا ہو اور تم بھی اپنے مولا پر بھروسہ کرو۔ پھر میری بیوی نے کہا۔ عبدالحی کا مکان الگ بنانا ہے تو اس کے لئے بھی خدا نے ہی سامان کر دیا۔ ان فضلوں کے لیے عدل کا اقتضا ہے کہ میں سارا خدا کا ہی ہو جاؤں۔ قویٰ بھی اسی کے' عزت و آبرو بھی اسی کی۔

میری پہلی شادی جہاں ہوئی وہ مفتی ہمارے شہر کے بڑے معظم و مکرم تھے۔ ایک دن میری بیوی کو کسی نے کہا۔ "چبارے دی اٹ وہنی وچہ جا لگی ایں" مگر کہنے والے نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑے فضل کئے۔ پھر ہمیں ایسے موقع پر ناطہ دیا کہ تم تعجب کرو۔ جموں کا رئیس بیمار تھا۔ اس نے بہت دوائیں کیں۔ کچھ فائدہ نہ ہوا تو فقرا کی طرف متوجہ ہوا۔ جب ہندو فقراء سے فائدہ نہ ہوا تو مسلمان فقرا کی طرف توجہ کی اور ان سب فقرا کو بڑا روپیہ دیا۔ ایک میرا دوست جو اس روپے کے خرچ کا آفیسر تھا اس نے ذکر کیا کہ تین لاکھ تو خرچ ہو چکا۔ اب ایک فقیر سنا ہے جسے بلانے کے لئے آدمی گیا اور اس کے لئے اتنے ہزار روپے تھے مگر اس کا خط آیا۔ اس میں لکھا تھا میرا کام تو دعا کرنا ہے۔ دعا جیسی لدھیانہ میں ہو سکتی ہے ویسی کشمیر میں۔ دونوں جگہ کا خدا ایک ہے۔ وہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ایک بات ہے۔ اگر آپ کا رعایا سے اچھا سلوک نہیں تو اس کے افراد بد دعائیں دے رہے ہوں گے تو میں ایک دعا

کرنے والا کیا کر سکتا ہوں۔ باقی رہے روپے' سو جب آپ نے فقیر سمجھا ہے تو پھر غنی نہیں ہو سکتا۔ اس آفیسر نے کہا کہ میں نے نہ ایسا آدمی ہندوؤں میں دیکھا ہے' نہ مسلمانوں میں۔ میں نے کہا سردار صاحب! ایسے آدمیوں کے ساتھ رشتہ ہو تو پھر کیا بات ہے۔ سنو! عبدالحی کی ماں اسی بزرگ کی بیٹی ہے۔ خدا تعالیٰ میری خواہشیں تو یوں پوری کرتا ہے۔ اب میں غیر کا محتاج بنوں تو یہ عدل نہیں۔ میں نے نیکوں سے اخلاص کے ساتھ تعلق چاہا تو خدا کو بھی پسند آیا۔ ہمارے گھر میں باغ لگا دیا۔ فرط دیئے۔ عقلمند بھی دیئے۔ اس واسطے میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تمہارا ہتھیار دعا ہو جائے۔ دعا بڑی نعمت ہے۔

(الفضل جلد ا نمبر ۳--- ۲/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵-۱۶)

۴؍ جولائی ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح نے سورۃ الفرقان کی آیات ۶۲ تا ۷۸ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میری نیت اس رکوع کے سنانے میں یہ ہے کہ کسی کو اس پر عمل نصیب ہو جائے اور وہ اسے اپنا دستور العمل بنائے۔

اس میں بتایا ہے کہ رحمٰن کے پیارے، رحمٰن کے پرستار کون ہیں؟ دیکھو اس وقت تم بیٹھے ہو۔ سب کی آوازوں میں اختلاف۔ لباسوں میں اختلاف۔ مکانوں میں اختلاف۔ صحبتوں میں اختلاف۔ مذاقوں میں اختلاف، غرض اختلاف ایک فطری امر ہے۔ اب خدا ہی کا فضل ہے کہ تم ایک وحدت کے نیچے آ گئے۔ میں کبھی گھبرایا نہیں کرتا کہ فلاں شخص کو کیوں ہمارا خیال نہیں کیونکہ میرے مولیٰ کا ارشاد ہے وَ لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ (ہود:۱۱۹،۱۲۰)۔ پس جس پر فضل ہوا وہ اختلاف سے نکل کر وحدت ارادی کے نیچے آجائے گا۔

اس رکوع میں اللہ نے ان باتوں کی طرف متوجہ کیا ہے جن پر چل کر انسان اختلاف سے بچ سکتا ہے۔

گالی کا جواب گالی، یہ جوانمردی کی بات نہیں۔ جو ایک گالی پر صبر نہیں کرتا اسے آخر پھر گالیوں پر صبر

کرنا پڑتا ہے۔ اختلاف تو بیشک ہوتے ہیں کیونکہ ہماری فطرتوں میں اختلاف ہے مگر عباد الرحمٰن کا طریق یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنی روش سکینت' وقار کی رکھتے ہیں۔ تکبر و تجبر و عصیان سے کام نہیں لیتے۔ بھاری بھرکم رہتے ہیں۔ وہ ہر معاملہ میں صبر' عاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ اختلافوں سے بچنے کی راہ ھون ہے۔

میرا ایک استاد تھا۔ اس نے مجھے نصیحت کی کہ دنیا میں سکھی رہنا چاہتے ہو تو اپنے تئیں ایسا نہ بناؤ کہ اپنے خلاف ہونے سے گھبرا جاؤ اور دوسروں سے لڑنے لگو۔

رحمٰن کے پرستار' رحمٰن کے پیارے وہ ہیں جو سخت بات سننے پر سلامتی کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔

دوم۔ وہ رات عبادت میں گزار دیتے ہیں۔ کبھی کھڑے ہو کر جناب الٰہی کو راضی کرتے ہیں' کبھی سجدہ میں پڑ کر۔

سوم۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگتے ہیں۔ اپنے مولیٰ کے آگے گڑگڑاتے ہیں۔

چہارم۔ وہ ان لوگوں کی طرح نہیں جو روپیہ ہاتھ لگنے پر جھٹ ناجائز جگہ پر خرچ کر دیتے ہیں بلکہ سوچ سمجھ کر ضرورت حقہ پر درمیانی راہ اختیار کرتے ہیں۔

پنجم۔ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں جانتے اور اپنے تئیں ہلاکت میں نہیں ڈالتے اور نہ قتل کرتے ہیں۔ نہ زنا کرتے ہیں کیونکہ جو ایسا کرتا ہے وہ سزا پاتا ہے۔ رحمٰن کے پیارے تو ایسے افعال شنیعہ سے بچتے رہتے ہیں اور سنوارنے والے کاموں میں اپنا وقت خرچ کرتے ہیں۔

خطبہ ثانیہ

دوسرے خطبہ میں فرمایا۔

مسلمانوں سے حمد اٹھ گیا۔ وہ کبھی اپنی حالت پر راضی نہیں ہوتے اور نہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ جب سے حمد و شکر اٹھا' خدا تعالیٰ کا انعام بھی اٹھ گیا۔ وہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ (ابراھیم:۸) کو نہیں سمجھے۔ تم اللہ تعالیٰ کی بہت حمد کیا کرو۔ ہماری کتاب بھی الحمد للہ سے شروع ہوتی ہے۔ ہمارے خطبے بھی الحمد سے شروع ہوتے ہیں۔ اس خطبہ میں دوبار الحمد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ۔ اور اس کے لئے اسی سے مدد طلب کرو اور اللہ کو ہر حال میں یاد رکھو۔ وہ تمہیں یاد رکھے گا۔

(الفضل جلد ا نمبر ۴---۹ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۱۱ر جولائی ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین نے سورہ الفرقان کی آیات ۷۱ تا ۷۸ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

بعض لوگ تو بالکل کافر ہوتے ہیں اور بعض منکرین نہیں ہوتے۔ اللہ پر' اس کی کتابوں پر' جزاء و سزا کے مسئلہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر پھر بھی جرائم پیشہ ہوتے ہیں۔ جرائم پیشہ کئی قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن پر پولیس کا قبضہ ہو سکتا ہے۔ ایک وہ جو پولیس کی نظر سے بچے رہتے ہیں۔ ان میں سے مدارس کے بعض لڑکے بھی ہیں جو شہوت سے اندھے ہو کر ناکردنی حرکات کرتے ہیں۔ تاجروں اور حرفہ پیشوں میں بھی جرائم پیشہ ہیں۔ قسم قسم کے عناد' جعلسازیاں اور دھوکے وہ دن رات سوچتے رہتے ہیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہیں جو خود تو کوئی جرم نہیں کرتے مگر دو شخصوں کو آپس میں لڑوا دیتے ہیں۔ غرض بہت سی مخلوق جرائم پیشہ ہے۔ ان کے لئے یہ علاج فرمایا کہ وہ توبہ کریں۔ اللہ پر ایمان لائیں۔ برے کام چھوڑ کر سنوار والے کام کریں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ملانوں کے وعظ کے دھوکے میں آ کر جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے ہم بالاخانہ پر رہتے تھے اور نیچے کے کمرے میں ہمارا کتب خانہ تھا۔ میرے بھائی صاحب کتب خانہ میں گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ملاں کتابوں کی گٹھڑی باندھ رہا ہے۔ وہ حیران سے رہ گئے کیونکہ اس پر ان کا بہت نیک گمان تھا۔ اتنے میں وہ گٹھڑی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کتاب لایا جس میں لکھا تھا۔ کوئی ہزار چوری کرے' ڈاکے ڈالے' قتل کردے' زنا کا مرتکب ہو' یہ کلام پڑھ لے تو سب کچھ معاف ہو جاتا ہے۔ اور اس کے نیچے لکھا تھا کہ "ہر کہ دریں شک آرد کافر گردد"۔ جو اس مسئلہ کے موافق ہونے میں شک کرے گا وہ کافر۔ ملاں نے کہا بے شک میں آپ کی کتابوں کی گٹھڑی چوری لے چلا تھا اور اس سے پہلے بھی کئی کتابیں چرائی ہیں۔ مگر یہ کلام' یہ دعا میں ہر روز کئی بار پڑھ لیا کرتا ہوں۔ اب اس میں میرا کیا قصور ہے؟

اسی طرح بعض لوگ جب خدا کی رحمت اور مغفرت کی بعض بے سروپا روائتیں سن لیتے ہیں تو دلیر ہو جاتے ہیں۔ مگر سب کا یہ حال نہیں۔ میں نے بڑے بڑے نیک لوگ دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک بزرگ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کاشت کرتے تھے۔ خدا رسیدہ تھے۔ جب کوئی حکام سے سفارش کے لئے کہتے تو اپنی سادگی سے جس حال میں ہوتے چل پڑتے۔ ایک دفعہ کسی غریب نے سفارش کے لئے عرض کیا۔ اس وقت کھیت کو پانی دے رہے تھے۔ اسی طرح "کہی" کندھے پر رکھے' پاؤں گھٹنوں تک کیچڑ سے بھرے ہوئے کچہری میں چلے گئے۔ تحصیلدار جس کے پاس گئے تھے اس نے بدگمانی سے کام لیا۔ وہ سمجھا یہ مکار آدمی ہے۔ اس نے جھڑک دیا۔ آپ نے کہا اچھا! اب تم نے غصہ تو نکال لیا۔ سفارش قبول کر لو۔ تحصیلدار نے پرواہ نہ کی۔ بلکہ کہا جاؤ جی تم جیسے کئی دیکھے ہیں۔ آپ واپس چلے گئے۔ ایک مولوی صاحب پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے تحصیلدار کو یقین دلایا کہ یہ ایسا ویسا آدمی نہیں۔ اس کے کہنے سننے سے تحصیلدار نے کہا اچھا بلا لاؤ۔ وہ گئے اور عرض کیا۔ میاں صاحب! آپ کو پہچانا نہیں۔ فرمایا۔ اب تو یہ معاملہ عرش تک پہنچ گیا۔ اب وہاں سے موڑنا میرا کام نہیں۔ انہوں نے کہا پھر کیا ہو گا؟ کہنے لگے تیسرے دن دیکھ لو گے۔ آخر یوں ہوا کہ وہ ایک مقدمہ میں گرفتار ہو گیا۔ تین برس بامشقت قید کی سزا ہوئی۔ جیل خانہ سے تبدیل ہوئے۔ اونٹ پر سوار کرایا گیا۔ گرا اور ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔

غرض نیکوں کو نیکی کی جزا اور بدوں کو بدی کی سزا ملتی ہے۔ جزاء و سزا کا مسئلہ برحق ہے۔ جو اللہ اور رسول کو مان کر پھر بھی جرائم پیشہ ہیں وہ توبہ کرلیں تو اللہ ان پر اپنا فضل کرے گا۔

رحمٰن کے پیارے جھوٹ اور لغو باتوں سے شریفانہ گزر جاتے ہیں اور جب ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں

پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر نہیں سنتے۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ تم اندھے بہرے بنو۔ ہم تمہیں بہت قرآن مجید سناتے ہیں اور اللہ جانتا ہے تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ بلکہ ہم تو کئی بار کہہ چکے ہیں کہ ہمیں تمہارے سلاموں کی' تمہاری تعظیم کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمیں ہمارا مولیٰ بڑھ بڑھ کر رزق دیتا ہے اور ایسی جگہ سے دیتا ہے کہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ اور یہ پیری مریدی کا روپیہ تو میں ایک کوڑی بھی اپنے پاس نہیں رکھتا تھا بلکہ فوراً مولوی محمد علی کو بھیج دیتا۔ مگر گزشتہ سے پیوستہ سال کا ذکر ہے۔ مجھے کسی نے کہا ہم تمہاری نگرانی کریں گے۔ تب میں نے کہا اچھا! لوگ کہاں تک اور کتنی نگرانی کر سکتے ہیں۔ ایک ہزار کسی نے دیا۔ میں نے گھر میں رکھ لیا۔ پھر ایک شخص نے پانچ سو دیا وہ بھی میں نے رکھ لیا اور خوب تحقیقات کی کہ آیا کسی کو معلوم ہے؟ ہرگز کسی کو کچھ پتہ نہ تھا۔ تب میں نے ایک شخص کو بتلایا کہ ڈیڑھ ہزار روپیہ میرے پاس ہے۔ وہ تم لے جاؤ۔ مگر کوئی تحقیق کر کے بتائے تو سہی کہ روپیہ کس نے دیا اور کہاں سے آیا؟ مجھے خوب معلوم تھا دینے والا کبھی ذکر نہیں کرے گا۔ غرض اللہ ہی نگرانی کر سکتا ہے۔

رحمٰن کے پیارے دعاؤں میں لگے رہتے ہیں اور اپنی بیوی' اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور دعا کیوں نہ کریں۔ حکم ہوتا ہے۔ اگر تم دعاؤں سے کام نہ لو تو اللہ کو تمہاری کیا پروا ہے اور تم ہو ہی کیا چیز؟

آج میرے نفس نے اجازت نہ دی کہ میں جمعہ پڑھانے آؤں کیونکہ مجھے تکلیف ہو گئی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ شاید یہی جمعہ آخر کا جمعہ ہو۔ اللہ تمہیں دعاؤں اور اعمال حسنہ کی توفیق دے۔

(الفضل جلد ا نمبر ۵---۱۶/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۱۸؍ جولائی ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح نے سورۃ الاعلیٰ تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا۔

ہر اس شخص پر جو قرآن پر ایمان لایا' جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا' جو اللہ پر ایمان لایا' اس کی کتابوں پر ایمان لایا' فرض ہے کہ وہ کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ کے کسی نام پر کوئی آدمی اعتراض نہ کرنے پائے۔ اگر کرے تو اس کا ذب کرے۔ اس لئے ارشاد ہوتا ہے سَبِّحْ جناب الٰہی کی تنزیہ کر۔ اس کی خوبیاں' اس کے محامد بیان کر۔

تسبیح کے کیا معنے ہیں؟

میں نے بعض نادانوں کو دیکھا ہے۔ جب جناب الٰہی اپنی کامل حکمت و کمالیت سے اس کے قصور کے بدلے سزا دیتے ہیں' اور وہ سزا اسی کی شامت اعمال سے ہی ہوتی ہے جیسے فرمایا وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (الشوریٰ:۳۱) تو وہ شکایت کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً کسی کا کوئی پیارے

سے پیارا مر جائے تو اس ارحم الراحمین کو ظالم کہتے ہیں۔ بارش کم ہو تو زمیندار سخت لفظ بک دیتے ہیں اور اگر بارش زیادہ ہو تب بھی خدا تعالیٰ کی کامل حکمتوں کو نہ سمجھتے ہوئے برا بھلا کہتے ہیں۔ اس لئے ہر آدمی پر حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس و تسبیح کرے۔ آپ کے کسی اسم پر کوئی حملہ کرے تو اس حملہ کا دفاع کرے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں کوئی برا کہے یا تمہارے ماں باپ یا بھائی بہن یا محبوب کو سخت سست کہہ دے تو تمہیں بڑا جوش پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہو۔ لیکن جس وقت اللہ کے کسی فعل پر کہ وہ بھی اس کے کسی اسم کا نتیجہ ہے کوئی نادان یا شریر اعتراض کرتا ہے تو تم کہتے ہو۔ جانے دو' کافر ہے۔ بکتا ہے۔ اس وقت تمہیں یہ جوش نہیں آتا۔ حالانکہ جن کے لئے تم نے اتنا جوش دکھایا' ان میں تو کچھ نہ کچھ نقص یا عیب و قصور ضرور ہو گا۔ مگر اللہ تو ہر برائی سے منزہ' ہر حمد سے محمود ہے۔ ہروقت تمہاری ربوبیت کرتا ہے۔ اب جو اس کے اسماء کے لئے اپنے تئیں سینہ سپر نہیں کرتا وہ نمک حرام ہی ہے اور کیا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کوئی پڑھے ہوئے ہیں جو لوگوں سے مباحثے کرتے پھریں۔ تعجب کی بات ہے کہ اگر کوئی ان کے ماں باپ یا بھائی بہن کو یا کسی دوست کو یا خود ان کو برا کہہ دے تو وہ ناخواندگی یاد نہیں رہتی اور سنتے ہی آگ ہو جاتے ہیں اور پھر جس طریق سے ممکن ہو اس کا دفاع کرتے ہیں۔ مگر جناب الٰہی سے غافل ہیں۔ اسی طرح خدا کے برگزیدوں پر طعن کرنا دراصل خدا تعالیٰ کی برگزیدگی پر طعن رکھنا ہے۔ اس کے لئے بھی مومنوں کو غیرت چاہئے۔ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے شیعہ محلّہ میں رہتے ہیں۔ ان کے تبرے سنتے سنتے کچھ ایسے بے غیرت ہو جاتے ہیں کہ کہنے لگتے ہیں صحابہؓ کو برا کہنا معمولی بات ہے۔ حالانکہ ان کی برائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ پر حملہ ہے جس نے ان کو تیار کیا۔

اسی طرح عیسائی مشنری بڑی بداخلاق قوم ہے۔ عیسائی مشنریوں کے اخلاق! کوئی خلق ان میں ہے ہی نہیں۔ ایک شخص نے کہا ان کی تعلیم میں تو اخلاق ہے اور ایک نے کہا ان میں بڑا خلق ہے۔ ایسا کہنے والے نادان ہیں۔ ان کے ہاں ایک عقیدہ ہے نبی معصوم کا' جس کے یہ معنے ہیں کہ ایک ہی شخص دنیا میں ہر عیب سے پاک ہے۔ باقی آدم سے لے کر اس وقت تک کے کل انسان گنہگار اور بدکار ہیں۔ ان لوگوں نے یہاں تک شوخی سے کام لیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے عیوب بیان کئے۔ پھر حضرت نوحؑ کے' حضرت ابراہیمؑ کے' حضرت موسیٰؑ کے۔ الغرض جس قدر انبیاء اور راستباز پاک انسان گزرے ہیں ان کے ذمہ چند عیوب لگائے ہیں۔ پھر ہماری سرکار ہے۔ احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ان کو خاص نقار ہے اور دھت ہے ان کو گالیاں دینے کی۔ باوجود اس گندہ ذہنی کے پھر بھی ایسے لوگوں کو کوئی

بڑے اخلاق والا کہتا ہے تو اس کی غیرت دینی پر افسوس۔ ایک شخص تمہارے پاس آتا ہے اور تم کو آکر کہتا ہے میاں! تم بڑے اچھے بڑے ایماندار' آیئے تشریف رکھئے۔ باپ تمہارا بڑا ڈوم' بھڑوا' کنجر' بڑا حرامزادہ' سؤر' ڈاکو' بدمعاش تھا۔ تم بڑے اچھے آدمی ہو اور ساتھ ساتھ خاطرداری کرتا جائے تو کیا تم اس کے اخلاق کی تعریف کرو گے؟

تمام جہان کے ہادیوں کو' جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار سے زیادہ بیان کی جاتی ہے اور میرا تو اعتقاد ہے' ان کو کوئی نہیں گن سکتا' بدکار گنہگار کہنے والا' ایک شخص کی مزورانہ خاطرداری سے خوش اخلاق کہلا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کی تو ہتک کرتے ہیں اور تم ان کی نرمی اور خوش اخلاقی کی تعریف کرو' حد درجے کی بے غیرتی ہے۔

عیسائی خدا کی شریعت کو لعنت کہتے ہیں

یہاں تک تو انہوں نے کہہ دیا کہ شریعت کی کتابیں لعنت ہیں' پرانی چادر ہیں۔ ان کتابوں کو جو حضرت رب العزت سے خلقت کی ہدایت کے لئے آئیں لعنت کہنا کسی خوش اخلاق کا کام ہو سکتا ہے؟ دیکھو گلتیوں کا خط کہ اس میں شریعت کو لعنت لکھا ہے۔

خدا تعالیٰ کے متعلق عقیدہ

پھر خدا سے بھی نہیں ٹلے۔ کہتے ہیں اس کا بیٹا ہے تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم:۹۱'۹۲)۔ پھر اس بیٹے پر اس غضب کی توجہ کی ہے کہ اپنی دعائیں بھی اسی سے مانگتے ہیں۔ بیٹے پر ایمان لانے کے بدوں کسی کو نجات نہیں۔ خدا کسی کو علم نہیں بخش سکتا۔ یہ تو روح القدس کا کام ہے نہ اللہ تعالیٰ کا۔

عیسائی مشنریوں کے بد اخلاق

غرض اس درجہ بد اخلاقی سے کام لینے والوں کو خوش خلق کہنا محض اس بنا پر کہ جب کوئی ان کے پاس گیا تو مشنری نے انجیل دے دی' کسی کو روپیہ دے دیا' کسی کی دعوت کر دی' حد درجے کی بے غیرتی ہے۔ ان ظالموں نے ہمارے سب ہادیوں کو برا کہا۔ تمام کتب الٰہیہ کو برا کہا۔ جناب الٰہی کے اسماء و صفات کو برا کہا۔ اسے سمیع الدعا' علم دینے والا نہ سمجھا۔ پھر اخلاق والے بنے ہیں۔ توبہ توبہ۔ ان کے کفارہ کا

الو ہی سیدھا نہیں ہو تا جب تک یہ تمام جہان کے راستبازوں کو اور تمام انسانوں کو گنہگار' بدکار اور لعنتی نہ کہہ لیں۔ ان میں خوش اخلاقی کہاں سے آ گئی۔

مومن کا فرض اپنے رب کی تسبیح ہے

ان حالات میں مومن کا فرض ہے کہ جناب الٰہی کی تسبیح کرے۔ اس کے اسماء کی تسبیح میں کوشاں رہے۔ اس کے انتخاب شدہ بندوں کی تسبیح کرے۔ ان پر جو الزام لگائے جاتے ہیں' جو عیوب ان کی طرف شریر منسوب کرتے ہیں ان کا دفاع و ذب کرے اور سمجھائے کہ جنہیں میرا رب برگزیدہ کرے وہ بدکار اور لعنتی نہیں ہوتے۔ ان کی تسبیح خدا کی تسبیح ہے۔ یہ معنے ہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی (الاعلٰی:۲) کے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی (الاعلٰی:۳)

تمہارا خدا تو ایسا ہے کہ اس کی مخلوقات سے اس کی تسبیح و تقدیس عیاں ہے۔ اس نے خلق کیا اور پھر تمہارے اندر نسل انسانی کو ایسا ٹھیک کیا کہ سب کچھ اس کے ماتحت کر دیا۔ آگ' پانی' ہوا سب عناصر کو تمہارے قابو میں کر دیا۔

وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی (الاعلٰی:۴)

پھر چونکہ سارے جہان سے اس نے کام لینا تھا اس لئے ہر مخلوق کو ایک ضابطہ و قانون کے اندر رکھا تاکہ انسان اس سے فائدہ اٹھا سکے اور خدمت لے سکے۔ مثلاً یہ عصا ہے۔ میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں۔ اگر بجائے ٹیک کا کام دینے کے یہ یکدم چھوٹا ہو جائے یا مجھے دبائے یا اپنی طرف کھینچ لے تو میرے کام نہیں آ سکتا۔ پس اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کیا۔ یعنی جس ترتیب سے وہ چیز مفید و بابرکت ہو سکتی ہے اس ترتیب سے اس نے بنا دیا اور پھر انسانوں کو اس سے کام لینا سکھایا۔

وَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی۔ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی (الاعلٰی:۵'۶)

پھر ان چیزوں پر غور کریں تو ان کا ایک حصہ ردی اور پھینک دینے کے قابل بھی ہوتا ہے یا ہو جاتا ہے۔ مثلاً کھیتی ہے۔ پہلے پھل دیتی ہے۔ لوگ مزے سے کھاتے ہیں۔ مگر اس کا ایک حصہ جلا دینے کے

قابل ہوتا ہے۔ اسی طرح انسانوں میں سے جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اور انبیاء اور ان کی پاک تعلیم سے روگردانی کرتے ہیں وہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ ہر ایک انسان کو خدا تعالیٰ پڑھاتا ہے اور وہ یاد رکھتا ہے۔ جس قدر اللہ چاہے اس میں سے بھول بھی جاتا ہے۔ غرض اس نے اپنی پاک راہوں کو دکھانے کے لئے اپنی تعلیم بھیج دی ہے اور بتادیا ہے۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى (الاعلیٰ:۸)

نیکی سیکھنے اور اس پر چلنے کا طریق یہ ہے کہ اللہ کو دانائے آشکار و غیب جانے۔ دیکھو میں اس مقام پر کھڑا ہوں۔ یہ مقام چاہتا ہے کہ میں گند نہ بولوں۔ بدی کی راہ نہ بتاؤں۔ نیک باتیں جو مجھے آئیں تمہیں سنادوں۔ ہاں ایک امر مخفی بھی ہے وہ یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے کھڑا ہوں یا ریاء و حرص کے لئے۔ جیسا کہ کشمیر میں واعظ کرتے ہیں۔ گھنٹوں منبر پر کھڑے رہتے ہیں۔ ایک شخص آکر کہتا ہے۔ حضرت! اب بس کرو۔ جمعہ کا وقت تنگ ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں۔ بس کیا خاک کریں' ابھی تو دو آنے کے پیسے بھی نہیں ہوئے۔ تب ایک شخص اٹھتا ہے اور چندہ کرتا ہے اور اسی طرح اس سے رہائی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح تم کو کیا خبر میرے دل میں کیا درد ہے اور کتنی تڑپ ہے۔ دوسری طرف تم یہاں جمعہ کا خطبہ سننے اور نماز جمعہ پڑھنے کے لئے آئے ہو مگر تمہارے دلوں کی کیا خبر کہ ان میں کیا ہے؟ کیونکہ آخر تمہیں میں سے ہیں جو میری مخالفتیں کرتے ہیں۔ میری ہی نہیں میرے گھر تک کی بھی۔ گو نادان ہیں جو ایسا کہتے ہیں۔ سنبھل کر کام کرو۔ ایسا نہ ہو کہ خدا ناراض ہو جائے۔ ایک جگہ اخفی کو سر کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى (طٰهٰ:۸)۔ وہاں منشاء باری تعالیٰ یہ ہے کہ میں ان خیالات کو بھی جانتا ہوں جو آج سے سال یا دو سال یا اس سے زیادہ مدت بعد تمہارے اندر پیدا ہوں گے اور اب خود تمہیں بھی معلوم نہیں۔ ایسے نگران علیم و خبیر' لطیف و بصیر خدا سے ڈر جاؤ اور نافرمانی نہ کرو۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (الاعلیٰ:۱۰)

ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں۔ اور اللہ فرماتا ہے کہ نصیحت کرتے رہو۔ نصیحت ضرور سودمند ہوتی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تم باہر والوں کے لئے نمونہ بنو۔ تمہارا لین دین' تمہاری گفتار' رفتار' تمہارا چال و چلن' (تمہارا سر و علن) تمہارا اٹھنا بیٹھنا' تمہارا کھانا پینا' ایسا ہو کہ دوسرے لوگ بطور اسوہ حسنہ اسے قرار دیں۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ یہاں بدمعاملگی بھی ہوتی ہے۔ بدزبانی بھی ہوتی ہے۔ بدلگامی

بھی ہوتی ہے اور اس سے مجھے رنج پہنچتا ہے۔ تم اللہ کو علیم و خبیر' بصیر مان کر اپنے آپ کو بدیوں سے روکو۔ یہ بھی ایک قسم کی تسبیح ہے۔ جب تم ایسا کرو گے تو دوسرے لوگوں کا ایمان بھی بڑھے گا۔ اللہ توفیق دے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۶---- ۲۳/ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۲۔۱۳)

☆-☆-☆-☆

۲۵ر جولائی ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح نے سورۃ بقرہ کے پہلے رکوع کی تلاوت کی اور پھر فرمایا:-

ایک دفعہ میں لاہور میں تھا۔ بڑی مدت کی بات ہے۔ وہاں ٹھنڈی سڑک پر ہم تین آدمی جا رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ قرآن میں تو لکھا ہے کہ وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ (القمر:۱۹) مگر قرآن تو بہت مشکل ہے۔ میں نے کہا یہ بہت سچا کلمہ ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ جو کچھ بھی سچائیاں اور الٰہی صداقتیں' جن میں خدا تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت اور اس کے قوانین و اصول ہو سکتے ہیں' وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ اگر یہ تمام صداقتیں دیگر آسمانی کتب سے خود جمع کرنی پڑتیں تو کس قدر مشکل بات تھی اور پھر مزید برآں یہ کہ مدلل و مفصل موجود ہیں۔ چنانچہ دوسرے موقع پر فرماتا ہے۔ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُطَھَّرَۃً۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ (البینہ:۲تا۴) ساری مضبوط تعلیمات اور ہدایات کی جامع کتاب حضرت قرآن ہے جس نے تمام اگلی صداقتوں کو بھی بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ رنگ میں فرمایا ہے۔

اس قرآن کے بارے میں فرماتا ہے کہ سنو! میں اللہ علم والا ہوں۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں ہلاکت کی راہ نہیں۔ کتاب کے لفظ پر علم اشتقاق میں بڑی بحث ہے۔ چھ لفظ جو اس مادہ سے مشتق ہیں ان میں جمعیت کے معنے پائے جاتے ہیں۔ کتیبہ لشکر کو کہتے ہیں۔ پس یہ کتاب ہزارہا شبہات کے مقابلہ کے لئے کافی ہے۔ کیا ہی پاک روح تھی وہ جس کے منہ سے نکلا حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ اس فقرے پر ایک قوم رنجیدہ ہے۔ اس کے ایک فرد نے مجھ پر بھی اعتراض کیا تو میں نے اس سے پوچھا آپ حَسْبُنَا کے کیا معنی کرتے ہیں؟ اس نے کہا كَافِيْكَ۔ میں نے کہا یہ تو قرآن مجید ہی کا قول ہے۔ وہ فرماتا ہے اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (العنکبوت:۵۲) کیا ان کے لئے یہ کتاب کافی نہیں جو ہم نے ان پر اتاری۔ یہی حضرت عمرؓ نے کہا۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ سے ظاہر ہے کہ یہی ایک کتاب ہے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک ادب کیا ہے کہ اپنی آنکھ سے کوئی کتاب دیکھی ہی نہیں۔ ہاں ایک دفعہ موقع فَاْتُوْا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوْهَا (ال عمران:۹۴) سے نکلا تھا مگر تورات بھی آپؐ کے سامنے کوئی نہ لایا۔

رَیْب کے معنے شک اور ہلاکت کے ہیں۔ ہلاکت کی کوئی تعلیم قرآن کریم میں نہیں جس سے انسان کا دین و دنیا تباہ ہو جائے۔ ایسا ہی شک کی کوئی بات نہیں۔ شک اگر ہو گا تو اس شخص کے دل میں ہو گا جو قرآن کا مخالف ہے۔ غرض قرآن میں کوئی شک نہیں۔ پھر اس کو اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (البقرۃ:۲۴) میں کھول دیا ہے۔

یہ کتاب ہر ایک قوم کے لئے جو متقی ہو چکی ہے یا ہو گی یا اس وقت ہے ہدایت نامہ ہے۔ اس کے مبادی میں ایمان بالغیب شرط ہے۔ کیونکہ دنیا میں بھی جس قدر علم صحیح ہیں سب کا مدار فرض یا غیب پر ہے۔ علم ہندسہ ہے۔ اس میں جمع اور تفریق ہی ہے کیونکہ ضرب کیا ہے؟ امثال کی جمع۔ تقسیم کیا ہے؟ امثال کی تفریق۔ اور اس جمع تفریق کی بنا فرض ہے۔ چار روپے دس آنہ۔ دو ہزار پانچ روپے دو پائی۔ غرض کوئی روپیہ ہو وہ اس وقت کہاں ہوتا ہے۔ فرضی طور پر جمع یا تفریق کیا جائے گا۔ اسی طرح علم مساحت، انجینئرنگ، ڈاکٹری، تجارت، زراعت میں پہلے ایمان بالغیب ہی ہوتا ہے۔ کاشتکار بیج کو زمین میں سپرد خاک کرتا ہے۔ اسے کیا معلوم کہ یہ بیج کیسا ہو گا اور کتنا پھل لائے گا؟ پولیس بھی ایماندار ہو تو اپنی کارروائی پہلے غیب پر شروع کرے گی پھر صحیح نتیجہ پر پہنچے گی۔ اسی طرح ایک مبتدی پہلے اللہ پر، ملائکہ پر، کتب پر، حشر و نشر پر ایمان بالغیب لائے گا پھر اس کتاب کے ذریعہ ہدایت پا کر وہ ان سب کا علم الیقین حاصل کر لے گا۔ مگر یہ ہدایت اسی کو نصیب ہوتی ہے جو دعا مانگنے کا عادی ہو۔ صدقہ و خیرات

کرتا ہو۔

صدقہ و خیرات کی ترغیب کے لئے کیا عمدہ فرمایا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ (البقرۃ:۴) کہ جس چیز سے خرچ کے لیے کچھ ارشاد کرتے ہیں' وہ تمہاری نہیں بلکہ ہماری دی ہوئی ہے۔ پھر سب نہیں مانگتے بلکہ اس میں سے کچھ۔ پھر یہ رزق عام ہے' صرف مال مراد نہیں۔

جو لوگ ان نیکیوں میں بڑھتے بڑھتے پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ تیرے پر نازل ہوا' اسے مانتے ہیں اور اس کے بعد جو وحی ہو اس پر بھی ایمان لانے کو تیار ہیں وہ ہدایت پر گویا سوار ہیں۔ کفر گیرد کاملے ملت شود۔ دیکھو مکہ کی طرف سجدہ دین بن گیا کیونکہ یہ ایک کامل کا فعل ہے۔

برخلاف اس کے جو یکدم انکار ہی کر بیٹھے۔ اور ان کا حال جملہ معترضہ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ (البقرۃ:۷) میں بتا دیا کہ ان کے لیے انذار اور عدم انذار مساوی ہے یعنی حق کی پرواہی نہیں۔ وہ نہ حق بات سنتے ہیں' نہ حق دیکھتے ہیں' نہ اس پر غور کرتے ہیں۔ اسی سزا میں ان پر مہر لگا دی گئی۔ "آہنے را کہ زنگ خورد از مصقلہ صاف نہ گردد"۔ یہ فتویٰ لَا يُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ:۷) سب کے حق میں نہیں۔ اس لئے یہ اعتراض صحیح نہیں کہ پھر بعض کافران میں سے مسلمان کیوں ہو گئے؟ چنانچہ سورۃ یٰسٓ میں فرمایا۔ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (یٰس:۸) یعنی اکثر پر ایسا فتویٰ لگتا ہے جس کی وجہ بھی بتا دی کہ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ہدایت تو وہ پاتے ہیں جن میں ایمان بالغیب' صدقہ و خیرات اور حق کی شنوائی' حق کی بینائی ہو۔ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ (یٰس:۱۲)

(الفضل جلد ۱ نمبر ۷---- ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

یکم اگست ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

الحمد ام القرآن ہے

یہ ایک سچی اور پکی بات ہے۔ الحمد شریف کے اندر تمام قرآن اللہ نے درج فرمایا ہے۔ الحمد شریف گویا خلاصہ ہے قرآن مجید کا۔

اللّٰہ تمام اسماء حسنیٰ کا جامع ہے

جیسا کہ اللہ کے جس قدر نام ہیں اللہ کے ماتحت ہیں' اللہ کا لفظ بیان فرما کر پھر صفات کاملہ کا بیان ہوتا ہے۔ اس واسطے اللہ کے معنوں کے نیچے ایک تو یہ بات ہے کہ وہ ساری خوبیوں کا جامع ہے۔ جہاں تنزیہ کا ذکر ہے وہاں اللہ کا ذکر لا کر یہ ذکر کرتا ہے کہ ہر عیب سے پاک ہے۔ ان دو باتوں کے بعد فرماتا ہے لَاتَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ۔ (حٰم السجدۃ:۳۸)۔ چونکہ وہ

سارے محامد کا جامع اور ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ ہے اس لئے اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں۔ پھر اللہ کی صفت صمد ہے۔ صمد کے معنے خود ہی دوسرے مقام پر کھول کر بتائے ہیں۔ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (فاطر:۱۶) تم سب محتاج ہو۔ غیر محتاج صرف اللہ کی ذات ہے۔ غرض اللہ کے لفظ کے جو معنی ہیں کہ ساری خوبیوں والا اور ساری برائیوں سے منزہ اور پاک معبود حقیقی' اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت ناجائز ہے۔ یہ خلاصہ ہے تمام کلام الٰہی کا اور اسی کا ذکر ہر رکوع بلکہ ہر آیت میں ہے۔

بعض کتابوں میں اللہ کا ذکر تک نہیں ہوتا

بخلاف اس کے دیگر کتابیں ہیں کہ ان کے صفحے کے صفحے پڑھ جاؤ' ان میں خدا کا نام تک نہ نکلے گا۔ بائبل میں ایک کتاب ہے۔ اس میں اللہ کا ذکر ضمیر کے رنگ میں بھی نہیں حالانکہ اسے بھی کتب مقدسہ میں سے سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں تو کوئی رکوع ایسا نہیں جہاں عظمت الٰہی کا ذکر نہ ہو۔

الحمد میں تین قوموں کا ذکر

الحمد میں تین قوموں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک منعم علیہم۔ دوم مغضوب علیہم۔ مغضوب کا فاعل نہیں بیان کیا۔ کیونکہ ان پر خالق بھی غضبناک ہے اور مخلوق بھی۔ سوم ضالین کا۔ اب اس کی تفصیل میں پہلے رکوع میں منعم علیہم کا بیان کہ وہ ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔ مقیم الصلوٰۃ ہوتے ہیں۔ منفق فی سبیل اللہ ہوتے ہیں۔ مومن بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مِنْ قَبْلِكَ ہوتے ہیں اور مومن بالآخر۔ اس کے بعد مغضوبوں کا ذکر کیا کہ ان کے دل حق کے شنوا' زبان حق کی گویا نہیں ہوتی اور بہرے' اندھے تکالیف کے لحاظ سے عذاب میں ہوتے ہیں۔ اس لئے فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرة:۸)۔ اب فرماتا ہے کہ ضال لوگ کس طرح ہوتے ہیں؟ یہ بیان دو رکوع میں ہے۔ چنانچہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى (البقرة:۱۷) فرما کر بتا دیا کہ یہ ضالین کا بیان ہے جنہوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت کو مول لیا ہے۔ اور اس سے اگلے رکوع میں يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (البقرة:۲۷)۔ فرمایا کہ ضالین وہ ہیں جو بدعہد ہیں۔ غرض اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا نام متقی' مغضوب کا نام لَا يُؤْمِنُ۔ ضالین کا ذکر ان دو رکوعوں میں ہے۔

اب ایک اور بات قابل سمجھنے کے ہے۔ بہت سے لوگ پڑھے ہوئے یا ان پڑھ ایسے ہیں کہ انہوں

نے غضب ڈھایا ہے کہ وہ عمل کو جزو ایمان نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں عمل ہو یا نہ ہو عقیدہ تو اچھا ہے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک اس میں غلو کر لیا ہے کہ وہ دعویٰ ایمان باللہ وبالآخرۃ کا کرتے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہوتے۔ "ما" کے بعد جو "ب" آئے تو معنے بالکل کے ہوتے ہیں۔ یعنی بالکل مومن نہیں۔

اب تم اپنی اپنی جگہ غور کرو کہ تمہارے اس دعوے کے ساتھ کہ ہم مومن ہیں، ہم احمدی ہیں، ہم مرزائی ہیں، دلائل کیا ہیں؟ ایسا نہ ہو کہ تم کہو۔ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرۃ:۹) اور خدا تعالیٰ فرمائے۔ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ (القبرۃ:۹)۔

دیکھو! ایسے لوگوں کے لئے فرماتا ہے کہ ان کے افعال کو دیکھیں تو اللہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ کہیں مخلوق کا لحاظ ہے، کہیں رسم وعادت کا، کہیں دم نقد فائدے کا۔ مگر انہوں نے اللہ کو کیا چھوڑنا ہے اپنے تئیں محروم کیا ہے۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ (ال عمران:۹۸) اور اس کا وبال ان کی اپنی جان پر ہے۔ ہمارے نبی نے تو تصدیق کو بھی اعمال سے گنا ہے۔ فرمایا اَلنَّفْسُ تَمَنّٰی وَ تَشْتَهِيْ وَ الْفَرْجُ يُصَدِّقُ (بخاری۔ کتاب القدر) انسان کا نفس کچھ خواہشیں کرتا ہے جن کا علم کسی کو نہیں ہوتا اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے۔ گویا عمل کا نام بھی تصدیق ہے۔ غرض اعمال ایمان کا جزو ہیں۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

صرف زبانی دعویٰ کرنے والوں کے دلوں میں، جنہیں نہ قوت فیصلہ، نہ تاب مقابلہ، مرض ہے۔ اللہ اس مرض کو بڑھائے گا اس طرح پر کہ جوں جوں اسلام کے مسئلے بڑھیں گے ان کے دل میں شبہات بڑھیں گے یا یہ عملی طور پر انکار کریں گے۔ پھر یہ چھوٹی سی جماعت کے مقابل میں گیدی ہیں تو بڑوں کے سامنے کیا کچھ بزدلی نہ دکھائیں گے یا تھوڑے مسائل کا فیصلہ نہیں کر سکتے تو بہت سے مسائل کا فیصلہ کیا کریں گے؟ چونکہ انہوں نے جھوٹا دعویٰ ایمان کا کیا اس لئے ان کو دکھ دینے والا عذاب ہے۔ ایسی مخلوق کو جب واعظ وعظ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جو کام تم کرتے ہو اس کا نتیجہ خطرناک ہے، تم دنیا میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ توبہ، ہم فسادی ہیں؟ ہم تو "با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام" کے اصل پر چل کر سب کے ساتھ اپنا تعلق رکھتے ہیں اور بڑی سنوار والے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (البقرۃ:۱۳) یہی بڑے مفسد لوگ ہیں کہ دعوے زبان سے کچھ ہیں، ہاتھ سے کچھ کرتے ہیں۔ ایک نماز ایسی چیز ہے کہ کلمہ شہادت کے بعد کوئی عمل نماز کے برابر نہیں۔ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جب تکبیر ہو جائے تو میں دیکھوں کون کون جماعت میں نہیں آیا اور ان کے

گھر جلادوں۔ مگر باوجود اس کے کئی لوگ جو نماز باجماعت نہیں پڑھتے، تم ان میں سے نہ بنو۔ منافق اصل میں بڑا مفسد ہوتا ہے۔ اس میں شعور نہیں ہوتا۔ خدا تمہیں سمجھ دے۔ جو میں نے کہا ہے اسے سمجھو۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۸---۶ / اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۸/ اگست ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ رکوع دوم کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

ایک زمانہ ایسا بھی اسلام پر گذرا ہے جب علماء نے کہا کہ اب دو ہی قسم کے آدمی ہیں۔ کافر یا مومن۔ منافق نہیں۔ اب اس زمانے کا حال دیکھ کر تعجب آتا ہے کیونکہ اس میں منافق طبع بہت ہیں۔ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں مگر مومن نہیں۔ کیونکہ ان کے عقائد سے ان کے اعمال کی مطابقت نہیں۔ عیسائیوں نے سوال کیا ہے کہ نجات کس طرح ہوتی ہے؟ اور میں نے جواب دیا ہے کہ نجات فضل سے ہے اور خدا کے اس فضل کو ایمان کھینچتا ہے۔ اس واسطے یہ بھی صحیح ہے کہ نجات ایمان سے ہے۔ پھر کہتے ہیں عمل کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ کون دنیا میں ایسا ہے کہ آگ کو آگ مان کر پھر اس میں ہاتھ ڈالے۔ پانی کو پیاس بجھانے والا جان کر پھر پیاس لگنے پر اس سے پیاس نہ بجھائے۔ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ جب ایمان ہے پانی پیاس بجھاتا ہے تو پیاس لگنے کے وقت اس پانی سے پیاس ضرور بجھائی جاتی ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ یہ ایمان ہو قرآن مجید خدا تعالیٰ کی کتاب ہے اور اعمال کی جزاء سزا ضروری ہے

اور پھراس پر عملدرآمد نہ ہو۔ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے اوپر خدا کے بہت سے فضلوں کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے مقابل میں دوسروں کا ایمان حقیر سمجھتے ہیں مگر عمل میں کچے ہیں۔ منہ سے بہت باتیں بناتے ہیں مگر عملدرآمد خاک بھی نہیں۔

ایسے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو کہتے ہیں ہم تو مانتے ہیں۔ مگر اپنے شیاطین' اپنے سرغنوں کے پاس جاکر کہتے ہیں کہ ہم تو ان مسلمانوں کو بناتے ہیں۔ ان کو حقیر سمجھتے ہیں۔ استہزا ھزء سے نکلا ہے۔ ہلکی چیز کو چونکہ آسانی سے ہلایا جاسکتا ہے اس لئے استہزاء تحقیر کو کہتے ہیں۔

اللہ ان کو ہلاک کرے گا کسی کو جلد' کسی کو دیر سے۔ اللہ تو توبہ کے لئے ڈھیل دیتا ہے مگر اکثر لوگ خدا کی حدبندیوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ حدبندی سے جوش نفس کے وقت یوں نکل جاتے ہیں جیسے دریا کا پانی جوش میں آکر کناروں سے باہر نکل جائے۔ ایسے لوگ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی لیتے ہیں۔ یہ تجارت جس میں ہدایت چھوڑی اور گمراہی اختیار کی ان کے لئے نافع نہیں۔ ان کے لئے پاک ہدایت ایسی ہے جیسے میں نے طب میں دیکھا ہے کہ بعض وقت نرم کھچڑی شدت صفرا کی وجہ سے نہایت تلخ معلوم ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہدایت کی باتوں کی قدر اور حقیقت سے بوجہ اپنے مرض قلبی کے آگاہ نہیں۔ پس ایسے لوگ اگر ایمان کا اظہار بھی کرتے ہیں تو اپنے نفع کے لئے۔ جیسے کوئی آدمی جنگل میں آگ جلائے تو اس سے یہ فائدہ اٹھالیتا ہے کہ شیر' چیتے اور ایسے درندے اس کے پاس نہیں پھٹکنے پاتے۔ اسی طرح منافق بظاہر اسلام کا اقرار کرکے مصائب سے عارضی طور پر بچاؤ کرلیتا ہے لیکن بعد میں بلائیں' جفائیں اسے گھیر لیتی ہیں۔ اس کا نفاق کھل جاتا ہے۔ پھر کچھ سوجھ نہیں پڑتا۔ غرض اپنا ظاہر کچھ' باطن کچھ بنانے والے ضرور نقصان اٹھاتے ہیں۔

میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ایک دوسرے پر ٹھٹھا نہ کرو۔ بدظنی سے کام نہ لو۔ مسلمانوں میں بدظنی بڑھتی جاتی ہے۔ واعظ بھی وعظ کرتا ہے تو کہتے ہیں باتیں بنا رہا ہے۔ ایسے لوگوں میں سے نہ بنو۔ یہ لوگ خطرناک راہ پر چل رہے ہیں۔ بہرے ہیں' کان رکھتے نہیں کہ کسی رہنما کی آواز سنیں۔ اندھے ہیں' آنکھیں رکھتے نہیں کہ خود نشیب و فراز دیکھ لیں۔ گونگے ہیں' زبان رکھتے نہیں کہ کسی سے رستہ پوچھ لیں۔ پس وہ کسی موذی چیز سے کیونکر بچ سکتے ہیں؟

منافقوں کی مثال اس شخص کی مثال ہے جس پر مینہ برستا ہو' گھٹاٹوپ اندھیرا چھا رہا ہو۔ جب ذرا بجلی چمکی تو آگے بڑھے ورنہ وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ جب کوئی فائدہ پہنچا تو اسلام کے معتقد بنے رہے۔ جب کوئی ابتلاء پیش آیا تو جھٹ انکار کر دیا۔ ایسے لوگ بیوقوف ہیں۔ جیسے بعض نادان بجلی کی

کڑک سن کر پھر کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں حالانکہ روشنی کی رفتار آواز سے تیز ہے اور بجلی اس کڑک سے پہلے اپنا کام کر چکتی ہے۔

تم بہت دعائیں کرو۔ بہت دعائیں کرو۔ تمام انبیاء کا اجماعی مسئلہ ہے۔ استغفار بہت کرو۔ بد ظنی چھوڑ دو۔ تمسخر چھوڑ دو۔ مسلمانوں کی سلطنتیں آجکل برباد ہو رہی ہیں۔ انہیں چاہئے کہ سچے دل سے اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لائیں تا کہ اللہ کی نظر شفقت ان پر ہو۔

(الفضل جلد ا نمبر ۹---- ۱۳/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۱۵؍ اگست ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کی آیات ۲۲۔ ۲۳ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسان کی فطرت میں اللہ نے ایک عجیب صفت رکھی ہے کہ جس وقت کوئی شخص اس سے نیکی کرتا ہے تو نیکی کرنے والے کی محبت اس کے دل میں ضرور ہو جاتی ہے۔ یہ بات انسان تو کیا' درندوں اور پرندوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ میں نے باز کو دیکھا ہے کہ وہ میرباز کے ہاتھ سے اڑ کر اتنی دور تک اوپر چلا جاتا ہے جہاں کسی بادشاہ' کسی وزیر' کسی حاکم کی دسترس نہیں ہو سکتی مگر وہ احسان کا گرویدہ ایسا ہوتا ہے کہ بلانے پر فوراً واپس چلا آتا ہے۔ جس وقت وہ شکار پر جھپٹتا ہے تو میں نے دیکھا ہے کہ اس کا پنجہ تو شکار پر ہوتا ہے مگر آنکھ مالک کی طرف ہوتی ہے کہ دیکھ میں نے کیسا کام کیا ہے۔

"بیا" کیا چھوٹا سا جانور ہے۔ جو لوگ ان کو سدھاتے ہیں' ان سے احسان کرتے ہیں' ان کے ایسے مطیع فرمان ہوتے ہیں کہ وہ دونی کنوئیں میں پھینکتے ہیں تو رستہ میں ہی سے جھپٹ کر واپس لے آتے ہیں۔ توپ کی آواز کیسی شدید ہوتی ہے۔ میں نے طوطے کو توپ چلاتے دیکھا ہے۔ چیتے اور شیر کو دیکھا ہے کہ وہ مالک کی آنکھ کے اشارے پر چلتے ہیں۔ سرکس میں تم لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ جانور کس طرح

اپنے مالک کے حکم کے ماتحت چلتے ہیں۔ حالانکہ اس مالک نے نہ جان دی ہے' نہ وہ کھانے پینے کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ جب ایک معمولی احسان سے اس کی اس قدر اطاعت کی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ انسان اپنے مولیٰ کریم پر فدا نہ ہو' جس نے اسے حیات بخشی' رزق دیا' پھر قیام کا بندوبست کیا۔ اس لئے فرمایا کہ منافقو! تم معمولی فائدہ کے اٹھانے کے لئے جہان کا لحاظ کرتے ہو مگر کیوں اس سچے مربی کے فرمانبردار نہیں ہوتے جو تمام انعاموں کا سرچشمہ ہے؟ کم عقلو! اس نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہارے باپ دادا کو بھی پیدا کیا۔ پھر فرمانبرداری کرنے میں اللہ کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ تم ہی دکھوں سے بچو گے اور سکھ پاؤ گے۔ دیکھو اس نے تم پر کیسے کیسے احسان کئے ہیں۔ تمہارے لئے زمین بنائی جو کیسی اچھی آرامگاہ ہے۔ پھل پھول اور طرح طرح کی نباتات پیدا کرتی ہے جسے تم کھاتے ہو۔ پھر آسمان کو بنایا جیسے ایک خیمہ ہے۔ وہ زمین کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ پھر بادلوں سے پانی اتارا۔ اس سے رنگارنگ کے پھل اگائے۔ یہ فضل ہوں اور پھر تم اس کا ند بناؤ' بڑے افسوس کی بات ہے۔

ند بنانا کیا ہے؟ سنو! یہ کہنا کہ دوست آ گیا تھا' اس کی خاطر تواضع میں نماز رہ گئی۔ بچوں کے کپڑوں' بیوی کے زیوروں کی فکر تھی' نماز میں شامل نہ ہو سکا۔ رات کو ایک دوست سے باتیں کرتے کرتے دیر ہو گئی' اس لئے صبح کی نماز کا وقت نیند میں گزر گیا۔ غور کرو اس دوست یا اس شخص نے جس کے لئے تم نے خدا کے حکم کو ٹالا' ویسے احسان تمہارے ساتھ کئے ہیں جیسے خدا تعالیٰ نے تم سے کئے؟ اسی طرح آجکل مجھے خط آ رہے ہیں کہ بارش ہو گئی ہے۔ تخم ریزی کا وقت ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو روزے پھر سرما میں رکھ لیں گے۔ یہ خدا تعالیٰ کے احکام کا استخفاف ہے۔ اس سے توبہ کر لو۔ یہ اپنے دنیاوی کاموں کو خدا کا ند بنانا ہے جو کفران نعمت ہے۔

اس کا سب سے بڑا انعام تم پر یہ ہے کہ قرآن ایسی کتاب دی۔ اگر تم کو یہ شک ہے کہ قرآن خدا کی کتاب نہیں ہے اور یہ بناوٹی ہے اور انسانی کلام ہے تو تم بھی کوئی ایسی کتاب لاؤ بلکہ اس کتاب کے ایک ٹکڑے جیسا ٹکڑا بنا کر دکھاؤ۔ ہمیں بھی بعض لوگوں نے کہا کہ یہ قرآن کو توڑ موڑ کر اپنے مطلب کا ترجمہ کر لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں جیسا تمہارا سنانے والا ہے ایسا کوئی سنانے والا لاؤ۔ میں تمہیں کہتا ہوں جھوٹ نہ بولو۔ کیا تم کوئی ایسا مترجم لا سکتے ہو جو کہے کہ قرآن میں لکھا ہے کہ جھوٹ بولا کرو۔ میں کہتا ہوں بدمعاملگی چھوڑ دو تو کیا کوئی ایسا مترجم آئے گا جو کہے گا' بدمعاملگی کیا کرو؟ میں کہتا ہوں تم راستباز بنو۔ لڑائی چھوڑ دو۔ آپس کا فساد چھوڑ دو۔ تو کیا کوئی ایسا مترجم آئے گا جو کہے گا لڑائی کیا کرو؟ فساد مچایا کرو؟ غرض نہ تو قرآن جیسی کتاب بنا کر لاتے ہو اور نہ اس سے بہتر بنا سکتے ہو تو پھر ڈرو اور بچاؤ اپنے آپ کو

اس آگ سے جس کا ایندھن یہ شریر لوگ اور جس کے بھڑکنے کا موجب یہ معبودان باطل ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کئے وہ باغوں میں ہوں گے۔ جن کے نیچے ندیاں بہتی ہیں۔ ایمان تو جنات کے رنگ میں متمثل ہو گا اور اعمال صالحہ اس کی نہریں ہیں۔ جو پاک تعلیم کے نیچے آتا ہے وہ ترقی کرتا ہے اور پاک آرام میں آتا ہے۔ ہر آن میں اسے یقین آتا ہے کہ کیا عظیم الشان اور کیا پاک اس کا کلام ہے۔

جس نے فسانہ عجائب لکھی ہے جہاں میں طب پڑھتا تھا وہ بھی پڑھتا تھا۔ میں نے اسے کہا فسانہ عجائب مجھے پڑھا دو۔ اس نے کہا اچھا۔ میں نے فسانہ عجائب آگے رکھ دیا اور اس نے سبق پڑھایا۔ اس میں ایک فقرہ یہ بھی آگیا کہ ادھر تو مولوی ظہور اللہ اور ملا مبین اور اُدھر قبلہ و کعبہ فلانے مجتہد صاحب۔ میں نے کہا کیا آپ سنی ہیں؟ اس نے کہا کیونکر؟ میں نے کہا اس ادھر اُدھر سے معلوم ہو گیا۔ حیران ہو کر کہنے لگا یہ نیا نکتہ تم نے بتایا۔

اس نے مجھ سے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی ملاقات کا ذکر کیا اور اس بات پر مجھے فخر ہے کہ شاہ صاحب کی باتیں مجھے ایک واسطے سے پہنچی ہیں۔ فرمایا قرآن پڑھو۔ حق ظاہر ہو گا۔ عرض کیا' عربی نہیں جانتا۔ فرمایا ہمارے بھائی رفیع الدین نے ترجمہ لفظی لکھ دیا۔ اگر کچھ شبہ ہو تو کسی مذہب کے عالم سے صرف اس لفظ کا ترجمہ پوچھ لو۔ پھر مذہب حقیقی کا پتہ لگ جائے گا۔ میں تو دور تک پہنچا۔ بس وہ سبق تو فسانہ عجائب کے دوسرے صفحہ تک رہ گیا اور ہمیں قرآن شریف کی بڑی محبت ہو گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ قرآن شریف میں دو باتیں مخالف و متضاد ہرگز نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ ایک جگہ کچھ کہتا ہو' دوسری جگہ کچھ ہو۔ میرے دوستو! قرآن مجید جیسی کوئی کتاب نہیں بلکہ اور کوئی کتاب ہی نہیں۔ اس کی اتباع کرو۔

خدا تعالیٰ تمہیں اپنی محبت بخشے۔ نیکیوں کی توفیق دے۔ قرآن مجید پر عمل کرو اور خاتمہ بالخیر۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۱۰---۲۰/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۲۲ / اگست ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ کے تیسرے رکوع کی تلاوت کی اور پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کے کارخانے بڑے باریک در باریک ہیں اور جو ان کارخانوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ بڑے فائدے اٹھاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہمارے گھروں میں کئی ردی چیزیں نکلتی ہیں مگر جو عقل مند ہیں ان کے نزدیک کوئی ردی چیز نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ کھلونے ردی ٹکڑوں کے بنتے ہیں۔ پھر جنہوں نے اس نظارہ قدرت میں اور بھی غور کی ہے وہ جانتے ہیں کہ تین لاکھ کوس ایک سیکنڈ میں بجلی کی لہر جاتی ہے۔ اسے ذریعہ خبر رسانی کا بنالیا ہے۔ اسی طرح پانی اور ہوا کی لہروں سے کام لیا ہے۔ لاکھوں کروڑوں من اسباب ریلیں اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ یہ صرف پانی اور آگ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ پھر دیکھو! ہم کس قدر بیٹھے ہیں اور ہر سال کتنا روپیہ مکان' خوراک' پوشاک' خط و کتابت پر خرچ کرتے ہیں اور یورپ بھیجتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ صرف اس لئے کہ یورپ والوں کو ایک علم ہے۔ جب ایک تھوڑے سے علم کی خاطر ہم ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ایک مومن کی' جسے دینی علم دیا گیا ہے' کس قدر قدر ہونی

چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے مومن کو ایک نعمت بخشی تھی۔ تعجب ہے کہ مسلمانوں نے صرف منہ سے کہہ دینا' کہ ہم تو مومن ہیں' کافی سمجھا ہے۔ ایک رنڈی بھی کہتی ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ کیا اسلام اسی کا نام ہے؟ غور کرو تم نے مسلمان کہلا کر جھوٹ سے اپنے آپ کو کس قدر بچایا۔ تکبر سے' فضولی سے کتنی دوری اختیار کی۔ آجکل کی تعلیم پر کتنا روپیہ خرچ کرتے ہیں اور ایک موہوم کامیابی کی امید پر۔ اور اس کے مقابل میں دین پر کیا خرچ کرتے ہیں جس میں کامیابی یقینی ہے۔

میرے پاس ایک معزز پادری آئے۔ دیسی تھے۔ ان کو مشورہ طبی کی ضرورت تھی۔ بیٹا جوان تھا۔ جب میں نے نسخہ بتایا تو ساتھ ہی میں نے کہا کہ چونکہ آپ پادری ہیں اور ہر چیز کھا لیتے ہیں اس لئے کچھ پرہیز بھی بتاتا ہوں۔ کہنے لگے آپ نے ہمیں سمجھا کیا ہے؟ میں نے کہا میں آپ کو جانتا ہوں کہ آپ عیسائی ہیں۔ اس پر وہ کہنے لگے ہم تو ہندو ہیں۔ ہمارے بچے بہت ہیں۔ ان کی تعلیم کا خرچ کہاں سے لائیں؟ اس لیے مصلحتاً ہم سب کے سب عیسائی کہلاتے ہیں ورنہ ہم تو ماس بھی نہیں کھاتے۔ لڑکوں کے پڑھانے کے واسطے روپیہ مل جاتا ہے اس لئے پادری کہلاتے ہیں۔ میں نے کہا ان کے مذہب سے کچھ سروکار نہیں؟ کہا ہرگز نہیں۔ ان کی یہ بات سن کر مجھے حیرت ہوئی۔

ہماری پاک کتاب میں لکھا ہے کہ انسان اگر متقی بن جائے' مومن ہو' فضولی نہ کرے' سنوار والے کام کرتا رہے تو اللہ وعدہ کرتا ہے کہ اسے اعلیٰ سے اعلیٰ مکان' طیب سے طیب رزق دے گا۔ پس اس پادری کی طرح فریب و دغا کی کیا ضرورت تھی؟ دنیا کے آرام کے لئے بھی سچا مومن بن جانا کافی ہے۔

ان نعماء جنت کا بیان کر کے فرماتا ہے کہ دنیا کی نعمتوں کی مثال تو ان کے مقابل میں مچھر کی سی ہے۔ یعنی دنیا کی چیزوں کی بہشت کی نعمتوں کے سامنے ایک پشہ کی برابر بھی حقیقت نہیں۔ ایسی مثالوں سے مومن حق کو پا لیتا ہے۔ اور کافر کہتا ہے تمثیلوں سے کیا فائدہ۔ بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں مگر گمراہ وہی ہوتے ہیں جو فاسق ہوں۔ فاسق کس کو کہتے ہیں؟ جو اللہ کے حکموں کو' جو بڑی مضبوطی سے دیئے گئے' توڑ دیتا ہے۔ جن سے خدا کہتا ہے تعلق کرو' ان سے قطع کرتا ہے۔ اور جن سے کہتا ہے بے تعلق رہو' ان سے تعلق جوڑتا ہے۔ مسلمانوں میں بھی میں نے بہت دیکھے ہیں جو اپنے رشتہ داروں سے بے تعلق' پڑوسیوں سے جھگڑتے ہیں مگر غیروں سے محبت رکھتے ہیں۔ اپنے اساتذہ' اپنے بزرگوں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں مگر ایک اجنبی شخص کو جس کا کوئی تعلق نہیں اپنی جان تک دینے کو حاضر رہتے ہیں۔ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہ لوگ خَاسِرُوْنَ' گھاٹا پانے والے ہیں۔

میرے پیارو! مولا کا تم پر بڑا فضل ہوا۔ تم کچھ نہ تھے۔ مولیٰ کریم نے تم کو حیات دی۔ اسی نے طاقت دی۔ اسی نے ایمان کی راہیں بتائیں۔ نبی کی اتباع کی توفیق دی۔ پھر تم زندہ ہو گئے۔ پھر موت آنے والی ہے۔ پھر زندگی ہو گی۔ پھر حضرت حق سبحانہ کے دربار میں حاضر ہو گے۔

اللہ نے تمہارے سکھ ' تمہارے آرام کے لئے ہر چیز پیدا کی۔ یہاں تک کہ جو کوڑا کرکٹ باہر پھینکتے ہو وہی جب زمین میں جاتا ہے تو کیا لہلہاتا ہوا کھیت بنا دیتا ہے۔ گھر میں جو ردی پھینکتے ہو ولایت والے اس سے بھی عجیب عجیب چیزیں بناتے ہیں اور نفع اٹھاتے ہیں۔ غرض جو کچھ زمین میں ہے ہمارے آرام کے لئے ہے۔ سب نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں جو اپنے تخت حکومت پر بے عیب قائم ہے۔ اس نے سات آسمان بنائے۔ سات کا عدد بڑا کامل عدد ہے۔ اس کے اجزا میں طاق بھی ہیں ' جفت بھی ہیں۔ پھر جو کمال انسان پیدا کرتا ہے چھ مراتب پورے کر کے حتیٰ کہ آجکل کی تعلیم کے مراتب بھی چھ ہیں اور یہ لوگ منکر قرآن ہیں۔ مگر چونکہ کمال چھ مراتب کے بعد ہونا قانون قدرت ہے اس لئے انھوں نے بھی پرائمری ' مڈل ' انٹرنس ' ایف اے ' بی اے ' ایم اے ' چھ درجے بنائے۔ پھر ساتواں درجہ وہ ہے جس کام میں انسان کمال پیدا کرے۔ زمین کو درست کرنا ' پھر پانی دینا ' پھر بیج ڈالنا ' اسی طرح چھ دن کے بعد اس کی کونپل نکلتی ہے۔

دنیا میں تمام قوموں نے بھی سات ہی دن بنائے ہیں باوجود اتنے بڑے مذہبی و قومی و ملکی اختلاف کے۔ پس اللہ نے سمجھایا کہ فلکی نظام بھی اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ اس کا بنانے والا ہر چیز کا عالم ہے۔ اس کی کتاب کی اتباع کرو گے سکھ پاؤ گے۔ اسے ناراض کر کے دکھ اٹھاؤ گے۔ اس کو راضی کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ ہر کام کے کرنے سے پہلے دیکھ لو کہ یہ اس کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں؟ تم اس کی بادشاہت سے نکل کر کہیں جا نہیں سکتے۔ "رہنا دریاواں وچ تے مگرمچھاں نال ویر"۔ جب ایک معمولی حکم کی مخالفت بھی عیش کو تلخ کر دیتی ہے تو اس احکم الحاکمین کی مخالفت میں ضعیف البنیان انسان کیونکر آرام پا سکتا ہے؟

اللہ تمہیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دے۔ ہم بہت قرآن ' بہت نکتے معرفت کے سناتے ہیں مگر بیمار کو تو عمدہ سے عمدہ کھانا بھی کڑوا لگتا ہے۔ اس لئے ایسے لوگ ہماری ان باتوں پر بھی اعتراض کر دیتے ہوں گے کہ یہ نقص ہے۔ اللہ نیکی اور عمل کی توفیق بخشے۔

خطبہ ثانیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ۔ میں اللہ ہی کا شکر کرتا ہوں جس نے حق سنانے کے لئے اتنے آدمی جمع کر دیئے۔ اس کا منشاء نہ ہوتا تو میں جمع نہ کر سکتا تھا۔ باقی تم ہمارا کہنا مان لو اور اس کے مطابق عملدرآمد اللہ کی مدد سے ہو سکتا ہے۔ جو مشکلات درپیش ہوں وہ سب اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس کا علاج تمام انبیاء نے استغفار بتایا ہے۔ وَنَسْتَغْفِرُہٗ نفس کی شرارتوں سے اللہ ہی بچا سکتا ہے۔ جب اللہ کی راہوں پر چلوگے وہ دستگیری کرے گا اور اگر اس کا قانون توڑوگے تو کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ کو تم یاد کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا اُذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ۔ اللہ سے بہت دعائیں مانگو۔ وہ دعائیں قبول کرتا ہے۔

ایک ہمارے دوست ہیں۔ دور دراز سفر کو جانے والے، تم سب ان کے لئے دل سے دعا کرو۔ وہ دین کا خادم بنے۔ صحت وعافیت سے پہنچے۔ اس ملک میں دین کا کام کرے۔ دین کا خادم بنے اور دین کے خادم بنائے۔

کچھ ہمارے بہت پیارے مصر میں بھی گئے ہیں۔ ان کے لئے بھی دعا کرو۔ اللہ انہیں دین کا خادم بنائے۔ اللہ ان پر راضی ہو۔ وہ دین اسلام کے خیر خواہ ہوں۔ ان کے کلمات کو اللہ تعالیٰ بابرکت بنائے۔ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور بیش در بیش توفیق بخشے۔ قرآن کے خادم ہوں۔ محمد رسول اللہ کے خادم ہوں۔ اللہ کو راضی کرنے والے ہوں۔ کچھ پیارے مصر میں آگے بھی ہیں۔ ان کے لئے بھی دعا کرو۔ پھر تین، چھ، نو لنڈن میں بھی ہیں۔ ان کے لئے دعا کرو۔ ان کے وجودوں کو بابرکت بنائے۔ ان کے کلام میں برکت ڈالے۔ دین کی خدمت کریں۔ ان لوگوں میں سے کچھ پڑھتے ہیں، کچھ کام کرتے ہیں، کچھ تبلیغ کے لئے ہیں، سبھی مجھے پیارے ہیں۔ خواجہ کا نام تو تم جانتے ہو۔ فتح محمد ہے۔ نور احمد ہے۔ یہ تو ایک جماعت ہے۔ ملک عبدالرحمٰن ہے۔ ظفر اللہ ہے۔ عباد اللہ ہے۔ محمد اکبر ہے۔ ایک بزرگ دوست کی اولاد ہے۔ اللہ ان سب کو پسند کرے۔ دین کی جماعت بنائے۔ چائنا میں بھی ہمارے ایک دوست گئے ہیں۔ ان کے لئے بھی دعا کرو۔ (الفضل جلد ۱ نمبر ۱۱---- ۲۷/ اگست ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۱۲ ستمبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح نے وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ:۳۱) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دنیا میں خلیفے پیدا ہوئے' ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ چار قسم کے آدمیوں پر تصریح کی ہے۔ جناب الٰہی نے ایک حضرت آدم کو فرمایا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ہم نے آدم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ ایک حضرت داوٗد کو فرمایا۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ (ص:۲۷) اے داوٗد! ہم نے تجھے خلیفہ بنایا۔ ایک سارے جہان کے آدمیوں کو خلیفہ کا لقب دیا۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس:۱۵) ہر انسان کو فرماتا ہے تم کو خلیفہ بنایا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے اعمال کیسے ہوں گے؟

ایک دفعہ جب میرا بیٹا پیدا ہوا' اگر وہ نہ ہوتا تو اس وقت ایک شخص تھا جس کا خیال تھا میں ہی وارث ہو جاؤں گا' تو کسی نے اس شخص سے بھی ذکر کر دیا۔ اس کو بڑا رنج ہوا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ یہ بدبخت کہاں سے پیدا ہو گیا۔ میری تو ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مگر آج میں دیکھتا ہوں کہ وہ بالکل لاولد ہے۔ نہ لڑکی نہ لڑکا اور پھر خدا کا ایسا فضل ہے کہ اک باغ لگا دیا۔

سو کسی قسم کا خلیفہ ہو اس کا بنانا جناب الٰہی کا کام ہے۔ آدم کو بنایا تو اس نے۔ داؤد کو بنایا تو اس نے۔ ہم سب کو بنایا تو اس نے۔ پھر حضرت نبی کریمؐ کے جانشینوں کو ارشاد ہوتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور:۵۶)۔

جو مومنوں میں سے خلیفے ہوتے ہیں ان کو بھی اللہ ہی بناتا ہے۔ ان کو خوف پیش آتا ہے مگر خدا تعالیٰ ان کو تمکنت عطا کرتا ہے۔ جب کسی قسم کی بدامنی پھیلے تو اللہ ان کے لئے امن کی راہیں نکال دیتا ہے۔ جو ان کا منکر ہو اس کی پہچان یہ ہے کہ اعمال صالحہ میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ دینی کاموں سے رہ جاتا ہے۔

جناب الٰہی نے ملائکہ کو فرمایا کہ میں خلیفہ بناؤں گا کیونکہ وہ اپنے مقربین کو کسی آئندہ معاملہ کی نسبت جب چاہے اطلاع دیتا ہے۔ ان کو اعتراض سوجھا جو ادب سے پیش کیا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مجھے کہا۔ حضرت صاحب نے دعویٰ تو کیا ہے مگر بڑے بڑے علماء اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ میں نے کہا وہ خواہ کتنے بڑے ہیں مگر فرشتوں سے بڑھ کر تو نہیں۔ اعتراض تو انہوں نے بھی کر دیا اور کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ (البقرة:۳۱) کیا تو اسے خلیفہ بناتا ہے جو بڑا فساد ڈالے اور خونریزی کرے؟ یہ اعتراض ہے، مگر مولیٰ! ہم تجھے پاک ذات سمجھتے ہیں۔ تیری حمد کرتے ہیں۔ تیری تقدیس کرتے ہیں۔

خدا کا انتخاب صحیح تھا مگر خدا کے انتخاب کو ان کی عقلیں کب پا سکتی تھیں۔ حضرت نبی کریمؐ کے وقت بھی جھگڑا ہوا۔ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (ص:۷۰)۔ ادھر مکہ والوں نے کہا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف:۳۲) یہ دستار فضیلت کسی بڑے نمبردار کے سر پر بندھتی۔ اللہ نے اس کے رد میں ایک دلیل دی ہے۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (الزخرف:۳۳) ان امیروں کو امیر کس نے بنایا؟ عظماء کو عظیم کس نے کیا؟ آخر کہو گے خدا نے۔ پس اسی طرح یہ کام بھی خدا نے اپنی مرضی و مصلحت سے کیا۔

پھر فرمایا۔ دو قسم کے غلام ہوتے ہیں۔ اَحَدُهُمَا اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ (النحل:۷۷) گونگا کسی چیز پر قادر نہیں۔ جہاں جائے کوئی خیر نہ لائے۔ دوم وہ جو يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (النحل:۷۷) عدل پر چلتا۔ عدل کا حکم کرتا ہے

اور صراط مستقیم پر ہے۔ اب ان میں سے وہی پسند ہو گا جو مولیٰ کا خدمت گزار ہو گا۔

میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ رسالت کے بار اٹھانے کے قابل کون ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام:۱۲۵)۔ تم علم میں اور ہر امر میں ہمارے محتاج ہو۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ ھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ (الانبیاء:۲۴) تمہارا کوئی حق نہیں کہ ہمارے کاموں پر نکتہ گیری کرو۔ کیونکہ تمہیں علم نہیں اور مجھے علم ہے۔ اس کا ثبوت بھی لے لو۔ ہم آدم کو چند اسماء سکھا دیتے ہیں تم کو نہیں سکھاتے۔ دیکھیں کہ بغیر ہمارے بتانے اور سکھانے کے تم بھی وہ اسماء بتا سکو۔ فرشتوں نے عرض کیا۔ بیشک ہمیں کوئی ذاتی علم نہیں۔ علم وہی ہے جو آپ کسی کو بخشیں۔ معلوم ہوتا ہے ملائکۃ اللہ جو ہیں ان کو اپنی جماعت کے بھی اسماء معلوم نہ تھے۔ جب گھر کے ممبروں کی خبر نہیں تو دنیا کے کاموں میں دخل کیا دے سکیں گے۔

تم سب لوگ اپنے اندر مطالعہ کرو۔ میں تو عالم الغیب نہیں۔ تم سوچو۔ کیا تم میں سے کبھی کسی نے جھوٹ بولا ہے یا نہیں۔ کسی کو چکمہ دیا ہے یا نہیں۔ کسی نے کسی سے فریب یا دھوکہ کیا ہے یا نہیں۔ بد معاملگی کی ہے یا نہیں۔ بد نظری کی ہے یا نہیں کی۔ پھر خدا تو علیم و حکیم ہے۔ کیا وجہ ہے اس نے تو تم سے کہا۔ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ (النور:۳۱) کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ (التوبۃ:۱۱۹) وَ لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (ال عمران:۶۲) لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (البقرۃ:۱۸۹) تم نے ان احکام کی کہاں تک تعمیل کی جو دوسروں کو کہتے ہو۔

تو کار زمیں کے نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

اپنی حالت کو مطالعہ کرو۔ پچھلی حالت پر غور کر کے دیکھو۔ جہاں پر اعتراض کرتے ہو پہلے اپنے آپ کی تو خبر لے لو اور اصلاح کرو۔ میں تم سب کو السلام علیکم کہتا ہوں۔ عید کی نماز کے بعد میری ایسی حالت ہو گئی کہ اب تک مسجد میں نماز کے لئے نہیں آ سکا۔ اب بھی میں جانتا ہوں کہ میری کیا حالت ہے۔ اپنے نفسوں کی اصلاح کرو۔ اپنے نامہ اعمال کو سیاہ ہونے سے بچاؤ۔ دوسرے کو جب کہو کہ پہلے خود سیدھے ہو لو۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۱۴--- ۱۷ر ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۱۹ ستمبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (البقرۃ:۳۵) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

بندے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک بڑے زیرک' باریک بات کو پہنچنے والے۔ دوسرے بالکل موٹی عقل کے' اجڈ۔ وہ ان باریک بینوں اور سخن شناسوں کے متبع ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی دو قسم ہیں۔ ایک تو وہ جو دین کی باریک در باریک باتیں جانتے ہیں۔ دوسرے وہ جو دنیا کی باریک در باریک باتیں جانتے ہیں۔ یہ دنیا کے باریک بین انگریز ہیں۔ کیا سلطنت کا طرز ہے۔ کیا تجارت' صنعت اور حرفت میں کمال ہے۔ تم جس قدر بھی یہاں بیٹھے ہو کوئی تم میں ہے جس نے سال بھر میں انگریزوں کو کچھ نہ دیا ہو؟ ہرگز نہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ ان کو کمانے کا علم آتا ہے اور انہیں دنیا میں کمال حاصل ہے۔ دیکھو! سلطنت کی ہے تو کیسی زبردست۔ پھر کسی اور فن کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو اس میں بھی حد ہی کر دی ہے۔

میں ایک طبیب تھا۔ اس حالت میں میں نے عجیب عجیب تماشے دیکھے ہیں۔ ایک پنساری تھا جموں میں۔ وہ بڑے اخلاص سے' بڑی محبت سے میرے لئے پستے لے آیا۔ میں تو اس وقت کتاب پڑھ رہا تھا۔ نکما بیٹھنے کی میری عادت نہیں اور مطالعہ کے وقت مجھے بہت استغراق ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں بغیر دیکھنے کے وہ دانے کھاتا گیا حتیٰ کہ چند دانے کھانے کے بعد آگ لگ گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ پستوں میں جمال گوٹے کے دانے مل گئے ہیں تو مجھے بڑی تکلیف ہوئی۔ اس پنساری کو میں نے بلایا۔ وہ گھبرا گیا اور منت سماجت کرنے لگا۔ میں نے کہا۔ تسلی رکھ' تجھے گرفتار نہیں کرواتا۔ مگر یہ سب نتیجہ غفلت کا ہے۔

ہمارے ہاں کوئی علم نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ فلاں دوائی' فلاں دوائی کے ساتھ ملا کر نہ رکھنی چاہئے بلکہ نزدیک بھی نہیں لے جانی چاہیے۔ مثلاً ہینگ اور افیون' ہینگ اور مشک اکٹھی ہوں تو دونوں کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ سرکہ اور شہد بھی ایک دوسرے کے پاس نہیں ہونے چاہئیں۔ مگر کیا کیا جائے۔ ہمارے ملک میں یہ علم نہیں' نہ کوئی پڑھتا ہے۔ جب حالت یہ ہو تو لوگ خاک ہماری خدمت کریں۔ اب دیکھو انگریزوں میں دواؤں کا کیسا انتظام ہے۔ ہر قسم کی دواؤں کے لئے مختلف رنگ کی شیشیاں ہیں۔ کسی کا بندھن کانچ کا ہے' کسی کا لکڑی کا۔ میں نے ایک دوائی منگوائی جو ربڑ کی شیشی میں تھی۔ میں نے تعجب کیا۔ ایک شخص نے مجھے کہا اگر آپ اسے کانچ یا چینی کی شیشی میں رکھیں تو سوراخ کر کے نکل جائے گی۔ پھر شیشیوں کے اوپر سرخ لیبل لگاتے ہیں اور کالے حرفوں سے لکھتے ہیں۔ زہر ہسپتال میں الگ رکھنے کا حکم ہے جس کی چابی آفیسر کے پاس رکھنے کا حکم ہے۔ دیکھو کیسی احتیاط ہے۔ اب ان اصفیٰ و اعلیٰ دواؤں کو چھوڑ کر کوئی ہماری دوائیں کیوں لے۔ میں نے سنگ بصری' گاؤ دنتی' کافور' بھیم سینی۔ ان دواؤں کو جب منگوایا نئی ہی نکلیں۔ بڑے بڑے طبیبوں سے میں نے کہا۔ وہ کہتے ہیں کون تحقیقات کرے اور اتنا روپیہ کون خرچ کرے؟

میری غرض اس تمام بیان سے یہ ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے باریک علم ہیں۔ جو ان علوم کو حاصل کرتے ہیں وہ مرجع خلائق ہوتے ہیں۔ اسی طرح دین کے باریک علوم ہیں جو نبیوں کو آتے ہیں۔ انبیاء کے بڑے بڑے معجزے ہوئے۔ پہلی قوموں کے نبیوں کو ایسے معجزے دیئے گئے جن کو موٹی عقل والے سمجھ سکیں۔ پھر ہمارے بادشاہ کو سب کچھ دیا جس کا بھاری معجزہ قرآن ہے۔ یہ ایسا معجزہ ہے کہ جس قدر کسی کا باریک فہم ہو اس سے نفع اٹھائے اور پھر موٹی عقل والا بھی برابر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ موسیٰ کے سانپ پر تو آجکل شبہ کرتے ہیں کہ وہ کس طرح بن گیا؟ مگر ہماری سرکار کا معجزہ ایسا ہے کہ ہر زمانے میں اس کا معارضہ کسی سے نہیں ہو سکتا۔

جو آیت میں نے اس وقت پڑھی ہے اس پر غور کرو۔ کسی انسان کو کچھ سکھلایا۔ جب اسے سکھلایا تو پھر تمام لوگوں کو حکم دیا کہ اس کی فرمانبرداری کرو۔ یہ ہمارا تعلیم یافتہ ہے۔ یہاں تک کہ فرشتوں کو کہا کہ تم بھی فرمانبرداری کرو۔ وہ سعید الفطرت تھے، تابع ہو گئے مگر ابلیس نہ ہوا۔ اس نے انکار و استکبار سے کام لیا۔ اور ہم نے آدم کو حکم دیا کہ تو اور تیرا ساتھی آرام سے رہو۔ پھر انہیں کسی چیز سے منع کر دیا جیسے ہماری سرکار کو بعض درختوں سے ممانعت تھی۔ ایک شخص رسول اللہ کے حضور ایک ٹوکری لایا جس میں لہسن، پیاز و گندنا تھا۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیا چیز ہے، اسے اٹھالو۔ میں تو اسے نہیں کھاتا۔

اسی طرح ایک دن میں نے نماز پڑھی۔ میرے ساتھ ایک شخص ایسا کھڑا ہو گیا جو حقہ پی کر آیا تھا۔ میرا دل اس کی بدبو سے متلی کرنے لگا۔ نماز کے بعد میں نے اسے کہا کہ مہربانی فرما کر آپ ایسی حالت میں گھر نماز پڑھ لیا کریں۔

غرض آدم کو ایک درخت سے منع کیا۔ ایک موذی جانور ان کے پیچھے پڑ گیا۔ بحالت نسیان اس نے بدراہ کیا تو جس مزے میں تھا وہ مزا جاتا رہا۔ لوگ غلطیاں کرتے ہیں اور ہمیں کہتے ہیں معاف کر دو۔ حالانکہ معاف کر دینے والا تو اللہ ہے۔ ایک شخص آتشک یا سوزاک لایا ہے۔ اب وہاں میری معافی کیا کر سکتی ہے۔ اللہ ہی فضل کرے تو شفا دے۔ جن لوگوں نے فضولیاں کر کے دکھ اٹھایا ہے وہ مجھے آ آ کر کہتے ہیں کہ معاف کر دو۔ معاف تو کر دیا مگر اس فضولی کا اثر تو جب جائے کہ وہ فضولی چھوڑ دیں۔ ابلیس اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات میں شریر ہو اور جب اس کی شرارت دوسروں تک پہنچاتی ہو تو وہ شیطان کہلاتا ہے۔ اس نے پھسلانا چاہا اور اللہ نے آدم و حوا کو اس حالت سے نکال کر دوسری میں کر دیا اور فرمایا کہ بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں۔ میں نے دیکھا ہے بعض کو بعض سے عداوت ضرور ہوتی ہے۔

پاخانہ کے کیڑے کے پاس اگر کستوری رکھ دو وہ مر جائے گا۔ اسی طرح بعض لوگ پاک تعلیم سے چڑتے ہیں۔ میں یہاں کھڑا وعظ کر رہا تھا۔ ایک کہنے لگا، جو نصیحت کرتے ہو اس پر کوئی عمل بھی کر سکتا ہے؟ پس نصیحت بیکار ہے۔ میں نے کہا۔ کیا قرآن بیکار ہے؟ مسلمان تھا، ڈر گیا۔ اسی طرح ایک شخص نے مجھے کہا۔ کہ آپ کے درس میں اس لئے نہیں آتا کہ وہاں جن گناہوں کا لڑکوں کو علم نہیں ہوتا وہ بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ میں نے اسے بھی کہا کہ پہلا اعتراض تیرا قرآن پر ہے کیونکہ اس میں سب گناہوں کا ذکر ہے۔ غرض بعض بعض کے خلاف ہیں۔ اور یہ دشمنی کا بیج اس لئے ہے کہ بڑے ہوشیار ہو کر لوگ گزارہ کریں۔

آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے اور اس پر فضل ہوا۔ اور اللہ نے حکم دیا کہ اب جب کبھی

ہماری ہدایت پہنچے جو اس کے تابع ہو گا' اس پر کسی قسم کا خوف و حزن طاری نہ ہو گا اور جو حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے نقصان پہنچے گا۔ تم سب دل میں سوچو۔ کیا تمہارا جی چاہتا ہے کہ تمہیں غم ہو' خوف ہو۔ غموں سے' خوفوں سے بچنے کا ایک ہی علاج ہے۔ وہ یہ کہ ہدایت کی اتباع کرو۔ اگر نہیں کرو گے تو دکھ اٹھاؤ گے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۱۵--- ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۲۶؍ ستمبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کے پانچویں رکوع کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کی اولاد کو' بنی اسرائیل کو' بہادر سپاہی کے بیٹوں سے خطاب کیا۔ مسلمانوں کو عبرت چاہئے کہ تم بھی کسی بہادر سپاہی کی قوم ہو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تمہارا امام تھا۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کی اولاد ہو۔ تمہیں یاد ہے کہ تم پر کیا کیا فضل ہوئے۔ پہلا فضل تو یہی ہے کہ تم کچھ نہ تھے' پیدا ہوئے' پھر مسلمان ہوئے۔ قرآن جیسی کتاب تمہیں دی گئی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جیسا خاتم النبیین رسول عطا فرمایا۔ تمہیں سمجھانے کے لئے' متنبہ کرنے کے لئے دوسروں کے حالات سناتا ہے کہ ایک قوم کو ہم نے بڑی نعمتیں دیں۔ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ (النحل:۱۱۳) اس قوم نے اللہ کی نعمتوں کی کچھ قدر نہ کی تو ہم نے ان کو بھوک کی موت مارا۔

بھوک کی موت بہت ذلت کی موت ہے' دکھ کی موت ہوتی ہے۔ میں نے ان اپنی آنکھوں سے بھوک کی موت مرتے لوگ دیکھے ہیں۔ دودھ ان کے منہ میں ڈالیں تو بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا۔

کشمیر میں خطرناک قحط پڑا۔ کافر تو سؤر بھی کھاتے ہیں۔ ان کے باورچی خانہ کے ارد گرد لوگ جمع ہو جاتے کہ شائد کوئی چھچھڑا مل جائے۔ یہ حالت اضطراری تھی اس لئے مسلمان معذور تھے۔ پندرہ بڑے بڑے غرباخانے تھے اور رئیس چار سیر گیہوں خرید کر سولہ سیر کے حساب سے دیتا مگر پھر بھی خدا ہی دے تو بندہ کھائے۔ بندے کی کیا طاقت ہے کہ اتنی دنیا کی رزق رسانی کر سکے۔

غرض اللہ تعالیٰ ایک قوم کو نعمتیں یاد دلاتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرۃ:41) مجھ سے جو عہد کیا تھا وہ پورا کرو تو میں وہ عہد پورا کروں گا جو تم سے کیا تھا۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرۃ:39) یعنی تم میری ہدایت کے پیرو بنو تو میں تمہیں لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ زندگی دوں گا۔

اس وقت کیسی مصیبت کے دن ہیں۔ سات کروڑ کے قریب مسلمان کہلاتے ہیں۔ چھ کروڑ کے کان میں قرآن بھی نہیں گیا۔ ایک کروڑ ہو گا جو یہ سنتا ہے کہ قرآن ہے مگر اسے سمجھنے کا موقع نہیں۔ پھر چند ہزار ہیں جو قرآن مجید باترجمہ پڑھتے ہیں۔ اب یہ دیکھو کہ عمل در آمد کے لئے کس قدر تیار ہیں۔ میں نے ایک بڑے عالم فاضل کو دیکھا جن کا میں بھی شاگرد تھا۔ وہ ایک پرانا عربی خطبہ پڑھ دیتے تھے۔ ساری عمر اس میں گزار دی اور قرآن مجید نہ سنایا۔ حالانکہ علم تھا، فہم تھا، ذہین وذکی تھے، نیک تھے، دنیا سے شاید کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ پھر ان کی اولاد کو بھی میں نے دیکھا۔ وہ بھی اسی خطبہ پر اکتفا کرتی۔ میں نے آنکھ سے روزانہ التزام درس کا کہیں نہیں دیکھا۔ ان بعض ملکوں میں یہ دیکھا ہے کہ کسی فقہ کی کتاب کی عبارت عشاء کے بعد سنا دیتے ہیں۔ پس میں تمہیں مخاطب کر کے سناتا ہوں۔ اللہ فرماتا ہے۔ ہمارے فضلوں کو یاد کرو اور میرے عہدوں کو پورا کرو۔ میں بھی اپنے عہد پورے کروں گا۔ کبھی ملونی کی بات نہ کیا کرو اور گول مول باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ حق کو چھپایا نہ کرو بحالیکہ تم جانتے ہو۔

قرآن شریف میں دو ہی مضمون ہیں۔ ایک تعظیم لامر اللہ۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ اس کلمہ توحید کی تکمیل کے لئے ہے۔ دوم۔ شفقت علیٰ خلق اللہ۔ اس مضمون کو کھول کر بیان فرماتا ہے کہ خدا کی تعظیم کے واسطے نمازوں کو مضبوط کرو اور باجماعت پڑھو۔ آجکل تو یہ حال ہے کہ امراء مسجد میں آنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ حرفت پیشہ کو فرصت نہیں۔ زمیندار صبح سے پہلے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور عشاء کے قریب واپس آتے ہیں۔ ایک وقت کی روٹی باہر کھاتے ہیں۔

پھر واعظوں اور قرآن سنانے والوں کو فرماتا ہے کہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول

جاتے ہو۔ علماء، فقراء، گدی نشین، سب کو ارشاد فرماتا ہے کہ بہادروں کے بیٹے بنو۔ منافق نہ بنو۔ حق میں باطل نہ ملاؤ۔ وفادار بنو تاکہ بے خوف زندگی بسر کرو۔ دوسروں کو سمجھانے سے پہلے خود نمونہ بنو۔ اگر تبلیغ میں کوئی مشکل پیش آجائے تو استقلال سے کام لو۔ بدیوں سے بچو۔ نیکیوں پر جمے رہو۔ نمازیں پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگتے رہو اور یہ یقین رکھو کہ آخر اللہ کے پاس جانا ہے۔

زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ بادشاہ کے پاس قلم و کاغذ لے کر گیا۔ ادھر پیش کیا، ادھر جان نکل گئی۔ ایک اور شخص تھا، بڑے شوخ گھوڑے پر سوار۔ میری طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے کہا آپ کا گھوڑا بڑا شوخ ہے۔ کہنے لگا ہاں ایسا ہی ہے۔ میں ادھر گھر پہنچا کہ مجھے اطلاع ملی کہ وہ مر گیا۔ غرض یہ دوست، یہ احباب، یہ آشنا، یہ اقربا، یہ مال، یہ دولت، یہ اسباب، یہ دوکانیں، یہ سازوسامان، سب یہیں رہ جائیں گے۔ آخر "کار با خداوند"۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۱۶ --- یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۳؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت امیر المومنین نے سورۃ بقرہ کے پانچویں رکوع (يَا بَنِيٓ اِسۡرَآئِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ (البقرۃ:۴۷)) کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

قرآن کریم عجیب عجیب پیرائے میں نصیحتیں فرماتا ہے۔ بہادر سپاہی کی اولاد! تم بھی غور کر لو۔ کوئی اپنے آپ کو سید سمجھتا ہے۔ وہ اپنے بڑوں کی بہادری پر کتنا فخر کرتا ہے۔ کوئی قریشی کہلاتا ہے وہ سیدوں کو اپنی جزء قرار دیتا ہے۔ اسی طرح کوئی مغل ہے ' کوئی پٹھان ' کوئی شیخ ' غرض مخلوق کے تمام گروہ اپنے آپ کو کسی بڑے آدمی سے منسوب کرتے ہیں۔ مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ بڑا آدمی کیوں بنا؟ اپنے اعمال سے۔ پس اگر تم ان اعمال کے خلاف کرو گے تو کیا بڑے بن سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ جو بہادری انسان کو بڑا بنا سکتی ہے کیا اس بہادری کا ترک کر دینا انسان کو بزدل نہیں بنا سکتا۔

مجھے ہمیشہ بڑا تعجب آتا ہے کہ انسان بڑوں کی بڑائی پر فخر کرتا ہے مگر اپنی طرف غور نہیں کرتا کہ میں اپنے خاندان کو بڑا بنا رہا ہوں یا اس کے غرق کرنے کے درپے ہوں۔ ایک چھوٹا آدمی ہمارے شہر بھیرہ میں بڑا بن گیا اور بڑا ذلیل ہو گیا۔ وہ جو ذلیل ہو چکا تھا ایک دن اس بڑا بننے والے کی تحقیر کرنے لگا۔ میں نے اسے کہا۔ کیا تمہاری طاقت ہے کہ اس کے برابر بیٹھو یا جیسا گورنمنٹ میں اس کا اعزاز ہے اور وہ

کرسی نشین ہے' کیا تم بھی کسی حاکم کے سامنے جانے کے قابل ہو۔ وہ تم سے کئی درجے اچھا ہے۔ کیونکہ اس نے نابود کو بود بنادیا اور تم نے بود کو نابود کیا۔ اب بتاؤ کہ تم بڑے ہو یا وہ؟

پس میرے پیارو! اگر تم بڑوں کی اولاد ہو اور خدا نے تمہیں تیرہ سو برس سے عزت دی تو بڑوں کے کاموں کو نابود کرنے والے نہ بنو۔ تم خود ہی بتاؤ کہ وہ شرک کرتے' جھوٹ بولتے' دھوکا کرتے' دوسروں کو دکھ دیتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ تو کیا تم ان افعال کے مرتکب ہو کر بڑے بن سکتے ہو؟ بنی اسرائیل کو تو خدا نے شام میں بڑائی دی تھی مگر اسلام نے یہاں تک معزز کیا کہ تمہیں سارے جہان میں عظیم الشان بنادیا۔ اس نعمت کا شکر کرو۔ کیونکہ یہ آیت اُذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (البقرۃ:۴۸) تمہیں انعامات الٰہی یاد دلانے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اگر تم انعام الٰہی کی ناقدری کروگے تو اس کا وعید تیار ہے۔ کیونکہ جس طرح نیکی کا پھل اعلیٰ درجے کا آرام ملتا ہے ایسا ہی بدی کا پھل بھی ذلت و ادبار کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

یہود کو کفران نعمت کی سزا میں پہلے مدینہ سے نکالا گیا تو لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ (الحشر:۱۲) کہنے والے کچھ کام نہ آئے۔ پھر جب مدینہ سے نکالے گئے تو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ اسی طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی معاملہ ہوا۔ سپین سے ایک دن میں نکال دیئے گئے۔ لاکھوں لاکھ تھے جنہوں نے جانے سے ذرا چوں وچرا کی ان کو عیسائی بنالیا گیا۔ اب سیاحوں سے پوچھو۔ اسلام کا وہاں نام نشان تک نہیں۔ مسجدیں ہیں اور چند عدالت کے کمرے۔ وہ تمہارے رلانے کے لئے رکھ چھوڑے ہیں۔

اسی طرح مراکش ہے۔ پھر طرابلس میں کئی لاکھ کا کتب خانہ تھا۔ بنوامیہ کی اتنی بڑی سلطنت تھی کہ ایک طرف چین اور ایک طرف فرانس سے اس کے حدود ملتے تھے۔ مگر اب یہ حال ہے کہ کوئی اپنے بیٹے کا نام یزید یا معاویہ نہیں رکھتا۔ یعنی جن کی مدح سرائی ہوتی تھی اب ان کا نام تک رکھنے کے روادار نہیں۔ پھر عباسیوں کی سلطنت تھی۔ ایک دفعہ محمود غزنوی سے ان کی کچھ رنجش ہوگئی۔ محمود غزنوی نے اس خلیفہ کو لکھا کہ میں ہندوستان کا فاتح ہوں اور میرے پاس اتنے ہاتھی ہیں۔ خلیفہ نے اس کے جواب میں الم الم نہایت خوبصورت لکھوا کر بھیج دیا۔ محمود کے دربار میں تو سب فارسی دان ہی تھے۔ چنانچہ اس زمانے کی یادگار صرف شاہنامہ ہی باقی ہے۔ وہ تو کچھ سمجھے نہیں۔ آخر محمود نے کہا کہ خلیفہ نے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ (الفیل:۲) یاد دلائی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس ہاتھی ہیں تو ہمارا وہ رب جو اصحاب فیل کو ہلاک کرچکا ہے۔ بہت ڈر گیا اور معذرت کی جس

پر تعلقات درست ہو گئے۔ مگر پھر بغداد کا حال ہمیں معلوم ہے۔ وہ محمود غزنوی جو خلیفہ کی الم الم سے ڈر گیا تھا اسی پایہ تخت کو ہلاکو اور چنگیز نے تباہ کر دیا۔ ایک ہزار شخص جن پر سلطنت کے متعلق دعویٰ کا گمان تھا ان سب کو دیوار میں چن دیا۔ وہ بی بی جس کا نام نسیم السحر رکھا تھا ایک گلی میں اس حالت میں دیکھی گئی کہ کتے اس کا لہو چاٹ رہے تھے۔

بے شک اللہ کے انعام بہت ہیں مگر اللہ کی پکڑ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ بنی اسرائیل کو فرعونیوں کا ظلم اور پھر اس سے نجات پانا یاد دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ فرعونی تمہیں طرح طرح کے عذاب دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو ذلت کے لئے زندہ رکھتے یا ان کا ننگ و ناموس تباہ کرتے۔ پھر ہم نے تمہارے لئے دریا کو جدا کیا اور تمہیں بچالیا مگر فرعونیوں کو غرق کر دیا۔ میرا استاد تھا پٹھان۔ قال اقول پڑھاتا۔ اس میں ایک جگہ آتا ہے کہ زید دریا میں غرق ہوا۔ اگر دریا نہ ہو تو غرق بھی نہ ہو۔ میں نے اپنی سمجھ کے موافق یہ اعتراض کیا تھا کہ ہمارا فرعون ابوجہل تو جنگل ہی میں غرق ہو گیا تھا۔ غرض اگر بنی اسرائیل کو یہ احسان یاد دلایا ہے تو مسلمانوں کے فرعون کو خشکی میں غرق کر کے اس کے بعد کئی انعامات ان پر کئے ہیں۔ اب اگر وہ ناشکری کریں گے تو سزا پائیں گے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کو چالیس روز خلوت میں رکھا اسی طرح ہماری سرکار بھی غار حرا میں رہے۔ وَيَتَحَنَّثُ (يَتَعَبَّدُ) فِيْهَا اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ۔

ہماری سرکار پر ایسے ایسے انعام ہوئے کہ ہمیں مالا مال کر دیا۔ بے شک اللہ کے بڑے بڑے احسان ہم پر ہیں مگر نبی کریمؐ کے احسان بھی ہم پر بے شمار ہیں۔ صرف دعا ہی کو لو کہ کس کس موقع پر سکھائی۔ نکاحوں کے لئے استخارہ، پھر بی بی کو گھر لانے پر ایک دعا ہے۔ پھر پاس جانے کی ایک دعا ہے۔ پھر بچوں کے پیدا ہونے کی ایک دعا ہے۔ غرض حد ہی کر دی ہے۔ حضرت موسیٰ کو کتاب اور فرقان عنایت فرمائی تو حضرت محمد رسول اللہ کو بھی ایک نور مبین، فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ:۴) کتاب عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ کو فرقان بخشا تو ہمارے سید بادشاہ کا فرقان بدر کی جنگ میں ظاہر ہوا۔ یہ اس لئے کہ ہدایت پاؤ۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ غفلت کو چھوڑ دیں اور لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (البقرۃ:۸۱) کہنے والے نہ بنیں کیونکہ خدا کسی قوم کا رشتہ دار نہیں۔ نیکی کرو گے تو نیک جزا پاؤ گے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۱۷--- ۸ر اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۱۰؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے آیت قرآنی وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (البقرۃ:۵۵) کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

ہر شریف الطبع آدمی دوسرے کو کسی مصیبت میں مبتلا پا کر عبرت پکڑتا ہے۔ شریف مزاج لڑکوں کو جب ہم نصیحت کرتے ہیں تو کسی اور کا حوالہ دیتے ہیں کہ فلاں نے ایسا کام کیا تو یہ سزا پائی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہر ایک شریف انسان دوسرے سے عبرت پکڑتا ہے۔ ہم کس قدر دکھیاروں کو دیکھتے ہیں تو قرآن کریم کے مطابق مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ (الشوریٰ:۳۱) ہر ایک کو اپنے کئے ہوئے کی سزا ملتی ہے۔ جو کچھ تم کو مصیبت آئی، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تم کو ملی۔ میں نے کبھی کسی مومن کو نمبر دس (۱۰) کا بدمعاش نہیں دیکھا، نہ ہی نیک اعمال والے کو آتشک کا شکار ہوتے دیکھا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کی بیماریوں اور مصیبتوں کا یہی حال ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے ایک استاد صاحب سے ایک جذامی علاج کروایا کرتا تھا۔ اس کی تنخواہ

ماہوار تیس ہزار روپے تھی۔ گویا ایک ہزار روپیہ یومیہ وہ پاتا تھا۔ ایک دن وہ استاد صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حضور نے بیسن کی روٹی کھانے کے لئے فرمایا ہے وہ نگلنی مشکل ہے۔ اگر حکم ہو تو کچھ لقموں کے بعد ایک ڈلی مصری کی بھی کھالیا کروں۔ میرے استاد صاحب نے بڑے زور سے فرمایا کہ نہیں' ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ آدمی بڑا مہمان نواز تھا۔ مگر اس وقت وہ روپیہ اس کے کام نہ آسکا۔ اسی طرح دیکھتے ہیں کہ مسلول و مدقوق کی حالت جب ترقی کر جاتی ہے تو دوسرے آدمی پاس بیٹھنے' کھانے پینے وغیرہ سے مضائقہ کرتے ہیں۔ یہ جسمانی بیماری کا حال ہے۔ اسی طرح روحانی بیماری کا حال ہے۔ سننے والو! ظاہر کو باطن سے تعلق ہوتا ہے اور باطن کو ظاہر سے رشتہ ہے۔ غور کرو۔ میں دیکھتا ہوں۔ ایک دوست کو دیکھ کر میرے دل کو سرور ملتا ہے اور دیکھتے ہی دل خوش ہو جاتا ہے۔ اس کا دیکھنا جو ظاہری ہے اس نے باطن میں جاکر دخل پایا۔ اسی طرح ایک دشمن کو دیکھ کر میں خوش نہیں ہوتا بلکہ اس وقت میرے دل کی حالت کچھ اور ہوتی ہے۔ یہ اس باطن کی رنجیدگی سے ظاہر پر اثر ہوتا ہے اور اس کے آثار میرے چہرہ پر اور میرے ہر عضو پر بھی نمودار ہوتے ہیں۔ پھر غصہ میں آکر اسے کچھ نہ کچھ ناگوار لفظ بول دیتے ہیں۔ اس سے یہ قاعدہ نکلا کہ باطن کو ظاہر کے ساتھ اور ظاہر کو باطن کے ساتھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ تو یہ معاملہ صاف ہے کہ انسان کا اندرونہ اور بیرونہ کچھ عجائبات سے باہم پیوست ہوتا ہے۔

میں نے ایک کنچنی سے پوچھا کہ کیا تو زنا کو حلال جانتی ہے؟ تو کہا۔ ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا مسلمان ہے؟ کہنے لگی الحمد للہ' مسلمان ہوں۔ اگر پوچھا جاوے کہ اسلام کے کوئی احکام جانتی ہو تو کہہ دیں گی کہ جی' ہم جاہل ہیں' ہمیں کیا علم ہے۔ دنیا کے معاملات میں بندوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ بھی سچ بول لیتے ہیں۔ ان کے شرفا میں بھی ایسے ہیں جو ڈاکہ چوری جھوٹ وغیرہ وغیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ اس کو برا سمجھتے ہیں۔ ان میں خدا ترس بھی ہیں کہ لوگوں کے آرام کے لئے انہوں نے جنگلوں میں درخت' کنویں اور بڑی بڑی عمارتیں بنوائی ہیں۔ لوگوں کے آرام کے واسطے نہیں بلکہ جانوروں کے آرام کے واسطے بھی ہزاروں ہزار روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ برعکس اس کے جب کسی مسلمان سے سوال کرتے ہیں تو وہ اپنے اعمال کی شہادت اس قدر نہیں دے سکتے جتنا کہ ایک ہندو دے سکتا ہے۔ وہ لوگوں کے فائدہ کے لئے بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں۔ وہ قومی چندے دینے میں جان کا بھی دریغ نہیں کرتے۔ ہم تاریخ عرب' یاغستان اور افغانستان کے متعلق بڑے بڑے عجائبات پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (البقرۃ:۱۹۸) ہر سال میں چار مہینے ہیں اور یہ بڑے متبرک مہینے ہیں۔ ذیقعد' ذوالحجہ' محرم اور رجب۔ ان مہینوں کی زمانہ جاہلیت میں اتنی عزت ہوتی تھی کہ

اگر باپ کا قاتل' بیٹے کا قاتل یا کسی عزیز کا قاتل بھی ان مہینوں میں مل جاتا تو اسے علی العموم قتل نہ کرتے۔ لیکن اب وہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں جو حاجیوں کو ایام حج میں لوٹ مار کر کے قتل کر دیتے ہیں۔ مجھے میرے ایک دوست نے سنایا کہ میں ذرا الگ ہو کر پاخانہ کرنے گیا۔ ایک عرب نے جو دیکھا کہ یہ اکیلا ہے۔ وہ جھٹ آیا اور ایک سوٹا مار کر مجھے بیہوش کر دیا۔ اس نے چھٹتے ہی روپوں پر ہاتھ صاف کیا اور رفو چکر ہو گیا۔ یہ ہمارے عرب مسلمانوں کا حال ہے جو یہ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ (التوبة:٣٦) کی عزت کرتے ہیں۔

اب ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں کا حال سنئے۔ میں ایک دفعہ جیل خانہ کو دیکھنے گیا۔ ایک جیل کا افسر میرا بڑا دوست تھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ لے کر تمام جیل کی سیر کروائی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں کل تین سو پینتیس قیدی تھے جن میں سے تین سو بائیس مسلمان اور کل تیرہ ہندو جو مقدمات دیوانی میں مقید ہوئے تھے۔ باقی سب کے سب مسلمان تھے۔ یہ دیکھ کر میرے دل پر بڑا صدمہ ہوا اور مجھے بڑا قلق ہوا۔ یہ وہی بات ہے کہ ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے۔ مجھے اس سے محبت تو تھی ہی' میرا دوست جھٹ تاڑ گیا اور میری تسلی کے لئے کہنے لگا۔ حضور! بات یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ اس لئے مسلمان قیدی زیادہ ہیں۔ میں نے کہا آپ نے خوب فقرہ سنایا۔ میری ان باتوں سے تسلی نہیں ہو سکتی۔ اگر ضلع کے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے تو بھیرہ میں ایک سکول ہے جہاں چودہ سو لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ میں نے مدرسہ کو دیکھا ہے جس میں صرف چودہ مسلمان لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ اگر آبادی کا لحاظ تھا تو وہاں بھی مسلمان زیادہ چاہئیں تھے۔ مسلمان اپنے تنزل پر ہمیشہ قسم قسم کی باتیں بتلاتے ہیں۔ پردہ کا ہونا' سود کا رواج نہ ہونا' انہی اسباب میں سے بتلائے جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر پردہ تنزل کا باعث ہے تو کنچنیاں' چوہڑے' چمار' یہ قومیں کیوں ترقی نہ کر گئیں' بلکہ عام زمیندار ہل چلانے والے ان میں بھی پردہ نہیں ہے۔ یہ کیوں نہ ترقی کر گئے۔ اور اگر سود کا رواج نہ ہونا تنزل کا باعث تھا تو ہندو سود خور زیادہ تباہ ہو رہے ہیں یا نہیں؟ جو لوگ بنکوں میں روپیہ جمع کرواتے ہیں روپیہ بڑھنے کے لئے رکھتے ہیں مگر جب بنکوں کا دیوالیہ نکل جاتا ہے تو پھر ان کا کیا حال ہوتا ہے يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰو وَ يُرْبِی الصَّدَقَاتِ (البقرة:٢٧٧) خدا سود خوروں کو تباہ کرتا ہے۔ سود کھانے والے کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ لوگ شرارتیں کرتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ موسیٰؑ نے اپنی قوم کو کہا يَا قَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ تم نے بچھڑے کو خدا بنا لیا اور اپنے اوپر ظلم کیا حالانکہ خدا کے تم پر بڑے بڑے احسان ہیں۔ فَتُوْبُوْآ اِلٰی بَارِئِكُمْ اپنے پروردگار کی طرف توجہ کرو۔

اور اللہ تعالیٰ نے انسان پر بڑے بڑے فضل و احسان کئے ہیں۔ اس کے قابو میں خدا نے ہر ایک چیز کر دی ہے۔ ہاتھی جیسا بڑا جانور انگوٹھے کے اشارہ پر چلتا ہے۔ اونٹ کو ایک نکیل کے اشارہ سے چلا لیتا ہے۔ اسی طرح پر ہزاروں کام جانوروں سے نکالتا ہے۔ طوطے سے توپ بندوق چلوا لیتا ہے۔

بعض لوگ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین:۵) کے یہ معنے کرتے ہیں کہ انسان کو خوبصورت بنایا مگر بعض انسان تو سیاہ رنگ اور بدصورت بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہر چیز کو اس کے قابو میں کر دیا۔ سرکس میں کسی نے تماشہ دیکھا ہو گا کہ کیسے کیسے کام جانوروں سے لیتے ہیں۔ یہ سب اللہ کے احسان ہیں۔ ہر قوم میں غریب سے غریب اور امیر سے امیر لوگ موجود ہیں۔ لیکن امراء کو خیال تک نہیں آتا کہ ہم پر بڑا احسان ہوا ہے۔ اس زمانہ کا بڑا بچھڑا روپیہ ہے۔ جس کے پاس یہ ہوا اس کی بڑی عزت وتوقیر ہوتی ہے۔ اگر وہی روپیہ والا انسان غریب ہو جاوے تو اسے پوچھتا بھی کوئی نہیں۔ روپے کے پیچھے خواہ نماز، روزہ، حج جائے مگر کوئی پرواہ نہیں۔

اس زمانہ میں نمازیوں کا نام "قل اعوذی، کھڑ کنے" وغیرہ وغیرہ برے لفظوں سے بلاتے ہیں۔ امام بننا جو ایک زمانہ میں بادشاہ کا کام ہوتا تھا آجکل جلاہوں اور غریب قوم کے لوگوں کے سپرد کر رکھا ہے اور خود اس سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ پھر کہتے ہیں کہ ہم ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں؟ یہ تو ان کی حالت ہے۔

موسیٰؑ نے اپنی قوم کو فرمایا کہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم توبہ کر لو اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنو اور اس میں اللہ کے فرمانبردار بن کر داخل ہو اور کہو حِطَّةٌ پس ہمارے گناہ معاف کر دے۔ پچھلی بدیوں سے استغفار کر لو اور آئندہ بدیوں سے پرہیز کرو۔ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ پھر وہ بدیاں معاف ہو جاویں گی۔ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ اور ان نیکیوں کے بدلے بڑھ چڑھ کر احسان ہوں گے۔ جو آدمی تکبر کرتا ہے اور بغض اور کینہ میں بڑھتا رہتا ہے آخر پھر اس کو اللہ تعالیٰ سے بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ایسوں پر عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے۔

(الفضل جلد ا نمبر ۱۸-- ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۱۷ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کے ساتویں رکوع کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

اس رکوع شریف میں ہم لوگوں کو آگاہ کیا گیا ہے کہ انسان دنیا میں کس طرح ذلیل ہوتے ہیں' کس طرح مسکین بنتے ہیں اور کس طرح خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے آتے ہیں۔ کس طرح ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ دنیا میں ہیں۔ جب وہ بدی کرنا چاہتے ہیں تو اگر وہ نیکوں کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں یا کسی نیکی کی کتاب پڑھتے اور مطالعہ کرتے ہیں تو پہلے پہل ان کو حیاء مانع ہوتا ہے اور وہ بدی کرنے میں مضائقہ کرتے ہیں۔ پہلے چپکے سے ایک چھوٹی سی بدی کرلی پھر اس بدی میں تکرار کرتے ہیں پھر بدی میں ترقی کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ بدیوں میں کمال پیدا کر لیتے ہیں۔ کل جہان میں دیکھو۔ بدی اسی طرح آتی ہے۔ کبھی یکدم نہیں آتی۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو کہتے ہیں کہ جو ہم کہتے ہیں وہ مان لو۔ انہوں نے جواب دیا یہ تو ہم سے نہیں ہو سکتا۔ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہوا؟ ذلیل اور مسکین ہو گئے۔ پہلے چھوٹی چھوٹی نافرمانیاں کیں' پھر بڑی بڑی بدیوں تک نوبت پہنچ گئی۔

مجھے تم سے محبت ہے۔ نہ میں تمہارے سلام کا محتاج' نہ تمہارے اٹھنے بیٹھنے کا اور نہ تمہاری نذر و نیاز کا محتاج ہوں۔ میں تم سے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف تمہاری بہتری چاہتا ہوں۔ تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ سوائے امام کے ترقی نہیں ہوتی۔ انگریزوں کی چھوٹی چھوٹی مجلسوں کے بھی پریذیڈنٹ ہوتے ہیں۔ مسلمان قوم آگاہ رہے کہ سوائے امام کے ترقی نہیں ہو سکتی۔ کسی نے کہا آجکل جہاد ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہیں نہیں ہوتا۔ جہاد یہ ہے کہ ان کا امام ہو اور وہ حکم دے۔ اس کے ماتحت کام کریں۔ آجکل عام مسلمانوں میں کوئی امام نہیں۔ نہ ایران نہ چین نہ مراکو نہ ٹرکی نے ترقی کی۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ' رسول' فرشتوں کو گواہ کر کے تمہاری بھلائی کے لئے کہتا ہوں۔ وہم بھی نہ کرنا۔ نہ کسی طمع و غرض کے لئے کہتا ہوں ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے۔ یہاں کے بعض رہنے والے باہر کے آنے والوں کے کانوں میں باتیں بھرتے ہیں کہ ہماری جماعت میں اختلاف ہے۔ کوئی موجود خلیفہ کے بعد کسی کو تجویز کرتا ہے اور کوئی کسی کو۔ ان بے حیاؤں کو شرم نہیں آتی کہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ ان کو کیا خبر ہے کون خلیفہ ہو گا؟ ممکن ہے ہمارے بعد بہتر خلیفہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی کیسی کیسی تائید کرے۔ جب تم اس قدر بے علم ہو تو ایسی ایسی باتیں کیوں کیا کرتے ہو۔ کیا تمہارا انتخاب کردہ منتخب ہو گا؟ کیا موجودہ خلیفہ تمہارے انتخاب سے خلیفہ ہوا ہے کہ وہ تمہارے انتخاب سے ہو گا؟ یہ کام تمہارا نہیں۔ خدا کا کام خدا کے سپرد کرو۔ یونہی نفاق ڈالنے کے لئے کانوں میں کر کر کرتے ہو۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم کو اس کا وبال نہ بھگتنا پڑے۔ تم میں ایک امام ہے۔ اس کا نام نورالدین ہے۔ کیا تم اس کی حیاتی کے ذمہ دار ہو؟ پیش از مرگ واویلا کرتے ہو۔ اگر تم حیادار ہو تو ایسی باتیں کبھی نہ کرو۔ تم میں بدظنی ہے۔ خواجہ کمال الدین منافقانہ کام نہیں کرتا۔ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرتا ہے۔ یہ میرا یقین اس کی نسبت ہے۔ ہاں معلوم نہیں غلطیاں کر سکتا ہے۔ میں اس کے کاموں سے خوش ہوں۔ اس کے کاموں میں برکت ہے۔ اس کی نسبت بدظنیاں پھیلانے والے منافق ہیں۔ میرے اور میاں صاحب کے درمیان کوئی نقار نہیں۔ جو ایسا کہتا ہے وہ بھی منافق ہے۔ وہ میرے بڑے فرمانبردار ہیں۔ انہوں نے مجھ کو فرمانبرداری کا بہتر سے بہتر نمونہ دکھایا ہے۔ وہ میرے سامنے اونچی آواز بھی نہیں نکال سکتے۔ انہوں نے فرمانبرداری میں کمال کیا ہے۔ میرے اور ان کے درمیان کوئی مخالفت نہیں۔ میں نے امام بننے کی کبھی خواہش تک نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو گردنوں سے پکڑ کر میرے آگے جھکا دیا۔ دیر کی بات ہے میں نے ایک رویاء دیکھی تھی کہ میں کرشن بن گیا۔ اس کا نتیجہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ یہ مطلب ہے ذَالِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (البقرة:۶۲) کا۔ پہلے انسان ادنیٰ نافرمانی کرتا ہے پھر ترقی کرتا کرتا حد

سے بڑھ جاتا ہے۔ تم میں سے بعض کہتے ہیں کہ فتح محمد کو کمال الدین کی جاسوسی کے لئے بھیجا ہے۔ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ حد سے مت بڑھو۔ حد سے بڑھ جاؤ گے تو ہماری آیتوں کے کافر بن جاؤ گے۔ پھر نبیوں کے قتل پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ نہ تمہیں علم ہے، نہ تمہیں عقل ہے۔ تم محتاج ہو۔ ہم محتاج ہیں۔ جو فرمانبردار ہو گزرے ہیں وہ ائمہ کا مقابلہ نہیں کرتے تھے۔ پہلے لوگوں میں یہ بات نہیں پھیلاتے تھے۔ اولاً امیر کو بات پہنچاتے۔ وہ اس میں سے نیک نتیجہ نکال لیتا۔ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے بہت سے شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتے۔

حضرت موسیٰ کی قوم باوجود کمزور ہونے کے پانی تک کے لئے اجازت مانگتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعا کی۔ حکم ہوا پہاڑ پر جاؤ۔ وہاں پانی بہتا ہے' پیو۔ ایک کھانے پر بس نہیں کی۔ کہنے لگے دعا کریں۔ ہم کھیتی باڑی کریں۔ ترکاری' ککڑیاں' لہسن' مسور اور پیاز کھائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ بڑی غلطی ہے۔ یہ ادنیٰ چیزیں ہیں۔ یہ تو تمہاری محنت سے مل سکتی ہیں۔ کم عقلو! چھوٹے کاموں میں لگ جاؤ گے تو حکومت کس طرح کرو گے؟ ان میں سے جو کمزور تھے ان کو حکم دیا۔ جاؤ' کسی گاؤں میں جا کر آباد ہو۔

فُوْمِهَا (البقرة:۶۲) کا ترجمہ بعض نے گندم کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ میں کبھی نہ کروں گا۔ میں نے ایک کتاب دیکھی۔ اگرچہ وہ مجھے ناپسند آئی مگر میں نے اس کو خرید لیا۔ رات کو مجھے رؤیا ہوا کہ ایک بازار ہے۔ اس میں بہت خوبصورت پیاز اور لہسن خرید لیا۔ جب جاگ آئی تو زبان پر فُوْمِهَا تھا تو سمجھ آئی کہ لہسن پر خوب ہاتھ مارا۔ فرمانبرداری کرو۔ اللہ تمہیں توفیق دے۔

(الفضل جلد ا نمبر ۱۹--- ۲۲/ اکتوبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۳۱ ؍ اکتوبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرۃ:۶۳) کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

یہ ایک رکوع کا ٹکڑا ہے۔ میں بہت سوچ سوچ کر تھک جاتا ہوں کہ میں اپنی بات کن لفظوں میں کہوں جو دل میں اثر کرے۔ میں دیکھتا ہوں بہت لوگ ایسے ہیں گویا ہماری بات سنتے ہی نہیں اور ان کے کان حق سے کبھی آشنا نہیں ہوئے۔ میں نے ایک لڑکے سے پوچھا۔ سبق کہاں سے شروع ہو گا؟ اس نے کہا۔ دس برس ہوئے۔ میں درس میں آتا ہوں مگر کبھی سنا نہیں۔ اس کے پاس ایک اور بیٹھا تھا۔ اس سے پوچھا تو اس نے کہا وعلیٰ ہذا القیاس۔ میں نے کہا خیر، عربی تو تمہیں آتی ہے۔

تم تو شاید اس دور کو نہیں سمجھ سکتے مگر میں خوب سمجھتا ہوں۔ مگر کوئی باپ لڑکے کو دس برس تک نصیحت کرے اور وہ اس کے جواب میں ایک دن کہہ دے کہ میں نے آپ کی کوئی بات نہیں سنی۔ خیر،

میرا کام سنانا ہے۔

یہاں تین باتوں کا ذکر آیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسلام کے بعد دوسروں کے ساتھ تعلقات کیسے ہوں؟ دوم' ایمان کے بعد ہمارا عملدر آمد کیسا ہو؟ سوم یہ کہ اگر کہا نہ مانو گے تو حال کیا ہو گا؟

فرماتا ہے جو لوگ کسی قسم کے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں خواہ دہریہ ہی ہوں' غرض پابند ہوں کسی چیز کے' کسی اصل کے' پھر وہ خواہ یہودی ہوں یا عیسائی ہوں یا صابی' جو کوئی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے۔

ان دو باتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ایمان کی جڑ اللہ پر ایمان ہے اور ایمان کا منتہیٰ آخرت پر ایمان ہے۔ اور جو آخرت پر ایمان لاتا ہے اس کا نشان بھی بتا دیا کہ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ (الانعام:۹۳)۔ وہ ایک تو تمام قرآن مجید پر ایمان لاتا ہے۔ دوم' اپنی صلوٰۃ کی محافظت کرتا ہے۔ آج ہی ایک نوجوان سے میں نے پوچھا۔ نماز پڑھتے ہو؟ اس نے کہا۔ صبح کی نماز تو معاف کرو۔ (بھلا میرا باوا معاف کرنے والا ہے) باقی پڑھتا ہوں۔ یہ مومن کا طریق نہیں ہے۔ ایک مقام پر فرمایا اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (البقرة:۸۶)۔

پس تمام کتاب پر ایمان و عمل موجب نجات ہے۔ اس آیت میں اللہ نے بتا دیا ہے کہ ایک ہندو ایک عیسائی' ایک چوہڑا' ایک چمار جب لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیتا ہے اور یوم آخرت کا قائل ہو جاتا ہے تو وہ مسلمان بنتا ہے اور پھر تم سب ایک ہو جاتے ہو۔ یہ اخوت اسلام کے سوا کسی مذہب میں نہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ شرفاء' حکماء' غرباء' ایک صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس فرمانبرداری کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ وہ لَا خَوْفٌ وَّلَا یَحْزَنُ زندگی بسر کرتا ہے۔

ایک پہاڑی پر جس کا نام حراء ہے ہماری سرکار سے بھی اللہ نے کلام کیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰؑ سے بھی ایک پہاڑ پر کلام ہوا جس کا نام طور ہے۔ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (البقرة:۶۴) کے معنے ہیں کہ اس کے دامن میں سب قوم کو کھڑا کیا۔ جیسے بولتے ہیں لاہور شہر راوی کے اوپر ہے۔ ایسا ہی ہجرت کی ایک حدیث میں ہے۔ فَرُفِعَ لَنَا الْجَبَلُ (جامع الصغیر) تو اس کے یہ معنے نہیں کہ مکہ پہاڑ اکھیڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر رکھ دیا گیا۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (البقرة:۶۴) جیسے بنی اسرائیل کو تورات محکم پکڑنے کا حکم تھا ایسا ہی ہمیں قرآن مجید کے بارے میں حکم ہے۔ اگر مانو گے تو فائدہ ہو گا اور اگر نہ مانو گے تو گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ عورتوں کا بڑا حصہ تو قرآن سنتا ہی نہیں۔ امیر بھی بدبختی سے قرآن نہیں سن سکتے' نہ باجماعت نماز پڑھ سکتے

ہیں۔ زمینداروں کو فرصت نہیں۔ فصل خریف سے فراغت پاکر کماد پیڑنے کا موسم آجائے گا۔ پھر ہم سے سوال کئے جاتے ہیں کہ سفر میں روزہ معاف ہے تو کٹائی کے موقع پر بھی کر دیجئے۔ حالانکہ میں ایسا مجتہد نہیں۔ تمہیں دنیا میں خبر ہے یہود نے کیا کیا؟ انہوں نے سبت (خواہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کا اس کے معنی کرو' خواہ آرام کے معنی لو) میں بے اعتدالی کی۔ آرام میں' آسودگی میں انسان اپنے مولیٰ' اپنے حقیقی محسن کو بھول جاتا ہے۔ میں نے اپنی اولاد کے لئے بھی دولت کی دعا نہیں کی۔ اس اعتداء کی پاداش میں ان کو ایسا ذلیل کیا جیسے بندر کہ قلندر کے نچانے پر ناچتا ہے۔ یہی حال آج کل مسلمانوں کا ہے۔ ان کا اپنا کچھ بھی نہیں۔ انگریزوں کے نچانے پر ناچتے ہیں۔ جو لباس ان کا ہے وہی یہ اختیار کرتے ہیں۔ جو فیشن وہ نکالتے ہیں' جو ترقی کی راہ بتلاتے ہیں بلا سوچے سمجھے اس پر چل پڑتے ہیں۔ ایسی حالت میں کب لَاخَوْفٌ وَلَا یَحْزَنُ ہو سکتے ہیں۔ یہ حالت کیوں ہوئی؟ اس لئے کہ خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا۔

میرے پیارو! تم خدا کی کتاب پڑھو۔ اس پر عمل کرو۔ اس سے زیادہ میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ بہت زور مارا ہے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۲۱ --- ۵ر نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۷؍ نومبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖٓ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ (البقرہ:۶۸) کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

بعض لوگ ہمارے وعظ میں نہیں آتے حالانکہ یہاں رہتے ہیں۔ دریافت پر کہا۔ نور الدین ہماری نسبت ہمارے عیوب ظاہر کرتا ہے گو اشارہ سے ہو۔ ایک اور سے دریافت کیا کہ بھئی کیوں نہیں آتے؟ کہنے لگا کہ جو گناہ ہمارے وہم میں بھی نہیں ہوتے وہ تم بتلاتے ہو اور ہم اپنے زیر نظر لڑکوں کو نہیں بھیجتے۔ اسی طرح ایک اور شخص سے پوچھا۔ کہنے لگا کہ تمہارے درس میں ہوتا ہی کیا ہے؟ جو کہتے ہو وہ ہم بھی جانتے ہیں۔ میں نے قرآن دیا کہ تم پڑھ کر ہی یہ مقام سنا دو۔ میں تم سے معنے نہیں پوچھتا۔ مگر وہ پڑھ ہی نہ سکا۔ اسی طرح جب واعظ وعظ کرتا ہے کئی لوگ اس کی حقیقت کو پہنچ جاتے ہیں اور اس کے رنگ میں رنگین ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ننھال میں چوہڑے مصلی کہلاتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں، مسجدیں بناتے ہیں، نام فضل دین عبد اللہ رکھتے ہیں۔ میں نے اپنے شہر میں دیکھا۔ کثرت آبادی مسلمانوں کی

ہے۔ تین چوتھائی حصہ مسلمان ہیں۔ چوہڑے مشترک ہیں۔ نام مسلمانوں جیسے اور کچھ رسومات ہمارے اور کچھ ہندوؤں کے ادا کرتے ہیں۔ سکھوں کے علاقہ کے چوہڑے کیس رکھتے ہیں اور نام نتھا سنگھ رکھ لیتے ہیں۔ سنی' شیعہ' ہندو' سکھ سب اکٹھے رہتے ہیں۔ مذہبی غیرت اٹھ گئی۔ لڑائی کہاں ہونی تھی جب غیرت ہی نہ رہی۔

ایک میرا استاد ہندو پنڈت تھا۔ کہنے لگا کہ ہندو' مسلمان تو دو مذہب ہوئے' مسیحی کہاں سے نکل آئے؟ میں ہنس پڑا۔ انہوں نے کہا کہ کیوں ہنس پڑے؟ میں نے کہا کہ مسلمان' عیسائی تو ملتے جلتے ہیں۔ یہودی' مجوس قوم قدیم ہے۔ کہنے لگا کہ شاید یہ لوگ چھپے ہوئے ہوں گے کسی ملک میں۔ مذہب تو دو ہی چلے آتے ہیں۔ اب یہ تیسرے لوگ ہیں۔ گویا ان کے خیال میں مسیحی جدید قوم تھی۔ ان کو کوئی خبر نہ تھی۔ یہ ناواقفی کا سبب ہے۔ تھا تو میرا واقعی استاد' اب بھی ان کو استاد کہتا ہوں۔ یہاں پر ہندو تو ہے ہی نہیں۔ خیر' میں حیرت میں رہا اور جواب دے دیا۔ یہاں پر ذکر اس لئے کیا کہ فرعون جو تھا اس کے آباؤاجداد گاؤ کی پرستش کرتے تھے۔

اسکندریہ میں ایک لائبریری تھی۔ اس کو بروچیم کہتے تھے۔ بروچیم بیل کا نام ہے۔ اس لائبریری کے آگے ایک بیل بنا ہوا تھا لائبریری کی حفاظت کے لئے۔ مورخوں کا اس میں اختلاف ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں ڈھائی سو سال رہے یا چار سو سال۔ خیر یہ تمہاری دلچسپی کی بات نہیں اور فرعون کے سر کا تاج بھی گئو موکھی کا تھا اور اس کا بڑا ثبوت قرآن سے یوں ملتا ہے کہ جب بنی اسرائیل وہاں سے آئے تو بار بن کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زیر اثر تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ گاؤ کو تو پہلے ہی مانتے تھے۔ میں نے ایک ہندو سے پوچھا کہ گئو ماتا کا تو اس قدر ادب کرتے ہو۔ اس کے خاوند (بیل) کی پرستش کیوں نہیں کرتے بلکہ بیل کو تو سارا دن جوتتے ہو۔ انبیاء کو تو شرک سے نفرت ہی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بچھڑے کی پرستش بری لگی۔ اس کا ذکر کسی خطبہ میں ہو چکا ہے۔ یہاں مرض شرک کے علاج کا ذکر ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ گاؤ کی قربانی کرو۔ عادت بڑی بری بلا ہے۔ لگے ایچ پیچ بنانے۔ سیدھی بات تھی۔ گائے ذبح کر دیتے۔ ہمارے ایک شیخ المشائخ گزرے ہیں۔ ان کا نام شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ سرہند ریاست پٹیالہ میں ہے۔ ہمارے ہم قوم تھے۔ وہیں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ انہوں نے اپنی مکتوبات میں لکھا ہے کہ امراء و بادشاہ سب مل کر گائے کی قربانی کریں ورنہ مشکلات میں رہیں گے۔ اب دیکھو ہندو گائے کی قربانی بند کرانا چاہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ مسلمان بادشاہوں کی غفلت۔ وَاِلاَّ ہندو رسومات کا پابند نہیں۔

مثلاً جیسے گاؤ کا ذبح کرنا برا جانیں ایسا بکرے اور مرغ کو ذبح کرنا۔

موسیٰؑ اتنا بڑا اولوالعزم نبی تھا۔ کتنے نشان دکھلائے۔ فرعون کی غلامی سے بچایا۔ ید بیضاء، عصاء، جراد، وباء، قمل، طوفان، وغیرہ وغیرہ دکھائے۔ فرعون غرق ہوا۔ اسی دریا سے بنی اسرائیل بچ کر نکل آئے۔ ان کے دل میں کوئی ادب معلوم نہیں ہوتا اور کہنے لگے کہ کیا آپ ہنسی کرتے ہیں؟ کہا اعوذ باللہ۔ یہ تو جاہلوں کا کام ہے۔ ہماری سرکار نے فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم، کہ میں تم سے بڑا عالم اور متقی ہوں۔ ٹھٹھا یا مخول کرنا عالم کا کام نہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی درس میں یا طب میں ٹھٹھا کیا ہو۔ وہ بد معاش خوب سمجھتے تھے کہ سیدنا موسیٰ کی کیا غرض تھی مگر رسم کے خلاف کرنا بھی مشکل تھا۔ اس لئے "خوئے بد را بہانہ ہا بسیار"۔ کہتے ہیں کہ اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ (البقرۃ:۶۹)۔ یہ تمسخر ہے۔ جو اب ملا۔ گائے ہے۔ نہ بچھیا ہے اور نہ بڑھیا ہے اور جوان ہے۔ جو حکم ہوا ہے اس کی تعمیل کرو۔ شریر، پابند رسوم وعادات بھلا کیسے جلد سیدھا ہو۔ لگے پوچھنے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ علاج تو یہ تھا کہ دو جوت لگا دیتے۔ مگر انبیاء رحیم کریم ہوتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ زرد رنگ اور شوخ ڈہڈھا رنگ ہے یعنی گوڑھا گورا۔ خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو۔ کیا معنے؟ درشنی گاؤ ہے۔ ہندو ایسی عمدہ گھروں میں رکھتے ہیں اور ان کو گندھا آٹا کھلاتے ہیں۔ اب یہ بدبختی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کہتے ہیں کہ حضور گائیں بہت ہیں۔ گوریاں بھی ہیں۔ ذرا تفصیل سے پوچھو، ہم کو تو شبہ پڑ گیا ہے۔ پھر تاڑ گئے کہ یہ شرک کو تو پسند نہ کرے گا۔ اور فرمایا کہ وہ ذلیل نہیں ہے۔ وہ تو کھا کھا اتنی موٹی ہوئی ہے کہ وہ زمین پر کھر مارتی ہے۔ کبھی کھیتی میں نہیں لگائی گئی۔ اس میں کلا کوئی نہیں اور نہ داغ ہے۔ مجبور ہو گئے۔ آخر ذبح کرنی پڑی۔ آخر انبیاء علیہ السلام کے حضور کیا پیش جاتی۔

ایک اور بات سناتا ہوں کہ جب انسان کسی جگہ کو آگ لگاتا ہے تو پہلے دیا سلائی کو جلاتا ہے۔ پھر چیتھڑے اور کاغذ وغیرہ کو آگ لگاتا ہے۔ ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے کھنڈ تباہ کردیں۔ اسی طرح قومی افساد کے لئے بعض لوگ ایک امر کو دینی اور مذہبی امر تجویز کرکے اس سے افساد شروع کرتے ہیں اور شاید ان کی اتنی عقل ہوتی ہے یا یہ ان کی بدعادت ہے۔ اس کو پورا کرنے کو ایک ایمانی امر تجویز کرتے ہیں۔ اس لئے میں اول اپنا ایمان ظاہر کرتا ہوں۔ ہمارے ایمان میں جو کچھ ہے یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور گواہ رہیو۔ قیامت کے دن پوچھے جاؤ گے کہ کوئی معبود برحق، محبوب، مطلوب حقیقی جس کے آگے کامل اطاعت کریں، تذلل اختیار کریں، اللہ ہے۔ اس کے مقابل میں کوئی نہیں۔ رب، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین، اس کی صفتیں ہیں۔ لاکھوں فرشتے اس نے بنائے ہیں۔ یہ اس کے کارخانہ میں

اس کے حکم کے تحت کار کن ہیں۔ ان کی معرفت حکم الٰہی آتا ہے اور بالواسطہ بھی آتا ہے اور جن کے پاس آتا ہے اگر وہ مامور ہوں تو وہ رسول کہلاتے ہیں اور سب کے سردار نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس کے بعد دوزخ' جنت' پل صراط' قیامت برحق ہیں۔ میں نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور خوب سمجھ کر پڑھی ہیں۔ مجھے قرآن کے برابر پیاری کوئی کتاب نہیں ملی۔ اس سے بڑھ کر کوئی کتاب پسند نہیں ہے۔ قرآن کافی کتاب ہے۔ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا (العنکبوت:۵۲)۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور آتے ہیں اور آتے رہیں گے۔

میں نے اپنے زمانہ میں میرزا غلام احمد صاحب کو دیکھا ہے۔ سچا پایا اور بہت ہی راستباز تھا۔ جو بات اس کے دل میں نہیں ہوتی تھی وہ نہیں منواتا تھا۔ اس نے بھی ہم کو یہی حکم دیا کہ قرآن پڑھو اور اس پر عمل کرو اور فرمایا کہ قرآن کے بعد اگر کوئی کتاب ہے تو بخاری ہے۔ اس نے تین دعوے کئے۔ اول حضرت عیسیٰؑ مرگئے۔ اس کے دلائل و اصول بتائے اور قرآن سے ثابت ہوئے کہ واقعی مرگئے جیسے فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (الاعراف:۲۶) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا (المرسلات:۲۶'۲۷)۔ دوئم ایک عیسیٰ کی آمد ہے اور فرمایا کہ وہ میں ہوں۔ ہم نے اس کو نشانوں سے مانا اور میں خود بھی نشان ہوں اور میرا گھر بھی نشانوں سے بھرا پڑا ہے۔ تیسرا' جو طبعی موت سے مر جاتے ہیں وہ پھر اس دنیا میں نہیں آتے۔ اس کو بھی ہم نے واضح طور سے اور بالکل قرآن کریم کے مطابق پایا۔ باقی مسئلہ کوئی ایسا نہ تھا۔ اگر کوئی ان سے مسئلہ پوچھتا تو اکثر میرے پاس بھیج دیتے کہ نورالدین سے پوچھ لو۔

ایک دفعہ میں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خواب یا کشف میں دیکھا۔ میں نے آپ سے سوال کیا کہ حضرت ابوبکرؓ اور آپ کی فضیلت کا مسئلہ دنیا میں پیچ دار ہو رہا ہے۔ اس کا اصل کیا ہے؟ فرمایا۔ انسان کی فضیلت موقوف ہے اس تعلق پر جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے ہے۔ دلوں کے حالات کو عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (اٰل عمران:۱۲۰) کے سوا کون جانتا ہے۔

اب ایک اور سوال ہے۔ خواجہ کمال الدین کون ہے اور نور الدین کون ہے؟ یہ عیار لوگوں کا کام ہے۔ نہ نماز سے مطلب' نہ حج کا فکر' نہ روزہ کا خیال۔ ایک نے سوال کیا ہے کہ آپ نے کہا ہے۔

چہ خوش بودے اگر ہریک زامت کمال دیں بودے

حالانکہ یہ مصرعہ ہی غلط ہے۔ (اکبر شاہ خانصاحب کو استشہاد شاعری کے لئے کھڑا کیا۔ بتایئے یہ مصرعہ

صحیح ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بالکل غلط)۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ تم فساد ڈلواتے ہو۔ کہتے ہیں کہ قاضی حبیب اللہ ہے۔ دو شخص اور ہیں۔ ہم نہیں جانتے۔ جب وہ ہمارے سامنے آتے ہیں تو وہ مخلص اور فرمانبردار ہی معلوم ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ دیوث کہا ہے۔ وہ شریر النفس ہیں۔ وہ بار بار لکھتے ہیں کہ الفضل جھوٹ لکھتا ہے اور تم جھوٹ بولتے ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ تم ہماری اصلاح کے لئے یہاں نہیں آئے۔ اگر تم کو ہماری مجلس بہت گند سکھاتی ہے تو مہربانی کر کے اپنے گھر تشریف لے جاؤ۔ اگر تم کو بلائیں تو جھوٹے۔ میں نے سوائے اس غرض کے کبھی قرآن شریف نہیں سنایا کہ تم اس سے کچھ فائدہ اٹھاؤ۔ سو اگر تم قرآن سیکھنے آئے ہو تو سیکھو۔ میں دنیا کا محتاج نہیں۔ میں نے مکان بیٹے کے لئے بنوایا۔ میں نے کسی سے نہیں کہا کہ دعا کرو یا روپیہ دو۔ نہ دل میں نہ ارادہ میں۔ میری ایک دکان ہے۔ خوب کماتا ہوں۔ اگر قرآن کے لئے آؤ تو قرآن سیکھو۔ میں لڑائی کو پسند نہیں کرتا۔ کمال دین اچھا ہے۔ وہ نیک کام میں ہے۔ اگر کوئی غلطی اس سے ہو تو قدوس تو خدا تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی پاک نہیں۔ وہی ہر عیب سے پاک' کمزوریوں اور نقصوں سے منزہ' مستجمع جمیع صفات ہے۔ وہ ایک نیک کام میں لگا ہوا ہے۔ تم میں سے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر رہا۔ غلطی کو رہنے دو۔ نیکی کو لے لو۔ وہ بار بار مجھ کو "مطاع مطاع" لکھتا ہے۔ پھر اگر ایک شریر النفس آدمی باوجود اتنی تصریح کے یقین نہیں کرتا تو میرا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرو۔ خود فیصلہ ہو جائے گا۔

باوجود ان باتوں کے لڑائی سے باز نہیں آتے۔ کمال دین اپنی ذاتی غرض سے وہاں نہیں گیا۔ اس کو اپنے بال بچوں تک کی پرواہ نہیں۔ کسی نے لکھا ہے کہ کمال الدین کی ڈاڑھی کا صفایا ہوا ہوا ہے۔ میں نے اگلے روز کمال الدین کی تصویر دیکھی ہے۔ ڈاڑھی موجود ہے۔ میرے نزدیک اگر ڈاڑھی منڈواتا بھی تو جس کام کے لئے گیا ہے اس کو تو اچھا کہوں گا۔ اگر کوئی غلطی ہے تو میں خود چشم پوشی کرتا ہوں۔ کوئی نہیں جس سے غلطی نہیں ہوتی۔ ہم آدم کی اولاد سے ہیں۔ اس کے لئے عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (طٰہٰ:۱۲۲) رکھا ہوا ہے۔

ہماری قوم روافض نہیں جنہوں نے اڑھائی مسلمان کو مان کر باقی صحابہ اور بیبیوں تک کو منافق کہا ہے۔ خوارج نے بھی حد کر دی ہے۔ گواہ رہو میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہوں۔ مرزا صاحب کو دعویٰ میں راستباز یقین کرتا ہوں۔ بعض مجھ کو منافق کہتے ہیں کہ لڑواتا ہے۔ میں منافق نہیں ہوں۔ منافق میں تین عیب ہوتے ہیں۔ اول نہ تاب مقابلہ رکھتا ہے' نہ قوت فیصلہ' اور ڈرپوک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تینوں سے بہت محفوظ کیا ہے۔ قرآن کو کتاب اللہ سمجھتا ہوں۔ مسلمان اس پر عمل کریں۔ باقی جو

چھوٹے چھوٹے معاملات ہیں' میں انہیں شیطان کا اغوا کہتا ہوں۔ اس میں فائدہ کیا ہے (اس کے بعد حضور بیٹھ گئے۔ ضعف طاری ہو گیا۔ پھر اٹھے اور فرمایا۔) کمال الدین جو کرتا ہے تم میں سے کوئی ہے؟ اس میں غلطی ہے تو کون سی بات ہے۔ وہ ہزاروں روپے کمانے والا آدمی ہے۔ ہم قرآن پڑھاتے ہیں۔ کئی نئے نکتہ معرفت سوجھتے ہیں تو کیا معلوم ہم نے بے ایمانی سے پڑھایا تھا۔ پہلے بھی نیک نیتی سے پڑھایا تھا اور اب بھی۔

(الفضل جلد ا نمبر ۲۲-- ۱۲/ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆

۱۴؍ نومبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرۃ:۷۳) کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے بچوں کو کھیلتے دیکھا ہے اور ان کی کھیلوں پر بڑا غور کیا ہے۔ بعض بچوں کو بڑی عمدہ چیز منگوا کر دی۔ وہ پہلے تو اسے اچھی طرح دیکھتا ہے اور اس سے کھیلتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس کو پتھر لے کر اچھی طرح کوٹتا ہے اور اسے کچل دیتا ہے۔ پھر اسے دیکھتا ہے۔ پھر دیکھتا ہے کہ ابھی اس کا مطلب حل نہیں ہوا تو اسے پھر پتھر سے کوٹتا ہے اور اس کا اچھی طرح کچومر نکالتا ہے۔

میں جب نماز کو آرہا تھا تو میرے پاس دو شیشیاں تھیں جن میں الگ الگ دوائیں پڑی تھیں جن کا آپس میں ملانا بالکل ناجائز تھا۔ میرے بچے نے ان کو لے کر پہلے تو ان کا منہ کھولا پھر ان کو آپس میں ملانے لگا۔ میں نے کہا کیا کرتا ہے؟ مگر وہ کہاں ٹلتے ہیں' چاہے چیز بگڑ جاوے۔ انسان یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ یہ کیا بلا ہے؟

اسی طرح بعض لوگ کتابیں لکھتے ہیں۔ پھر ان پر حاشیے چڑھاتے ہیں۔ پھر ان پر حاشیہ در حاشیہ در حاشیہ اور ان کی شرحیں ہوتی ہیں۔

میری طالب علمی کا زمانہ بڑا دکھ کا زمانہ گزرا ہے۔ بڑا معرکتہ الآراء مسئلہ کہ بچہ کو کیسی تعلیم دینی چاہیئے' اس کا کوئی فکر نہیں۔ رامپور میں میں نے طلباء کو دیکھا جن کی عمر تیس سال سے لے کر ساٹھ سال تک کی ہو گئی تھی۔

ایک ملتانی بوڑھا آدمی میری پنجابی سن کر مجھے ملنے کو آیا۔ ان دنوں میں ایک بہت ہی خبیث کتاب "ملا حسن" پڑھا کرتا تھا۔ اس سے میں نے دریافت کیا کہ تم کیا پڑھا کرتے ہو؟ اس نے کہا "قاضی مبارک"۔ وہ جب آیا تو میرا انشراح صدر ہو گیا۔ میں نے کہا کہ میں "قاضی مبارک" خوب جانتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے پڑھا دو۔ اتفاق سے جس جگہ کو میں نے پڑھایا وہ مجھے خوب آتی تھی۔ اس کی عمر میرے خیال میں ستر برس کی تھی۔ میں نے اسے پنجابی میں وہ جگہ پڑھائی۔ وہ حیران ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ تو خوب جانتے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے قاضی پڑھا دو۔ میں نے کہا اس شرط پر کہ پہلے ایک سبق مشکوۃ کا پڑھ لیا کرو۔ اس نے ہاتھ کو کھڑا کر کے دیکھا اور کہا کہ ابھی تو مضبوط ہوں۔ (تم مجھے دیکھتے ہو۔ میں کیسا کمزور ہوں۔ وہ مجھ سے بھی زیادہ کمزور تھا) پہلے فلسفہ پڑھ لوں پھر مشکوۃ بھی پڑھ لوں گا۔ میں نے اس کو پڑھانے سے انکار کر دیا۔ یہ ایک دکھ ہے جو بڑا ہے۔

میں نے اس آیت پر غور کیا ہے۔ وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا (البقرة:۷۳) یہ ایک سیدھی آیت ہے۔ اس کے معنے تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ آدمی کو تو مارا ہی کرتے ہیں۔ یہ ترجمہ اس کا صحیح نہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم نے ایک جی (یا جان) کو مارا۔ پھر اپنے آپ سے ہٹانے لگے کہ تم نے نہیں مارا۔ معلوم ہوا کہ وہ جان ایسی نہ تھی جس کا وہ بہادری کا کام سمجھ کر اقرار کرتا۔

کعب بن اشرف مارا گیا۔ اس کے قاتل کا پتہ پوچھنے پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ میں نے مارا ہے۔ ابو رافع مارا گیا۔ اس کے لئے بھی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے اس کو مارا ہے۔

کشت و خون جیسا کہ آجکل سرحدیوں' وزیریوں اور محسودیوں وغیرہ میں ہے ایسا ہی عرب میں تھا۔ سب کے نزدیک عورت کا مارنا بہت معیوب ہے۔ ابو سفیان نے کہا تھا کہ آپ اس لڑائی میں عورتوں کو بھی مقتول پائیں گے مگر میں نے یہ حکم نہیں دیا۔

میں ایک دفعہ ایک رئیس کے ساتھ جس کے ساتھ انگریز بھی تھے' سؤر کے شکار پر گیا۔ سامنے سے ایک سؤر آیا۔ اس کا گھوڑا اس سے ڈر گیا۔ وہ جھک کر گھوڑے کو ایک طرف دوڑا کر لے گیا۔ ایک مسخرا

انگریز بھی ان میں تھا' اس نے اس رئیس کو کہا کہ واہ آپ کا گھوڑا سوٗر سے ڈر گیا۔ تو اس رئیس نے کہا کہ آپ نے دیکھا نہیں میں جھکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ سوٗر کی مادہ سورنی تھی۔ ہم سپاہی مادہ کو نہیں مارا کرتے۔ تو اس انگریز نے دوسرے انگریزوں کو کہا۔ شکر ہے ہم نے اس کو نہیں مارا ورنہ ہماری تو بدنامی ہوتی۔

اس آیت میں جس نفس کا ذکر ہے' وہ عورت ہے۔ مرد کو اگر مارتے تو کچھ حرج نہ تھا۔ تحقیقات کرنے پر انھوں نے اس کو ایک دوسرے پر تھوپا۔ آخر نبی کریم ﷺ نے مدینے کے سارے بدمعاشوں کو جمع کیا اور اس عورت کے آگے سب کو پیش کیا۔ وہ بول تو نہ سکتی تھی مگر قوت ممیّزہ اس میں تھی۔ جب قاتل کو اس کے سامنے لایا گیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا کہ یہی ہے۔ اس کو نبی کریم ﷺ نے کئی پیچوں سے اس عورت پر پیش کیا مگر وہ اس کو پہچان لیتی۔ اس کا ذکر بخاری شریف میں ہے۔ اس بدمعاش نے اس عورت کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا تھا۔ کچھ زیور کے لالچ سے۔ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرة:۷۳) اللہ اس بات کو نکالنے والا تھا۔ آخر وہ بات نکل آئی۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا (البقرة:۷۴) تب ہم نے اس قاتل کو مارنے کا حکم دیا۔ اور یہ اس کے بعض کا بدلہ تھا۔ اس نے پہلے بھی کئی بدمعاشیاں کیں اور آگے بھی وہ کرتا۔ اس لئے یہ سزا اس کے بعض کی ہے۔

اور جگہ فرمایا۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرة:۱۸۰) بدلہ لینے میں تمہارے لئے حیات ہے۔ يُحْيِي کا لفظ رکھا ہے۔ یہ ان کی بے حیائی ہے کہ عورت کو مارا۔ عورت کو مارنا کوئی بہادری نہیں۔

میں اس آیت کو سنا کر افسوس کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو بتلایا تھا کہ تم ایسا کام نہ کرنا۔ مگر تم صدہا قتل کرتے ہو۔ ڈرتے نہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ (البقرة:۷۵) تمہارے دل سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے نہریں چلتی ہیں اور ان سے نفع پہنچتا ہے۔ مگر تم تو ان پتھروں سے بھی بدتر ہو۔ تم جس قدر ہو تم میں سے ندیاں اور نہریں جاری ہوتیں۔ اور کچھ نہیں تو پانی نکلتا۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں نے تمہیں سمندر کے سمندر سنائے مگر تم بھی بہادر ہو۔ بعض ہیں کہ ان کے کانوں پر جوں رینگتی ہی نہیں۔ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ خدا ساری قوم کو برا نہیں کہتا۔ بعض نیک بھی تو ہوتے ہیں جو اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (البقرة:۷۵) کے مصداق ہوتے ہیں۔ مِنْهَا میں جو ضمیر ہے اس میں اختلاف ہے۔ بعض پتھروں کی طرف پھیرتے ہیں' بعض قلوب کی طرف۔ جیسے موسیٰ کے بارے میں فرمایا۔ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ (طٰہٰ:۴۰) موسیٰ کو صندوق میں ڈال دو اور صندوق کو دریا میں ڈال دو یا موسیٰ کو دریا

میں ڈالو۔

غرض تمام ایسے نہیں۔ تم میں سے بعض میرے خیر خواہ اور فرمانبردار بھی ہیں۔ ایک آدمی کو میں نے دعا کرتے سنا کہ الٰہی! میرا وجود تو کوئی نافع نہیں۔ میری عمر نور الدین کو دے دے' اگر اس کی عمر پوری ہو گئی ہے کیونکہ یہ مفید انسان ہے۔ تم میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان کے دل خشک ہیں۔ وہ خدا کا ڈر نہیں کرتے جیسے غیر احمدی نہیں مانتے۔

ان کے پاس قرآن و حدیث کی کتابیں ہیں۔ وہ ان کو نہیں مانتے تو تمہارا کیوں ماننے لگے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۲۳---۱۹؍ نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۲۱ر نومبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَ تُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرة:۷۷)۔

اور پھر فرمایا:۔

انسان کے ذمے تین طرح کے حقوق ہیں۔

اول اللہ تعالیٰ کے۔ دوم اپنے نفس کے۔ سوم مخلوقات کے۔ ان حقوق کے متکفل قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ہیں۔ جناب الٰہی کے حقوق کون بیان کر سکتا ہے۔ عقل میں تو نہیں آسکتے۔ جس طرح وہ وراء الوراء ہستی ہے' اس کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں۔ جب انسان ایک دوسرے انسان کی رضامندی کے طریقے کو اچھی طرح نہیں جان سکتا تو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے رستوں کو کب کوئی پا سکتا ہے۔ اور جب انسان کے حقوق کو نہیں سمجھ سکتے تو خدا کے حقوق کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً میں یہاں کھڑا ہوں۔ تم میری رضامندی کی راہ کو نہیں جانتے تو وہ ذات جو لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:۱۲) ہے اس کے حقوق کیونکر انسان سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح انسان کے حقوق بھی ہیں۔ انسان بہت کچھ غلطیاں کر جاتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے ایک قانون بنایا ہے۔

ایک صحابی دن کو روزے رکھتے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ وہ حضرت سلمان فارسیؓ کے دوست بھی تھے۔ ایک دفعہ سلمان ان کے گھر تشریف لے گئے تو ان کی بیوی کا لباس خراب تھا۔ انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ بھاوجہ صاحبہ! آپ کی ایسی حالت کیوں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے کپڑوں کی حالت کیونکر اچھی ہو۔ تمہارے بھائی کو تو بیوی سے کچھ غرض ہی نہیں۔ وہ تو دن بھر روزے اور رات کو عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ نے کھانا منگوایا اور اس دوست کو کہا کہ آؤ کھاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو روزے دار ہوں۔ تو حضرت سلمانؓ نے ناراضگی ظاہر کی۔ تو مجبوراً اس صحابی نے آپ کے ساتھ کھانا کھالیا۔ پھر حضرت سلمانؓ نے جب رات ہوئی تو چارپائی منگوا کر ان کو کہا کہ سو جاؤ۔ انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ میں رات کو عبادت کیا کرتا ہوں۔ تو پھر حضرت سلمان نے ان کو زبردستی سلا دیا۔ صحابہ ایسے نہ تھے کہ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ (النساء:۸۴) جب کوئی امن و خوف کی بات ہوتی تو اسے پھیلا دیتے تھے۔ تم میں سے اکثر ایسے ہیں جو بات سنی تو فوراً اس کو پھیلا دیتے ہیں۔ آخر ان کا معاملہ حضرت نبی کریم ﷺ کے پیش ہوا تو آپ نے اس صحابی کو فرمایا کہ تمہارے متعلق ہمیں یہ بات پہنچی ہے۔ تو انہوں نے یہ عرض کیا کہ بات تو جیسے حضور کو کسی نے پہنچائی ہے وہ صحیح ہے۔ تب نبی کریم ﷺ نے ان کو فرمایا۔ اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ یہ بھی فرمایا۔ وَ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا (بخاری کتاب الصوم) تیرے پر نفس کے بھی حقوق ہیں۔ تیری بیوی کے بھی حقوق ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس کی مراد اس سے یہ تھی کہ میں تو خوب مضبوط ہوں۔ آپ مجھے کچھ تو اجازت دیں۔ تو نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ اچھا ایک مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو (چاند کی ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵)۔ اس نے پھر کہا۔ یا رسول اللہ! مطلب یہ تھا کہ میں بہت طاقتور ہوں۔ آپ مجھے اور زیادہ اجازت دیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اچھا دو دن افطار کر کے ایک دن روزہ رکھ لیا کرو۔ اس نے پھر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اچھا سب سے بڑھ کر تو صوم داؤدی تھا (بخاری کتاب الانبیاء فی ذکر داود علیہ السلام)۔ تم ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کر لیا کرو۔ پھر کہا یا رسول اللہ! مطلب یہ تھا کہ مجھے قرآن کریم کے روزانہ ختم کرنے کی تو اجازت فرما دیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہفتے میں ایک ختم کر لیا کرو۔ تو اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اچھا قرآن کریم کا ختم تین دن میں کر لیا کرو۔ اس سے جلدی کی بالکل اجازت نہیں۔

جب وہ بوڑھے ہو گئے تو پھر ان کو اس سے تکلیف ہوئی اور اب نبی کریم ﷺ تو فوت ہو گئے ہوئے

تھے۔ اب لگے رونے اور پچھتانے کہ میں نے نبی کریم کی اجازت کو اس وقت کیوں نہ مانا۔ جب ایسے ایسے صحابہ کو رضامندی کا پتہ نہیں لگ سکا تو تم کو کیونکر لگ سکتا ہے؟

ہم بیمار ہو جاتے ہیں یا ہمیں کوئی خوشی ہوتی ہے تو تم میں سے بعض ایسے ہیں جن کا ہم سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ ہماری رنج و راحت میں بالکل شریک نہیں ہوتے اور ہمیں پوچھتے تک نہیں۔

وَ اِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ اور جب یہ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھو تم نے فلاں بات جو تم کو سمجھ آ گئی وہ کیوں بتلائی؟ اب وہ تم کو خدا کے روبرو ملزم ٹھہرائے گا۔ اَوَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَ مَا يُعۡلِنُوۡنَ (البقرۃ:۷۸) کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کے چھپے اور ظاہر اور ان کے سب بھیدوں کو جانتا ہے تو وہ پھر چھپاتے کس سے ہیں؟

میں تم کو قرآن پڑھاتا ہوں۔ میں نے عربی کی کتابیں پڑھی ہیں۔ مجھے تو کوئی سمجھ میں نہیں آیا کہ میں قرآن کریم کے سوا اور کس قسم کا وعظ کروں۔ جمعے کے خطبے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی بات کہہ دیتا ہوں۔ مجھے تو قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔ میں نے کتابوں کو اس قدر پڑھا ہے' وہ کتابیں میرے پڑھنے کی خود گواہی دے سکتی ہیں کیونکہ ان پر میں نے بڑی محنت سے یادداشتیں لکھ دی ہوئی ہیں۔ تو مجھے تو قرآن کریم کے مقابلے میں کوئی کتاب پسند نہیں آئی۔ قرآن سے ہی وعظ و نصیحت کرتا جاتا ہوں۔ میں نے دکان کھولی ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ایسا فہم دیا ہوا ہے کہ صرف قرآن کریم سے ہی میں علاج کرنا جانتا ہوں۔ پھر بھی میں دیکھتا ہوں کہ بعض کو ہماری تعلیم سے کچھ نفرت بھی ہے کیونکہ وہ ہمارے ساتھ کسی حالت میں بھی شریک نہیں ہوتے۔ یہ تو پڑھے ہوؤں کا حال ہے۔ بعض ان میں سے ان پڑھ بھی ہیں۔ ان کے پاس کوئی کتاب نہیں مگر اٹکل بازی سے کام لیتے ہیں۔ میرے خیال میں عیسائی مذہب بھی ایسا ہی ہے۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم کلام الٰہی کے خادم ہیں۔ کوئی گورمکھی' کوئی اردو' کوئی ہندی میں لکھ کر ان سب کو کلام الٰہی کہہ دیتے ہیں۔ لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً (البقرۃ:۸۱) اس پر دعویٰ کہ ہم کو آگ نہ چھوئے گی۔ وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ ہم جناب الٰہی کا قاعدہ بتلاتے ہیں بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـئَتُهٗ (البقرۃ:۸۲) جنہوں نے بدیاں کیں اور ان کو ان کی بدیوں نے گھیر لیا تو وہی دوزخی ہیں۔ اور وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البقرۃ:۸۳) جو لوگ ایمان لاتے اور عمل صالح کرتے ہیں ان کیلئے دنیا میں بھی جنت اور آخرت میں بھی جنت ہے۔

(الفضل جلد ا نمبر ۲۴---۲۶ ر نومبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۲۸؍ نومبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ (البقرۃ:۸۴)۔

اور پھر فرمایا:۔

خلاصہ دین انبیاء کیا ہے؟ تمام انبیاء کے دین کا خلاصہ یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا ہے لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی۔ بس یہی خلاصہ ہے تمام دینوں کا اور یہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے ہیں۔
عبادت کسے کہتے ہیں؟ لوگوں کو اس کے معنی نہیں آتے۔ بعض اس کے معنی بندگی کرنے کے کرتے

ہیں اور بعض پرستش اور پوجا کے کرتے ہیں۔ اس کے کئی ارکان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بے نظیر تعظیم، جیسی اس کی تعظیم کرے اور کسی کی نہ کرے۔ مثلاً ہاتھ باندھنے۔ اس کے آگے جھکنا (رکوع)۔ اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ حج کرنا۔ روزے رکھنا۔ اپنے مال میں سے ایک حصہ اس کے لئے مقرر کر دینا۔ اٹھنے بیٹھنے میں اسی کا نام لینا۔ آپس میں ملتے وقت اس کا نام لینا جیسے السلام علیکم و رحمتہ اللہ اور اس کی تعظیم میں قطعاً دوسرے کو شریک نہ کرنا۔

دوسرا رکن۔ اس کی محبت کے مقابلہ میں کسی دوسرے سے محبت نہ کرنا۔

تیسرا رکن۔ اپنی نیازمندی اور عجز و انکساری کامل طور پر اس کے آگے ظاہر کرنا۔

چوتھا رکن یہ ہے کہ اس کی فرمانبرداری میں کمال کر دے۔ ماں باپ، محسن و مربی، بھائی بہن، رسم و رواج اس کے مقابلہ میں کچھ نہ ہوں۔ لَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (البقرۃ:۲۳) اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (ہود:۳) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

بعض روپیہ سے محبت کرتے ہیں۔ جو لوگ چوری، جھوٹ، دغا سے کماتے ہیں وہ اللہ سے نہیں بلکہ روپیہ سے محبت کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اس کے دل میں خدا کی محبت ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتا۔

اس سے اتر کر ماں باپ کے ساتھ احسان ہے۔ بڑے ہی بد قسمت وہ لوگ ہیں جن کے ماں باپ دنیا سے خوش ہو کر نہیں گئے۔ باپ کی رضامندی کو میں نے دیکھا ہے۔ اللہ کی رضامندی کے نیچے ہے اور اس سے زیادہ کوئی نہیں۔ افلاطون نے غلطی کھائی ہے۔ وہ کہتا ہے ہماری روح جو اوپر اور منزہ تھی ہمارے باپ اسے نیچے گرا کر لے آئے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے۔ وہ کیا سمجھتا ہے روح کیا ہے؟ نبیوں نے بتلایا ہے کہ یہاں ہی باپ نطفہ تیار کرتا ہے پھر ماں اس نطفے کو لیتی ہے اور بڑی مصیبتوں سے اسے پالتی ہے۔ نو مہینے پیٹ میں رکھتی ہے بڑی مشقت سے۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا (الاحقاف:۱۶) اسے مشقت سے اٹھائے رکھتی ہے اور مشقت سے جنتی ہے۔ اس کے بعد وہ دو سال یا کم از کم پونے دو سال اسے بڑی تکلیف سے رکھتی ہے اور اسے پالتی ہے۔ رات کو اگر وہ پیشاب کر دے تو بستر کی گیلی طرف اپنے نیچے کر لیتی ہے اور خشک طرف بچے کو کر دیتی ہے۔

انسان کو چاہئے کہ اپنے ماں باپ، یہ بھی میں نے اپنے ملک کی زبان کے مطابق کہہ دیا ورنہ باپ کا حق اول ہے اس لئے باپ ماں کہنا چاہئے، سے بہت ہی نیک سلوک کرے۔ تم میں سے جس کے ماں باپ زندہ ہیں وہ ان کی خدمت کرے اور جس کے ایک یا دونوں وفات پا گئے ہیں، وہ ان کے لئے دعا کرے۔ صدقہ دے اور خیرات کرے۔

ہماری جماعت کے بعض لوگوں کو غلطی لگی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مردہ کو کوئی ثواب وغیرہ نہیں پہنچتا۔ وہ جھوٹے ہیں۔ ان کو غلطی لگی ہے۔ میرے نزدیک دعا' استغفار' صدقہ' خیرات بلکہ حج' زکوٰۃ' روزے' یہ سب کچھ پہنچتا ہے۔ میرا یہی عقیدہ ہے اور بڑا مضبوط عقیدہ ہے۔

ایک صحابی نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری ماں کی جان اچانک نکل گئی ہے۔ اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرتی۔ اب اگر میں صدقہ کروں تو کیا اسے ثواب ملے گا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں۔ تو اس نے ایک باغ جو اس کے پاس تھا' صدقہ کر دیا۔

میری والدہ کی وفات کی تار جب مجھے ملی تو اس وقت میں بخاری پڑھا رہا تھا۔ وہ بخاری بڑی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ میں نے اس وقت کہا۔ اے اللہ! میرا باغ تو یہی ہے۔ تو میں نے پھر وہ بخاری وقف کر دی۔ فیروز پور میں فرزند علی کے پاس ہے۔

وَ ذِی الْقُرْبٰی پھر حسب مراتب قریبیوں سے نیک سلوک کرو اور یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کرو۔

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا قَالَ کا لفظ عربی زبان میں فعل کے برابر لکھا ہے بلکہ اس سے وسیع لکھا ہے۔ اس سے کم ضَرَبَ کا لفظ لکھا ہے۔ لوگوں کو بھلی باتیں کہو۔ بد معاملگیاں چھوڑ دو۔ بد معاملگیوں سے باز آجاؤ۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دیا کرو۔

ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ تم پھر جاتے ہو۔ باز نہیں آتے۔ اگر کسی کا روپیہ ہاتھ میں آگیا تو اسے شیر مادر سمجھ لیا اور اسے دینے میں آتے ہی نہیں۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۲۵--- ۳ر دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۵؍ دسمبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کی تلاوت کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت پڑھی۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَ کُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ (البقرۃ:۸۵)۔

اور پھر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل احسان اور کامل فضل اور کامل رحمانیت سے مسلمانوں کو ایک کتاب دی ہے۔ اس کا نام قرآن ہے۔ میں نے اس کو سامنے رکھ کر بائیبل اور انجیل کو پڑھا ہے اور ژند اور اوستا کو پڑھا ہے اور ویدوں کو بھی پڑھا ہے۔ وہ اس کے سامنے کچھ ہستی نہیں رکھتے۔ قرآن بڑا آسان ہے۔ میں ایک دفعہ لاہور میں تھا۔ ایک بڑا انگریزی خوان' اس کے ساتھ ایک اور بڑا انگریزی خوان نوجوان تھا۔ ہم ٹھنڈی سڑک پر چل رہے تھے۔ اس نے مجھے کہا کہ قرآن کریم میں آتا ہے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

(القمر:۱۸) مگر قرآن کہاں آسان ہے؟ میں نے کہا آسان ہے۔ ہم دوسری کتابوں کو جمع کرتے اور ان کی زبانوں کو سیکھتے تو پہلے ہمیں ان کتابوں کا ملنا مشکل اور پھر ان زبانوں کا سیکھنا مشکل اور پھر ان کو ایک زبان میں کرنا مشکل۔ پھر اس کی تفسیر کون کرتا۔ قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے۔ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ:۴) جو کتاب دنیا میں آئی اور جو اس میں نصیحتیں ہیں ان تمام کا جامع قرآن ہے۔ باوجود اس جامع ہونے کے ایک ایسی زبان میں ہے جو ہر ایک ملک میں بولی جاتی ہے۔

قرآن کریم میں اتنی خوبیاں ہیں۔ پہلی کتابوں کی غلطیوں کو الگ کر کے ان کے مفید حصہ کو عمدہ طور پر پیش کیا ہے اور جو ضروریات موجودہ زمانہ کی تھیں ان کو اعلیٰ رنگ میں پیش کیا۔ اس کے سوا جتنے مضامین ہیں اللہ کی ہستی' قیامت' ملائکہ' کتب' جزاء سزا اور اخلاق میں جو پیچیدہ مسئلے ہیں' ان کو بیان کیا۔

جیسے کہ کوئی بدکار ہمارے مذہب پر ناپاک حملہ کرے تو اس کے مقابلے کے لئے فرمایا کہ ان کو گالیاں مت دو۔ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام:۱۰۹) پھر وہ اللہ کو اپنی نادانی کے سبب گالیاں دیں گے۔ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (الانعام:۱۰۹) ہر ایک امت کے لئے وہ اعمال جو اس کے کرنے کے قابل تھے وہ اس کے سامنے خوبصورت کر کے پیش کئے گئے تھے۔ مگر پھر اندھوں کے لئے روشنی کا کیا فائدہ؟ میں نے اس کا مقابلہ دوسری کتابوں سے کیا ہے۔ انجیل کو دیکھو وہ تو اس سے شروع ہوتی ہے کہ فلاں بیٹا فلاں کا اور فلاں بیٹا فلاں کا۔ مگر قرآن کریم الحمد للہ سے شروع ہوتا ہے۔ اور انجیل کے اخیر میں لکھا ہے کہ پھر اس کو یہودیوں نے پھانسی دے دیا۔ ہماری کتاب کے آخر میں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ (الناس:۲'۳) لکھا ہے۔

بڑا افسوس ہے کہ مسلمانوں کے پاس ایک ایسی اعلیٰ کتاب ہے مگر وہ عملدرآمد کے لئے بڑے کچے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی کسی کی انگل بھر زمین ظلم سے لے لے گا تو قیامت کے دن سات زمینیں اس کے گلے کا طوق ہوں گی مگر اس پر کوئی عمل نہیں ہے۔ اسی طرح معاملات میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک آدمی رات بھر سوچتا رہتا ہے کہ کسی کے گھر روپیہ ہو تو اس سے کسی طریقہ سے لیا جاوے۔ پھر اگر کسی نہ کسی طریقہ سے لے لیتے ہیں تو پھر واپس دینے میں نہیں آتے۔ اسی طرح زنا' لواطت' چوری' جھوٹ' دغا' فریب سے منع کیا گیا تھا مگر آجکل نوجوان اسی میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح تکبر اور بے جا غرور سے منع فرمایا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف میں دیکھتا ہوں کہ اگر کسی کو کوئی عمدہ بوٹ مل جاوے تو وہ اکڑتا ہے اور دوسروں کو پھر کہتا ہے 'او بلیک مین' (O, black man!)۔ دوسروں کی تحقیر

کرتا ہے اور بڑا تکبر کرتا ہے۔
ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے مدینہ کو تشریف لے گئے تو مکہ میں تو آپ کو بہت سی سہولتیں تھیں۔ مکہ میں آپؐ کے چھوٹے، بڑے، بوڑھے، ادھیڑ ہر قسم کے رشتہ دار بھی تھے اور آپ کے حمایتی بھی وہاں بہت تھے۔ مکہ میں آپؐ کے دوست غم خوار بھی تھے اور آپ دشمنوں کو خوب جانتے تھے اور ان کی منصوبہ بازی کا آپ کو خوب علم ہو جاتا تھا اور آپؐ ان کی چالاکیوں اور اپنے بچاؤ کے سامان کو جانتے تھے۔ تو جب آپؐ مدینہ شریف میں تشریف لائے تو آپ کو اس دشمن کی شرارت کا کچھ علم نہ ہوتا تھا اور پھر آپؐ کے یہاں اور بھی دشمن تھے۔ بنو قینقاع اور بنو قریظہ اور بنو نضیر آپؐ کے دشمن تھے اور پھر جہاں آپ اترے تھے وہاں ابو عامر راہب جو بنی عمرو بن عوف میں سے تھا اس کا جتھا آپؐ کا دشمن تھا۔ یہود چاہتے تھے کہ ایران کے ساتھ مل کر ان سے آپ کو ہلاک کروادیں اور عیسائی قیصر کے ساتھ ملنا چاہتے تھے اور انہوں نے اپنے ساتھ غطفان اور فزارہ کو بھی ملا لیا تھا۔ یہ نو مشکلات آپ کو تھیں۔
اس سے بڑھ کر یہ کہ یہاں منافقوں کا ایک گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ان منافقوں نے عجیب عجیب کارروائیاں کیں۔ وہ آپؐ کے پاس بھی آتے تھے اور آپؐ کے دشمنوں کے پاس بھی جاتے تھے۔
اور بارہویں بات جو اس سے بھی سخت تھی وہ یہ کہ مکہ والے ان پڑھ تھے اور وہ بے قانون تھے۔ ان کا مقابلہ صرف عقل سے ہی تھا۔ مگر یہاں تمام اہل کتاب پڑھے لکھے ہوئے تھے اور ان کے پاس بڑی بڑی کتابیں تھیں۔ تورات اور انجیل اور اس کے سوا اور بھی کتابیں ان کے پاس تھیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ مدینہ میں مشکلات بہت ہیں اس لئے آپؐ نے عیسائیوں اور مشرکوں سے معاہدہ کروا لیا کہ لَاتَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ آپس میں خونریزی نہ کرنا۔ وَ لَاتُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ایک دوسرے کو اپنے ملک سے نکالنا نہیں۔ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ تم نے اقرار تو کیا۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور تم گواہی دیتے ہو۔
جیسے تم نے ہمارے ہاتھ پر اقرار کیا۔ کہنا تو آسان تھا۔ مگر معاملات میں دین کو دنیا پر مقدم کر کے دکھلانا (مشکل) ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ پھر تم وہی ہو کہ تم نے وعدہ تو کیا مگر ایفاء نہ کیا اور تم خونریزی کرتے ہو۔ وَ تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ اور تمہیں اس سے منع کیا تھا کہ کسی کو اپنے گھر سے نہ نکالنا مگر تم ان کو ان کے گھروں سے باہر نکالتے ہو۔ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ ان کی پیٹھ بھرتے ہو ظلم اور زیادتی سے۔ کبھی کبھی کوئی نیک کام بھی کر لیتے ہو۔ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ۔ اگر کوئی قیدی آ

جائے تو اسے چھڑا دیتے ہو حالانکہ تمہیں اس سے منع کیا گیا تھا اَفَتُؤمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کتاب کے بعض حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ فَمَاجَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذَالِكَ مِنْكُمْ اِلَّاخِزْيٌ تم تو دنیا کی عزت بڑھانے کے واسطے ایسا کرتے ہو مگر پھر ایسوں کی جزاء یہ ہے کہ وہ ذلیل ہوں گے۔ آخرت کی ذلت تو ہو گی ہی۔

وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوں گے اور سخت ذلت اٹھائیں گے اور ان کو سخت سے سخت عذاب ملے گا اور آخرت میں بھی ان کو سخت عذاب میں دھکیلا جائے گا۔

وَمَااللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْلَمُوْنَ۔ اللہ تمہاری کرتوتوں سے غافل نہیں ہے۔

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ورلی زندگی کو آخرت میں پسند کرتے ہو۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ تم سے عذاب کی تخفیف نہ ہو گی اور تمہیں مدد الٰہی بھی نہیں ملے گی۔

غور کرلو۔ فکر کرلو۔ اپنی بہتری کے لئے سوچ لو۔

(الفضل جلد ا نمبر۲۶--۱۰/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۱۲/ دسمبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ وَ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنَاتِ وَ اَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَ فَکُلَّمَا جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ (البقرۃ:۸۸)۔

اور پھر فرمایا:۔

کیسا اللہ کا فضل اور اس کا رحم اور اس کی غریب نوازی ہے کہ ہمیشہ اپنا پاک کلام ہماری تہذیب کے لئے بھیجتا رہتا ہے۔ اگر کسی آدمی کے نام وائسرے یا حاکم یا کسی امیر کا خط آجائے تو وہ اس سے بڑا خوش ہوتا ہے اور اس کی تعمیل کو بہت ضروری سمجھتا ہے اور اس کی تعمیل کرتا ہے۔ مگر قرآن کریم جو رب العالمین اور تمام جہان کے مالک و خالق کا حکم نامہ ہے اس کی لوگ پرواہ نہیں کرتے اور ہمیشہ اس

کی مخالفت کرتے ہیں۔

کوئی موسیٰؑ پر ہی مدار نہ تھا۔ وَ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ اس کے بعد بھی رسول آتے رہے۔ سلیمانؑ، داوٗدؑ بھی اس کے بعد ہی آئے۔ عیسیٰ بن مریم کو بھی کھلے کھلے نشانات اور تعلیمیں جن پر کوئی اعتراض نہ آتا تھا دیئے۔ وہ اخلاقی تعلیم تھی، مان لیتے تو کیا حرج تھا۔

پھر جب تعلیم آئی بِمَا لَا تَهْوٰی اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ تم اسے پسند نہیں کرتے اور اسے اپنے مناسب حال بناتے ہو۔ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ایک کو تو تم نے جھٹلایا وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ اور ایک کو اب بھی قتل کرنا چاہتے ہو۔

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (البقرۃ:۸۹)۔ عربی زبان میں نامختون کو غُلْفٌ کہتے ہیں اور عرب لوگ نامختون کو اچھا نہ جانتے تھے مگر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے اس لفظ کو بھی اپنے لئے پسند کیا اور کہا کہ ہمارے دل نامختون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ (البقرۃ:۸۹) یہ تمہارے کفر کے سبب تم پر لعنت ہوئی۔

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرۃ:۹۰) جب ان کے پاس اللہ کی کتاب آئی جو اس کتاب کی اور پیشگوئیوں کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہیں۔ تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کی خبر دے رہے تھے۔ جیسا میں نے اپنے زمانہ میں دیکھا کہ لوگ مہدی کے لئے رو رو کر دعائیں کرتے تھے مگر وہ آیا بھی اور چلا بھی گیا مگر کسی کو خبر نہ ہوئی۔ اس کے مریدوں میں بھی طرح طرح کی بدمعاملگیاں اور فریب، دھوکہ بازی اور چالاکیاں ہیں۔ یہ کیا ایمان ہے؟ اصل بات یہ ہے فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (البقرۃ:۹۰)۔ آئے پر انکار ہی ہوتا ہے۔ پھر دل لعنتی ہو جاتے ہیں۔ ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ میں نے دیکھا ہے۔ دکاندار غلطیاں کرتے ہیں اور فریب کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے پیچ کیا اور اس کا نتیجہ عمدہ ہوگا اور ہمیں نفع ہوگا۔ مگر وہ ان کے لئے اچھا نہیں ہوتا اور وہ ان کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا۔

میرا جی چاہتا ہے کہ تم اب بھی توبہ کر لو مگر ایسی توبہ نہیں کہ اگر پھر کبھی ارغد عیش مل گیا تو پھر وہی خراب حالت کر لی اور کہا کہ پھر توبہ کر لیں گے۔ کسی نے خوب اس کے مناسب حال مصرع کہا ہے۔ ع

معصیت را خندہ می آید ز استغفار ما

ہماری استغفار ایسی ہے کہ گناہ بھی اس سے ہنستے ہیں۔ انگریزوں کی سالہا سال سے کمپنیاں چل رہی ہیں۔

وہ کیسے اتفاق سے کام کرتے ہیں۔ مگر تم میں سے دو آدمی بھی مل کر اتفاق سے دکان نہیں کر سکتے۔ اللہ کی مدد طلب کرنا اور استغفار بہت کرنا چاہئے۔ مگر استغفار کا مطلب تو یہ ہے کہ میں یہ کام پھر کبھی نہیں کروں گا۔

میں ابھی اور بولنا چاہتا تھا۔ مگر سرد ہوا سے کھانسی شروع ہو گئی ہے اور اب مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

(الفضل جلد ۱ نمبر ۲۷--۱۷/ دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

☆-☆-☆-☆

۱۹ر دسمبر ۱۹۱۳ء

خطبہ جمعہ

تشہد و تعوذ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی۔

وَ لَمَّا جَآءَ هُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَ هُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ (البقرۃ:۹۰)

اور پھر فرمایا:۔

انسان میں ایک مرض ہے جس میں یہ ہمیشہ اللہ کا باغی بن جاتا ہے اور اللہ کے رسول اور نبیوں اور اس کے اولوالعزموں اور ولیوں اور صدیقوں کو جھٹلاتا ہے۔ وہ مرض عادت' رسم و رواج اور دم نقد ضرورت یا کوئی خیالی ضرورت ہے۔ یہ چار چیزیں۔ میں نے دیکھا ہے چاہے کتنی نصیحتیں کرو جب وہ اپنی عادت کے خلاف کوئی بات دیکھے گا یا رسم کے خلاف یا ضرورت کے خلاف' تو اس سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کرے گا۔

میں نے کئی آدمیوں کو دیکھا ہے۔ ان کو کسی برائی یا بدعادت سے منع کیا جاوے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کتنی نیکیاں کرتے رہتے ہیں۔ یہ بدعادت ہوئی تو کیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ بدی ان کو بدی نہیں معلوم ہوتی۔

انبیاء اور خلفاء اور اولیاء اور ماموروں کی مخالفت کی یہی وجہ ہے۔ یہ قرآن کریم آیا اور اس نے ان کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہی پہلے لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے۔ مگر جب قرآن شریف آیا کَفَرُوْا بِهٖ انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ تو اللہ سے وہ بعید ہو گئے۔ ایک آدمی جب جھوٹ بولنے لگتا ہے تو پہلے تو مخاطب کو کہتا ہے کہ میری بات کو جھوٹا نہ سمجھنا۔ میں تمہیں سچ سچ بتاتا ہوں۔ میں تو جھوٹے کو لعنتی سمجھتا ہوں۔ مگر ہوتا دراصل وہ خود ہی جھوٹا ہے۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ (البقرۃ:۹۱) یہ بہت بری بات ہے۔ وہ اللہ کا انکار کرتے ہیں صرف بغاوت کی وجہ سے۔

داؤدؑ و سلیمانؑ کا انکار کیا اور ان کی مخالفت کی اس وجہ سے ان پر لعنت پڑی اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ ہسپانیہ میں اللہ کی مخالفت ہوئی۔ ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ صرف عمدہ عمدہ کتابیں لے جانے کی اجازت دی گئی۔ مگر ان کتابوں کے تینوں جہاز جو انہوں نے بھرے تھے بمع آدمیوں کے غرق کر دیئے گئے۔ بغداد میں احکام الٰہی کا مقابلہ کیا گیا تو ان کا نام و نشان اٹھا دیا۔ لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ (الانعام:۱۲۸) کے تفاول پر اس کا نام دارالسلام رکھا گیا تھا۔

یہودیوں نے مسیح کی مخالفت کی۔ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور ان پر غضب پر غضب نازل ہوا۔ ان کی کتاب میں لکھا تھا کہ اگر تم آخری نبی کو مان لوگے تو تم کو اجر ملے گا اور تم کو نجات دی جاوے گی۔ مگر انہوں نے نہ مانا اس لئے ان کو عذاب مہین ہو گا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (البقرۃ:۹۲) اور جب ان کو کہا جاوے کہ اس کتاب کو مانو جس کو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کو مانتے ہیں جو ہمارے اوپر اتاری گئی۔ حالانکہ وہ بھی ایک حق ہے۔

فرمایا اگر تم اس کو ماننے والے ہوتے تو تم نبیوں کا مقابلہ کیوں کرتے؟ وہ اگر کہیں کہ ہم ان کو نبی نہیں سمجھتے تو فرمایا کہ موسیٰؑ بھی تو توحید لائے تھے۔ تم نے ان کا کیوں انکار کیا اور ان کے پیچھے بچھڑا بنا لیا۔ اور اگر وہ کہیں کہ موسیٰؑ چلے گئے تھے، ہمیں غلطی لگ گئی تو فرمایا وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (البقرۃ:۹۴) کہ ہم نے تم سے پکا عہد لیا تھا جس کو تم نے توڑ دیا۔ اچھا اگر تم عاقبت کو اپنے لئے سمجھتے ہو تو لڑائی میں اس کا پتہ لگ سکتا ہے۔ آؤ لڑائی کر کے دیکھ لو۔

یہ لڑائی کو کبھی پسند نہیں کریں گے کیونکہ یہ اپنی کرتوتیں جانتے ہیں اور یہ بہت لمبی لمبی عمریں چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کو ہزار ہزار سال کی عمریں دی جاویں۔

کشمیر میں میں نے دیکھا ہے کہ دعا دیتے وقت "یک صد و بست سال زی" کہتے ہیں اور ایرانی "ہزار سال بزی"۔ اور پنجابیوں نے تو حد ہی کر دی۔ یہ کہتے ہیں "رب کرے توں لکھ سو ورہیاں جیوندا رہیں"۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عمریں کس کام کی ہیں۔ لمبی عمر ہو جانے سے انسان دوزخ سے نہیں بچ سکتا۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (البقرة:۹۷) اللہ تو تمہارے اعمال کا واقف ہے۔ ان رسموں، عادتوں اور ان دم نقد ضرورتوں اور خیالی ضرورتوں کو اللہ کے نام پر قربان کر دو۔ یہ کیا چیز ہیں؟ شہوت والا کیا کر سکتا ہے؟ ہم نے طب میں دیکھا ہے۔ طب والوں نے اس کے لئے اوسط پچیس منٹ رکھی ہے۔ صرف پچیس منٹ کی خاطر خدا کو ناراض کر دینا!

بد معاملگیاں ترک کر دو۔ وقت کو ضائع نہ کرو۔ اللہ تم پر رحم کرے۔

(الفضل جلد ا نمبر ۲۸-- ۲۴ر دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۱۵)

۲۶؍ دسمبر ۱۹۱۳ء
مسجد نور قادیان

خطبہ جمعہ

حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۲ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

قرآن کریم میری غذا ہے۔ اس واسطے میں نے سوچا کہ ہر جمعہ کو میں ایک رکوع قرآن مجید کا سنا دیا کروں اور اسی طرح پر ایک درس پورا ہو سکے۔ یہ رکوع جو میں نے آج پڑھا ہے اسی سلسلہ میں ہے۔ تم لوگ دور سے آئے ہو۔ دعوت تمہاری واجب تھی۔ اگر خدا نے تندرست رکھا اور بولنے کی طاقت بخشی تو کل اور پرسوں اس دعوت کا ارادہ ہے۔ فی الحال اسی سے نفع اٹھالو۔

خدا تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں کئی کام ہیں۔ ان میں سے ایک رسولوں اور نبیوں کو ملائکہ کے ذریعہ پیغام پہنچانا ہے۔ ان ملائکہ کے افسر کا نام جبریل ہے۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس بھی جبریل ہی اللہ کی کتاب لاتا رہا۔ اور رزق کے لئے جو ملائک مقرر ہیں ان کے آفیسر کا نام میکائیل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جبریل ہماری مخلوق ہے۔ وہ ہمارے حکم سے ہمارے پیغام پہنچاتا ہے۔ چنانچہ اے نبی! اس نے تجھ پر یہ قرآن اتارا ہے اور یہ قرآن ان عظیم الشان باتوں کی، جو اگلے پیغمبر کہہ گئے ہیں، تصدیق

کرتا ہے۔ ان باتوں کا اصل الاصول یہی ہے کہ اللہ کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق پر شفقت۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق تمام انبیاء سے اللہ نے عہد لیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے ظہور کی پیشگوئیاں کی ہیں۔ یہ پیشگوئیاں تصدیق طلب تھیں۔ رسول اللہ کے آنے سے ان کی تصدیق ہو گئی۔ پھر جو علوم الہیہ دنیا میں آئے تھے اور ان میں غلطیاں پڑ گئی تھیں، غلطی دور کرکے صحیح کو صحیح طور پر ہمیں پہنچا دیا۔ بلکہ کچھ اور نئی باتیں بھی ہیں اور وہ باتیں مدلل ہیں۔ غرض کھلی کھلی باتیں بتائیں۔ بدعہد ان باتوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ دیکھو! تم لوگوں نے بھی اپنے اللہ سے بہت سے عہد کئے ہیں۔ سب سے بڑا عہد تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ یعنی اے مولیٰ! ہم تیرے فرمانبردار رہیں گے۔ ایک عہد کا ذکر الحمد میں آتا ہے جسے پڑھ کر میرے جیسا آدمی تو غش کھا جائے۔ وہ اقرار یہ ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ جس وقت تم یہ کلمہ منہ سے نکالتے ہو، ذرا اپنے دن رات کے اعمال پر نظر ثانی کرو کہ آیا ہمارے دن رات کا چال و چلن اس کے مطابق ہے؟ میرے منہ سے جب یہ کلمہ نکلتا ہے تو مجھے شرمندہ کر دیتا ہے۔ غرض عملی طور پر بہت لوگوں نے ان باتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جب خدا کا رسول آیا تو انہوں نے بجائے متنبہ ہونے کے اللہ کی کتاب کو ایسا پھینکا کہ خبر نہیں۔

مسلمان اپنی حالت پر غور کریں۔ کتنے ہیں جو قرآن سنتے ہیں۔ پھر کتنے ہیں جو سن کر سمجھتے بھی ہیں۔ پھر کتنے ہیں جو سمجھ کر عمل بھی کرتے ہیں۔ اللہ کی کتاب چھوڑنے کی وجہ کیا ہے؟ غیر اللہ سے محبت کہ اس کی محبت میں سب کچھ بھول کر پھر خدا کی کتاب تک نہیں سنتے اور دوسری عداوت۔ عداوت میں لگے ہوئے انسان کو فرصت نہیں ہوتی کہ اللہ کی کتاب سوچے سمجھے۔ سمجھے تو جب کہ اسے توجہ ہو اور توجہ جب ہو کہ فارغ البال ہو۔ بے جا عداوت، بے جا محبت میں گرفتار انسان کتاب اللہ کب سمجھ سکتا ہے۔ وہ تو اور ہی دلربا باتوں کے نیچے پڑا ہوا ہے۔ ایک طالبعلم سے مدرسے کا کورس ہی ختم نہیں ہوتا۔ وہ قرآن کس وقت پڑھے۔ اسی طرح مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ (البقرة:۱۰۳) یہ ایک علم تھا جس کے ذریعے بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دی تھی۔

دوستوں کو چاہئے کہ جس چیز سے محبت رکھیں ایک حد تک رکھیں اور جس سے عداوت رکھیں ایک حد تک رکھیں۔ خدا کی کتاب کو بھول نہ جائیں۔

(الفضل جلد ا نمبر ۲۹---۳۱ / دسمبر ۱۹۱۳ء صفحہ ۲)

☆---☆---☆---☆

انڈیکس

مرتبہ: جناب سید مبشر احمد ایاز پروفیسر جامعہ احمدیہ

کلید مضامین

خطبات نور

فضل

فطرانہ نیز دیکھیں ''صدقۃ الفطر''

ق

قاری

قرآن مجید

قربانی

قصص

قمر

ک

کافر

کافور

کان

کتاب

وساوس

وعدہ

وقت

ولی

ہلال

یاجوج ماجوج

یہود

یہودی

تفسیر آیات قرآنیہ

سورتوں کی ترتیب سے

آل عمران

الزخرف

الدخان

الجاثیة

الاحقاف

محمدؐ

الفتح

الحجرات

الذّریٰت

النجم

القمر

الرحمٰن

الواقعه

المجادله

الحشر

الممتحنة

الجمعة

احادیث

اسماء

ف۔ق

ک۔گ

مقامات

مکہ مدینہ بے شک قبولیتِ دعا کے مقام ہیں ۵۵۸

ہ۔ی

کتابیات

BIBLOGRAPHY

تفاسیر القرآن

کتب احادیث

کتب حضرت مسیح موعودؑ

کتب علماء سلسلہ

کتب مذاہب عالم

کتب علوم مختلفہ

اخبارات

رسائل